فتاوی محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

جلد ۱۷

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

فسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون

فتاویٰ محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

فتاوی محمودیہ

فتاوی

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

کل صفحات ـــــــ ۵۳۳

تعداد ـــــــ گیارہ سو

ناشر

ادارہ الفاروق کراچی

فتاوی محمودیہ

Graphix & Composing: Irfan Anwar Mughal

سن طباعت باراول............۱۴۲۶ھ، مطابق ۲۰۰۵ء

سن طباعت باردوم............۱۴۲۹ھ، مطابق ۲۰۰۸ء

ملنے کا پتہ

ادارہ الفاروق کراچی

جامعہ فاروقیہ، پوسٹ بکس نمبر 11009 شاہ فیصل کالونی نمبر 4، کراچی، پوسٹ کوڈ نمبر 75230

فون: 4599167, 4571132، ای میل: info@farooqia.com

www.farooqia.com

مطبع......القادر پرنٹنگ پریس

اجمالی فہرست

بسم الله الرحمن الرحيم

”والفتویٰ اليوم على جواز الاستيجار لتعليم القرآن، وهو مذهب المتأخرين من مشايخ بلخ، استحسنوا ذلك“.

(تبيين الحقائق)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	بقية كتاب الإجارة	
	باب الاستيجار على الطاعات	
	الفصل الاول فى الاستيجار على التعليم وغيره	
	(تعلیم، اعتکاف اور فتویٰ پر اجرت لینے کا بیان)	

الفصل الثالث فی الاستیجار علی الإمامة و الأذان

(امامت اوراذان کی اجرت لینے کا بیان)

الفصل الرابع فی الاستیجار علی ختم التراویح

(ختمِ تراویح پر اجرت لینے کا بیان)

الفصل الخامس فی الاستیجار علی الوعظ

(وعظ وخطابت پر اجرت لینے کا بیان)

الفصل السادس فی الاستیجار علی خطبة النكاح

(نکاح پڑھانے پر اجرت لینے کا بیان)

الفصل السابع فی الاستیجار علی التعويذ

(تعویذ پر اجرت لینے کا بیان)

باب الاستیجار علی المعاصی

(ناجائز کاموں پر اجرت لینے کا بیان)

باب المتفرقات

کتاب الغصب

(غصب کا بیان)

کتاب الشفعة

(شفعہ کا بیان)

کتاب المزارعة

(مزارعت کا بیان)

کتاب الصید والذبائح

باب الصید

(شکار کرنے کا بیان)

باب الذبائح

الفصل الأول فی من یصح ذبحه ومن لایصح

(ذبح کرنے والے کا بیان)

الفصل الثانی فی سنن الذبح وآدابه ومکروهاته

(ذبح کی سنتیں، آداب اور مکروہات کا بیان)

الفصل الثالث فی مایصح ذبحُه ومالایصح

(ذبحِ صحیح اور غیر صحیح کا بیان)

الفصل الرابع فی مایصح أکله من اللحوم ومالایصح

(حلال اور حرام گوشت کا بیان)

كتاب الأضحية

باب من يجب عليه الأضحية ومن لايجب

(قربانی کے وجوب وعدم وجوب کا بیان)

بابٌ فی أفضل الضحایا وفیما یجوز منها ومالا یجوز

(قربانی کے لئے افضل اور جائز وناجائز جانور کا بیان)

فصلٌ فی سِنّ الأضحیة

(قربانی کے جانور کی عمر کا بیان)

باب مایکون عیباً فی الأضحیة ومالا

(قربانی میں عیب کا بیان)

باب الشركة فى الأضحية

(قربانی میں شرکت کا بیان)

بابٌ فی قسمة اللحم ومصرفه وبیعه

(قربانی کے گوشت کی تقسیم، مصرف اور بیع کا بیان)

بابٌ فی أیام الأضحیة و وقتها و قضائها

(قربانی کے دن، وقت اور قضاء کا بیان)

بابٌ فی مصرف جلد الأضحية

(قربانی کی کھال کے مصرف کا بیان)

بابٌ فی مستحبات الأضحیة و آدابها

(قربانی کے مستحبات اور آداب کا بیان)

فصلٌ فی نذر الأضحیة

(قربانی کی نذر ماننے کا بیان)

باب المتفرقات

کتاب العقیقۃ

(عقیقہ کا بیان)

☆......☆......☆

بقية كتاب الإجارة

باب الاستيجار على الطاعات

الفصل الأول فى الاستيجار على التعليم وغيره

(تعلیم، اعتکاف اور فتویٰ پر اجرت لینے کا بیان)

تعلیمِ قرآن پر اجرت

سوال[۸۱۷۲]: تعلیم قرآن پر اجرت (تنخواہ) لینا جب کہ حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ممانعت ہے(۱) اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ سے تحریم ثابت ہے(۲)، تو علمائے دین نے کیوں جائز قرار دیا؟ کیا جواز کے لئے کوئی حدیث بھی موجود ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دین کی اشاعت حسبِ استطاعت فرض ہے، اول اول جب بیت المال صحیح قائم تھا اور وہاں سے خدمتِ دین کرنے والوں کے لئے وظائف مقرر تھے تو یہ حضرات دل نہاد ہو کر اپنے اوقات کو خدمتِ دین میں مشغول رکھتے تھے، جو وظیفہ ملتا تھا اس سے حقوقِ واجبہ ادا کرتے تھے، کسی دوسرے ذریعۂ معاش کی ان کو فکر نہیں تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی بیت المال سے وظائف مقرر کئے تھے، جیسا کہ نصب

---

(۱) "عن عبادة بن الصامت رضى الله تعالىٰ عنه قال: قلت: يا رسول الله! رجلٌ أهدى إلىّ قوساً ممن كنت أعلّمه الكتاب والقراٰن وليست بمال، فأرمى فى سبيل الله، قال: "إن كنت تحب أن تطوق طوقاً من نارٍ فاقبلها". رواه أبو داؤد وابن ماجة". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۸، باب الإجارة، الفصل الثالث، قديمى)

(۲) "فقد اتفقت النقول عن أئمتنا الثلاثة: أبى حنيفة وأبى يوسف ومحمد -رحمهم الله تعالىٰ- أن الاستيجار على الطاعات باطلٌ". (شرح عقود رسم المفتى، طبقات الفقهاء، السابعة طبقة المقلدين، ومن ذلك مسئلة الاستيجار، ص: ۳۷، مير محمد كتب خانه كراچى)

الرایہ میں ہے(١)۔

پھر جب بیت المال کا حال خراب ہوگیا، مستحقین کو وہاں سے وظیفہ ملنا بند ہوگیا تو اس وقت کے مجتہد فقہاء نے استیجار علی تعلیم القرآن والفقه والإمامة والتأذین کی اجازت دے دی تا کہ اسلام کے شعائر محفوظ رہ سکیں اور دین ضائع نہ ہو، اس لئے کہ خدمتِ دین کرنے والے حضرات اگر حقوقِ واجبہ کی ادائیگی کے لئے کوئی ذریعۂ معاش اختیار کریں تو اپنے اوقات کو تعلیم و تدریس میں صَرف نہیں کر سکیں گے، جس سے اشاعت کی خدمت نہیں ہو سکے گی، اور دین ضائع ہو جائے گا، اگر کوئی اَور ذریعہ اختیار نہ کریں تو حقوقِ واجبہ کے ادا کرنے کی کوئی صورت نہیں، لہٰذا دونوں پہلوؤں کی رعایت کرتے ہوئے اس کی اجازت دی گئی۔

علامہ شامیؒ نے ردالمحتار(٢) اور شرح عقود رسم المفتی میں اس پر کلام کیا ہے(٣)، مگر اتنا لحاظ رہے کہ

---

(١) "و قد روی عن بن عمر الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه أنه كان يرزق المعلمين. ثم أسند عن إبراهيم بن سعد عن أبيه أن عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه كتب إلى بعض عمّاله أن: أعط الناس على تعليم القرآن. انتهى كلامه". (نصب الراية لأحاديث الهداية: ١٣٧/٤، (رقم الحديث: ٦٨٢١، ٦٨٢٢)، كتاب الإجارة، موسسة الريان للطباعة والنشر والتوزيع لبنان)

(٢) "ويفتي اليوم بصحتها لتعليم القرآن، والفقه، والإمامة، والأذان". (الدرالمختار). "قال في الهداية: وبعض مشايخنا رحمهم الله تعالیٰ استحسنوا الاستيجار على تعليم القرآن اليوم، لظهور التوانی فی الأمور الدينية، ففی الامتناع تضييع حفظ القرآن، وعليه الفتویٰ". (ردالمحتار: ٥٥/٦، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(٣) قال ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: "فقد اتفقت النقول عن أئمتنا الثلاثة أبی حنيفة وأبی يوسف ومحمد رحمهم الله تعالیٰ أن الاستيجار على الطاعات باطلٌ، لكن جاء مَن بعدهم من المجتهدين الذين هم أهل التخريج والترجيح، فأفتوا بصحته على تعليم القرآن للضرورة، فإنه كان للمعلمبن عطايا من بيت المان، وانقطعت، فلولم يصح الاستيجار وأخذ الأجرة، لضاع القرآن، وفيه ضياع الدين، لاحتياج المعلمين إلى الاكتساب. وأفتى من بعدهم أيضاً من أمثالهم بصحة الأذان والإمامة". (شرح عقود رسم المفتی، بعد الطبقات السابعة من طبقات الفهقاء، ظبقة المقلدين، ومن ذلک مسئلة الاستيجار، ص: ٣٧، مير محمد كتب خانه، كراچی)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ١١٧/٦، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت)

خدمتِ دین کوروپیہ کمانے کا ذریعہ نہ بنایا جائے، بلکہ اصل مقصد خدمتِ دین ہواور روپیہ لینا اس کے حق میں خادم ومعاون کے درجہ میں ہو(۱)۔﴿والله يعلم المفسد من المصلح﴾ الآية۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۲۶ھ۔

تعلیمِ قرآن پراجرت

سوال[۸۱۷۳]: قرآن پاک کی تعلیم میں بچوں سے جمعراتی لینااور تنخواہ بھی لینا کیسا ہےاور جو بچہ نہ دے اس کواٹھادینا جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مدرس کوحق ہے کہ وقتِ ملازمت یہ طے کرلے کہ میں اپنی تنخواہ لوں گااور ہر جمعرات کواتنے پیسے لوں گا، جس کا دل چاہے اپنے بچہ کواس سے پڑھوائے،لیکن اعلیٰ مقام یہ ہے کہ ایسا نہ کرے بلکہ سب کو پڑھائے، جمعراتی نہ دینے والے کونہ اٹھائے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ۔

---

(۱) "حيث صار القرآن مكسباً وحرفةً يُتّجر بها، و صار القارى منهم لا يقرأ إلا للأجرة، و هو الريا المحض الذى هو إرادة العمل لغير الله، فمن أين يحصل له الثواب الذى طلب المستأجر أن يهديه لميته. وقد قال الإمام قاضي خان: إن أخذ الأجر فى مقابلة الذكر يمنع استحقاق الثواب، ومثله فى فتح القدير". (شرح عقود رسم المفتى، ص: ۳۸، مير محمد كتب خانه كراچى)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب الإجارة: ۵۶/۶، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم فى حكم الاستيجار على التلاوة، سعيد)

(۲) "والفتوى اليوم على جواز الاستيجار لتعليم القرآن، وهو مذهب المتأخرين من مشايخ بلخ، استحسنوا ذلك". (تبيين الحقائق: ۱۱۷/۶، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى ردالمحتار: ۵۵/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۴۸/۴، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع فى فساد الإجارة، رشيديه)

(وكذا فى الهداية، كتاب الإجارة: ۳۰۱/۳، إمداديه ملتان)

(و كذا فى تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۱۳۷/۲، مطلب: الفتوى على جواز الإجارة على تعليم القرآن، مكتبه ميمنيه مصر)

اعتکاف پر معاوضہ

سوال[۸۱۷۴]: رقم حاصل کرنے کی غرض سے دوسرے محلّہ میں جا کر اعتکاف کرنا کیسا ہے؟ اس طرح اعتکاف کرنے سے اس محلہ والوں سے اعتکاف کی سنت ساقط ہوگی یا نہیں؟ اگر ساقط نہ ہو تو اس کا اعتکاف صحیح ہوا یا نہیں؟ اس کا ثواب اس کو ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعتکاف کو بزنس (تجارت) بنانا غلط اور ناجائز ہے، اعتکاف پر پیسے لینا اس کو فروخت کرنا ہے جو کہ ناجائز ہے، ایسے اعتکاف کا ثواب نہیں (۱)، نہ اس سے سنتِ اعتکاف اہلِ محلّہ سے ساقط ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/ ۹/ ۹۲ھ۔

---

(۱) "قال فی الهداية: الأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم، لا يجوز الاستيجار عليها عندنا، لقوله عليه السلام: "اقرأوا القرآن و لا تأكلوا به". فالاستيجار على الطاعات مطلقاً لا يصح عند أئمتنا الثلاثة .... اهـ". (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲/ ۱۳۷، مطلب فی حکم الاستيجار على التلاوة، كتاب الإجارة، مكتبه ميمنيه مصر)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "القرأة فی نفسها عبادة، و كل عبادة لا بد فيها من الإخلاص لله تعالىٰ بلا رياء حتى تكون عبادةً يرجىٰ بها الثواب، وقد عرّفوا الرياء بأن يُراد بالعبادة غير وجهه تعالىٰ .... وإذا كان لا ثواب له، لم تحصل المنفعة المقصودة للمستأجر؛ لأنه استأجره لأجل الثواب، فلا تصح الإجارة". (رسائل ابن عابدين: ۱/ ۱۶۷، شفاء العليل وبل الغليل فی حکم الوصية بالختمات والتهاليل، سهيل اكيڈمی لاهور)

"فی الأصل: لا يجوز الاستيجار على الطاعات كتعليم القرآن، و الفقه، والأذان، والتذكير، والتدريس، والحج، والعمرة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۴۴۸، الفصل الرابع فی فساد الإجارة، رشيديه)

(وكذا فی الدر المختار مع رد المحتار: ۶/ ۵۵، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحريرٌ مهمٌ فی حكم الاستيجار على التلاوة، سعيد)

(وكذا فی فتاوىٰ قاضی خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/ ۳۲۵، كتاب الإجارات، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

فتویٰ پر اجرت لینا

سوال[۸۱۷۵]: فتوی کرده اجرت گرفتن جائز است یا نہ؟

الجواب حامداًومصلیاً:

باجرت فتویٰ کردن دو صورت دارد: یکے بزبان جوابِ سوال دادن، وبر آن اجرت گرفتن بلا شروطِ اجاره و بلا پابندئ وقت روا نیست.

دوم: بتحریرِ جوابِ استفتاء دادن، وآن بلا شبہ روا ست، زیرا کہ آن اجرتِ نوشتن است، و بر مفتی نوشته جواب دادن از جانبِ شرع واجب نیست، پس بر آن اجرت گرفتن روا خواهد بود مثلِ دیگر کاروبارِ نوشتنی. مگر مقتضائے غایتِ تقوی آنست کہ اگر مقدرة بود، صرف برائے خدا این خدمت بانجام رساند، واجرت نگیرد. پس اجرت گرفتن رخصت است، کہ مرتکبش قابلِ ملامت نیست. واجرت نگرفتن عزیمت است کہ عاملش لائقِ تحسین، کذا فی رد المحتار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۴/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالیٰ: "ويستحق القاضي الأجر على كتب الوثائق قدر ما يجوز بغيره كالمفتي، فإنه يستحق أجر المثل على كتابة الفتوى؛ لأن الواجب عليه الجواب باللسان دون الكتابة بالبنان. ومع هذا الكفُّ أولى احترازاً عن القيل والقال وصيانةً لماء الوجه عن الابتذال".

(الدر المختار: ۹۲/۶، مسائل شیء، کتاب الاجارة، سعید)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۴۸/۴، كتاب القضاء، الفصل العاشر في الحظر والإباحة، امجد اکیڈمی لاهور)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۹/۵، كتاب الإجارات، في الاعمال التي لاتصح الإجارة بها وتصح، رشيديه)

(**سوال**) فتویٰ دے کر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

(**جواب**) اجرت کے ساتھ فتویٰ دینے کی دو صورتیں ہیں: اول زبانی سوال کا جواب دینا اور اس پر اجرت لینا بلا =

نمازِ فجر کے لئے لوگوں کو جگانے کی اجرت

سوال[۸۱۷۶]: میں نے ارادہ کیا کہ لوگوں کو روز تین بجے صبح کو جگادیا کروں تاکہ لوگ نماز کے لئے اٹھیں اور اپنے کاروبار میں لگ جائیں۔ میں یہ کام صرف اللہ کے واسطے کرتا ہوں، اگر لوگ میری امداد فطرہ سے کریں تو لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تیری پھیری دینے سے ہماری نیند خراب ہوجاتی ہے، تو کیا ان کے کہنے سے پھیری دینا چھوڑ دوں، یہ بات درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو لوگ یہ کہیں کہ ہمیں فلاں وقت جگادیا کرو، ان کو اس وقت جگادینا درست ہے، نماز کے لئے بھی جگادینا درست ہے، مگر کوئی ایسا طریقہ جگانے کا اختیار کرنا جس سے ناوقت لوگوں کی نیند خراب ہو، درست نہیں(۱)۔

اگر اس جگانے کو پیشہ بنایا ہے تو اس کی وجہ سے بطور معاوضہ فطرہ زکوۃ چرم قربانی لینا درست نہیں، اس

= شرطِ اجارہ اور بلا پابندی وقت جائز نہیں۔ دوم: استفتاء کا جواب لکھ کر دینا اور اس پر اجرت لینا یہ بلا شبہ درست ہے، اس لئے کہ وہ لکھنے کی اجرت ہے اور مفتی پر لکھ کر جواب دینا واجب نہیں، پس اس پر اجرت لینا درست ہے دوسرے لکھے جانے والے کاروبار کے مثل۔ مگر مقتضائے تقوی یہ ہے کہ اگر قدرت ہو تو صرف برائے خدا اس خدمت کو انجام دیوے اور اس پر اجرت نہ لیوے، پس اجرت لینا رخصت ہے اور نہ لینا عزیمت ہے، رخصت پر عمل کرنے والا قابل ملامت نہیں اور عزیمت پر عمل کرنے والا لائقِ تحسین ہے۔ کذا فی ردالمحتار۔

(۱) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: صعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المنبر، فنادی بصوت رفیع .... "لاتؤذوا المسلمین ولاتعیّروهم ولا تتبعوا عوراتهم". (جامع الترمذی، أبواب البر والصلة، باب ماجاء فی تعظیم المؤمن: ۲/۲۳، سعید)

"علی هذا لوقرء علی السطح والناس نیام، یأثم، اهـ: أی لأنه یکون سبباً لإعراضهم عن استماعه. أو لأنه یؤذیهم بإیقاظهم، تأمل". (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوة: ۱/۵۴۶، سعید)

کے علاوہ نفلی صدقہ خیرات دیں تو حسبِ ضرورت لینے میں مضائقہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۳/ ۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين، والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغٰرمين﴾ الخ (سورة التوبة: ٦٠)

"ولو نوى الزكوة بما يدفع المعلم إلى الخليفة ولم يستأجره، إن كان الخليفة بحال لو لم يدفعه يعلم الصبيان أيضاً، أجزأه، وإلا فلا". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الزكوة، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۹۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الزكوة: ۲/۲۰۹، ۲۱۰، قديمي)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۳۵٦، سعيد)

الفصل الثانی فی الاستیجار علی التلاوة وإهداء ثوابها للميت

(تلاوت اور ایصالِ ثواب پر اجرت لینے کا بیان)

تلاوتِ قرآن کریم پر اجرت

سوال[۸۱۷۷]: ہمارے قصبہ میں اور اس علاقہ میں پڑھے لکھے لوگوں میں بھی اَسّی فیصد ایسے لوگ ہیں جو قرآن مجید پڑھنا نہیں جانتے، مگر یہ عقیدہ سب کا ہے کہ گھر میں قرآن مجید کی تلاوت خود نہ کرسکیں تو اَور کسی کو بلا کر تلاوت کرائیں اور مل جل کر خیر و برکت کے لئے دعاء کریں تو باعثِ صلاح وفلاح ہوگا، اس لئے سال میں کم از کم ایک دن مدرسہ کے طالب علم، یا گاؤں کے میاں جی اور مولوی کی دعوت کرتے ہیں، یہ لوگ دن بھر دعوت کنندہ کے مکان میں قرآن خوانی کرتے ہیں جو میسر ہوسکتا ہے اور شام کو دعائے خیر کرکے روانہ ہوجاتے ہیں۔

بوقتِ رخصت بہت سے گھر والے یہ سوچ کر کہ یہ غریب ہیں اور دن بھر ہمارے کہنے پر ہمارے گھر میں صَرف کئے ہیں، ان کو کچھ رقم دے دیتے ہیں۔ قرآن خوانی سے قبل رقم کا کوئی ذکر نہیں ہوتا، نہ اس کی تعداد مقرر ہے اور کوئی بھی اس لین دین کو قرآن خوانی کا عوض تصور نہیں کرتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس طرح قرآن خوانی کرنا اور اس طرح رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟ یہاں اِس بات پر فضلائے دیوبند میں دو عالموں میں اختلاف ہوگیا۔ فیصلہ جو آپ کریں گے اس پر عمل کریں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن پاک کی تلاوت اخلاص کے ساتھ ہو تو بہت بڑی قربت اور عبادت ہے(۱)۔ جو شخص تلاوت

---

(۱) "عن أبن أبی بريدة عن أبيه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "يجئ القران يوم القيامة كالرجل الشاحب، فيقول: أنا الذی أسهرت ليلك وأظمأت نهارك". (سنن ابن ماجة، ص: ۲۶۷، أبواب الأدب، باب ثواب القرآن، قديمی)

میں مشغول رہنے کی وجہ سے دعاء بھی نہ کرسکتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو دعاء کرنے والوں سے زیادہ اجر دیتے ہیں (۱)۔ متقدمین فقہاء نے تعلیمِ قرآن کی اجرت کو منع لکھا ہے، اس لئے کہ ان کے زمانے میں بیت المال سے معلمین کو وظائف دیئے جاتے تھے، وہ یکسوئی کے ساتھ تعلیمی وتدریسی خدمات انجام دیا کرتے تھے (۲)۔

پھر جب بیت المال خراب ہوکر بادشاہ کی ملکیت قرار دیا گیا تو وظائف سب بند ہوگئے۔ فقہائے کرام نے دیکھا کہ اگر یہ معلمین تعلیم وتدریس میں لگتے ہیں تو نفقاتِ واجبہ کے پورا ہونے کی کوئی صورت نہیں، وہ خود اوران کی بیوی بچے کیسے گزارہ کریں گے۔ اگر نفقاتِ واجبہ کی تحصیل میں مشغول ہوتے ہیں تو تعلیم وتدریس کی خدمت انجام نہیں دے سکیں گے، مسلمان تعلیمِ قرآن سے محروم رہ جائیں گے، ان کا دین ضائع ہوجائے گا اس لئے مجبوراً اجازت دی کہ اجارہ کا معاملہ کرلیا جائے (۳)۔

---

(۱) "عن أبي سعيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يقول الرب تبارك وتعالىٰ: (من شغله القراٰن عن ذكري ومسئلتي، أعطيتُه أفضل ما أُعطِي السائلين) وفضل كلام الله على سائر الكلام كفضل الله على خلقه". (مشكوة المصابيح، ص: ۱۸۶، كتاب فضائل القرآن، قديمي)

(۲) "و قد روى عن عمر بن خطاب رضي الله تعالىٰ عنه أنه كان يرزق المعلمين. ثم أسند عن إبراهيم بن سعد عن أبيه أن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه كتب إلى بعض عمّاله أن: أعط الناس على تعليم القرآن". (نصب الراية، لأحاديث الهداية للزيلعي: ۴/۱۳۷، (رقم الحديث: ۶۸۲۱، ۶۸۲۲)، كتاب الإجارة، موسسة الريان للطباعة بيروت لبنان)

(۳) "اعلم أن عامة كتب المذهب من متون وشروح متفقةٌ على أن الاستيجار على الطاعات لايصح عندنا. واستثنى المتأخرون من مشايخ بلخ تعليم القرآن، فجوّزوا الاستيجار عليه، وعلّلوا ذلك بمامرّ، وبالضرورة وهي خوف ضياع القراٰن؛ لأنه حيث انقطعت العطايا من بيت المال وَعَدمَ الحرص على الدفع بطريق الحسبة، يشتغل المعلّمون بمعاشهم ولايعلّمون أحداً ويضيع القراٰن، فأفتى المتأخرون بالجواز لذلك". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۲/۱۳۷، كتاب الإجارة، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحريرٌ مهم في عدم جواز الاستيجار على التلاوة: ۶/۵۵، ۵۶، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الإجارة: ۳/۳۰۱، مكتبه شركت علميه ملتان)

ایک مصنف علامہ حدادی شارحِ قدوری گذرے ہیں، ان کو اشتباہ ہوگیا کہ بعد کے فقہاء نے تلاوتِ قرآن پراجارہ کی اجازت دی اور اس کو اجتہاد کیا ہے، انہوں نے قدوری کی شرح السراج الوهاج اور الجوهرة النيرة میں لکھ دیا ہے کہ مختار قول کے مطابق تلاوتِ قرآن پر اجارہ درست ہے(۱) اور اسی کو فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے(۲)۔

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ردالمحتار، جلد خامس(۳) اور تنقيح الفتاوىٰ الحامديه(٤) اور شرح عقود رسم المفتی میں اس کی خوب تردید کی اور لکھا ہے کہ ''حدادی کو غلط فہمی ہوئی''(۵)۔ بلکہ اس پر مستقل رسالہ ''شفاء العليل'' تصنیف کیا جس میں دلائلِ قویہ نقل کئے ہیں۔ نیز علامہ برکلی نے الطريقة المحمديه میں تردید وتغلیط کی ہے کہ لوگ اس کو اعظمِ قربات میں سے سمجھتے ہیں، حالانکہ

---

(۱) (الجوهرة النيرة على مختصر القدورى للإمام شيخ الإسلام أبى بكر بن على بن محمد الحدّادى، ص: ۳۲۷، ۳۲۸، كتاب الإجارة، إمداديه ملتان)

(۲) "واختلفوا في الاستيجار على قرأة القرآن على القبر مدةً معلومةً، قال بعضهم: لايجوز، وقال بعضهم: يجوز، وهو المختار، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع فى فساد الإجارة: ۴/۴۴۹، رشيديه)

(۳) "فظهرلك بهذا عدم صحة مافى الجوهرة من قوله: واختلفوا فى الاستيجار على قراء ة القرآن مدةً معلومةً، قال بعضهم لايجوز: وقال بعضهم: يجوز، وهو المختار. والصواب أن يقال: على تعليم القرآن، فإن الخلاف فيه كما علمت، لافي القراء ة المجردة، فإنه لاضرورة فيها، فإن كان مافى الجوهرة سبق قلم، فلا كلام، وإن كان عن عمد مخالفٌ لكلامهم قاطبةً فلا يقبل". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، سعيد)

(۴) "وأما قول صاحب الجوهرة: إن المختار جواز الاستيجار على تلاوة القرآن، فهو مخالف لكتب المذهب، كما علمت، والظاهر أنه سبق قلم؛ لأن الذى اختاره المتأخرون هو جواز الاستيجار على تعليم القرآن لا على تلاوته، فقد سبق قلمه من التعليم إلى التلاوة، وقد اغترّ بكلامه كثيرٌ من المتأخرين". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الإجارة: ۲/۱۳۹، مكتبه ميمنيه مصر)

(۵) (شرح عقود رسم المفتى، بعد الطبقة السابعة طبقات الفقهاء، طبقة المقلدين، ص: ۳۶، ۳۷، مير محمد كتب خانه كراچى)

یہ معاصی میں سے ہے(۱)۔

تلاوت حسبۃً للہ ہونی چاہیے، جو چیز مشہور ومعروف ہوجاتی ہے اس کے لئے زبان سے ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھا جاتا،المعروف کالمشروط(۲)۔ قرآن کے اس طرح پڑھنے والے بھی اپنے ذہن میں رکھتے ہیں کہ ہم کو ملے گا اور پڑھوانے والے بھی اپنے ذہن میں رکھتے ہیں کہ ہم کو دینا پڑے گا، چاہے وہ کھانا ہو، چاہے شربت ہو، مٹھائی، نقد، کپڑا وغیرہ کچھ ہو۔ جو لوگ اس کو سمجھتے ہیں کہ ہم نے ان کے ساتھ صلہ اوراحسان کیا ہے، اس کی بھی تردید علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۳/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) قال الإمام البركوی قدس سره: "الفصل الثالث فی أمور مبتدعة باطلة أكبّ الناس عليها على ظن أنها قرب مقصودة، وهذه كثيرة، فلنذكر أعظمها، منها: وقف الأوقاف سيما النقود لتلاوة القرآن العظيم. أو لأن يصلی نوافل، أو لأن يهلّل، أو لأن يسبّح .... ويعطی ثوابها لروح الواقف أو لروح مَن أراده. ومنها: باتخاذ الطعام والضيافة يوم موته، أو بعد، وبإعطاء دراهم معدودة لمن يتلو القرآن لروحه .... فكلّ هذه بدع منكرات، والوقف والوصية باطلان، والمأخوذ منهما حرام للآخذ، وهو عاص بالتلاوة والذكر لأجل الدنيا". (الطريقة المحمدية والسيرة الأحمدية، ص: ۱۵۸، الفصل الثالث فی الأمور المبتدعة، مطبع دامن گير، لاهور)

(۲) "المعروف كالمشروط". (ردالمحتار: ۳/۱۳۰، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب : مسئلة الدراهم، سعيد)
(وكذا فی الأشباه والنظائر، الفن الأول: ۱/۲۷۸، إدارة القرآن كراچی)
(وكذا فی شرح المجلة لسليم رستم باز، (رقم المادة: ۴۳)، المقالة الثانيه فی بيان القواعد الفقهيه: ۱/۳۷، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) "فمن جملة كلامه: قال تاج الشريعة فی شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، لا للميت ولا للقارى. وقال العينی فی شرح الهداية: ويمنع القارى للدنيا، والآخذ والمعطی آثمان......... وفيه أيضاً: وممن صرح بذلك أيضاً الإمام البركوی قدس سره فی آخر الطريقة المحمدية، فقال: الفصل الثالث فی أمور مبتدعة باطل أكبّ الناس عليها على ظن أنها قرب مقصودة .... قال: ومنها: الوصية من الميت باتخاذ الطعام والضيافة يوم موته أو بعده بإعطاء دراهم لمن يتلو القرآن لروحه أو يسبح أو يهلل له، وكلها بدع منكرات باطلة، والمأخود منها حرام للآخذ، وهو عاص بالتلاوة والذكر لأجل الدنيا". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶،۵۷، سعيد) =

قرأتِ قرآن پر اجرت کا حیلہ

سوال[۸۱۷۸]: ا......زید نے کسی کے واسطے ایک ختم قرآن پڑھ دیا اور اس شخص پر دعوی کرتا ہے کہ اس ختم قرآن کے عوض میں ہمیں گیارہ روپیہ دو۔ اس طرح پر لینا جائز ہے یا نہیں؟

ایضاً

سوال[۸۱۷۹]: ۲......اور مسئلہ اول میں زید حیلہ کرتا ہے کہ میں جو یہ لیتا ہوں قرآن پڑھنے کے عوض میں نہیں لیتا ہوں، بلکہ اپنا وقت چونکہ خرچ کیا اور ہمارے کام کا نقصان ہوا اس وجہ سے میں یہ روپیہ یا عوض لیتا ہوں یہ حیلہ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ا......یہ لینا بھی ناجائز اور دینا بھی ناجائز، لینے والا دینے والا ہر دو گنہگار ہوں گے:

"قال تاج الشريعة فى شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، لا للميت ولا للقارى. وقال العينى فى شرح الهداية: و يمنع القارى للدنيا والآخذ والمعطى آثمان، اه". ردالمحتار: ۳۹/۵(۱)۔

۲......جن مسائل میں فقہاء نے حیلہ کرنے کی اجازت دی ہے، یہ مسئلہ ان میں سے نہیں، نہ اس میں ضرورت ہے، جس کی بناء پر اجازت دی جائے، علامہ شامی اس پر بحث کر کے تحریر فرماتے ہیں:

= (وكذا فى السراج الوهاج لمحمد الزهرى الغمراوى، ص: ۲۹۱، كتاب الإجارة، فصل فى الاستيجار للقُرَب، دارالمعرفة، بيروت)

(۱) (رد المحتار، مطلب: تحريرٌ مهم فى عدم جواز الاستيجار على التلاوة: ۵۶/۶، ۵۷، سعيد)

(كذا فى نفع المفتى والسائل فى ضمن مجموعة رسائل اللكنوى، مايتعلق بقراءة القرات وسجدة التلاوة والمصاحف: ۱۷۶/۴، إدارة القرآن كراچى)

(وإعلاء السنن، باب الأجرة على تعليم القرآن: ۱۶۹/۱۶، ۱۷۰، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۵۳۳/۳، باب الإجارة الفاسدة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى النتف فى الفتاوى، ص: ۳۴۸، الإجارة الفاسدة، سعيد)

"أو مضى الدهر و لم يستأجر أحدٌ على ذلك لم يحصل به ضرر، بل الضرر صار فى الاستيجار عليه حيث صار القرآن مكسباً و حرفةً يُتّجر بها، وصار القارى منهم لا يقرأ شيئاً لوجه الله تعالىٰ خالصاً، بل لا يقرأ إلا للأجرة، و هو الرياء المحض الذى هو إرادة العمل لغير الله، فمن أين يحصل له الثواب الذى طلب المستأجر أن يهديه لميته. و قد قال قاضى خان: إن أخذ الأجر فى مقابلة الذكر يمنع استحقاق الثواب، اهـ". عقود رسم المفتى(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۳/۲/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/صفر/۶۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/صفر/۶۳ھ۔

اجرت پر قرآن خوانی

سوال[۸۱۸۰]: بعض ممالک میں دستور ہے کہ دفن میت کے بعد چار یوم یا اور کوئی ایام متعینہ تلک قبر پر رات دن تلاوتِ قرآن پاک اور دوسری ادعیہ خوانی کرتے ہیں اور خاص اہتمام کے ساتھ اس کے لئے اجرت پر پڑھنے والے مقرر کئے جاتے ہیں۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسا کرنا بحکمِ شرع شریف کیسا ہے؟ مع حوالہ وصفحہ تحریر کیجئے۔

---

(۱) (شرح عقود رسم المفتى، بعد الطبقة السابعة من طبقات المجتهدين، طبقة المقلدين، ومن ذلك مسئلة الاستيجار، ص: ۳۸، مير محمد كتب خانه كراچى)

"قال: فالحاصل أن ما شاع فى زماننا من قرأة الأجزاء بالأجرة لا يجوز؛ لأن فيه الأمر بالقرأة، وإعطاء الثواب للآمر، والقرأة لأجل المال، فإذا لم يكن للقارى ثوابٌ لعدم النية الصحيحة، فأين يصل الثواب إلى المستأجر، ولو لاالأجرة ما قرأ أحدٌ لأحد فى هذا الزمان، بل جعلوا القرآن العظيم مكسباً ووسيلةً إلى جمع الدنيا، إنا لله وإنا إليه راجعون". (ردالمحتار: ۵۶/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا فى تنقيح الفتاوىٰ الحامديه، كتاب الإجارة: ۱۳۸/۲، مطلب: الفتوى على جواز الإجارة على تعليم القرآن، مكتبه ميمنييه مصر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے، پڑھنے والا اور پڑھانے والا دونوں گنہگار ہیں، وہ اجرت حرام، اس کی واپسی ضروری ہے، کذا فی الدر المختار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۹/محرم/ ۵۹ھ، صحیح: عبد اللطیف، ۹/محرم/ ۵۹ھ۔

قاری کے لئے اجرت کی شرط اور مروجہ قرآن خوانی

سوال[۸۱۸۱]: ۱...... چند افراد پر مشتمل جس میں حفاظ، ناظرہ خوان، بالغ نابالغ سب ہی ہوتے ہیں، یہ جماعت مختلف اوقات میں دوسروں کے دروازوں پر قرآن خوانی کے لئے جاتی ہے، قرآن پاک کو ختم کرنے کے بعد اس جماعت کا منتخب آدمی صاحبِ خانہ سے دریافت کرتا ہے کہ یہ قرآن کس لئے پڑھوایا: ایصال ثواب کے لئے، برکت کے لئے، مقدمہ میں کامیابی کے لئے، بیماری وغیرہ سے نجات حاصل کرنے کے لئے؟ صاحب خانہ کی منشاء کے مطابق دعاء کی جاتی ہے، پھر اس کے بعد قارئین کو شیرینی یا نقد یا کم از کم ناشتہ اور پان ضرور کھلاتا ہے۔

اگر بعض لوگ ان کے اس فعل کی مذمت کرتے ہیں تو یہ لوگ جواب دیتے ہیں کہ ہماری نیت یہ نہیں ہوتی کہ صاحبِ خانہ قرآن کے ختم ہونے کے بعد ہم کو کچھ دے گا، جب صاحب خانہ خود ہی اپنی مرضی سے دیتا

---

(۱) "و لا لأجل الطاعات مثل الأذان، والحج، والإمامة". (الدرالمختار). "ولا يصح الاستيجار على القراءة، وإهدائها إلى الميت؛ لأنه لم ينقل عن أحد من الأئمة الإذن فى ذلک، وقد قال العلماء: إن القارى إذا قرأ لأجل المال فلا ثواب، فأىّ شئ يهديه إلى الميت؟ وإنما يصل إلى الميت العمل الصالح، والاستيجار على مجرد التلاوة لم يقل به أحدٌ من الأئمة". (ردالمحتار: ۶/۵۵-۵۷، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهمّ فى عدم جواز الاستيجار على التلاوة والتهليل، سعيد)

(وكذا فى تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۲/۱۳۸، مطلب فى حكم الاستيجار على التلاوة، مكتبه ميمنيه مصر)

و كذا فى مجمع الأنهر: ۳/۵۳۳، باب الإجارة الفاسدة، غفاريه كوئٹه)

ہے تو ہم بھی لے لیتے ہیں۔ تو یہ لوگ ختم قرآن کے بعد معقول شیرینی کا انتظام کرتے رہتے ہیں، اگر وہ اپنی مجبوری کی وجہ سے ان کی خاطر خواہ خدمت نہ کر سکے تو یہ اس پر لعن طعن کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہارے پاس انتظام نہیں تھا تو قرآن پاک ختم کرانے کی کیا ضرورت تھی۔

مذکورہ بالا طریقے سے قرآن خوانی کرنے کی شریعتِ مطہرہ اجازت دیتی ہے یا نہیں؟

۲......اس طرح سے قرآن پاک پڑھنے کا اور پڑھوانے کا اور جو صاحبِ خانہ قارئین کو قرأت کے نتیجہ میں دیتا ہے تو اس کا ثواب ہوگا یا نہیں؟

۳......جو رقم قارئین کو ملتی ہے اس کو مدرسہ یا مسجد میں صَرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

۴......اگر مذکورہ بالا طریقہ سے ختم قرآن صحیح نہیں تو پھر اس کا صحیح طریقہ کیا ہوگا، جس سے قرآن شریف کی عظمت وشان باقی رہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......قرآن شریف کی تلاوت عظیم الشان عبادت ہے، صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے کی جائے، اس پر جو کچھ ثواب ملے وہ جس کو دل چاہے پہونچایا جا سکتا ہے(۱) اس کی تلاوت سے کسی مالی منفعت کی نیت نہ ہونی چاہئے، ورنہ اس کا ثواب نہیں ملے گا، بلکہ مال کے لالچ میں پڑھنے سے عذاب ہوگا، کیونکہ اس کی ممانعت خود قرآن کریم میں ہے ﴿و لا تشتروا بآیاتی ثمناً قلیلاً﴾ الآیة(۲)۔

آج کل بعض جگہ قرآن خوانی کرا کے ثواب پہونچانے کا جو طریقہ رائج ہوگیا ہے کہ مکان پر بلا کر، یا مسجد میں جمع کر کے ثواب پہونچایا جاتا ہے اور پڑھنے والوں کو شیرینی نقد، چائے، کھانا، کپڑا، اپنے اپنے رواج

---

(۱) "فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة، صلاةً كان، أو صوماً أو حجاً أو صدقةً أو قرآءةً للقرآن، أو الأذكار، أو غير ذلك من أنواع البر، و يصل ذلك إلى الميت، و ينفعه"

(مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۱، ۶۲۲، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الحج عن الغير: ۲/۴۱۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (سورة البقرة: ۴۱)

کے مطابق دیا جاتا ہے اور پڑھنے والے اسی لالچ میں جاتے ہیں، اگر کچھ نہ دیا گیا تو ناخوش ہوتے ہیں اور اگر پہلے سے معلوم ہو جائے کہ کچھ نہیں ملے گا تو جانے سے عذر کر دیتے ہیں۔ اور بعض حافظ قاری ایک ایک دن میں کئی کئی جگہ جاتے ہیں، پھر آپس میں مقابلہ اور مفاخرہ کرتے ہیں کہ ہم نے اتنا کمایا، گویا کہ ایک پیشہ کمائی کا بنا رکھا ہے، اس کی ہرگز اجازت نہیں۔

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ردالمحتار (۱)، شرح عقود رسم المفتی (۲)، تنقیح الفتاوی الحامدیہ (۳) میں اس پر شدید رد لکھا ہے اور کتب فقہ کی عبارتیں نقل کی ہیں بلکہ اس مسئلہ پر مستقل ایک رسالہ تصنیف کیا ہے اس کا نام ہے ''شفاء العلیل'' اس پر اپنے زمانے کے چیدہ چیدہ اکابر کے دستخط بھی کرائے ہیں اس میں سیر حاصل بحث کی ہے (۴)۔

۲...... اس کا ثواب نہیں ہوگا:

”حيث صار القرآن مكسباً وحرفةً يُتّجر بها، و صار القارى منهم لا يقرأ إلا للأجرة، وهوالرياء المحض الذى هو إرادة العمل لغير الله تعالىٰ، فمن أين يحصل له الثواب الذى طلب المستأجر أن يهديه لميته؟ وقد قال الإمام قاضى خان: إن أخذ الأجر فى مقابلة الذكر يمنع استحقاق الثواب، ومثله فى فتح القدير، اهـ“. شرح عقود رسم المفتى (۵)۔

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحريرٌ مهم فى عدم جواز الاستيجار على التلاوة، اهـ: ۶/۵۵، ۵۶، سعيد)

(۲) (راجع، ص: ۳۴، رقم الحاشية: ۳-۵)

(۳) (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإجارة، مسائل الإجارة الفاسدة، مطلب فى حكم الإستيجار على التلاوة: ۲/۱۳۷، المطبعة الميمنية مصر)

(۴) (شفاء العليل و بل الغليل فى حكم الوصية بالختمات والتهاليل، من مجموعة رسائل ابن عابدين الشامیؒ، سهيل اكيڈمی بلاهور)

(۵) ”و قد أطبقت المتون والشروح والفتاوى على نقلهم بطلان الاستيجار على الطاعات، إلا فيما ذكر. وعللوا ذلك بالضرورة، و هى خوف ضياع الدين، و صرحوا بذلك التعليل، فكيف يصح أن يقال: إن مذهب المتأخرين صحة الاستيجار على التلاوة المجردة مع عدم الضرورة المذكورة، فإنه لو =

۳......اس رقم کا لینے والا اور دینے والا گناہ گار ہے، اس کو واپس کر دینا چاہئے:

"قال تاج الشريعة: فی شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، لا للميت ولا للقاری. وقال العينی فی شرح الهداية: و يمنع القاری للدنيا، والآخذ والمعطی آثمان". ردالمحتار(۱)۔

۴......نمبر: ا میں لکھ دیا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۹۲ھ۔

اجرت علی القرأۃ

سوال[۸۱۸۲]: ا......عالمگیری: ۵۲۶/۳ کی اس عبارت سے جو کتاب الإجارة میں ہے:

"واختلفوا فی الاستيجار علی قرأة القرآن علی القبر مدةً معلومةً:

قال بعضهم: لايجوز، و قال بعضهم: يجوز، و هوالمختار"(۲)۔

سے معلوم ہوتا ہے کہ اجرت علی الطاعات جائز ہے، حالانکہ فقہی تصریحات اس کے برخلاف ہیں۔ سو مذکورہ عبارت کو سامنے رکھ کر زیارتِ قبور کے وقت ایصالِ ثواب کر کے پیسہ لینا جائز ہوگا؟

= مضی الدهر، و لم يستأجر أحدٌ أحداً علی ذلک، لم يحصل به ضرر، بل الضرر صار فی الاستيجار عليه حيث صار القرآن مكسباً و حرفةً يُتّجربها، وصار القاری منهم لا يقرأ شيئاً لوجه الله تعالی خالصاً، بل لا يقرأ إلا للأجرة، و هو الريآء المحض الذی هو إرادة العمل لغير الله تعالیٰ، فمن أين يحصل له الثواب الذی طلب المسأجر أن يهديه لميته؟ وقد قال الإمام قاضی خان: إن أخذ الأجر فی مقابلة الذكر يمنع استحقاق الثواب، ومثله فی فتح القدير .... فصاروا يتوصلون إلی جمع الحطام الحرام بوسيلة الذكر والقرآن، اهـ". (شرح عقود رسم المفتی، بعد ذكر الطبقة السابعة من طبقات الفقهآء، ص:۳۸، مير محمد كتب خانه)

(۱) (ردالمحتار لابن عابدين الشامی، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحريرٌ مهم علی عدم جواز الاستيجار اهـ :۵۶/۶، سعيد كراچی)

(۲) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الفصل الرابع فی فساد الإجارة: ۴۴۹/۴، رشيديه)

شفائے مریض کے لئے آیاتِ قرآنیہ پر اجرت لینا

سوال[۸۱۸۳]: ۲......کسی بیماری کے لئے شفایابی کے لئے قرآن خوانی کرنا جائز ہے یا کہ نہیں، جب کہ پیسہ بھی لے؟ بعض حضرات علاج کہہ کر پیسہ لینا جائز بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ علاج کے درجہ میں ہے، ایصال ثواب کے لئے نہیں ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......اس مسئلہ میں صاحب السراج الوهاج اور الجوهرة النيرة سے سبقتِ قلم ہوا، اصل مسئلہ "الاستيجار على تعليم القرآن" کا تھا، جس میں فقہاء نے اختلاف فرمایا ہے: متقدمین نے منع کیا ہے، متاخرین مجتہدین نے اجازت دی ہے۔ غلطی اور سبقتِ قلم سے بجائے "تعليم القرآن" کے "قرأة القرآن" لکھا گیا ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ کی اور "الاستيجار على قرأة القرآن" کو باطل قرار دیا ہے اور یہ کہ اس میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہے۔

شرح عقود رسم المفتی میں اس کی بحث مفصل موجود ہے۔ اس مسئلہ پر مستقل ایک رسالہ بھی تصنیف ہوا ہے جس کا نام ہے: "شفاء العليل و بل الغليل فی بطلان الوصية بالختمات والتهاليل"۔

"فظهر لك بهذا عدم الصحة ما في الجوهرة من قوله: "واختلفوا في الاستيجار على قرأة القرآن مدةً معلومةً: قال بعضهم: لايجوز، وقال بعضهم: يجوز، وهو المختار، اهـ" والصواب أن يقال: "على تعليم القرآن" فإن الخلاف فيه كما علمت، لا في القرأة المجردة .... قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، لا للميت ولاللقارى. وقال العينى فى شرح الهداية: و يمنع القارى للدنيا، والآخذ والمعطى آثمان". ردالمحتار: ٤٧/٥(١)۔

---

(١) (ردالمحتار: ٥٦/٦، باب الاجارة الفاسدة، سعيد)

"والفتوى اليوم على جواز الاستيجار لتعليم القرآن، وهو مذهب المتأخرين من مشايخ بلخ استحسنوا ذلک". (تبيين الحقائق ١١٧/٦، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۴۸/۴، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه) .... =

۲...... اگر علاج مقصود ہے اور تجربہ سے ثابت ہے کہ اس طرح پڑھنے سے شفا ہوجاتی ہے تو اس پر اجرت لینا دوست ہے، بعض صحابہ نے شفاء کے لئے پڑھنے پر اجرت لی ہے اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو درست فرمایا ہے، بخاری شریف، کتاب الطب، باب الرقی بفاتحة الکتاب، ص: ۸۵٤، میں یہ حدیث شریف مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایصال ثواب کے لئے اجارہ

سوال[۸۱۸۴]: جس شخص کے یہاں میت ہوجاتی ہے، وہ تین چار مولویوں کو جمع کر کے متوفی کی قبر پر بیٹھا دیتا ہے کہ اتنے روز تم کو قبر پر شب و روز حاضر ہوکر قرآن شریف پڑھنا ہوگا، اس صلہ میں تم کو روٹی اور اتنی رقم دیجائے گی۔ شرعاً یہ کیسا ہے؟ مالا بد منه، ص: ١٣٤ پر ہے:

" در اجارہ گرفتن بخواندن قرآن برقبرِ میت معیّن ومختار آن

= (وكذا في شرح عقود رسم المفتي، بعد الطبقة السابعه من طبقات الفقهاء، ص: ٣٦، ٣٨، مير محمد كتب خانه كراچی)

(١) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه أن ناساً من أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أتوا على حيٍّ من أحياء العرب، فلم يقروهم، فبيناهم كذلك إذا لُدغ سيد أولئك، فقالوا: هل معكم دواء أوراقٍ؟ فقالوا: نعم! إنكم لم تقرونا، ولا نفعل حتى تجعلوا لنا جُعلاً، فجعلوا لهم قطيعاً من الشاء، فجعل يقرأ بأم القرآن، و يجمع بُزاقه، ويتفل، فبرأ، فأتوا بالشاء، فقالوا: لا نأخذه حتى نسئل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، فسألوه، فضحك، وقال: "ما أدراك أنها رقية، خذوها واضربوا لي بسهمٍ".

(صحيح البخاري، كتاب الطب، باب الرقى بفاتحة الكتاب: ٢/٨٥٤، قديمي)

"جوّزوا الرقية بالأجرة ولو بالقرآن، كما ذكره الطحاوي؛ لأنها ليست عبادةً محضةً، بل من التداوي". (ردالمحتار: ٦/٥٧، باب الإجارة الفاسدة ، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ٤/٤٥٠، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع، رشيديه)

است کہ جائز است"(۱) وکذا فی العالمگیریہ"(۲).

ایسا کرنے سے میت کو ثواب پہونچتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح تلاوتِ قرآن پاک سے ثواب نہیں ہوتا، نہ پڑھنے والوں کو نہ میت کو(۳)۔ رقم اور روٹی

---

(۱) لم أجد

(۲) "واختلفوا فی الاستیجار علی قرأة القرآن علی القبر مدةً معلومةً، قال بعضهم: لایجوز، وقال بعضهم: یجوز، وهو المختار. کذا فی السراج الوهاج". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الإجارة، الباب السادس فی مسائل الشیوع فی الإجارة والاستیجار علی الطاعات، الخ: ۴/۴۴۹، رشیدیه)

واضح رہے کہ عالمگیری کی اس عبارت کے تحت محشی علیہ الرحمۃ نے ردالمحتار کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ علماء کا اختلاف مسئلۃ الاستیجار علی التعلیم میں ہے نہ کہ استیجار علی القرأۃ میں چونکہ استیجار علی القرأۃ بالاتفاق باطل ہے:

"قوله: واختلفوا فی الاستیجار علی قرأة القرآن" ردّه فی ردالمحتار، وحقق وجزم بأنه مخالف لکلامهم فلا یقبل؛ لأن الخلاف فی الاستیجار علی التعلیم، وأما الاستیجار علی القرأة، فباطل بالإجماع، فراجعه". (المصدر السابق)

"فظهرلک بهذا عدم صحة مافی الجوهرة من قوله: واختلفوا فی الاستیجار علی قرأة القرآن مدةً معلومةً، قال بعضهم: لایجوز، وقال بعضهم: یجوز، وهو المختار. والصواب أن یقال: علی تعلیم القرآن، فإن الخلاف فیه -کما علمت- لا فی القرأة المجردة، فإنه لاضرورة فیها، فإن کان مافی الجوهرة سبق قلم فلا کلام، وإن کان عن عمد فهو مخالف لکلامهم قاطبةً، فلا یقبل". (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحریر مهم فی عدم جواز الاستیجار علی التلاوة والتحلیل الخ: ۶/۵۶، سعید)

(۳) قال العلامة ابن عابدین: القراءة فی نفسها عبادةٌ، وکل عبادة لابدّ فیها من الإخلاص لله تعالیٰ بلا ریاء، حتی تکون عبادةً یُرجیٰ بها الثواب. وقد عرّفوا الریاء بأن یراد بالعبادة غیر وجهه تعالیٰ .... قال صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إنما الأعمال بالنیات" .... وإذا کان لا ثواب له، لم تحصل المنفعة المقصودة للمستأجر؛ لأنه استأجره لأجل الثواب، فلاتصح الإجارة". (رسائل ابن عابدین: ۱/۱۶۷، رساله، شفاء العلیل وبل الغلیل، سهیل اکیڈمی لاهور)

معاوضۂ تلاوت میں لینے اور دینے کی وجہ سے، یعنی لینے اور دینے والوں کو گناہ ہوتا ہے جیسا کہ ردالمحتار، جلدہ کتاب الإجارہ، میں تصریح ہے: "والاٰخذ والمعطی آثمان"(۱)۔

فتاوی قاضی خان میں لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ صورت ناجائز ہے(۲)۔

"قال تاج الشریعة فی شرح الهدایة: إن القرآن بالأجرة لا یستحق الثواب، لا للمیت ولا للقاری. وقال العینی فی شرح الهدایة: ویُمنع القاری للدنیا والاٰخذ والمعطی آثمان. فالحاصل أن ما شاع فی زماننا من قرآة الأجزاء بالأجرة لا یجوز؛ لأن فیه الأمر بالقرأة وإعطاء الثواب للاٰمر والقرأة لأجل المال، فإذا لم یکن للقاری ثوابٌ لعدم النیة الصحیحة، فأین یصل الثواب للمستأجر، ولو لا الأجرة ما قرأ أحدٌ لأحد فی هذا الزمان، بل جعلوا القرآن مکسباً ووسیلةً إلی جمع الدنیا. إنا لله وإنا إلیه راجعون". شامی: ۵/۲۵۵، نعمانیه(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱۱/۸۹ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار: ۶/۵۵، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحریر مهم فی عدم جواز الاستیجار علی التلاوة، سعید)

(۲) "أو مضی الدهر ولم یستأجر أحد علی ذلک، لم یحصل به ضرر، بل الضرر صار فی الاستیجار علیه حیث صار القرآن مکسباً وحرفةً یتجربها، وصار القاری منهم لایقرأ شیئاً لوجه الله تعالیٰ خالصاً، بل لا یقرء للأجرة، وهو الریاء المحض الذی هو ارادة العمل لغیر الله، فمن أین یحصل له الثواب الذی طلب المستاجر أن یهدیه لمیته. وقد قال قاضی خان: إن أخذ الأجر فی مقابلة الذکر یمنع استحقاق الثواب". (عقود رسم المفتی، بعد الطبقه السابعة الخ، ومن ذلک مسئلة الاستیجار، ص: ۳۸، میر محمد کتب خانه)

(وکذا فی تنقیح الفتاوی الحامدیة: ۲/۱۳۸، مطلب فی حکم الاستیجار علی التلاوة، کتاب الإجارة، رشیدیه)

(۳) (ردالمحتار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب تحریر مهم فی عدم جواز الاستیجار علی التلاوة: ۶/۵۶، سعید)

میت کے لئے اجرت پر تسبیح وتہلیل

سوال[۸۱۸۵]: ۱...... جب میت مرجائے تو دفن کے بعد مولوی ملے، حفاظ وغیرہم کو جمع شدہ نقد رقم دیکر چار دن یا کم وبیش تک قبر کے گرداگرد تسبیح وتہلیل وغیرہ پڑھواتے ہیں اوراس ثواب کو میت کو بخشنا کیسا ہے، یعنی اس روپیہ کو ترکہ میت سے بغیر تقسیم ترکہ ادا کرنا چاہئے یا نہیں؟ قبر کے گرد خصوصیت سے جمع ہوکر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ ان اجرت پر پڑھنے والوں کو ثواب ملے گا یا نہیں اوران کو یہ رقم لینا کیسا ہے؟

۲...... حافظ ملا کو دوایک روپیہ دیکر اپنے گھر چالیس روز تک قرآن شریف پڑھوانا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱...... تسبیح وتہلیل پر اجرت لینا اور دینا ناجائز ہے، اس صورت میں ثواب نہیں ہوتا، بلکہ گناہ ہوتا ہے۔ اگر میت اس کی وصیت کرے تو یہ وصیت باطل ہے۔ اگر ورثہ میں بعض نابالغ ہیں تو بغیر تقسیم کئے ترکہ میں سے یہ اجرت دینا قطعاً ناجائز ہے، دینے والوں پر بقدر نابالغین ضمان لازم ہوگا(۱)۔ بعد تقسیم اگر بالغین اپنے حصہ میں سے دیں گے تو گناہ سے وہ بھی نہ بچیں گے۔

۲...... یہ بھی ناجائز ہے:

قال ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: "و به ظهر حال وصايا أهل زماننا، فإن الواحد منهم يكون في ذمته صلواتٌ كثيرةٌ وغيرها من الزكوة وأضاحٍ وأيمان، ويوصى لذلك بدراهم يسيرةٍ، و يجعل معظم وصيته لقرأة الختمات والتهاليل التى نص علمائنا على عدم صحة الوصية بها. وإن القرأة لشئ من الدنيا لا تجوز، وإن الآخذ والمعطى آثمان؛ لأن ذلك يشبه الاستيجار على القرأة، ونفس الاستيجار عليها لايجوز، فكذا ماأشبهه، كما صرح بذلك في عدة كتبٍ من مشاهير كتب المذهب. وإنما أفتى المتأخرون بجواز الاستيجار على تعليم القرآن لا على

---

(۱) "إلا بإجازة ورثته .... وهم كبار عقلاء، فلم يجز إجازة صغير ومجنون وإجازة المريض كابتلاء وصية، ولو أجاز البعض وردّ البعض، جاز على المجيز بقدر حصته". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوصية: ٦/٦٥٦، سعيد)

التلاوة، كما أوضحتُ ذلك في شفاء العليل، اهـ". شامي: ١/٦٧(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۵۸/۵/۳ھ۔

ایصالِ ثواب کرنے والوں کو کچھ ہدیہ دینا

سوال[۸۱۸۶]: کسی شخص نے ایصال ثواب کے لئے قرآن پڑھا، پھر اس پڑھنے والے کو اللہ کچھ پیسہ دیدیا بلا مانگے تو یہ پیسہ لینا جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر خالصاً لوجہ اللہ قرآن شریف پڑھا اور اس کا ثواب پہنچایا، پڑھنے والے کے ذہن میں اس کا خیال نہیں تھا کہ یہاں سے کچھ ملے گا، نہ پڑھانے والے کے ذہن میں یہ تصور تھا کہ اس پڑھنے والے کو کچھ دینا ہوگا، نہ اس کا رواج ہے کہ پڑھنے والے کو کچھ دیا جاتا ہو، بلکہ بعد میں کچھ احسان پڑھنے والے کے ساتھ کردیا، اگر یہ پیسہ نہ دیا جاتا تو پڑھنے والے کو کسی قسم کی گرانی نہ ہوتی تو یہ پیسہ لینا جائز ہے، ورنہ ناجائز ہے۔

کیونکہ بقاعدہ "المعروف كالمشروط" یہ استیجار کے حکم میں ہے اور استیجار علی تلاوۃ القرآن ناجائز ہے، ایسی صورت میں پیسہ لینے والے اور دینے والے کو گناہ ہوگا، پیسہ کی واپسی ضروری ہے:

"والمذهب عندنا أن كل طاعة يختص بهاالمسلم، فالاستيجار عليها باطل". مجمع الأنهر: ٢/٣٨٤(٢)۔ "ثم قرأة القرآن و إهداء ها له تطوعاً بغير أجرة يصل إليه، وأما لو أوصى

---

(١) (ردالمحتار: ٢/٧٣، مطلب في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل، كتاب الصلاة، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية: ٢/١٣٨، مطلب في حكم الاستيجار على التلاوة، كتاب الإجارة، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر: ٣/٥٣٣، باب الإجارة الفاسدة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في رسائل ابن عابدين: ١/١٦٧، رسالة شفاء العليل وبل الغليل، سهيل اكيڈمی لاهور)

(٢) (مجمع الأنهر: ٣/٥٣٣، باب الإجارة الفاسدة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الهداية: ٣/٣٠١، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه شركت علميه ملتان)

بأن يعطى شيء من ماله لمن يقرأ القرآن على قبره، فالوصية باطلة؛ لأنه في معنى الأجرة". كذا في اختيار". شرح فقه أكبر(۱)۔ والبسط في ردالمختار(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ۸/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۳/ شعبان/ ۵۷ھ۔

ایصالِ ثواب پر پیسے لینا

سوال[۸۱۸۷]: ۱......صلوٰۃ جنازہ پڑھ کر یا قبر کی زیارت کر کے یا میت پر قرآن شریف پڑھ کر پیسہ لینا کیسا ہے؟ شرعاً جائز ہے یا نہیں کیا جواز وعدم جواز کا ثبوت ہے؟

دعوت کے لئے پیسے کی شرط

سوال[۸۱۸۸]: ۲......بعض جگہ ایسا رواج ہے کہ مولویوں اور طلبہ کو دعوت کھلانے کے بعد پیسہ دیا جاتا ہے کیا پیسہ لینا، دعوت کھا کر شرعاً جائز ہے؟ نیز پیسہ نہ دینے پر دعوت قبول نہ کرنا ان لوگوں کے متعلق شریعت میں کسی قسم کی مذمت آئی ہے یا نہیں؟ بصورت عدم جواز آخذ کے لئے یہ پیسہ اپنے کام میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس قسم کا اور اگر ناجائز ہے تو کس درجہ کا اور دینے کا کیا حکم ہے، ثواب کا مستحق ہوگا یا نہیں؟ ہر مسئلہ مندرجہ بالا کو مع دلائل عقلیہ نقلیہ وحوالہ کتب کے تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......ناجائز ہے:"قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لايستحق الثواب

---

(۱) (شرح الفقه الأكبر للقاري، ص: ۱۹۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الاختيار لتعليل المختار، المسائل المنثورة، باب فيمن أوصى لجيرانه، كتاب الوصية: ۱۵۱/۲، الجزء الخامس، مكتبه حقانيه پشاور)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الإجارة: ۵۶/۶، ۵۷، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستيجار على التلاوة، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱۳۸/۲، مطلب في حكم الاستيجار على التلاوة، كتاب الإجارة، رشيديه)

لا للميت ولا للقارى. وقال العينى فى شرح الهداية: ويمنع القارى للدنيا، والآخذ والمعطى آثمان، فالحاصل أن ماشاع فى زماننا من قراءة الأجزاء بالاجرة لايجوز؛ لأن فيه الأمر بالقراءة، وإعطاء الثواب للآمر، والقرأة لأجل المال، فإذا لم يكن للقارى ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب إلى المستأجر؟ ولو لا الأجرة ماقرأ أحدٌ لأحد فى هذا الزمان، بل جعلوا القرآن مكسباً ووسيلةً إلى جمع الدنيا. إنا لله وإنا إليه راجعون". شامى: ۴۷/۵(۱)۔

۲......اگر ایصالِ ثواب جس طرح کھانا کھلا کر کرتے ہیں اسی طرح پیسے دے کر بھی کرتے ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، مستحق کو جس طرح کھانا کھانا درست ہے اسی طرح پیسے لینا بھی درست ہے۔ اور اگر وہ کھانا اس شرط پر کھاتا ہے کہ اگر پیسے بھی مجھے ہی دو تو میں کھانا کھاتا ہوں، ورنہ میں نہیں کھاتا تو اس میں کوئی جبر اور تلازم نہیں، دینے والے کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے کھانا کھلائے، جس کو چاہے پیسے دے۔ اور اس کو بھی اختیار ہے دل چاہے کھانا کھائے، نہ دل چاہے نہ کھائے (۲)۔ یہ سب تفصیل اس وقت ہے کہ وہ کھانا جائز طریقہ پر کھلائے، اگر ناجائز طریقہ پر کھلائے تو نہ کھلانا جائز ہے، نہ کھانا جائز ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۸/ ذی الحجہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۶/۶، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، باب صلوة الجنائز، نوع آخر: ۸۱/۴، رشيديه)

(۲) البتہ دعوت قبول کرنے کی حدیث میں ترغیب اور حکم ہے۔ لہٰذا پیسہ نہ ملنے کی صورت میں دعوت قبول نہ کرنا کراہت سے خالی نہیں ہوگا، حدیث شریف میں ہے:

"عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا دعى أحدكم إلى طعام، فليجب، فإن شاء طعم، وإن شاء ترك". (صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب الأمر بإجابة الداعى إلى دعوة: ۴۶۲/۱، قديمى)

(۳) "سئل أبو جعفر عمن اكتسب ماله من أمر السلطان والغرامات المحرمة، وغير ذلك: هل يحل لمن عرف ذلك أن يأكل من طعامه؟ قال: أحب إلىّ فى دينه أن لايأكل، ويسعه حكماً إن لم يكن غصباً أو رشوةً". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع: ۳۸۶/۶، سعيد)

الفصل الثالث في الاستيجار على الإمامة والأذان

(امامت اوراذان کی اجرت لینے کا بیان)

امام کے لئے مشاہرہ

سوال[۸۱۸۹]: ہمارے محلّہ کی مسجد میں عرصۂ دراز سے کوئی باضابطہ امام مقرر نہیں ہے جب کہ وقتی طور پر مناسب آدمی کی امامت میں فرض نمازیں ادا کی جاتی رہی ہیں۔اب مصلیانِ مسجد کے دوگروہ ہوگئے ہیں: ایک گروہ کا کہنا ہے کہ باضابطہ امام صاحب کا تقرر کیا جائے،ان کو کچھ ماہانہ مشاہرہ دینا چاہیئے۔دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ تنخواہ پانے والے امام کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے اور چونکہ باپ دادا کے زمانہ سے کوئی امام مقرر نہیں کیا گیا ہے،اس میں کوئی شرعی مصلحت ہوگی۔

ایک گروہ کی جانب سے جس امام کی نشاندہی کی جارہی ہے،ان کا ماضی نہایت قابلِ اعتراض ہے،وہ اپنے زمانہ کا مشہور شرابی، جواری، چور ہے،اس محلّہ میں کچھ دن ان کے پیچھے نمازیں بھی ادا کی گئیں۔ان حافظ صاحب کے مشاہرہ کے لئے کہا،ایک گروہ تیار نہیں ہوا۔حافظ نے کہا: اگر مشاہرہ مقرر نہیں کیا گیا تو سب ڈاڑھی منڈ وادونگا،شراب پینا شروع کردونگا، چنانچہ انہوں نے ڈاڑھی منڈ وادی،شراب بھی پی، بعد میں لوگوں کے سمجھانے پر وہ درست ہوگئے۔پھر ایک گروہ ان کو امام مقرر کرنا چاہتا ہے اور ایک مخالف ہے۔شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر بغیر تنخواہ دار امام مقرر کئے ہوئے پنجگانہ نماز باجماعت مسجد میں ہوتی ہے اور بلاتنخواہ ایسا آدمی نماز پڑھاتا ہے جو کہ امامت کے قابل ہو اگر چہ وہ ایک شخص نہ ہو، بلکہ متعدد آدمی ہوں کہ کبھی کسی نے نماز پڑھادی اور کبھی کسی نے اوراس میں کوئی دشواری نہ ہوتی ہو تو پھر تنخواہ دار امام مقرر کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ تعلیم وتدریس کے لئے مدرس مقرر کیا جائے تا کہ دینی تعلیم دے سکے۔

اگر نماز پنجگانہ باجماعت نہیں ہوتی اوروقت پر ایسا آدمی میسر نہیں آتا جو جماعت کر سکے، یا اس کے

پیچھے نماز پڑھنے میں خلفشار رہوتا ہے اور سب لوگ اس پر متفق نہیں اور کسی اَور آدمی پر متفق ہو سکتے ہیں جو کہ امامت کا اہل ہے اور بلا تنخواہ نہیں ملتا تو اب تنخواہ دار امام مقرر کر دیا جائے (۱)۔

جس شخص نے اس ضد میں ڈاڑھی منڈ وادی اور شراب پی لی کہ اس کا مشاہرہ مقرر نہیں کیا گیا تو وہ اس لائق نہیں کہ اس کو امام بنایا جائے، جب تک کہ اس کی سچی توبہ پر اطمینان نہ ہو جائے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲/۲/۸۴ھ۔

اجرت پر نمازِ عید کی امامت کرنا

سوال [۸۱۹۰]: بعض علاقہ میں دستور ہے کہ عید کے روز خصوصیت سے عید ہی کی نماز پڑھانے کے لئے ایک امام مقرر کیا جاتا ہے، بلکہ بعض ائمہ اپنی اجرت متعین کر لیتے ہیں کہ مثلاً بیس روپے دوگے تو عید کی نماز پڑھاؤں گا، اور بعض ائمہ اپنی اجرت تو مقرر نہیں کرتے مگر بعض مقتدی حسبِ وسعت امام کی خدمت میں کچھ

---

(۱)" قال فی الهداية: وبعض مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ استحسنوا الاستيجار على تعليم القرآن اليوم، لظهور التوانى فى الأمور الدينية، ففى الامتناع تضييع حفظ القرآن، وعليه الفتوى، اهـ.......... وزاد فى متن المجمع: الإمامةَ. ومثله فى متن الملتقى و درر البحار". (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۵، سعيد)

(وكذا فى مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۲/۳۸۴، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(۲)"ويكره إمامة عبد وأعرابى وفاسق وأعمىٰ". (الدرالمختار) "(قوله: وفاسق) وهو الخروج عن الاستقامة. ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزانى وآكل الربا ونحو ذلك .... بل مشى فى شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا فى مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة، ۱/۱۰۸، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(وكذا فى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فى بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۲، ۳۰۳، قديمى)

نذرانہ پیش کرتے ہیں، اگر مقتدی روپیہ نہیں دیتے ہیں تو امام ناراض ہوجاتے ہیں۔

اور یہ بھی دستور ہے کہ عید کے روز ہر شخص اپنے احباب وعزیزوں و بزرگوں کے ساتھ معانقہ مصافحہ کرتے ہیں۔ عید کے روز مصافحہ کرنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس طرح امامت پر اجرت لینا ناجائز ہے، عید کا مصافحہ اور معانقہ جیسا کہ بعض جگہ رائج ہے، بدعت اور ممنوع ہے:

"یکرہ إن استأجروا رجلاً یؤمّھم، اھ". ما ثبت بالسنة، ص: ۹۴(۱)۔

"ونقل فی تبیین المحارم عن المتقط: أنه تکرہ المصافحة بعد أداء الصلوة لکل حال؛ لأن الصحابة ما صافحوا بعد أداء الصلوة، ولأنها من سنن الروافض، اھ". ردالمحتار: ۳۳۶/۵(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۸/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۰/۸/۶۰ھ۔

---

(۱) قال العلامة ابن عابدینؒ: "قال فی الهداية: الأصل أن کل طاعة یختص بها المسلم، لا یجوز الاستیجار علیها عندنا، لقوله علیه السلام: "اقرؤا القرآن و لا تأکلوا به". فالاستیجار علی الطاعات مطلقاً لا یصح عند أئمتنا الثلاثة". (تنقیح الفتاویٰ الحامدیة: ۱۳۸/۲، کتاب الإجارة، مطلب فی حکم الاستیجار علی التلاوة، مکتبه میمنیه مصر)

"القرأة فی نفسها عبادة، وکل عبادة لا بد فیها من الإخلاص للہ تعالیٰ بلا ریاء، حتی تکون عبادةً یُرجیٰ بها الثواب. وقد عرّفوا الریاء بأن یراد بالعبادة غیر وجهه تعالیٰ .... وإذا کان لا ثواب له، لم تحصل المنفعة المقصودة للمستاجر؛ لأنه استأجره لأجل الثواب، فلا تصح الإجارة". (رسائل ابن عابدین، رساله: شفاء العلیل: ۱۶۷/۱، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۲) (ردالمحتار: ۳۸۱/۶، باب الاستبراء وغیره، کتاب الحظر والإباحة، سعید)

"قال النووی رحمه اللہ تعالیٰ: إعلم أن المصافحة سنة، ومستحبة عند کل لقاء، وما اعتاده الناس بعد صلوة الصبح والعصر لا أصل له فی الشرع علی هذا الوجه". (مرقاة المفاتیح شرح مشکوة =

امامت کی اجرت میں صرف کھانا دینا

سوال[۸۱۹۱]: زید ایک مسجد میں امامت کرتا ہے اور اس کو مسجد کی جانب سے صرف کھانا دیا جاتا ہے۔ تو یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اجرت میں صرف کھانا ہی دیا جاتا ہے تو یہ معاملہ فاسد ہے اور اگر اجرت میں کھانے کے علاوہ کوئی قلیل یا کثیر تنخواہ بھی ہو تو معاملہ درست ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:"وكل إجارة فيها رزق أو علف، فهو فاسد، اهـ"(۱)۔

اور شامی: ۵/۳۹، میں ہے:

"(قوله: وكشرط طعام عبد و علف دابة) في الظهيرية: استأجر عبداً أو دابةً على أن يكون علفها على المستأجر، ذكر في الكتاب: أنه لا يجوز، وقال الفقيه أبو الليث في الدابة: نأخذ بقول المتقدمين، أما في زماننا فالعبد يأكل من مال المستأجر عادةً، اهـ"(۲)۔

وقال الحموي: "أي فيصح اشتراطه، واعترضه بقوله: فرق بين الأكل من مال المستأجر بلا شرط، ومنه بشرط، اهـ. أقول: المعروف كالمشروط، وبه يشعر كلام الفقيه، كمالا يخفى على النبيه"(۳)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۸۸ھ۔

= المصابيح: ۴۵۸/۸، كتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة، رشيديه)

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۴۴۲/۴، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة ومالايجوز، الفصل الثاني فيما يفسد العقد فيه لمكان الشرط، رشيديه)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴۷/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(۳) "وكذا لو شرط علف الدابة على المستأجر، وإن لم يعلف حتى مات، لا يضمن؛ لأنه ليس عليه".

(الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۱۲۱/۵، مسائل الإجارة على شرط، كتاب الإجارة، رشيديه)

امام یامؤذن کوتنخواہ میں مسجد کی زمین دینا

سوال[۸۱۹۲]: مسجد کی زمین امام صاحب یامؤذن صاحب کوتنخواہ میں دینا کیسا ہے؟ مثلاً: پانچ بیگہ زمین امام یامؤذن کودیدیا اور کہہ دیا کہ آپ کومسجد کی خدمت کے معاوضہ میں پانچ بیگہ زمین دیا، آپ اپنی ضرورت کواس سے پوری کریں، خواہ اس زمین سے امام یامؤذن کوکافی ہو یانہیں؟ نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ ہندوستانی زمین عشری ہے یانہیں؟ ہمارے یہاں امارتِ شرعیہ والے ہندوستان کی زمین کوعشری کہتے ہیں جوکہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ اگر عشری نہیں ہے تو کوئی شخص سمجھ کر دیدے تو کیا اس کوبدعت کہیں گے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس معاملہ پر امام یامؤذن رضامند ہوجائے اور مسجد کونقصان نہ ہوتو یہ بھی درست ہے(۱)۔ جوزمین حکومتِ ہند کی ملک قرار پاگئی، پھراس کی طرف سے جس کوبھی دی گئی وہ عشری نہیں رہی، ان پر عشرکوواجب کہنا غلط ہے، البتہ بغیر وجوب کے ہی پیداوار میں سے بطورِ صدقہ حسبِ حیثیت دیدیا کریں تو موجبِ ثواب اور باعثِ خیروبرکت ہے۔

عشری زمین وہ ہے جس کوامام المسلمین نے بذریعۂ حرب فتح کرکے غازیوں میں تقسیم کردیا ہواور پھر اس پر برابر مِلکِ مسلم چلی آرہی ہو، غیرمسلم کااس پرکبھی مالکانہ قبضہ نہ ہوا ہو، کذا فی رد المحتار(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وكل ما صلح ثمناً: أى بدلاً فى البيع، صلح أجرةً؛ لأنها ثمن المنفعة". (الدرالمختار). "فدخل فيه الأعيان، فإنها تصلح بدلاً فى المقايضة، فتصلح أجرةً".
(ردالمحتار: ۴/۶، كتاب الإجارة، سعيد)
(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۱۲، كتاب الإجارة، الباب الأول، رشيديه)
(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم: ۱ ۲۶۰، (رقم المادة: ۴۶۳)، كتاب الإجارة، حنفيه كوئٹه)

(۲) "والحاصل أن التى فتحت عنوةً، إن أقر الكفار عليها، لا يوظّف عليهم إلا الخراج. وإن قسمت بين المسلمين، لا يوظف عليهم إلا العشر وإن سقت بماء النهر .... والحاصل أنه ماكان عليه يد الكفَرة، ثم حويناه قهراً، وما سواه عشرىّ". (ردالمحتار: ۴/۱۸۵، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، سعيد) =

اپنی عوض میں دوسرا امام دے کر چلہ میں جانے والے امام کی تنخواہ

سوال[۸۱۹۳]: زید تنخواہ مقررہ پر نماز پڑھاتا ہے اور وہ چالیس دن کے لئے تبلیغی جماعت میں چلا جاتا ہے اور کسی مقتدی سے کہہ جاتا ہے کہ تم میرے جانے کے بعد جماعت کی دیکھ بھال کرنا اور نماز باجماعت پڑھادیا کرنا، جواباً مقتدی کہتا ہے کہ اگر وقت پر آ گیا تو نماز پڑھادوں گا ورنہ نہیں۔ چالیس دن بعد امام صاحب واپس آتے ہیں اور تنخواہ طلب کرتے ہیں، مقتدی کہتے ہیں تو جواباً کہتے ہیں کہ میں اپنے عوض امام مقرر کر گیا تھا۔ عوض والے امام سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے فی سبیل اللہ نماز پڑھائی ہے، مجھ سے کوئی مطلب نہیں۔ تو ایسی صورت میں تنخواہ کا مستحق کون ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام نے جب اپنا عوض دے دیا خواہ اس سے روپے کا معاملہ کیا ہو یا نہ کیا ہو، تو امام تنخواہ کا حقدار ہے اس کو تنخواہ دی جائے، کذا فی البحر الرائق(۱)۔ اس کے پیچھے نماز درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۰/ ۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۰/ ۹۵ھ۔

جو امام پابندی نہ کرے اس کا معاوضہ

سوال[۸۱۹۴]: مسجد میں ایک امام نماز پڑھانے کے لئے رکھا گیا تھا اور اس سے جوا ناج کا وعدہ

= "أرض العرب وما أسلم أهله، أو فتح عنوةً، وقسم بين الغانمين عشرية. والسواد وما فتح عنوةً وأقرّ أهله عليه، أو فتح صلحاً خراجية". (البحر الرائق: ۱۷۶/۵، كتاب السير، باب العشر الخراج والجزية، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۳۷/۲، كتاب السير، الباب السابع في العشر والخراج، رشيديه)

(۱) "(والأجرة لاتملك بالعقد بل بالتعجيل أو بشرطه أو بالاستيفاء أو بالتمكن منه) يعني الأجرة لاتملك بنفس العقد، سواء كان عيناً أو ديناً، وإنما تملك بالتعجيل أو بشرطه أو باستيفاء المعقود عليه وهي المنفعة، أو بالتمكن من الاستيفاء بتسليم العين المستأجرة في المرة". (البحر الرائق، كتاب الإجارة: ۷/۸، رشيديه)

کیا تھا وہ اس شرط پر کہ اگر جمعہ کی نماز چھوڑ دی، یا بلاضرورت باہر گھومتے پھرے، تو اناج کے وعدہ کو کوئی پورا نہ کرے گا۔ اس کے بعد حافظ صاحب نے ساڑھے تین مہینے نماز پڑھائی، آوارہ اس دوران گھوما، ٹائم پر جماعت نہیں کرائی مقتدیوں نے کہا تو اس نے زبان درازی کی۔ اب ہم اس سوچ میں ہیں کہ اس اناج میں مسجد کے کام میں یا مدرسہ اسلامیہ میں دیدیا جائے، یا اس حافظ کو دیدیا جائے؟ آپ اس کا جواب جلد دیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جتنے روز تک نماز پڑھائی ہے اتنے روز کا اناج اس امام کو دیدیا جائے اور بس (۱)، باقی مسجد میں لگادیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۸۵ھ۔

امام کا استعفیٰ دینے کے بعد استحقاقِ تنخواہ کے لئے تجدیدِ معاملہ

سوال[۸۱۹۵]: ایک امام صاحب محرم کی ٦ یا ۷/ تاریخ کو جمعہ سے کچھ دیر پہلے یہ عہد نامہ لکھ کر اور مسجد میں رکھ کر اپنے گاؤں چلے گئے کہ میں اُس بستی میں رہنا نہیں چاہتا جہاں بت پرستی ہوتی ہو، لہٰذا میری تنخواہ کے جو کہ چار سو روپے سے کچھ زیادہ ہیں، وہ ادا کر دینا۔ یہ روپیہ اس لئے چڑھ گئے کہ بہت سے لوگ ان سے ناراض تھے، قریب پانچ مہینے تک ان کے لئے روپے ادا نہیں ہوئے اور اس بستی پر اپنی روزی سمجھتے ہوئے اپنے گھر بیٹھے رہے اور کہیں پیش امامت اختیار نہیں کی، لہٰذا اپنے ساتھیوں سے ضرور ملتے رہے اور تقاضا بھی جاری رکھا، غرض جوں توں کر کے سب پیسہ ادا کر دیا۔

پس پیسہ ادا ہوتے ہی پھر یہ اپنی امامت پر قائم مقام ہوئے اور کسی ایک سے بھی یہ عہد نہیں لیا: ''بستی

---

(۱) "فإن وقعت علی عمل معلوم، فلاتجب الأجرة إلا بإتمام العمل إذا كان العمل مما لا يصلح أوّله إلا بآخره، وإن كان يصلح أوّله دون آخره، فتجب الأجرة بمقدار ما عمل". (النتف فی الفتاویٰ، ص: ۳۳۸، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۲۹۲/۳، باب الأجر متى يستحق، كتاب الإجارة، مكتبه إمداديه ملتان)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۴۱۳/۴، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة من كتاب الإجارة، رشيديه)

بت پرستی چھوڑتی ہے تو میں رہتا ہوں ورنہ نہیں"۔ نہ کسی گاؤں والے نے یہ کہا کہ ہم آپ کو ضرور رکھیں گے چاہے ہمیں تعزیہ چھوڑنے پڑجائیں۔ اس عہد شکنی کو کرتے ہوئے ان کا یہاں پر نماز پڑھانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

اگر وہ اپنی ملازمت ختم کر کے چلے گئے تھے تو جب تک دوبارہ ملازمت کا معاملہ طے نہ ہو جائے وہ تنخواہ کے مستحق نہیں ہوں گے(۱)۔ جو نمازیں ان کے پیچھے پڑھی گئیں ہیں وہ ادا ہوگئیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۳ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین عفی عنہ، ۹۲/۲/۴ھ۔

امام کی تنخواہ اور کھانا حرام آمدنی سے

سوال[۸۱۹۶]: بکر ایک مسجد میں امامت کرتا ہے اور اس کی تنخواہ مقرر ہے، جو تنخواہ مسجد کے متولّی بکر کو دیتے ہیں وہ چندہ وغیرہ کر کے دی جاتی ہے اور اس چندہ میں سود خور سے، رشوت خور سے بھی چندہ لیا جاتا ہے۔ کیا ایسے لوگوں سے چندہ لے کر پھر امام کو تنخواہ دینا کیسا ہے؟ جب امامت کرنے میں تقویٰ کا زیادہ خیال رکھنا ضروری ہے پھر امام کو بھی تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس زمانے میں اکثر وبیشتر ایسا ہوتا ہے۔ اور اسی طرح مدرسہ کے مدرس کا بھی مسئلہ ہے وہ بھی تحریر فرمائیں۔ بعض جگہ اماموں کا مستقل کھانے کا نظم ہوتا ہے اور جن گھروں سے کھانا آتا ہے، ان میں سے بعض گھر والے سود لیتے ہیں اور بعض ملازمیں رشوت لیتے ہیں۔ تو کیا امام کو ایسا کھانا کھانا جائز ہے؟

امام اور مدرس محنت سے کام کرتے ہیں اور کھانا بند کر کے تنخواہ بڑھانے کی بات کرتے ہیں تو تنخواہ بہت

---

(۱) "يستحق الأجرة بأحد معان ثلاثة: إمّا بشرط التعجيل، أو بالتعجيل، أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وُجد أحد هذه الأشياء الثلاثة، فإنه يملكها". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة: ۴/۴۱۳، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۶/۱۰، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۶۷، ۴۶۸)، كتاب الإجارة: ۱/۲۶۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

ہی کم بڑھائی جاتی ہے جو کھانے کی بہ نسبت بہت ہی کم ہوتی ہے۔ اور تنخواہ بڑھائی جاتی ہے تو وہ بھی اسی آمدنی سے۔ ایسی صورت میں امام اور مدرس کیا کریں؟ ان دونوں صورتوں میں بہتر صورت کونسی ہے، آیا صرف پوری تنخواہی لی جائے، یا کھانے کو بھی جاری رکھا جائے؟ جو صورت بہتر ہو تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

متعین طور پر جو شخص رشوت یا سود کی آمدنی امام یا مدرس کو دے خواہ روپے کی صورت میں ہو، یا کھانے کی صورت میں، اس کا لینا حرام ہے۔ اگر کسی کی آمدنی حلال وحرام دونوں قسم کی ہو مگر حلال آمدنی زیادہ ہو، حرام کم ہو، ایسی مخلوط آمدنی سے امام یا مدرس کو کھانا یا نقد دے تو ایسا لینا درست ہے۔ اگر حرام زیادہ ہو اور حلال کم ہو تو لینا درست نہیں، ایسا آدمی اگر حلال سے دے، مثلاً: قرض لے کر، یا اس کو وراثت میں حلال چیز ملی ہو، اس میں سے دے تو لینا درست ہے(۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

امام کا دیر سے آنا اور تنخواہ لینا

سوال[۸۱۹۷]: زید ایک ادارے کا ملازم ہے اور ایک مسجد میں امامت کرتا ہے، امام صاحب کہتے ہیں کہ میں اوقات کی پابندی کا تنخواہ لیتا ہوں، نماز پڑھانے کی نہیں لیتا ہوں۔ اکثر اوقاتِ نماز میں دیر سے آتے ہیں۔ کیا امام صاحب کا اس طرح تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اہلِ مسجد کی طرف سے اگر امام صاحب کو اس کی گنجائش دی گئی ہے اور اس تاخیر سے ناخوش نہیں ہیں تو

---

(۱) "آكل الرباء وكاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه وغالبُ ماله حرامٌ، لايقبل ولايأكل، مالم يخبره أن ذلك المال أصله حلالٌ وَرَثه أو استقرضه. وإن كان غالب ماله حلالاً، لابأس بقبول هديته والأكل منها".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثانى عشر فى الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۳، رشيديه)

(وكذا فى البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الرابع فى الهدية والميراث: ۶/۳۶۰، رشيديه)

(وكذا فى ردالمحتار كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع: ۶/۳۸۶، سعيد)

امام صاحب کیلئے یہ تنخواہ درست ہے(۱)، ورنہ اس کا یہ طریقہ غلط ہے، اس کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

امام سے معاہدہ کہ ''غیر حاضری کی تنخواہ وضع نہ کی جائے'' درست ہے

سوال[۸۱۹۸]: امام صاحب کو ان کا معاوضہ مسجد فنڈ سے ادا کیا جاتا ہے، لیکن امام ہر ماہ تقریباً ایک چوتھائی اوقات میں تشریف نہیں لاتے، مقتدیوں کے اعتراض پر مہتمم صاحب نے لوگوں کو سمجھا بجھا کر طے کر لیا ہے کہ اگر امام ایک ماہ میں ۲۰/ وقت یا اس سے کم نہ آویں تو ان کی پوری تنخواہ میں سے- جو مسجد فنڈ سے ادا کی جاتی ہے- کچھ وضع نہ کیا جائے، اگر ۲۰/ وقت سے زائد غیر حاضری ہو تو وضع کیا جائے۔ کیا یہ معاہدہ جائز ہے؟

اکثر مقتدی اس طریقہ کو صحیح نہیں سمجھتے، کیونکہ اول تو یہ معاملہ مسجد فنڈ کا ہے، دوسرے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ مقتدیوں کی کتنی مقدار اس معاہدہ سے راضی ہے قلیل یا کثیر؟ پھر یہ کہ جب اہتمام ان کے بدستور مختلف طریقوں سے رکھنے پر مفید معلوم ہوتا ہے تو ۲۰/ وقت کی غیر حاضری کون شمار کرے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح معاملہ بھی درست ہے(۲)، مقتدی غنیمت سمجھ کر اس پر رضامند ہو جائیں (۳)، مہتمم

---

(۱) ''یشترط فی صحة الإجارة رضی العاقدین''. (شرح المجلة لسلیم رستم باز، (رقم المادة: ۴۴۸)، کتاب الإجارة، الفصل الثالث: ۱/۲۵۵، مکتبة حنفیه کوئٹه)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الإجارة، الباب الأول: ۴/۴۱۱، رشیدیه)

(۲) ''الأجیر الخاص یستحق الأجرة إذا کان فی مدة الإجارة حاضراً للعمل .... ولکن لیس له أن یمتنع عن العمل. وإذا امتنع، لایستحق الأجرة''. (شرح المجلة لبسلیم رستم باز، (رقم المادة: ۴۲۵)، کتاب الإجارة: ۱/۲۳۹، مکتبة حنفیة کوئٹه)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الإجارة: ۶/۷۰، سعید)

(۳) ''ویشترط فی صحة الإجارة رضی العاقدین ....ویشترط فی الإجارة أن تکون المنفعة معلومةً''. (شرح المجلة لسلیم رستم باز، (رقم المادة: ۴۴۸-۴۵۱)، کتاب الإجارة: ۱/۲۵۴، مکتبة حنفیه کوئٹه) .... =

صاحب سے درخواست کریں کہ ان کی غیر حاضری کا صحیح اندازہ کرنے کا انتظام کردیں، مدرسہ کے ملازمین کیلئے حاضری رجسٹر ہوتا ہے جس سے صحیح علم ہوجاتا ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۸/ ۱۳۹۵ھ۔

مسجد کی آمدنی سے امام کی غیر حاضری کی تنخواہ وضع کرنے کا قانون

سوال[۸۱۹۹]: مسجد کا ملازم جو اذان دینے کی وجہ سے مؤذن کہلاتا ہے، مسجد کی صفائی بھی کرتا ہے اور پانی کا انتظام بھی کرتا ہے، نیز دوسرے کام مسجد کے کرتا ہے، جن کی تنخواہ ماہوار پاتا ہے، اس کے پاس قابلِ کاشت تھوڑی سی زمین بھی ہے، غریب ہونے کے باعث وہ کچھ دیگر بیوپار بھی کرتا ہے۔اگر وہ مسجد کے کام سے غیر حاضر رہ کر مذکورہ بالا کاموں کے علاوہ اور دوسری محنت ضروری یا ذریعۂ معاش اختیار کرے تو ان غیر حاضر ایام یا اوقات کی تنخواہ مسجد کے سرمایہ سے لینے کا حق ہے کہ نہیں، یا مسجد کی مجلسِ منتظمہ کو ایسے غیر حاضر ایام کی تنخواہ دینے کا اختیار ہے کہ نہیں؟ جبکہ اول الذکر ذرائع معاش کفایت کرتے ہوں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

منتظمہ کمیٹی کو لازم ہے کہ اس کے لئے چھٹی کا ضابطہ تجویز کردے، مثلاً: ایک ماہ میں ایک روز، یا دو روز، یا سال بھر میں پندرہ روز، یا ایک ماہ (جیسا حالات کے مناسب ہو) تم رخصت لے سکتے ہو، اس کے علاوہ غیر حاضر رہے تو تنخواہ وضع ہوگی (۱)۔ مسجد کا روپیہ بے محل خرچ کرنے کا اختیار نہیں (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/ ۱۰/ ۹۲ھ۔

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ٤/ ٤١١، كتاب الإجارة، الباب الأول، رشيديه)

(١) "ولو كان يدرس بعض الأيام في هذه المدرسة وبعضها في الأخرى، لايستحق غلتهما بتمامها، وحكم المتعلم والمدرس في المسئلتين سواء. واستفيد من قوله: "لايستحق غلتهمابتمامها" أنه يستحق بقدر عمله، وهي كثيرة الوقوع في أصحاب الوظائف في زماننا". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ٥/ ٣٥٩، رشيديه)

(٢) "وإذا أراد أن يصرف شيئاً من ذلك إلى إمام المسجد أو إلى مؤذن المسجد، فليس له ذلك، إلا إن كان الواقف شرط ذلك في الوقف". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد الخ، الفصل الثاني في الوقف على المسجد، الخ: ٢/ ٤٦٣، رشيديه) .... =

مہینہ ہوتے ہی تنخواہ کا مطالبہ

سوال[۸۲۰۰]: امام صاحب جن کو ختم ماہ پرایک دوروز بعد نمازی تنخواہ دیدیتے ہیں، مگر پھر بھی امام صاحب کہتے ہیں کہ تم نے نماز ادھار پڑھی ہے، ماہ ختم ہوتے ہی تنخواہ ملنی چاہئے۔ کیا امام صاحب کا یہ قول درست ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نماز یاامامت کوئی دوکانداری اورتجارتی پیسہ یا کمائی کا پیشہ نہیں ہے، ضرورتِ شرعیہ کی بناپر تنخواہ کو مجبوراً جائزقرار دیا گیا ہے(۱)، زید کوایسا نہیں کہنا چاہئے، مقتدیوں کوبھی خیال رکھنا چاہئے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود۔

نمازِ جنازہ پڑھا کر خیرات لینا

سوال[۸۲۰۱]: مردے کی نماز پڑھ کر خیرات لینا جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اصل یہ ہے کہ عبادات پر اجرت لینا جائز نہیں، لیکن متأخرین نے بضرورت بعض عبادات کو مستثنیٰ کیا

= (وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، قيم المسجد: ۸۵۷/۵، إدارة القرآن كراچي)

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ولا لأجل الطاعات مثل الأذان والحج .... و يفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن، والفقه، والإمامة، والأذان". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدينؒ: "قال في الهداية: وبعض مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ استحسنوا الاستيجار على تعليم القرآن اليوم، لظهور التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن، وعليه الفتوىٰ". (ردالمحتار، كتاب الإجارة: ۵۵/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۱۷/۶، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الهداية: ۳۰۱/۳، باب الإجارة الفاسدة، شركت علميه ملتان)

(۲) "عن عبد الله بن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "أعطوا الأجير أجره قبل أن يجف عرقه". (سنن ابن ماجة، باب أجر الأجراء، ص: ۱۷۸، مير محمد كتب خانه كراچي)

ہے، ان میں امامتِ نمازِ پنج وقتہ بھی ہے:

"ویفتی الیوم بصحتها (أی الإجارة) علی تعلیم القرآن، والفقه، والإمامة، والأذان".

درمختار علی الشامی: ٥/٤٦ (١)۔

اور یہ خیرات بظاہر اجرت ہے اور امامتِ نمازِ جنازہ کو فقہاء نے مستثنیٰ نہیں کیا، لہٰذا محض اس امامت پر اجرت لینا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/محرم/۵۵ھ۔

بچہ کے کان میں اذان پر کچھ پیش کرنا

سوال [۸۲۰۲]: بچہ پیدا ہونے کے بعد اذان بچے کے کان میں پڑھوانے کو مسجد سے کسی امام یا مُلّا کو بلا کر اذان پڑھوانے کے بعد کچھ کھانا کھلایا، کچھ پیسے دیئے بچہ والے نے اپنی خوشی سے، تو کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی پابندی یا مطالبہ غلط ہے (۳)، مکان پر آنے والے کے احترام میں کچھ کھلا پلا دینے میں

---

(۱) (الدرالمختار: ٦/٥٥، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ٦/١١٧، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الهداية: ٣/٣٠١، باب الإجارة الفاسدة، شركت علميه ملتان)

(۲) "وقد اتفقت كلمتهم جميعاً على التصريح بأصل المذهب من عدم الجواز، ثم استثنوا بعده ما علمته، فهذا دليل قاطع و برهان ساطع على أن المفتى به ليس هو جواز الاستيجار على كل طاعة، بل على ماذكروه فقط مما فيه ضرورةٌ ظاهرةٌ تُبيح الخروج عن أصل المذهب من طرو المنع".

(ردالمحتار: ٦/٥٦، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(۳) قال العلامة ابن عابدين: "الأصل أن كل طاعة يختص بهاالمسلم، لا يجوز الاستيجار عليها عندنا، لقوله عليه السلام: "اقرء وا القرآن ولاتأكلوا به". فالاستيجار على الطاعات مطلقاً لايصح عند أئمتنا الثلاثة: أبي حنيفة وأبي يوسف و محمد رحمهم الله تعالىٰ". (تنقيح الفتاوى الحامدية: ٢/١٣٧، مطلب في حكم الاستيجار على التلاوة، كتاب الإجارة، مكتبه ميمنيه مصر) .... =

مضائقہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۷/۹۳ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (ردالمحتار: ۶/۵۵، باب الإجارة الفاسدة، ، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۳/۵۳۳، باب الإجارة الفاسدة، غفاریه کوئٹه)

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من كان يؤمن بالله واليوم الآخر، فليكرم ضيفه". (مشكوة المصابيح، كتاب الأطعمة، ص: ۳۶۸، باب الضيافة، الفصل الأول، قديمی)

الفصل الرابع فی الاستیجار علی ختم التراویح

(ختمِ تراویح پر اجرت لینے کا بیان)

تراویح میں ختمِ قرآن پر اجرت

سوال[۸۲۰۳]: قرأتِ قرآن پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ادلۂ اربعہ سے اس کی نفی کردیں اور اگر ہے تو ادلۂ اربعہ سے اس کا اثبات یا صرف قرآن وحدیث سے کریں۔ اور قرأتِ قرآن کی اجرت کے عدمِ جواز کی تقدیر پر اس مسئلہ کا کیا جواب ہے کہ ہمارے بنگال میں، یا بنگال کے اکثر حصوں میں یہ دستور ہے کہ ہندوستان سے حفاظ آکر رمضان میں ختم قرآن کر کے بیس، چالیس، اسّی روپے لے جایا کرتے ہیں، یہاں تک کہ کلکتہ کی جامع مسجد میں مصر سے حفاظ آکر رمضان المبارک میں ایک ختم کر کے سو ڈیڑھ سو روپے لیتے ہیں۔ کیا اس کے جواز کی کوئی صورت ہے؟

المستفتی: احسان علی کلکتوی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

قرأت قرآن شریف پر اجرت لینا حرام ہے، لقولہ تعالیٰ: ﴿و لاتشتروا بآیاتی ثمناً قلیلاً﴾ الآیہ(۱)۔

"عن بریدة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: "من قرأ القرآن یتأکل بہ الناس، جاء یوم القیامة ووجھہ عظمٌ لیس علیہ لحم". رواہ البیھقی"(۲)۔

"قال العینی فی شرح الھدایة: ویمنع القاری للدنیا، والاٰخذ والمعطی اٰثمان، اھـ"(۳)۔

---

(۱) (سورۃ البقرۃ: ۴۱)

(۲) (مشکوۃ المصابیح، ص: ۱۹۳، کتاب فضائل القرآن، الفصل الثالث، قدیمی)

(۳) (ردالمحتار: ۵/۵۵، ۵۶، باب الإجارة الفاسدة، سعید) ....

لہٰذا یہ طریقہ ناجائز ہے۔ جواز کی صورت یہ ہے کہ مستقل امامتِ فرائض کی ملازمت کی جائے کہ متاخرین کے نزدیک درست ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۱۰/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۸/۱۰/۶۱ھ۔

تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت

سوال [۸۲۰۴]: حفاظ قرآن پاک رمضان المبارک میں سنانے کے لئے دور دراز کا سفر کرتے ہیں، نیت یہ ہوتی ہے کہ کچھ پیسے مل جائیں گے۔ کیا یہ سنانا جائز ہے؟

محمد حفیظ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نیت فاسد ہے، اس نیت سے سنانا اور پیسے لینا اور مقتدیوں کا سننا اور پیسے دینا گناہ ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۱۳۸/۲، مطلب في حكم الاستيجار على التلاوة، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في رسائل ابن عابدين: ۱۶۷/۱، ۱۶۹، رسالة: شفاء العليل وبل الغليل في حكم الوصية بالختمات والتهاليل، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في البناية شرح الهداية: ۶۵۳/۳، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، إمداديه ملتان)

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ولا لأجل الطاعات مثل الأذان والحج .... ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن، والفقه، والإمامة، والأذان". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدينؒ: "قال في الهداية: وبعض مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ استحسنوا الاستيجار على تعليم القرآن اليوم، لظهور التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن، وعليه الفتوىٰ". (ردالمحتار، كتاب الإجارة: ۵۵/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۱۷/۶، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الهداية: ۳۰۱/۳، باب الإجارة الفاسدة، شركت علميه ملتان)

(۲) "قال في الهداية: الأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم، لا يجوز الاستيجار عليها عندنا، لقوله =

تراویح میں سنانے کی اجرت

سوال[۸۲۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں رمضان شریف بروئے مذہب حنفی تراویح میں اجرت پر قرآن سننا کیسا ہے، جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض تراویح میں قرآن شریف سنانے پر اجرت لینا اور دینا جائز نہیں (۱) دینے والے اور لینے والے دونوں گنہگار ہوں گے اور ثواب سے محروم رہیں گے۔ اگر بلا اجرت سنانے والا نہ ملے تو "الم ترکیف" سے تراویح پڑھیں (۲)۔

= علیه السلام: "اقرأوا القرآن و لا تأکلوا به". فالاستیجار علی الطاعات مطلقاً لا یصح عند أئمتنا الثلاثة .... ولاشک أن التلاوة المجردة عن التعلیم من أعظم الطاعات التی یطلب بها الثواب، فلا یصح الاستیجار علیها؛ لأن الاستیجار بیع المنافع، ولیس للتالی منفعةٌ سوی الثواب، ولا یصح بیع الثواب .... و قال العینی فی شرح الهدایة معزیاً للواقعات: ویمنع القاری للدنیا، والآخذ والمعطی آثمان". (تنقیح الفتاویٰ الحامدیة: ۱۳۸/۲، کتاب الإجارة، مطلب فی حکم الاستیجار علی التلاوة، مکتبه میمنیه مصر)

(وکذا فی ردالمحتار: ۵۶/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۵۳۳/۳، باب الإجارة الفاسدة، غفاریه کوئٹه)

(۱) (راجع، ص: ۶۷، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) **سوال:** "ایک نابالغ لڑکا حافظ ہو گیا ہے اور ایک مسجد میں تراویح پڑھا رہا ہے، سوال یہ ہے کہ نابالغ کے پیچھے تراویح ہو سکتی ہے یا نہیں؟

شرح وقایہ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ نابالغ عورت یا مرد کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں، اور آگے جا کر یہ تشریح کی ہے کہ نابالغ کے پیچھے نماز اس وجہ سے نہیں ہوتی کہ نماز ابھی اس پر فرض نہیں ہوئی ہے جو بجائے خود بالکل درست ہے کہ نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی نماز نہ ہوگی، لیکن اب سوال یہ ہے کہ تراویح جو نفل میں داخل ہے نابالغ کے پیچھے ہوں گی یا نہ ہوں گی، اس لئے کہ مؤلف مذکور نے امام نخعی کے حوالے سے نماز تراویح کو نابالغ کے پیچھے پڑھنا جائز بتایا ہے، لیکن بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ تراویح بھی نابالغ کے پیچھے نہیں ہوتی ہیں، اب صورت حال یہ ہے کہ اس نابالغ کے سوا دوسرا کوئی حافظ موجود نہیں، اگر اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی گئی تو یا مسجد سونی پڑی رہے گی یا کسی کو معاوضہ دے کر بلانا پڑے گا"۔ .... =

تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت

سوال[۸۲۰٦]: حافظِ قرآن کوتراویح میں قرآن سنا کرروپیہ لینے کے جواز کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟ مثلاً اگر حافظ طالب علم ہے اوراس کو پڑھنے کے واسطے روپیہ کما حقہ میسرنہیں آتا اوروہ چاہتا ہے کہ اس وسیلہ سے روپیہ مل جاوے اوراس سے زیادہ کتابوں کی خرید ہوسکے، کیونکہ بغیر کتبِ کثیرہ کے علم وسیع ہونا دشوار ہے اوردینے والا بھی بغیر مقرر کئے لوجہ اللہ دیں۔

اگرچہ دارالعلوم میں استفتاء کرنا کافی تھا، مگراحتیاط کی وجہ سے جناب والا کوبھی تکلیف دی ہے۔ فقط بینوا توجروا۔

احقر ظفراحمد از دیوبند۔

الجواب حامداًومصلیاً:

صورت مسئولہ میں روپیہ لینا اوردینا ناجائز ہے، لینے اوردینے والے دونوں گنہگار ہیں(۱) اس کے

= **جواب:** ''صحیح اورراجح یہی ہے کہ نابالغ کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، اگر بالغ حافظ نہ مل سکے یا ملے مگر وہ اجرت لے کر پڑھے تو سورت تراویح پڑھ لینی بہتر ہے۔

(کفایت المفتی: ۴۱۲/۳، کتاب الصلاۃ، بارہواں باب: نماز تراویح، دارالإشاعت کراچی)

(۱) لقولہ تعالیٰ: ﴿و لاتشتروا بآیاتی ثمناً قلیلاً﴾ (سورۃالبقرۃ : ۴۱)

"عن بریدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : "من قرأ القرآن یتأکل بہ الناس، جاء یوم القیامۃ ووجہہ عظمٌ لیس علیہ لحم". رواہ البیہقی". (مشکوۃ المصابیح، ص: ۱۹۳، کتاب فضائل القرآن، الفصل الثالث، قدیمی)

"قال العینی فی شرح الہدایۃ: ویمنع القاری للدنیا، والأخذ والمعطی آثمان، اھـ". (ردالمحتار: ۵۵/۵، ۵٦، باب الإجارۃ الفاسدۃ، سعید)

(وکذا فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ: ۱۳۸/۲، مطلب فی حکم الاستیجار علی التلاوۃ، مکتبہ میمنیہ مصر)

(وکذا فی رسائل ابن عابدین: ۱٦۷/۱، ۱٦۹، رسالۃ: شفاء العلیل وبل الغلیل فی حکم الوصیۃ بالختمات والتہالیل، سہیل اکیڈمی لاہور)

"قال فی الہدایۃ: الأصل أن کل طاعۃ یختص بہاالمسلم، لا یجوز الاستیجار علیہا عندنا، =

جواز کی کوئی صورت نہیں، اگرچہ پہلے سے کچھ متعین نہ کیا جائے، مگر فریقین کے ذہن میں نفسِ اجرت پہلے مرکوز ہوتی ہے اور عرفاً دی جاتی ہے: "المعروف کالمشروط" (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح عبد اللطیف غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۶/۷/۶۴ھ۔

امامت، تعلیم اور تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت

سوال [۸۲۰۷]: امامت اور قرآن شریف کے پڑھانے پر اجرت لیتے ہیں اور رمضان شریف میں قرآن شریف سنانے پر اجرت لیتے ہیں، اس میں کیا فرق ہے اور کونسی اجرت جائز ہے؟ اگر امامت کی اجرت متولی غریبوں سے دباؤ ڈال کر لیتا ہو تو یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل یہ ہے کہ عبادات پر اجرت لینا حرام ہے، مگر فقہائے متاخرین نے بذریعۂ اجتہاد بعض مصالحِ شرعیہ معلوم کر کے امامت اور تعلیمِ قرآن شریف پر اجارہ کی اجازت دے دی (۲)، اور یہ مصالحِ شرعیہ رمضان

= لقوله عليه السلام: "اقرأوا القرآن و لا تأكلوا به". فالاستيجار على الطاعات مطلقاً لا يصح عند أئمتنا الثلاثة .... ولاشك أن التلاوة المجردة عن التعليم من أعظم الطاعات التى يطلب بها الثواب، فلا يصح الاستيجار عليها؛ لأن الاستيجار بيع المنافع، وليس للتالى منفعةٌ سوى الثواب، ولا يصح بيع الثواب .... و قال العينى فى شرح الهداية معزياً للواقعات: ويمنع القارى للدنيا، والآخذ والمعطى آثمان". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۱۳۸/۲، كتاب الإجارة، مطلب فى حكم الاستيجار على التلاوة، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا فى ردالمحتار: ۵۶/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۵۳۳/۳، باب الإجارة الفاسدة، غفاريه كوئٹه)

(۱) (ردالمحتار: ۵۵/۶، باب الإجارةالفاسدة، سعيد)

(۲) قال العلامة الحصكفى رحمه الله تعالىٰ: "ولا لأجل الطاعات مثل الأذان والحج .... و يفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن، والفقه، والإمامة، والأذان". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله =

شریف میں قرآن سنانے میں موجود نہیں، لہذا اس کی اجرت ناجائز ہے۔ اور متقدمین کے زمانہ میں یہ مصالح امامت اور تعلیم قرآن شریف میں نہ تھیں اس لئے انہوں نے اس کی اجازت ہی نہیں دی تھی (۱)۔

جبراً کسی غریب سے دباؤ ڈال کر لینا ناجائز ہے (۲)، امام کا معاملہ جس سے طے ہوا ہے، امام اسی سے لے سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ ۸/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح عبداللطیف، ۱۱/ شعبان۔

تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت

سوال [۸۲۰۸]: ایک شخص حافظِ قرآن ہے، عرصہ سولہ سترہ سال سے ماہ رمضان المبارک کے موقعہ پر لوگوں کو مسجدوں میں سنایا کرتا ہے اور ختم قرآن کریم پر رسم کے طور پر ہر سال معقول رقم حاصل کرتا ہے جس کی بچت وہ جمع کر کے اسی پونجی میں شامل کرتا ہے۔ نیز یہ شخص عام رقوم پس انداز کو ڈاکخانہ سرکاری میں آج

= تعالیٰ: "قال في الهداية: وبعض مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ استحسنوا الاستيجار على تعليم القرآن اليوم، لظهور التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن، وعليه الفتوىٰ". (ردالمحتار، كتاب الإجارة: ۶/۵۵، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/۱۱۷، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۲/۱۳۷، كتاب الإجارة، مطلب: الفتوى على جواز الإجارة على تعليم القرآن، مكتبه ميمنيه مصر)

(۱) "وكونه مما أجيز الاستيجار عليه .... لأن ما أجازوه إنما أجازوه في محل الضرورة كالاستيجار في محل الضرورة، كالاستيجار لتعليم القرآن، أو الفقه أو الأذان أو الإمامة خشية التعطيل لقلّة رغبة الناس في الخير، ولاضرورة في استيجار شخص يقرأ على القبر أو غيره". (ردالمحتار: ۶/۶۹۱، كتاب الوصايا، باب الوصية للأقارب، سعيد)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، ص: ۲۵۵، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمي)

تک جمع کرتا ہے، جس پر اس کو ہر سال سود ملتا ہے جو اصل رقم میں شامل ہو جاتا ہے اور انہیں رقوم پیدا شدہ سے اس نے چند ایک زیورات خانہ داری اور ایک معمولی مکان رہائش بھی بنایا ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ سب چیزیں جائز ہیں بشرطیکہ ناجائز رقوم کی مقدار کا تاوان ادا کر دیا جائے (۱)۔ قرآن کریم کے سنانے پر کوئی رقم لینا بغیر طلب بھی ناجائز ہے "لأن المعروف كالمشروط" (۲)۔ البتہ اگر کسی جگہ یہ رواج ہو کہ سنانے والے کو کچھ نہ دیا جاتا ہو اور وہ محض ثواب کی نیت سے سناتا ہو اور اس کے ذہن میں بھی نہ ہو کہ یہاں سے کچھ ملے گا، یا صاف طور پر تصریح کر دی جائے کہ یہاں سے کچھ نہ دیا جائے گا اور پھر کوئی شخص ازخود کوئی خدمت کر دے تو اس کو قبول کرنے میں مضائقہ نہیں (۳)۔ اور چندہ کرنے اور جبراً وصول کر کے حافظ کو دینے کا

(۱) یعنی جتنی رقم سود کی اس میں ملائی ہے، اس کی بمقدار صدقہ کرے، اس لئے کہ سود کی رقم واجب الرد علی المالک، یا پھر واجب التصدق ہے:

"وعلى هذا قالوا: لو مات الرجل وكسبه من بيع الباذق، أو الظلم، أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة، ولا يأخذون منه شيئاً، وهو أولى بهم. ويردّونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدقُ إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار: ۳۸۵/۶، فصل فی البیع، کتاب الحظر والإباحة، سعید)

(۲) (ردالمحتار: ۵۵/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعید)

"عن بريدة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قرأ القرآن يتأكل به الناس، جاء يوم القيامة ووجهه عظمٌ ليس عليه لحمٌ". رواه البيهقي". (مشكوة المصابيح، ص: ۱۹۳، باب فضائل القرآن، الفصل الثالث، قديمي)

(وكذا في ردالمحتار: ۵۵/۶، ۵۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(۳) "وما في الخانية من أنه يجوز للإمام والمفتي قبول الهدية، وإجابة الدعوة الخاصة، ثم قال: إلا أن يراد بالإمام إمام الجامع .... والأولى في حقهم إن كانت الهدية لأجل ما يحمل منهم من الإفتاء والوعظ والتعليم عدمُ القبول، ليكون علمهم خالصاً لله تعالىٰ. وإن أهدي إليهم تحبباً وتودّداً لعلمهم وصلاحهم، فالأولى القبول .... وهذا إذا لم يكن بطريق الأجرة، بل مجرد هدية". (ردالمحتار: ۳۷۳/۵، كتاب القضاء، مطلب في حكم الهدية للمفتي، سعيد) ....=

جیسا رواج ہے یہ ہرگز درست نہیں (۱)، لینے دینے والے سب گنہگار ہوتے ہیں، ایسی رقم کی واپسی ضروری ہے، کذا فی الشامی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قرآن شریف سنانے کی اجرت اوراس کا حیلہ

سوال[۸۲۰۹]: حفاظ رمضان میں قرآن شریف سنانے کے لئے باہر سے بلائے جاتے ہیں اور ختمِ قرآن کے بعد ستائیسویں رمضان کو بلانے والے حضرات حافظِ قرآن کو کچھ رقوم نقد اور کپڑے وغیرہ دیتے ہیں جس کا لینا علمائے دیوبند حرام بتاتے ہیں۔ مگر اس حرمت سے بچنے کے لئے اگر حافظِ قرآن صرف تراویح کے لئے بلایا جاتا ہے، فرائضِ پنجگانہ پڑھا دیا کرے اور اسے نماز پنجگانہ کے پڑھانے کے حیلہ سے پہلے سے کوئی طے شدہ رقم دی جائے تو اس رقم کا لینا اس حیلہ سے جائز ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس میں گنجائش ہے، اس کی صورت یہ کی جائے کہ پنجگانہ نماز کے لئے امام کو مقرر کرلیا جائے اور رقم

= "الهدية هي المال الذي يعطى لواحد، أو يرسل إليه إكراماً له". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۲۶۲، كتاب الهبة، المقدمة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه". (السنن الكبرى للبيهقي: ۳۸۷/۴، (رقم الحديث: ۵۴۹۲)، باب شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت)

(ومشكوة المصابيح، كتاب البيوع، ص: ۲۵۵، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمي)

(۲) "الأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستيجار عليها عندنا، لقوله عليه الصلوة والسلام: "اقرء وا القرآن و لا تأكلوا به". و في آخر ما عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلى عمرو بن العاص رضي الله تعالىٰ عنه: "وإن اتُّخذت مؤذناً، فلا تأخذ على الأذان أجراً". ولأن القربة متى حصلت، وقعت على العامل، ولهذا تتعين أهليته، فلا يجوز له أخذ الأجرة من غيره، كمافي الصوم والصلاة .... وقال العيني: ويمنع القارى للدنيا، والأخذ والمعطى آثمان". (ردالمحتار: ۵۶/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

مقررہ طے کرلی جائے (فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے) پھر وہ تراویح بھی پڑھادے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ،　　صحیح: عبداللطیف، ۲۵/صفر/۵۸ھ۔

تراویح میں قرآن شریف سنانے پر کچھ لینا دینا

سوال [۸۲۱۰]: ۱..... حافظ کا قرآن پاک وغیرہ سنا کر روپیہ لینا کیسا ہے، حرام ہے یا حلال؟ بالتفصیل مع حوالہ بیان فرمائیں

۲..... اگر مسجد والے یا محلّہ والے لوگ یا کوئی خاص امیر آدمی حافظ کی خدمت کرے ختم قرآن پر ہو یا درمیان میں ہو، وہ کیسا ہے؟ ان کا خیال قرآن کی اجرت دینے کا نہیں اور نہ قطعی خیال حافظ کا ہو کہ میں اجرت قرآن لے رہا ہوں۔ وہ لینا درست ہے یا نہیں؟

۳..... اگر حافظ قرآن مجید سنانے کی اجرت مقرر کرے، درست ہے یا نہیں؟ ہر سہ سوال کا جواب علیحدہ علیحدہ دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... حرام ہے، لقولہ تعالیٰ: ﴿و لا تشتروا بآياتي ثمناً قليلاً﴾ (۲)۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن، والفقه، والإمامة والأذان". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "قال في الهداية: وبعض مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ استحسنوا الاستيجار على تعليم القرآن اليوم، لظهور التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن، وعليه الفتوىٰ". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۵، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۳/۳۰۱، باب الإجارة الفاسدة، شركت علميه ملتان)

(وكذا في تنقيح الحامدية، كتاب الإجارة: ۲/۱۳۷، مطلب: الفتوى على جواز الإجارة على تعليم القرآن، مكتبه ميمنيه مصر)

(۲) (سورة البقرة: ۴۱) .... =

۲......اگر حافظ کی اس موقع پر خدمت کرنے کا قطعاً رواج نہیں، نہ کوئی دیتا ہے نہ لیتا ہے، بلکہ محض ثواب کے لئے سنتے اور سناتے ہیں اور حافظ کو اس کا پختہ یقین ہوتا ہے کہ یہاں سے کچھ نہیں ملے گا، نیز اگر اس کو کچھ نہ دیا گیا تو اس کے دل میں اس کا خیال نہیں آئے گا اور آئندہ سنانے سے کسی طرح پہلوتہی نہیں کرے گا تو خدمت کرنا درست ہے، بلکہ باعثِ اجر وثواب ہے، مگر ایسا عام طور پر ہوتا نہیں۔

اگر اسی موقع پر کچھ دینے اور کچھ لینے کا رواج ہے کہ عام طور پر دیا جاتا ہے، بہت سے دیتے ہیں اور بہت سے نہیں دیتے تو ایسی صورت میں اگر چہ دینے لینے کا ذکر نہ آیا تب بھی دینا اور لینا ناجائز ہے، ہر دو گناہگار ہونگے، جو کچھ حافظ نے لیا ہے اس کی واپسی ضروری ہے:

”لأن المعروف كالمشروط، والقرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، والآخذ والمعطى آثمان، اهـ“. رد المحتار(۱)۔

۳......بالکل ناجائز ہے اور حرام ہے، للآية المذكورة فى الجواب الأول۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، سہارنپور۔

= ”الثالثة: واختلف العلماء فى حكم المصلى بأجرة، فروى أشهب عن مالك رحمه الله تعالىٰ أنه سئل عن الصلوة خلف من استؤجر فى رمضان يقوم للناس، فقال: أرجو ألا يكون به بأس، وهو أشد كراهةً له فى الفريضه. وقال الشافعى وأصحابه وأبو ثور رحمهم الله تعالىٰ: لابأس بذلك ولا بالصلوة خلفه. وقال الأوزاعى رحمه الله تعالىٰ: لاصلوة له، وكرهه أبوحنيفة وأصحابه رحمهم الله تعالىٰ على ماتقدم“. (تفسير قرطبى، (سورة البقرة: ۴۱): ۱/۲۳۶، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(۱) (ردالمحتار: ۶/۵۵، ۵۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا فى تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۲/۱۳۷، مطلب: الفتوى على جواز الإجارة على تعليم القرآن، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۳/۵۳۳، باب الإجارة الفاسدة، غفاريه كوئٹه)

ختم قرآن پر اجرت یا ہدیہ

سوال[۸۲۱۱]: موجودہ دور میں حفاظِ قرآن کریم جو ختم تراویح کے لئے اطرافِ عالَم میں جاتے ہیں اور ختم تراویح کرتے ہیں، بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ اجرت مقرر کر کے نمازِ تراویح پڑھاتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں کہ اجرت کا قطعاً ذکر نہیں کرتے، لیکن رمضان پورا ہونے کے بعد لوگ اپنے اختیار سے حافظ صاحب کو روپے دیدیتے ہیں، نیز کپڑا وغیرہ چیزیں دیتے ہیں۔ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں یا نہیں؟ اگر جائز ہو تو اس کی علت کیا ہے؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر بلا ذکرِ اجرت تراویح پڑھادے اور اس کے درمیان یا ختم کے بعد روپیہ وغیرہ دیں تو ناجائز ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تراویح میں قرآن پاک سنانے کی اجرت لینا جائز نہیں، اگر پہلے سے باقاعدہ اجرت طے نہ کی جائے، لیکن دستور کے موافق امام کے ذہن میں بھی ہے کہ مجھے ملے گا اور نمازیوں کے ذہن میں بھی ہے کہ امام کو دیا جائے گا تو "المعروف کالمشروط" کے تحت یہ صورت بھی طے کرنے کے حکم میں ہو کر ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۸/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۸/۹۵ھ۔

ختم تراویح پر روشنی اور امام کو ہدیہ

سوال[۸۲۱۲]: ختم تراویح میں مسجد میں روشنی، پیش امام کو جوڑا، نقد روپیہ اور حافظ تراویح میں سنانے والے قرآن پاک کے ان کو بھی جوڑا، نقد روپیہ اور شیرینی تقسیم ہوتی ہے۔ لہذا ان تمام امور کی اجازت کا ثبوت کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تراویح میں قرآن پاک ختم ہوتے وقت اکثر مساجد میں بہت سی غلط باتیں رائج ہوگئی ہیں جن کی کوئی

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت"۔)

اصل نہیں، بلکہ ان کی ممانعت موجود ہے، ان کو ترک کرنا لازم ہے، ان میں شرکت نہ کی جائے، مثلاً: ضرورت سے زائد روشنی کرتے ہیں، یہ اسراف بیجا ہے، قرآن پاک میں اسراف کی ممانعت آئی ہے (۱)۔ قرآن پاک سنانے والے کو جوڑا اور نقد دیا جاتا ہے، یہ بھی ناجائز ہے (۲)۔ جو شخص پنجگانہ کا امام ہے اور تمام سال اس نے امامت کا فریضہ ادا کیا ہے، اگر اس موقعہ پر اس کی مزید خدمت کردی جائے تو مضائقہ نہیں۔

شیرینی تقسیم کرنے کو لازم سمجھا جاتا ہے کہ بغیر شیرینی کے ختم ہی نہیں ہوگا، یہ غلط ہے، شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں، ایسی پابندی درست نہیں۔ شیرینی کے لئے چندہ کیا جاتا ہے اور اکثر دباؤ ڈال کر عار دلا کر وصول کیا جاتا ہے، یہ بالکل ہی ناجائز ہے، ایسے پیسہ کی شیرینی کسی کے لئے بھی روا نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۵ھ۔

امام تراویح کی خدمت کرنا

سوال [۸۲۱۳]: علمائے دین ومفتیان شرع متین کیا فرماتے ہیں مسائلِ مندرجہ ذیل میں کہ:

زید رمضان شریف میں تراویح کے اندر قرآن مجید سناتا ہے، اس میں اجرت وغیرہ کا کچھ تذکرہ نہیں

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿و لا تسرفوا إنه لا يحب المسرفين﴾ (سورة الأنعام: ۱۴۱)

(۲) "قال في الهداية: الأصل أن كل طاعةٍ يختص بها المسلم، لا يجوز الاستيجار عليها عندنا، لقوله عليه السلام: "اقرأوا القرآن و لا تأكلوا به". فالاستيجار على الطاعات مطلقاً لا يصح عند أئمتنا الثلاثة .... ولاشك أن التلاوة المجردة عن التعليم من أعظم الطاعات التي يطلب بها الثواب، فلا يصح الاستيجار عليها؛ لأن الاستيجار بيع المنافع، وليس للتالي منفعةٌ سوى الثواب، ولا يصح بيع الثواب .... و قال العيني في شرح الهداية معزياً للواقعات: ويمنع القارئ للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان".

(تنقيح الفتاویٰ الحامدية: ۱۳۷/۲، مطلب في حكم الاستيجار على التلاوة، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في ردالمحتار: ۵۶/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(۳) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه، عن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "ألا! لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه". (السنن الكبری للبيهقي: ۳۸۷/۴، (رقم الحديث: ۵۴۹۲)، باب شعب الإيمان، دارالكتب العلميه بيروت)

(ومشكوة المصابيح، كتاب البيوع، ص: ۲۵۵، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمي)

کرتا ہے، بعد ختم قرآن قاری کی خاطر داری اور خوشی کے لئے سامعین نے کچھ نقد وغیرہ اپنی خوشی سے زید کو عنایت کئے۔اب بعض علماء کا اس کو فقہاء رحمہم اللہ کے قاعدہ:"المعروف کالمشروط" کی بنا پر اجرت میں شمار کرکے ناجائز قرار دیتے ہیں آیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

اور اگر صحیح ہے تو اگر کوئی حافظ کسی مسجد میں امام ہے، صرف رمضان شریف کے لئے پانچوں وقت نماز پڑھاتے ہیں اور تراویح میں قرآن بھی سناتے ہیں اور اس امامت پر اجرت مقرر کرتے ہیں، اجرتِ معروف سے زائد بوجہ ختم قرآن کے۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا حیلہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض تراویح میں قرآن شریف سنا کر اجرت لینا ناجائز ہے، خواہ پہلے سے اجرت مقرر کی ہو یا بلا مقرر کئے ہوئے اجرت دی ہو (۱)۔ ہاں! اگر پنجگانہ نماز کی امامت کرتا ہے اور اس کے لئے اجرت مقرر ہے اور رمضان شریف میں اس میں کچھ اضافہ کردیا جائے تو اصل اجرتِ امامت میں تو بفتوائے متاخرین کوئی اشکال نہیں (۲) اور اس اضافہ میں بھی بظاہر گنجائش معلوم ہوتی ہے، کیونکہ یہ اضافہ اسی شی کے تابع ہے جو جائز ہے اور کلام فقہاء پر بہت سی ایسی نظیریں موجود ہیں کہ ایک شی بالاصالۃ جائز نہیں ہوتی، بالتبع جائز ہوتی ہے:

---

(۱) "قال التاج الشريعة فی شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، لا للميت، ولا للقاری. وقال العينی فی شرح الهداية: و يمنع القاری للدنيا، والآخذ والمعطی اثمان، اهـ". (ردالمحتار: ٥٦/٦، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا فی تنقيح الحامدية: ١٣٧/٢، مطلب فی حكم الاستيجار على التلاوة، مكتبه ميمنيه مصر)

(۲) قال العلامة الحصكفی رحمه الله تعالىٰ: "ولا لأجل الطاعات مثل الأذان والحج .... و يفتی اليوم بصحتها لتعليم القرآن، والفقه، والإمامة، والأذان". (الدرالمختار). قال ابن عابدينؒ: "قال فی الهداية: وبعض مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ استحسنوا الاستيجار على تعليم القرآن اليوم، لظهور التوانی فی الأمور الدينية، ففی الامتناع تضييع حفظ القرآن، وعليه الفتوىٰ". (ردالمحتار، كتاب الإجارة: ٥٥/٦، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ١١٧/٦، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا فی الهداية: ٣٠١/٣، باب الإجارة الفاسدة، شركت علميه ملتان)

"وكم من شئ يثبت تبعاً لغيره وإن كان لا يثبت قصداً، ألا ترى أن الأضحية بالحمل لا تجوز، و يجوز تبعاً لأمه، وكذا بيع الجنين لايجوز، ويجوز تبعاً لأمه"(۱)۔

لیکن بالتصریح صورتِ مسئولہ کا حکم کہیں نظر سے نہیں گزرا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

تراویح پر اجرت

سوال[۸۲۱۴]: تراویح میں حافظ کے لئے گاؤں وغیرہ میں جو چندہ ہوتا ہے اس میں چندہ دینا اور اس حافظ کو لینا جائز ہے یا نہیں اور اس حافظ کے پیچھے تراویح پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ چندہ دینا اور لینا منع ہے، ایسے حافظ کے پیچھے تراویح نہیں پڑھنا چاہئے جو بغیر پیسے لئے تراویح نہ پڑھائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "قد يثبت من الحكم تبعاً ما لا يثبت مقصوداً، كالشِّرب في البيع، والبناء في الوقف". (ردالمحتار: ۳۶۱/۴، مطلب في وقف المنقول تبعاً للعقار، كتاب الوقف، سعيد)

"التابع تابعٌ، فإذا بيع الحيوان في بطنه جنينٌ، دخل الجنين في البيع تبعاً". (شرح المجلة لسيم رستم باز: ۳۹/۱، (رقم المادة: ۷)، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في قواعد الفقه لسيد محمد عميم الإحسان، ص:۶۷، (رقم القاعده: ۶۹)، صدف پبليشرز كراچي)

(وكذا في شرح الأشباه والنظائر: ۳۲۵/۱، (رقم القاعده: ۸۱۶)، إدارة القرآن كراچي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ و لاتشتروا بآياتي ثمناً قليلاً ﴾ (سورة البقرة : ۴۱)

"عن بريدة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "من قرأ القرآن يتأكل به الناس، جاء يوم القيامة ووجهه عظمٌ ليس عليه لحمٌ". رواه البيهقي". (مشكوة المصابيح، ص: ۱۹۳، كتاب فضائل القرآن، الفصل الثالث، باب الثالث، قديمي)

"قال العيني في شرح الهداية: ويمنع القاري للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان، اهـ".

(ردالمحتار: ۵۵/۵، ۵۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد) ....=

تراویح اور پنجگانہ امامت اور تعلیم قرآن کی اجرت میں فرق

سوال[۸۲۱۵]: قرآن شریف پڑھانے پر اجرت لینے میں اور رمضان شریف میں قرآن سنانے میں اجرت لینے میں کیا فرق ہے، اور کون سی اجرت جائز ہے؟ اگر امامت کی اجرت متولی غریبوں سے دباؤ ڈال کر لیتا ہو تو کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

اصل یہ ہے کہ عبادات پر اجرت لینا حرام ہے، مگر فقہائے متاخرین نے بذریعۂ اجتہاد بعض مصالحِ شرعیہ معلوم کرکے امامت اور تعلیم قرآن شریف پر اجارہ کی اجازت دے دی اور یہ مصالحِ شرعیہ رمضان میں قرآن شریف سنانے میں موجود نہیں، لہٰذا اس کی اجرت ناجائز ہے۔ اور متقدمین کے زمانے میں یہ مصالح امامت اور تعلیم قرآن شریف میں نہ تھیں، اس لئے انہوں نے اس کی اجازت بھی نہیں دی تھی (۱)۔

= (وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۱۳۸/۲، مطلب في حكم الاستيجار على التلاوة، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في رسائل ابن عابدين: ۱۶۷/۱، ۱۶۹، رسالة: شفاء العليل وبل الغليل في حكم الوصية بالختمات والتهاليل، سهيل اكيڈمى لاهور)

"قال في الهداية: الأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم، لا يجوز الاستيجار عليها عندنا، لقوله عليه السلام: "اقرأوا القرآن و لا تأكلوا به". فالاستيجار على الطاعات مطلقاً لا يصح عند أئمتنا الثلاثة .... ولاشك أن التلاوة المجردة عن التعليم من أعظم الطاعات التي يطلب بها الثواب، فلايصح الاستيجار عليها؛ لأن الاستيجار بيع المنافع، وليس للتالي منفعةٌ سوى الثواب، ولا يصح بيع الثواب .... و قال العيني في شرح الهداية معزياً للواقعات: ويمنع القارى للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۱۳۸/۲، كتاب الإجارة، مطلب في حكم الاستيجار على التلاوة، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في ردالمحتار: ۵۶/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۵۳۳/۳، باب الإجارة الفاسدة، غفاريه كوئٹه)

(۱) قال العلامة فخر الدين الزيلعي رحمه الله تعالىٰ: "والفتوىٰ اليوم على جواز الاستيجار لتعليم=

جبراً کسی غریب سے دباؤ ڈال کر لینا ناجائز ہے(۱)، امام کا معاملہ جس سے طے ہوا ہے، امام اسی سے لے سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ختمِ قرآن پر دعوت

سوال[۸۲۱۶]: میرے بچہ نے قرآن شریف حفظ کرلیا ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ ایک ترغیبی جلسہ کر کے شرینی تقسیم کردوں۔ کیا ایسا کرنے سے کوئی شرعی قباحت تو نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

قرآن کریم اللہ پاک کی بہت بڑی دولت ہے، اس کا حفظ کرلینا بہت بڑی دولت ہے(۲)، اگر

= القرآن، وهو مذهب المتأخرين من مشايخ بلخ استحسنوا ذلك، وقالوا: بنى أصحابنا المتقدمون الجواب على ما شاهدوا من قلّة الحفاظ، ورغبة الناس فيهم، وكان لهم عطيات فى بيت المال .... وأما اليوم فذهب ذلك كله، واشتغل الحفاظ بمعاشهم، وقلّ من يعلّم حسبةً، ولا يتفرغون له أيضاً، فإن حاجتهم تمنعهم من ذلك، فلو لم يفتح لهم باب التعليم بالأجر، لذهب القرآن، فأفتوا بجواز ذلك".

(تبيين الحقائق: ۶/۱۱۷، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/۵۵، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا فى الهداية، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۳۰۱، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۱) "عن أبى حرة الرقاشى عن عمه رضى الله تعالىٰ عنه عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (السنن الكبرى للبيهقى: ۴/۳۸۷، (رقم الحديث: ۵۴۹۲)، باب شعب الإيمان دارالكتب العلميه بيروت)

(ومشكوة المصابيح، كتاب البيوع، ص: ۲۵۵، باب الغصب والعارية، الفصل الثانى، قديمى)

(۲) فضائل حفظ قرآن کے متعلق آثار اور احادیث کثرت سے وارد ہوتی ہیں، ان میں سے چند یہاں بطور نمونہ کے ذکر کی جاتی ہیں:

"وروى البخارى عن عثمان بن عفان عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "خيركم من =

شکرانہ کے طور پر احباب ومتعارفین کو مدعو کیا جائے اور غرباء واحباب کو کھانا کھلایا جائے تو یہ اس نعمت کی قدردانی ہے، ممنوع نہیں، ہوسکتا ہے کہ اللہ پاک دوسروں کو بھی حفظ کا شوق عطا فرمائے اور یہ اجتماع ترغیب وتبلیغ میں معین ہوجائے (۱)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سورۂ بقرہ یاد کی تھی تو ایک اونٹ ذبح کرکے احباب و

= تعلم القرآن وعلمه". .... أن أبا عبدالرحمن السلمى كان إذا ختم عليه الخاتم القرآن، أجلسه بين يديه، ووضع يده على رأسه، وقال له: ياهذا! اتق الله، فما أعرف أحداً خيراً منك إن عملت بالذى عملت .... وروى مسلم عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة، والذى يقرأ القرآن ويتتعتع فيه وهو عليه شاق له أجران .... وروى الترمذى عن أبى هريرة عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "يجئ (صاحب) القرآن يوم القيامة، فيقول ربّ حلة فيلبس تاج الكرامة، ثم يقول يارب! زده، فيبلس حلة الكرامة، ثم يقول: يارب! إرض عنه فيرضى عنه، فيقال له: اقرأ وارق ويزاد بكل آية حسنة". قال حديث صحيح . وروى أبوداؤد عن عبدالله بن عمرو رضى الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يقال لصاحب القرآن: اقرأ وارتق ورتل كما كنت ترتل فى الدنيا، فإن منزلتك عند آخر آية تقرؤها".

وأخرجه ابن ماجه فى سننه عن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يقال لصاحب القرآن إذا دخل الجنة: اقرأ واصعد، فيقرأ ويصعد بكل آية درجة، حتىٰ يقرأ آخر شئ معه" .... عن على رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قرأ القرآن وتلاه وحفظه، أدخله الله الجنة وشفّعه فى عشرة من أهل بيته كلّ قد وجبت له النار". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبى، باب ذكر جمل من فضائل القرآن، والترغيب فيه، وفضل طالبه وقارئه ومستمعه والعامل به: ۱/۱۸-۲۰، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(۱) "ويستحب له إذا ختم القرآن أن يجمع أهله، ذكر أبوبكر الأنبارى: أنبأنا إدريس، حدثنا خلف حدثنا وكيع عن مسعر عن قتادة: أن أنس بن مالك كان إذا ختم القرآن جمع أهله ودعا. وأخبرنا إدريس حدثنا خلف حدثنا جرير عن منصور عن الحكم قال: كان مجاهد وعبدة بن أبى لبابة وقوم يعرضون المصاحف، فإذا أرادوا أن يختموا وجهوا إلينا: أحضرونا، فإن الرحمة تنزل عند ختم القرآن". (الجامع =

غرباء کو کھلا دیا تھا(۱)۔اس لئے سلف صالحین میں اس کی اصل اور نظیر موجود ہے۔

لیکن یہ یاد رہے کہ اللہ کے یہاں اخلاص کی قدر ہے، ریا اور فخر کے لئے جو کام کیا جائے وہ مقبول نہیں، اور نیت کا حال خدا ہی کو معلوم ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی غور طلب ہے کہ اگر اس نے رسم کی صورت اختیار کر لی تو اَور پریشانی ہوگی، اس لئے بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مخفی طور پر غرباء کو ان کی ضرورت کی اشیاء دے دی جائیں اور بچہ نے جہاں ختم کیا ہے وہاں پڑھنے والے بچوں اور ان کے اساتذہ کو شرینی وغیرہ دے دی جائے اور مدرسہ کی امداد کر دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸/ ۷/ ۸۹ھ۔

ختم شریف کا چندہ

سوال[۸۲۱۷]: ختم شریف کی خوشی میں اللہ نام کا پیسہ اکٹھا کر کے مٹھائی چالیس کلو بنوانا اور اس میں روشنی کرنا، سجانا، خاص کر غیر مسلم کو دعوت دینا، کیا یہ سب ہمارے مذہب میں جائز ہے، یا صرف مٹھائی بانٹنا جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ختم قرآن شریف پر مٹھائی کے لئے چندہ کرنے میں عامۃً حدود کی رعایت نہیں کی جاتی، اس کو لازم سمجھا جاتا ہے، چندہ لینے میں زور ڈالا جاتا ہے، عار دلائی جاتی ہے کہ فلاں نے کم کر دیا، تفاخر کیا جاتا ہے(۲)

= لأحكام القرآن للقرطبی، باب مایلزم قاری القرآن وحامله من تعظیم القرآن وحرمته: ۱/ ۳۴، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۱) "وذكر أبوبكر أحمد بن علی بن ثابت الحافظ فی كتابه المسمی "أسما من روی عن مالك" عن مرداس بن محمد أبی بلال الأشعری قال: حدثنا مالك عن نافع عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنه قال: تعلم عمر البقرة فی اثنتی عشر سنة، فلما ختمها نحر جزوراً". (الجامع لأحكام القرآن فلقرطبی، باب كیفیة التعلم والفقه لكتاب الله تعالیٰ الخ: ۱/ ۴۰، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) تفاخر اور ریا کے کھانے سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے: ....=

بعض آدمی مجبوراً قرض لیکر دیتے ہیں (۱) ان خرابیوں کی وجہ سے اس کو منع کیا جاتا ہے، روشنی اور سجاوٹ اسراف تک کی جاتی ہے، اس کی اجازت نہیں (۲) ختم کو خاندانی شادی کی تقریب قرار دیکر اس میں مدعو کرنا خاص کر غیر مسلم کو ہرگز نہیں چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۲۴/۹/۹۰ھ

ختم قرآن وختم بخاری پر اجرت میں فرق

سوال[۸۲۱۸]: المنہاج الوہاج، ص: ۲۴۵، میں ہے:

"و اتخاذ الدعوة لقرأة القران، وجمع الصلحاء والقرّاء للختم، أو لقرأة سورة الأنعام، أو الإخلاص، فالحاصل أن اتخاذ الطعام عند قرأة القرآن لأجل الأكل يكره". بزازیہ(۳)۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی، اور بزازیہ کی رائے کلی ہے یا جزئی ہے، کیونکہ ختم قرآن و بخاری علی وجہ اللہ تعالیٰ جب بالاجارہ جائز ہے تو ضیافت مکروہ کیوں ہو؟ نیز وہ ضیافت جس میں ختم

= "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال : قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "المتباريان لا يجابان، و لا يؤكل طعامهما". قال الإمام أحمد : يعنی المتعارضين بالضيافة فخراً و رياءً". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح ، باب الوليمة: ص: ۲۷۷ قديمه

(۱) جو چندہ طیبِ نفس سے نہ دیا جائے، اس کا لینا اور استعمال کرنا جائز نہیں ہے:

"عن أبی حرة الرقاشي عن عمه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم : "ألا! لاتظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه " رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع ، باب الغصب والعارية ، الفصل الثانی: ص ۲۵۵ ، قديمی)

(۲) قال الله تعالیٰ :﴿و لا تسرفوا، إنه لا يحب المسرفين﴾ (سورة الأعراف : ۳۱)

قال العلامة محمود الآلوسی : "وقيل : المراد الإسراف و مجاوزة الحد بما هوأعم مما ذُكر (أی تحريم الحلال وغيره) .... ﴿إنه لا يحب المسرفين﴾ بل يُبغضهم و لا يرضی أفعالهم". (روح المعانی، (سورة الأعراف: ۳۱) : ۸/۱۱۰، ۱۱۱، دار إحياء التراث العربی بيروت)

(۳) (الفتاوی البزازية علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة ، الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز، نوع آخر: ۴/۸۱، رشيديه)

کرنے والے اصلاً اورا قارب وپڑوسی تبعاً مدعو، یا برعکس ہوتو وہ مکروہ ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: مولوی عبدالسلام صاحب۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

ختم بخاری شریف بطورِ علاج اور رُقیہ کے ہے جس پر اجرت لینا درست ہے(۱)۔اور ختمِ قرآن ایصالِ ثواب کے لئے ہے اور جب اجرت مقصود ہوتو تلاوتِ محضہ پر ثواب نہیں ملتا، یہ فارق ہے، تفصیل شامی کتاب الإجاره(۲)، نیز شرح عقود رسم المفتی میں ہے(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "وما استدل به بعض المحشين على الجواز بحديث البخارى فى اللديغ، فهو خطأ؛ لأن المتقدمين المانعين الاستيجار مطلقاً جوّزوا الرقية بالأجرة ولو بالقرآن، كماذكره الطحاوى؛ لأنها ليست عبادة محضة ، بل من التداوى" (رد المحتار ، كتاب الإجارة ، باب الإجارة الفاسدة : ۶/۵۷، سعيد)

(۲) "و قد أطنب صاحب تبيين المحارم مستنداً إلى النقول الصريحة، فمِن جملة كلامه: قال تاج الشريعة فى شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، لاللميت ولا للقارى. وقال العينى فى شرح الهداية : ويُمنع القارى للدنيا، و الآخذ والمعطى آثمان ". (رد المحتار ، باب الإجارة الفاسدة : ۶/ ۵۶ ، سعيد)

(۳) قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "فقد اتفقت النقول عن أئمتنا أبى حنيفة وأبى يوسف و محمد رحمهم الله تعالىٰ أن الاستيجار على الطاعات باطلٌ، لكن جاء مَن بعدهم من المجتهدين الذين هم أهل التخريج والترجيح، فأفتوا بصحته على تعليم القرآن للضرورة، فإنه كان للمعلمين عطايا من بيت المال، وانقطعت، فلولم يصح الاستيجار وأخذ الأجرة، لضاع القرآن، وفيه ضياع الدين، لاحتياج المعلمين إلى الاكتساب. وأفتى من بعدهم أيضاً من أمثالهم بصحة الأذان والإمامة .... و قد أطبقت المتون والشروح والفتاوى على نقلهم بطلان الاستيجار على الطاعات، إلا فيما ذكر، وعللوا ذلك بالضرورة ، و هى خوف ضياع الدين ، و صرحوا بذلك التعليل، فكيف يصح أن يقال: إن مذهب المتأخرين صحة الاستيحار على التلاوة المجردة مع عدم الصرورة المذكورة؟ فإنه لو مضى الدهر ، و لم يستأجر أحدٌ أحداً على ذلك، لم يحصل به ضرر، بل الصرر صار فى الاستيحار عليه حيث صار =

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= القرآن مکسباً و حرفةً یتّجر بها، وصار القاری منهم لا یقرأ شیئاً لوجه الله تعالی خالصاً، بل لا یقرأ إلا للأجرة، و هو الریآء المحض الذی هو إرادة العمل لغیر الله تعالیٰ، فمن أین یحصل له الثواب الذی طلب المستأجر أن یهدیه لمیته. وقد قال الإمام قاضی خان: إن أخذ الأجر فی مقابلة الذکر یمنع استحقاق الثواب، ومثله فی فتح القدیر .... فصاروا یتوصلون إلی جمع الحطام الحرام بوسیلة الذکر والقرآن، اهـ" (شرح عقود رسم المفتی، بعد الطبقة السابعة من طبقات الفهقاء، طبقة المقـ ـین، ومن ذلک مسئلة الاستیجار، ص: ۳۷، ۳۸، میر محمد کتب خانه، کراچی)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۶/۱۱۷، باب الإجارة الفاسدة، دارالکتب العلمیه بیروت)

الفصل الخامس فی الاستیجار علی الوعظ

(وعظ وخطابت پر اجرت لینے کا بیان)

وعظ کی اجرت

سوال[۸۲۱۹]: عالم صاحب سے تقریر کرانے کے بعد اس کے عوض رقم دینا، یا تقریر سے قبل عالم صاحب سے مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرح تعلیم و تدریس کی ملازمت درست ہے اسی طرح تذکیر وتقریر کی ملازمت بھی درست ہے، کام متعین کرلیا جائے، مثلاً: ہر روز ایک گھنٹہ، یا ہر جمعہ کو دو گھنٹے تقریر لازم ہوگی اور اتنا معاوضہ دیا جائے گا، یا مقرر کو مستقل ملازم تقریر کے لئے رکھ لیا جائے کہ جلسوں میں بلانے پر یا بغیر بلائے دیگر مقامات پر جا کر تقریر کرے۔

یہ طریقہ پسندیدہ نہیں ہے کہ کسی جگہ وعظ فرمایا اور روپیہ لے لئے، پھر اگر اپنے انداز سے کچھ کم ہوجائے تو ناک بھوں چڑھانے لگے، اس طرح وعظ کا اثر بھی ختم ہوجاتا ہے اور بلانے والے رسمی طور پر بلاتے ہیں اور بلانے سے پہلے ہی فقرے کسنے شروع کردیتے ہیں کہ ان کو اتنا دیا گیا تھا اس سے ناخوش ہوئے تھے، لہٰذا جب تک اس سے زیادہ کا انتظام نہ ہوجائے ان کو نہیں بلانا چاہیے، وغیرہ وغیرہ:

"و یفتی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن، والفقه، والإمامة". درمختار۔ "ومثله فی متن الملتقی، و درالبحار. و زاد بعضهم الأذان والإقامة والوعظ، اهـ". شامی: ۳٤/٥(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/٦/۷ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار: ۵۵/٦، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحریر مهم فی حکم أخذ الإجارة علی التلاوة، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۵۳۳/۳، باب الإجارة الفاسدة، غفاریه کوئٹه) .... =

وعظ کو پیشہ بنانا

سوال[۸۲۲۰]: بہت سے لوگوں نے وعظ ونصیحت کو محض روزگار کا حیلہ بنا رکھا ہے۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسے وعظ کا اثر نہیں ہوتا جس سے فقط کمائی مقصود ہو اور محض روپیہ کمانے کے لئے وعظ کہنا کوئی ثواب کی چیز نہیں، شرعاً اجازت بھی نہیں (۱)، لیکن ہر شخص کو یہ فیصلہ کرنا بھی صحیح نہیں کہ فلاں واعظ کی یہ نیت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ رجب/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۴/ رجب/ ۶۷ھ۔

= (وكذا في فتح القدير: ۹/۹۷، باب الإجارة الفاسدة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۳۲۵، باب الإجارةالفاسدة، رشيديه)

(۱) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "القرأة في نفسها عبادة، وكل عبادة لا بد فيها من الإخلاص لله تعالىٰ بلا رياء، حتى تكون عبادةً يُرجىٰ بها الثواب. وقد عرّفوا الرياء بأن يُراد بالعبادة غير وجهه تعالىٰ ....اهـ. قال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكل امرئ مانوى، فمن كانت هجرته إلى الله و رسوله، فهجرته إلى الله و رسوله، و من كانت هجرته إلى دنيا يصيبها، أو امرأة ينكحها، فهجرته إلى ما هاجر إليه". رواه البخاري وغيره. وإذا كان لا ثواب له، لم تحصل المنفعة المقصودة للمستأجر؛ لأنه استأجره لأجل الثواب، فلاتصح الإجارة". (رسائل ابن عابدين، رساله: شفاء العليل وبل الغليل في حكم الوصية بالختمات والتهاليل: ۱/۱۶۷، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۲) وقال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيراً من الظن، إن بعض الظن إثم﴾ الاية. (سورة الحجرات: ۱۲)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ: "أي: تباعدوا منه ﴿كثيراً﴾ ليحتاط في كل ظن ويتأمل حتى يعلم أنه من أي القبيل، فإن من الظن مايباح اتباعه كالظن في الأمور المعاشية. ومنه مايجب كالظن حيث لاقاطع فيه من العمليات كالواجبات الثابتة بغير دليل قطعي وحسن الظن بالله عزوجل. ومنه =

وعظ کی ملازمت

سوال[۸۲۲۱]: واعظین کو اُجرت معین کر کے وعظ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المرسل: محمد قطب الدین، مہتمم مدرسہ رنگپور، بنگال۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر با قاعدہ کام یا وقت کی تعیین ہو کہ تنخواہ ماہانہ یا سالانہ مقرر کر لی جائے تو شرعاً درست ہے:

"ولا لأجل الطاعات مثل الأذان، والحج، والإمامة، وتعليم القرآن، والفقه. ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن، والفقه، والإمامة، والأذان، اهـ". در مختار۔ "وزاد بعضهم الإقامةَ والوعظَ، اهـ". شامی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۱۲/ جمادی الاولیٰ/ ٦٧ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۱۵/ ۵/ ٦٧ھ۔

= مايحرم كالظن في الإلٰهيات والنبوات وحيث يخالفه قاطع وظن السوء بالمؤمنين. ففي الحديث: "إن الله تعالىٰ حرم من المسلم دمه وعرضه وأن يظن به ظن السوء". وعن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها مرفوعاً من: "أساء بأخيه الظن، فقد أساء بربه الظن، إن الله تعالىٰ يقول: ﴿اجتنبوا كثيراً من الظن﴾. ويشترط في حرمة هذا أن يكون المظنون به ممن شوهد من التستر والصلاح وأونست منه الأمانة. وأما من يتعاطى الريب والمجاهرة بالخبائث كالدخول والخروج إلى حانات الخمر وصحبة الغواني الفاجرات وإدمان النظر إلى المرد، فلا يحرم ظن السوء فيه، وإن كان الظان لم يره يشرب الخمر ولايزني ولايعبث بالشباب". (روح المعاني، سورة الحجرات: ۲۶/ ۱۵٦، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٦/ ۵۵، سعيد)

"قال الإمام الفضلي: والمتأخرون على جوازه. والحيلة أن يستأجر المعلم مدةً معلومةً، ثم يأمره بتعليم ولده". (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/ ۳۷، ۳۸، نوع في تعليم القرآن والحرف، كتاب الإجارة، رشيديه)

(و كذا في تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲/ ۱۱۲، مطلب: استأجره ليؤم الناس، كتاب الإجارة، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في رسائل ابن عابدين، رساله: شفاء العليل: ۱/ ۱٦۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

وعظ پر نذرانہ

سوال[۸۲۲۲]: یہاں کے لوگ قدیم رسم کے مطابق واعظ اور مقرّ رکو کچھ نہ کچھ وعظ کے بعد روپیوں کی شکل میں ہدیہ دیتے ہیں، تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ وعظ پر نہیں بلکہ خوشی سے دیتے ہیں اور واعظین اپنی طرف سے معین ومقرر نہیں کرتے اور لوگوں نے بھی معین نہیں کئے، بلکہ کبھی تین اور کبھی پانچ اور کبھی دو روپیہ دیتے ہیں، پھر بھی بندہ کو خصوصی تشویش ہے، کیونکہ اگر لوگ خوشی سے دیتے تو تقریر سے پہلے دیتے تقریر کے بعد ہی کیوں دیتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے، تعین یا غیر تعین طور پر وعظ ونصیحت پر روپیہ لیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

آپ کی تشویش صحیح ہے، اگر اس تشویش کی بناء پر آپ قبول نہیں کریں گے تو ماجور ہوں گے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

وعظ کا نذرانہ

سوال[۸۲۲۳]: باہر سے مولوی صاحبان کو تقریر کے لئے بلایا جاتا ہے اور عام چندہ کر کے ان کو کرایہ اور نذرانہ دیا جاتا ہے اور عام دستور ہے اور علمائے کرام کو معلوم بھی ہے کہ یہ نذرانہ چندہ کا ہے۔ تو چندہ سے نذرانہ کا دینا اور علمائے کرام کا لینا- جب کہ انہیں یقینی طور پر معلوم ہے کہ یہ چندے کا ہے اور چندے میں

---

(۱) " قال في الهداية: الأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم، لا يجوز الاستيجار عليها عندنا؛ لقوله عليه السلام: "اقرء وا القرآن ولا تأكلوا به". فالاستيجار على الطاعات مطلقاً لايصح عند أئمتنا الثلاثة: أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد رحمهم الله تعالىٰ.......... اهـ". (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱۳۷/۲، مطلب في حكم الاستيجار على التلاوة، كتاب الإجارة، مكتبه ميمنيه مصر)

قال العلامة ابن عابدين: "القرأة في نفسها عبادة، وكل عبادة لابد فيها من الإخلاص لله تعالىٰ بلا رياء حتى تكون عبادةً يُرجىٰ بها الثواب. وقد عرّفوا الرياء بأن يراد بالعبادة غير وجهه تعالىٰ .... وإذا كان لا ثواب له، لم تحصل المنفعة المقصودة للمستأجر؛ لأنه استأجره لأجل الثواب، فلاتصح الإجارة". (رسائل ابن عابدين، رساله: شفاء العليل وبل الغليل، ۱۶۷/۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

بالعموم جبر ہوتا ہی ہے- جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

کرایہ بلانے والوں کے ذمہ لازم ہے ہی (۱)، نذرانہ چندہ دینے والوں کی جانب سے ہوتو لا بأس بہ۔ اعلیٰ مقام یہ ہے کہ نہ کرایہ لیا جائے اور نہ نذرانہ، بلکہ اپنے کرایہ سے جاکر حسبةً للّٰہ وعظ کہا جائے، وہ انشاء اللہ زیادہ مؤثر ہوگا، یا پھر مشاہرہ اور عملی طور پر طے کرلیا جائے تاکہ اجارہ کی شکل ہوجائے، شامی میں اجرتِ تذکیر کی اجازت دی ہے (۲)۔ مشاہرہ کی صورت یہ ہے کہ اتنی مرتبہ مثلاً ہر جمعہ کو روزانہ ایک نماز کے بعد وعظ کہنا ہوگا،

---

(۱) واعظ چونکہ بلانے والوں کے لئے سفر کرتا ہے، لہٰذا اس کا سفر خرچ بھی انہیں پر لازم ہوگا، جیسا کہ مضارب کا سفر خرچ مال تجارت سے لیا جاتا ہے:

"وإذا سافر ولو يوماً، فطعامه وشرابه وكسوته وركوبه -بفتح الراء مايركب- ولو بكراء وكل مايحتاجه عادة: أى فى عادة التاجر بالمعروف فى مالها لو صحيحة .... وإن عمل فى المصر سواء ولد فيه أو اتخذه داراً، فنفقته فى ماله كدوائه على الظاهر. أما إذا نوى الإقامة بمصر ولم يتخده داراً، فله النفقة". (الدرالمختار).

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: ولويوماً)؛ لأن العلة فى وجوب النفقة حبس نفسه لأجلها، فعلم أنه ليس المراد بالسفر الشرعى، بل المراد أن لايمكنه المبيت فى منزله، فإن أمكن أنه يعود إليه فى ليلة، فهو كالمصر لانفقة له، بحر". (ردالمحتار، كتاب المضاربة، باب المضارب يضارب، فصل فى المتفرقات: ۶۵۷/۵، سعيد)

(۲) " وزاد فى متن المجمع: الإمامةَ، وكذا فى متن الملتقى و دررالبحار. و زاد بعضهم الأذانَ والإقامةَ والوعظَ". (ردالمحتار: ۵۵/۶، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم فى عدم جواز الاستيجار على التلاوة، سعيد)

"ولا لأجل الطاعات مثل الأذان والحج والإمامة، و يفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان .... وزاد بعضهم الأذانَ والإقامةَ والوعظَ، ويجبر المستأجر على دفع ماقبل، فيجب المسمى بعقد، وأجر مثل إذا لم تُذكر مدةٌ". (الدر المختار: ۵۵/۶، ۵۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۴۸/۴، باب الإجارة الفاسدة، الفصل الرابع، رشيديه) =

اتنی تنخواہ ملے گی (۱)۔ چندہ کا اشکال تو اس کے علاوہ مدارس ومساجد کی ملازمتوں میں بھی ہے، جو اس کا حال ہے وہی یہاں بھی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا عنہ، دار العلوم دیوبند۔

تلاوت اور وعظ پر اجرت

سوال[۸۲۲۴]: زید کہتا ہے کہ وعظ کر کے اجرت لینا جائز ہے، کیونکہ اگر ہم اجرت نہ لیں تو ہم اپنی ضروریات پوری نہیں کر سکتے، اس لئے ہم حبس وقت کی اجرت لیتے ہیں۔ عمر کہتا ہے کہ اگر وعظ کر کے اجرت لینا جائز ہو تو تلاوتِ قرآن کر کے بھی اجرت لینا جائز ہونا چاہئے، کیونکہ وعظ کرنا جیسے طاعت ہے، ایسا ہی تلاوت قرآن بھی طاعت ہے، جب وعظ کہہ کر حبسِ وقت کی وجہ سے اجرت لینا جائز ہے ایسا ہی تلاوت قرآن کر کے بھی حبسِ وقت کی وجہ سے جائز ہونا چاہئے۔ اب دریافت طلب یہ بات ہے آیا زید کا قول صحیح ہے یا غلط، اگر صحیح ہے تو کس صورت میں جائز ہے؟

اگر اس بستی میں جس میں وعظ کہہ کر اجرت لے رہا ہے، اگر اور کوئی وعظ کہتا ہو بلا اجرت آیا اس صورت میں جائز ہے، یا اگر کوئی اس بستی میں بلا اجرت وعظ کہنے والا نہ ہو، اس صورت میں، یا بلا تعیینِ اجرت وعظ کرانے والے کچھ بطورِ عطیہ دیدیتے ہوں؟ جو صورت بھی جواز کی ہو اس کو تفصیلی تحریر فرمادیں۔ اور عمر کا قیاس کرنا اجرت علی تلاوۃ القرآن کو اجرت علی الوعظ پر کہاں تک صحیح ہے؟

مسئلہ مذکورہ کو تفصیلی طور پر مع حوالہ کتب معتبرہ بیان فرمادیں تاکہ دل کو تشفی ہو جائے۔ فقط۔

بندہ: عبدالودود، ارکانی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

استیجار علی الطاعات اصالۃً ناجائز ہے، مگر متاخرینِ مجتہدین نے حسب اجتہاد ضرورتِ شرعیہ کا لحاظ

= (وكذا في البحر الرائق: ۳۵/۸، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه كوئٹه)

(۱) "والحيلة أن يستأجر المعلم مدةً معلومةً، ثم يأمره بتعليم ولده". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷/۵، ۳۸، نوع في تعليم القرآن والحرفة، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا في الدر المنتقى مع مجمع الأنهر: ۵۳۶/۳، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

رکھتے ہوئے بعض طاعات کو مستثنیٰ کیا ہے، ان میں سے وعظ بھی ہے۔ اور وجہِ جواز ''جنس'' کو قرار نہیں دیا، بلکہ ''ضرورتِ شرعیہ'' کو قرار دیا ہے، اگر سلسلۂ وعظ بند ہو جائے تو نقصان عظیم لازم آئے گا، کیونکہ ہر ایک کے پاس نہ اس قدر وقت ہے، نہ قدرت کہ مدارس میں داخل ہو کر باقاعدہ علم حاصل کرے۔ اور نفسِ تلاوت قرآن کریم میں وہ ضرورت موجود نہیں، کیونکہ اگر کسی کے لئے کوئی شخص تلاوت کر کے ایصالِ ثواب نہ کرے تو دین کے کسی جز میں نقصان نہیں آتا اور نفسِ ثواب کسی سبب سے یا بغیر سبب ادعیہ شاملہ سے پہونچتا رہتا ہے:

"لا (تصح الإجارة) لأجل الطاعات مثل الأذان و الحج والإمامة وتعليم القرآن والفقه، ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان، اهـ". درمختار۔ "قال فى الهداية: وبعض مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ استحسنوا الاستيجار على تعليم القرآن اليوم، لظهور التوانى فى الأمور الدينية، ففى الامتناع تضييع حفظ القرآن، وعليه الفتوىٰ.

وزاد فى مختصر الوقاية ومتن الإصلاح تعليمَ الفقه. وزاد فى متن المجمع الإقامةَ. و زاد بعضهم الأذانَ والإقامةَ والوعظَ. وذكر المصنف معظمَّها، ولكن الذى فى أكثر الكتب الاقتصارُ على ما فى الهداية. فهذا مجموع ما أفتى به المتأخرون من مشايخنا، وهم البلخيون على خلافٍ فى بعضه مخالفين ما ذهب إليه الإمام وصاحباه .... و قد اتفقت كلمتُهم جميعاً على التصريح بأصل المذهب من عدم الجواز، ثم استثنوا بعده ما علمته. فهذا دليلٌ قاطعٌ و برهانٌ ساطعٌ على أن المفتى به ليس هو جواز الاستيجار على كل طاعة، بل على ما ذكروه فقط مما فيه ضرورةٌ ظاهرةٌ تُبيح الخروج عن أصل المذهب.

فظهر لك بهذا عدم صحة ما فى الجوهرة من قوله: (و اختلفوا فى الاستيجار على قرأة القرآن).......... فإن الخلاف فيه كما علمت، لا فى القرآة المجردة، فإنه لا ضرورة فيها. فإن كان ما فى الجوهرة سبقُ قلمٍ، فلا كلام، وإن كان عن عمدٍ، فهو مخالف لكلامهم قاطبةً، فلا يقبل.

وقد أطنب فى ردّه صاحب تبيين المحارم مستنداً إلى النقول الصريحة، فمن جملة كلامه: قال تاج الشريعة فى شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، لا للميت ولا

للقاری. وقال العینی فی شرح الهداية: ويُمنع القاری للدنیا، والاخذُ والمعطی آثمان۔

فالحاصل أن ما شاع فی زماننا من قرآة الأجزاء بالأجرة، لا يجوز؛ لأن فيه الأمر بالقرأة، وإعطاء الصواب للآمر، والقرأة لأجل المال، فإذا لم يكن للقاری ثوابٌ لعدم النية الصحيحة، فأين يصل الثواب للمستأجر؟ ولو لا الأجرة ما قرأ أحدٌ لأحدٍ فی هذا الزمان، بل جعلوا القرآن مكسباً و وسيلةً إلى جمع الدنيا -إنا لله وإنا إليه راجعون- اهـ". ردالمحتار بحذف: ۵۲/۵(۱)۔

اب کسی غیر مجتہد کا قیاس شرعاً معتبر نہیں، وعظ پر بھی اگر اجارہ کیا جائے تو باقاعدہ شروطِ اجارہ: وقت واجرت وغیرہ کی تعیین کر کے کیا جاوے، مثلاً یہ کہ ہر روز ایک گھنٹہ وعظ کہنا ہوگا اور اس قدر تنخواہ ماہانہ ملے گی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۶/۶۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (ردالمحتار: ۵۵/۶، ۵۶، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم فی الاستيجار علی التلاوة، سعيد)

(و كذا فی تنقيح الفتاوی الحامدية: ۱۳۸/۲، مطلب فی حكم الاستيجار علی التلاوة، كتاب الإجارة، مكتبه ميمنيه مصر)

(و كذا فی مجمع الأنهر: ۵۳۳/۳، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه إمداديه ملتان)

الفصل السادس فی الاستیجار علی خطبة النكاح

(نکاح پڑھانے پر اجرت لینے کا بیان)

نکاح خوانی کی اجرت

سوال[۸۲۲۵]: نکاح پڑھانے والے جو روپیہ سوا روپیہ وغیرہ نکاح میں نکاح پڑھانے کا لیتے ہیں یہ شرعاً جائز ہے کہ نہیں؟

مکلّف شاہ، حبیب اللہ از خانقاہ مانکپور، ضلع پرتا بگڑھ۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر نکاح پڑھانے والا صرف ایک ہی شخص ہے اور کوئی نہیں تب اس کو اجرت لینا جائز نہیں، اگر اور ہیں تو اس کو اختیار ہے کہ اجرت مقرر کرے اور لے لے:

"و لا يحل له أخذ شيء على النكاح إن كان نكاحاً يجب عليه مباشرته كنكاح الصغار، وفي غيره يحل، اهـ". خلاصة الفتاوى، فصل في الحظر والإباحة من كتاب القضاء(۱)۔

"قال في البزازية من كتاب القضاء: وإن كتب القاضي سجلاً، أو تولى قسمةً وأخذ أجرة المثل، له ذلك. ولو تولى نكاح صغيرة، لا يحل له أخذ شيء؛ لأنه واجب عليه، و كل ما يجب عليه، لا يجوز أخذ الأجر عليه، وما لايجب عليه يجوز أخذ الأجر. وذكر عن البقالي في القاضي يقول: "إذا عقدتُ عقد البكر فلي دينار، وإن ثيباً فلي نصفه" أنه لا يحل له إن لم يكن لها ولي، فلو كان ولي غيره، يحل بناءً على ما ذكروا، اهـ". بحر: ۲٤۳/۵(۲)۔

---

(۱) (خلاصة الفتاوى: ۴۸/۴، امجد اکیڈمی لاهور)

(۲) (البحر الرائق: ۴۰۸/۵، كتاب الوقف، رشيديه)

تنبیہ: واضح ہو کہ عورت مرد اگر گواہوں کے سامنے خود ایجاب وقبول کرلیں تب بھی شرعاً نکاح صحیح ہوجاتا ہے، اسی طرح اگران کے ولی یا وکیل ایجاب وقبول کرلیں گے تب بھی نکاح صحیح ہوجائے گا اگرچہ خطبہ نہ پڑھا ہو، کیونکہ خطبہ پڑھنا صرف مستحب ہے، جیسا کہ مسجد میں ہونا اور جمعہ کے روز ہونا بھی مستحب ہے اور ترکِ مستحب سے اصل نکاح تو صحیح ہوجاتا ہے، البتہ مستحب کا ثواب حاصل نہ ہوگا:

"ینعقد النكاح بالإيجاب والقبول بلفظين وضعا للماضى، أو وضع أحدهما للماضى والأخر للمستقبل؛ لأن النكاح عقدٌ، فينعقد بهما كسائر العقود، وعند حرين أو حرو حرتين عاقلين بالغين مسلمين، اهـ". زیلعی: ۹/۳ بحذف(۱)۔

"ويندب إعلانه و تقديم خطبته، وكونه فى مسجد يوم جمعة"۔ "(قوله: وتقديم خطبته) -بضم الخاء- ما يُذكر قبل إجراء العقدين الحمدُ والتشهدُ، وأما بكسرها، فهى لطلب التزوج والخِطبة، فأفاد أنها لا تتعين بألفاظ مخصوصة. وإن خطب بما ورد، فهو أحسن، اهـ". درمختار: ۴۰۴/۲(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، ۵/۶/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۹/ جمادی الثانیہ/ ۵۷ھ۔

= "الدلالة فى النكاح لا تستوجب الأجر، وبه يفتى الفضلى فى فتاواه، وغيره من مشايخ زماننا كانوا يفتون بوجوب أجر المثل، وبه يفتى". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الفصل الرابع فى فساد الإجارة: ۴۵۱/۴، رشيديه)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳۲۷/۲، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الثانى فى أدبه، كتاب القضاء: ۱۴۰/۵، رشيديه)

(۱) (تبيين الحقائق: ۴۴۸/۲، ۴۵۲، كتاب النكاح، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۴۴/۳، ۱۵۵، رشيديه)

(وكذا فى النهر الفائق، كتاب النكاح: ۱۷۶/۲، ۱۸۱، مكتبة امدادية ملتان)

(۲) (الدر المختار: ۸/۳، كتاب النكاح، سعيد) .... =

نکاح خوانی کی اجرت

سوال [۸۲۲۶] : فی بلادنا عقدِ اجارہ کرنے والے، لڑکی والے ہوتے ہیں اور نکاح خوانی کی اجرت لڑکے والے قاضی جی کو دیتے ہیں جس کو قاضی صاحب یا تو مدرسہ میں دیتے ہیں یا اپنے تصرف میں لاتے ہیں۔ نکاح خوانی کی اجرت جائز ہے، یا رشوت میں داخل ہے؟ صورت رشوت و جواز کی بالتفصیل بیان فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

نکاح خوانی کی اجرت درست ہے رشوت نہیں، بلکہ بعض جگہ قاضی مقرر ہوتے ہیں ان کے درمیان کچھ معاملہ مقرر ہوتا ہے کہ مثلاً ایک روپیہ اور چار آنہ ملا تو ایک روپیہ قاضی صاحب رکھیں گے اور ۴/ آنہ نائب کو دیں گے، پھر نکاح پڑھنے کے لئے عامۃً نائب جاتے ہیں، قاضی صاحب نہیں جاتے، یہ ناجائز ہے اور یہ ایک روپیہ رشوت ہے، اس کی پوری تفصیل مطلوب ہو تو امداد الفتاوی جلد سوم (۱) ملاحظہ کیجئے، اس میں اس مسئلہ پر مستقل ایک رسالہ موجود ہے۔

اور جو شخص قاضی کو بلا کر لیجائے اور نکاح پڑھوائے، اسی کے ذمہ اجرت لازم ہوگی، لڑکے والا ہو یا لڑکی والا:

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۴۳/۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۴۴۷/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) ''اکثر جگہ عادت ہے کہ نکاح خوانی کے لئے بلانے والا تو دولہن والا ہوتا ہے اور نکاح خوانی دلواتے ہیں دولہا والے سے اور وہ بوجۂ پابندیٔ رسم کے خواہ مخواہ دیتا ہے جو کہ شرعاً محض ناجائز ہے کہ بلا وجوبِ شرعی کسی سے کوئی رقم اس کو ضروری ولازم قرار دے کر وصول کی جاوے تو اس عارض کی وجہ سے اس کا عدمِ جواز اَور مؤکد ہو جاوے گا، غرض باعتبارِ نفسِ عمل کے بھی اور باعتبار اس عارض کے بھی یہ رقم ناجائز ٹھہری۔ اور یہ تمام کلام خود لینے والے کے اعتبار سے ہے اور دوسرے کو دینا جیسا نائب کے ذمہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ ایک بڑا حصہ اس رقم کا اپنے منیب کو دے، سو یہ دینا محض اس بناء پر ہوتا ہے کہ اس نے مجھ کو اس کام کی اجازت دی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اجازت دینا شریعت میں امر غیر متقوم کے عوض میں دینا رشوت ہے اور رشوت بلا ضرورتِ دفعِ ظلم دینا حرام ہے''۔ (إمداد الفتاوی: ۳۷۲/۳، ۳۷۳، رسالہ ''الصراح في أجرة النكاح'' كتاب الإجارة، دارالعلوم كراچی)

"و لا یحل له (أی للقاضی) أخذ شیء، علی النكاح إن كان نكاحاً یجب علیه مباشرته كنكاح الصغائر، و فی غیره لایحل، اهـ". خلاصة الفتاوی: ٤/٤٨(١)۔

اور یہ اجرت قاضی صاحب کی ملک ہے، ان کو اختیار ہے کہ خود رکھیں یا مدرسہ وغیرہ میں دیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ ربیع الثانی/ ٦٧ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح عبد اللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی۔

نکاح پڑھانے کی اجرت

سوال[۸۲۲۷]: نکاح پڑھا کر روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر نکاح پڑھانے والے سے اولاً معاملہ طے کرلیا جائے کہ فلاں جگہ جاکر نکاح پڑھانا ہوگا اور اس کی اتنی اجرت تم کو اتنی دی جاوے گی تو شرط کے موافق اجرت لینا جائز ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(١) (خلاصة الفتاویٰ، كتاب القضاء، الفصل العاشر فی الحظر و الإباحة: ۴/۴۸، رشیدیه)

(وكذا فی الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمكیریة: ۵/۱۴۰، كتاب القضاء، الفصل الثانی فی أدبه، النوع الأول، رشیدیه)

"قلت: لكن فی البزازیة: كل ما یجب علی القاضی والمفتی لا یحل لهما أخذ الأجر به كنكاح صغیر؛ لأنه واجب علیه، وكجواب المفتی بالقول، وأما بالكتابة، فیجوز لهما علی قدر كتبهما؛ لأن الكتابة لا تلزمهما". (الدرالمختار: ۵/۴۶۱، كتاب القضا، مسائل شتی، سعید)

(۲) قال العلامة السغدی رحمه الله تعالیٰ: "فإن وقعت علی عمل معلوم، فلا تجب الأجرة، إلا بإتمام العمل إذا كان العمل مما لا یصلح أوّله إلا بآخره، وإن كان یصلح أوّله دون آخره، فتجب الأجرة بمقدار ما عمل". (النتف فی الفتاوی، ص: ۳۳۸، كتاب الإجارة، سعید)

"ولایحل له أخذ شیء علی النكاح إن كان نكاحاً یجب علیه مباشرته كنكاح الصغائر، وفی غیره یحل". (خلاصة الفتاوی: ۴/۴۸، كتاب القضاء، الفصل العاشر فی الحظر والإباحة، رشیدیه) =

نکاح خوانی کی اجرت کس پر ہے؟

سوال[۸۲۲۸]: ہمارے یہاں نکاح خوانی کی کوئی اجرت نہیں، لیکن نکاح کے بعد لڑکے والا کچھ نہ کچھ دیتا ہے جو کہ اس کی مرضی پر ہوتا ہے اور نکاح خواں لڑکی والے کی طرف سے بلایا جاتا ہے۔ یہ لین دین حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتویٰ کے اعتبار سے ناجائز ہے، حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

''اگر دینے والا دولہا والا ہو اور قاضی یا ملا کو دولہن والے بلا کر لے گئے ہوں جبکہ ایسا ہی دستور ہے تب تو یہ لینا بالکل جائز نہیں، کیونکہ اجرت بذمہ بلانے والے کے تھی، دوسرے پر بار ڈالنا جائز نہیں۔ اور اگر بلانے والے بھی دولہا ہیں تو نکاح خواں کو اس کا دیا ہوا جائز ہے''۔ امداد الفتاویٰ:۲/۳۷۹(۱)۔

آپ تفصیل سے اس کو بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن اسباب کی بنا پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ناجائز لکھا ہے وہ اسباب موجود نہیں تو جائز ہے، یعنی جواز اصلی ہے اور عدمِ جواز عارضی جو عارض کے مرتفع ہو جانے سے ختم ہو جائے گا، جواز کی تصریح عالمگیری میں ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۳۰ھ۔

= (وكذا في الدرالمختار: ۵/۴۶۱، كتاب القضاء، مسائل شتى، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح: ۴/۴۵۱، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

"وكل نكاح باشره القاضي وقد وجبت مباشرته عليه كنكاح الصغار والصغائر، فلايحل له أخذ الأجرة عليه، كذا في المحيط. والمختار للفتویٰ أنه إذا عقد بكراً يأخذ ديناراً، وفي الثيب نصف دينار، ويحل له ذلك، هكذا قالوا، كذا في البرجندي". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في أقوال القاضي، وماينبغي للقاضي أن يفعل ومالا يفعل: ۳/۳۴۵، رشيديه)

(۱) (إمداد الفتاوی: ۲/۲۷۸، كتاب النكاح، عنوان: درتحقيق أجرة الإنكاح، ايضاً نمبر: ۳، دارالعلوم كراچی)

(۲) "وكل نكاح باشره القاضي وقد وجبت مباشرته عليه كنكاح الصغار والصغائر، فلا يحل له أخذ =

نکاح خوانی کی اجرت

سوال[۸۲۲۹]: کیا نکاح پڑھائی لینا گناہ ہے؟ ایک آدمی جس کی آمدنی نکاح پڑھائی ہے، کیا اس کے یہاں کھانا درست نہیں ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نکاح پڑھانے کی اجرت درست ہے، جیسا کہ فتاوی عالمگیری میں موجود ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= الأجرة عليه. وما لم تجب مباشرته عليه، حل له أخذ الأجرة عليه، كذا في المحيط. والمختار للفتوى أنه إذاعقد بكراً يأخذ ديناراً، وفي الثيب نصف دينار، ويحل له ذلك، هكذا قالوا، وكذا في البرجندى". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب القضاء، الباب الخامس عشر في أقوال القاضي، وما ينبغي للقاضي أن يفعل وما لا يفعل: ۳۴۵/۳، رشيديه)

(وكذا في كفايت المفتي، كتاب النكاح، آٹھواں باب، نکاح خوانی کی اجرت کی شرعی حیثیت: ۱۵۰/۵، دارالإشاعت كراچى)

(وكذا في خير الفتاوىٰ، متفرقات نكاح، نکاح پڑھانے کی اجرت: ۵۸۶/۴، ۵۷۸، خير المدارس ملتان)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب القضاء، الفصل العاشر في الحظر والإباحة: ۴۸/۴، امجد اكيڈمی لاهور پاكستان)

"الدلالة في النكاح لا تستوجب الأجر، و به يفتي الفضلي في فتاواه. وغيره من مشايخ زماننا كانوا يفتون بوجوب أجر المثل، و به يفتي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة: ۴۵۱/۴، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۲۷/۲، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۱/۵، نوع في المتفرقات، كتاب الإجارة، رشيديه)

(۱) "الدلالة في النكاح لا تستوجب الأجر، وبه يفتي الفضلي في فتاواه. وغيره من مشايخ زماننا كانوا يفتون بوجوب أجر المثل، وبه يفتي". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۵۱/۴، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالكيرية: ۳۲۷/۲، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۱/۵، نوع في المتفرقات من كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱۱۷/۴، الفصل الثاني في صحة الإجارة وفسادها، جنس آخر في المتفرقات، رشيديه)

الفصل السابع فی الاستیجار علی التعویذ

(تعویذ پر اجرت لینے کا بیان)

تعویذ، گنڈے اور وعظ پر معاوضہ

سوال [۸۲۳۰]: بچہ جس وقت تعلیم حاصل کر کے حافظ ہوجاتا ہے تو وہ کوئی روزگار تو کرتا نہیں، صرف تعویذ گنڈے کرنا شروع کر دیتا ہے، کسی سے پندرہ کسی سے بیس روپیہ لیتا ہے اور لوگوں کو بہکانا شروع کر دیتا ہے اور کبھی وعظ کہتا ہے تو بعد میں اپنا سوال کرتا ہے۔ ہم نے وعظ میں سنا ہے کہ قرآن ایک عظیم خزانہ ہے جس میں ہر چیز موجود ہے اور یہ لوگ اس کا نام لے کر اپنا روزگار کماتے ہیں۔ اس طرح کا پیسہ لینا کہاں تک جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعویذ گنڈے کا طریقہ جاننے والا اگر اس پر اجرت لے تو یہ اجرت جائز ہے، بشرطیکہ دھوکہ بازی نہ کرے اور خلافِ شرع تعویذ نہ کرے (۱)۔

وعظ کے لئے اگر ملازمت کی جائے اور معاملہ اس طرح کر لیا جائے، مثلاً ہر نماز کے بعد ۱۰، ۱۵/ منٹ

---

(۱) "عن عوف بن مالک الأشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: کنا نرقی فی الجاهلیة، فقلنا: یا رسول اللہ! کیف تری فی ذلک؟ فقال: "اعرضوا علیّ رُقاکم، لا بأس بالرقی ما لم یکن فیه شرک". رواه مسلم". (مشکوۃ المصابیح، ص: ۳۸۸، کتاب الطب والرقیٰ، الفصل الأول، قدیمی)

"ولا بأس بالمعاذات إذا کتب فیها القرآن أو أسماء اللہ تعالیٰ، وإنما تکره العوذة إذا کانت بغیر لسان العرب، ولا یدری ماهو، ولعله یدخله سحرٌ أو کفر أو غیر ذلک. وأما ما کان من القرآن أو شیئ من الدعوات، فلا بأس به". (ردالمحتار: ۳۶۳/۶، فصل فی اللبس، کتاب الحظر والاباحة، سعید)

"ویلتحق به ما کان بالذکر والدعاء المأثور، وکذا غیر المأثور مما لایخالف ما فی المأثور. وأما الرقی بما سوی ذلک، فلیس فی الحدیث ما یثبته و لا ما ینفیه، و سیأتی حکم ذلک فی کتاب الطب". (فتح الباری شرح صحیح البخاری: ۴۵۷/۴، باب ما یعطی فی الرقیة علی أحیاء العرب بفاتحة الکتاب، دار المعرفة لبنان)

بیان کرنا ہے، یا ہر جمعہ کو وعظ کہنا ہے تو یہ ملازمت بھی درست ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۸/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

تعویذ پر اجرت

سوال [۸۲۳۱]: اگر کوئی امام تعویذ گنڈوں میں یہ کہہ کر کہ تیرا کام ہو جائے گا، اس کا معاوضہ لے لے اور اس کا کام نہ ہو، وہ اس کو بدنام کرے اور عالموں کو برا کہے۔ تو یہ لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام صاحب اس فن سے واقف ہوں تو تعویذ پر اجرت لینا درست ہے (۲)، مگر یہ وعدہ ہرگز نہ کرے کہ تیرا کام ہو ہی جائے گا، جیسے بیمار سے ڈاکٹر دوا کے پیسے لیتا ہے کہ بیمار کو شفا ہو ہی جائے گی، شفا اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے (۳)۔ اگر امام واقف نہیں تو دھوکا دے کر پیسہ لینا ناجائز ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ولا لأجل الطاعات مثل الأذان و الحج والإمامة وتعليم القرآن والفقه، ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان، اهـ". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "وزاد بعضهم الإقامة والوعظ، اهـ". (ردالمحتار: ۵۵/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"والحيلة أن يستأجره مدةً معلومةً، ثم يأمره بتعليم ولده". (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷/۵، ۳۸، نوع في تعليم القرآن والحرف، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۵/۸، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(۲) (راجع، ص: ۹۹، رقم الحاشية: ۱)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿وإذا مرضتُ فهو يشفين﴾ الاية. (سورة الشعراء: ۸۰)

"عن زينب امرأة عبدالله بن مسعود أن عبدالله راى في عنقي خيطاً، فقال: ماهذا؟ فقلت: خيط رقىٰ لي فيه .... إنما كان يكفيك أن تقولي كما كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إذهب البأس ربَّ الناس، واشف أنت الشافي، لا شفاء إلا شفاء ک شفاءٌ لا يغادر سقماً". الحديث. (مشكوة المصابيح، ص: ۳۸۹، كتاب الطب والرقى، الفصل الثاني، قديمي)

(۴) "و لا بأس بالمعاذات إذا كتب فيها القرآن أو أسماء الله تعالىٰ، وإنما تكره العوذة إذا كانت بغير لسان =

تعویذ اوراس پراجرت

سوال[۸۲۳۲]: تعویذ لکھ کر دینا کسی کو جائز ہے، نیز اس کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

تعویذ لکھ کر دینا جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی مضمون خلافِ شرع نہ ہو، اوراس پر اجرت لینا بھی جائز ہے:

"و لا بأس بالمعاذات إذا كتب فيها القرآن أو أسماء الله تعالىٰ، وإنما تكره العوذة إذا كانت بغير لسان العرب، و لا يُدرى ما هو، و لعله يدخله سحرٌ أو كفرٌ أو غير ذلك. وأما ما كان من القرآن أو شيء من الدعوات، فلا بأس به. وفي المجتبى: اختلف الناس في الاستشفاء بالقرآن بأن يقرأ على المريض أو الملدوغ الفاتحة، أو يكتب في ورق، و يعلّق عليه، أو طست و يغسل ويسقىٰ. وعن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه كان يعوّذ نفسه. وعلى الجواز عمل الناس اليوم، و به وردت الآثار. ولا بأس بأن يشد الجنب والحائض التعاويذ على العضد إذا كانت ملفوفةً، اهـ". شامي: ۳۱۹/۵(۱)-

---

= العرب، ولا يدرى ما هو، و لعله يدخله سحرٌ أو كفرٌ أو غير ذلک. وأما ما كان من القرآن أو شئ من الدعوات، فلا بأس به". (ردالمحتار: ۳۶۳/۶، ۳۶۴، فصل فی اللبس، کتاب الحظر و الإباحة، سعید)

(و كذا في تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱۳۸/۲، مطلب في حكم الاستيجار على التلاوة، كتاب الإجارة، رشيديه)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۵۰/۴، باب الإجارة الفاسدة، الفصل الرابع، رشيديه)

(۱) (ردالمحتار: ۳۶۳/۶، ۳۶۴، فصل فی اللبس، کتاب الحظر و الإباحة، سعید)

"وأما حديث رهط الذين رقوا لديغاً بالفاتحة، وأخذوا جعلاً، فسألوا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: فقال: "أحق ما أخذتم عليه أجراً كتابُ الله". فمعناه: "إذا رقيتم به" كما نقله العيني في شرح البخاري عن بعض أصحابنا، وقال: إن الرقية بالقرآن ليست بقربة: أي لأن المقصود بها الاستشفاء دون الثواب". (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱۳۸/۲، مطلب في حكم الاستيجار على التلاوة، كتاب الإجارة، مكتبه ميمنيه مصر) .... =

"عن أبی سعيد الخدری رضی الله تعالیٰ عنه أن رهطاً من أصحاب النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم انطلقوا فی سفرة سافروها، فنزلوا بحيٍ من أحياء العرب، فقال بعضهم: إن سيدنا لُدغ، فهل عند أحدكم شئ ينفع صاحبنا؟ فقال رجل من القوم: نعم، والله! إنی لأرقی، ولكن استضفناكم فأبيتم أن تضيفونا، ما أنا براق حتی تجعلوا لی جعلاً، فجعلوا له جعلاً قطعةً من الشاء، فأتاه، فقرأ عليه أم الكتاب و يتفل حتی برئ كأنما أنشط من عقال. قال: فأوفاهم جعلهم الذی صالحوهم. فقال: اقتسموا، فقال الذی رقی: لا تفعلوا حتی نأتی رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم فنستأمره، فغدوا علی رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم فذكروا له، فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "من أين علمتم أنها رُقية، أحسنتم اقتسموا واضربوا لی معكم بسهم، اهـ". أبو داؤد شريف(۱)۔

"فی الحديث أعظم دليلٍ علی أن يجوز الأجرة علی الرقی و الطب، كما قاله الشافعی ومالك وأبو حنيفه وأحمد رحمهم الله تعالیٰ، اهـ". بذل المجهود شرح أبی داؤد: ۱۱/۵(۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/محرم الحرام/ ۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۴/محرم الحرام/ ۶۸ھ۔

= (وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۴۵۰/۴، باب الإجارة الفاسدة، الفصل الرابع، رشيديه)

(وكذا فی خلاصة الفتاوی، كتاب الإجارة: ۱۱۲/۳، باب الإجارة الفاسده، امجد اكیڈمی)

(۱) (سنن أبی داؤد، كتاب الطب: ۱۸۸/۲، باب كيف الرقی، مكتبه إمداديه ملتان)

(وصحيح البخاری: ۸۵۴/۲، كتاب الطب، باب الرقی بفاتحة الكتاب، قديمی)

"ويلتحق به ما كان بالذكر والدعاء المأثور، وكذا غير المأثور مما لايخالف ما فی المأثور. وأما الرقی بما سوی ذلک، فليس فی الحديث ما يثبته و لا ما ينفيه، و سيأتی حكم ذلک فی كتاب الطب". (فتح الباری شرح صحيح البخاری: ۴۵۷/۴، باب ما يعطی فی الرقية علی أحياء العرب بفاتحة الكتاب، دار المعرفة لبنان)

(۲) (بذل المجهود: ۱۱/۵، باب كيف الرقی، معهد الخليل كراچی)

تعویذ پر اجرت

سوال[۸۲۳۳]: تعویذ گنڈوں کا عمل کر کے ہر ایک مریض سے سوا پانچ روپے حاصل کرے، ان دونوں منافع کو مسجد کی تعمیر یا مرمت میں خرچ کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعویذ گنڈے وغیرہ میں اگر دھوکہ نہیں کرتا اور خلافِ شرع عمل نہیں کرتا تو اس کی اجرت لینا بھی درست ہے(۱) اور اس قسم کی کمائی مسجد میں دینا اور اپنے اوپر خرچ کرنا سب درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

جن، بھوت کے علاج پر معاوضہ

سوال[۸۲۳۴]: زید خود کو عامل کہتا ہے اور جن بھوت، پریت (۲) آسیب کو ختم کرنے کا دعوی کرتا ہے اور عقائد دیوبندی رکھتا ہے۔ کہتا ہے کہ میرے قبضہ میں کئی مؤکل ہیں، جتنے لوگ اس کے پاس پہونچتے ہیں ہر ایک پر کچھ نہ کچھ اثر بتلاتا ہے اور ہر ایک سے علاج کرنے کی قیمت ٹھہراتا ہے۔ زید کا کوئی علاج تین سو روپیہ سے کم کا نہیں ہوتا اور ۴۰۰/ روپے تک۔ اور بتلاتا ہے کہ اس رقم سے کم میں علاج کرنا نہیں پڑتا۔ گویا زید معقول معاوضہ لیکر علاج کرتا ہے اور بغیر معاوضہ علاج نہیں کرتا۔ لہذا ہمیں یہ جاننا ہے کہ زید کا یہ عمل قرآن وحدیث کی رو سے درست ہے یا نہیں؟ اور کہیں ایسا عمل آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی سے ملتا بھی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنات کا وجود قرآن واحادیث سے ثابت ہے(۳)، اس کا علاج بھی ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ

---

(۱) (راجع للتخریج المسئلة المتقدمة آنفاً، رقم الحاشية: ۱، ۲)

(۲) ''پریت: بھوت، آسیب، محبت، پیار، عشق، میل جول''۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۹۳، فیروز سنز، لاهور)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿والجآن خلقنه من قبلُ من نار السموم﴾. (سورة الحجر: ۲۷)

وقال الله تعالیٰ: ﴿وخلق الجآن من مارج من نار﴾ الاية. (سورة الرحمٰن: ۱۵)

تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی علاج تجویز فرمایا ہے، ابو دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں جن تھا، پریشان کرتا تھا، اس کا علاج فرمایا ہے(۱)۔

علاج پر معاوضہ لینا بھی جائز ہے جیسے حکیم ڈاکٹر معاوضہ لیتے ہیں، بس اتنی شرط ہے کہ واقعتاً علاج جانتا ہو، دھوکہ نہ دیتا ہو۔ اور علاج میں کوئی ناجائز چیز نہ ہو، جیسے شرکیہ کلمات وغیرہ۔ معاوضۂ علاج شریعت کی طرف سے متعین نہیں، طرفین کی رضامندی پر ہے، بغیر معاوضہ کے علاج کیا جائے تو یہ خدمتِ خلق ہے، اس کا بہت بڑا اجروثواب ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۱/۹۲ھ۔

---

(۱) "أخرج البيهقي عن أبي دجانة رضي الله تعالىٰ عنه قال: شكوت إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقلت: يا رسول الله! بينا أنا مضطجع في فراشي؛ إذ سمعت في داري صريراً كصرير الرحيٰ، ودوياً كدويّ النحل، ولمعاً كلمع البرق، فرفعت رأسي فرعاً مرعوباً فإذا أنا بظلٍ أسود مُدّ لي يعلو ويطول في صحن داري، فأهويت إليه، فمسست جلده فإذا جلده كجلد القنفذ، فرمي في وجهي مثل شرر النار، فظننت أنه قد أحرقني.

فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "عامر دار سوء يا أبا دجانة!". ثم قال: "ايتوني بدوات وقرطاس". فأُتِيَ بهما، فناوله علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه، وقال: "أكتب: بسم الله الرحمن الرحيم، هذا كتاب من محمد رسول الله رب العالمين، أما بعد! فإن لنا و لكم في الحق سعةً، فإن تك عاشقاً مولعاً أو فاجراً مقحماً أو راعياً حقاً مبطلاً، هذا كتاب الله ينطق علينا و عليكم بالحق........... اهـ".

قال أبودجانة رضي الله تعالىٰ عنه: فحملتُه إلى داري، وجعلته تحت رأسي وبت ليلتي، فما انتبهت إلا من صراخ صارخ يقول: يا أبا دجانة! أحرقتنا، واللات والعزى الكلمات، فبحق صاحبه، لما رفعت عنا هذا الكتاب، فلا عود لنا في دارك و لا في جوارك. فغدوت فصليت الصبح مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وأخبرته بما سمعتُ من الجن، فقال: "ياأبا دجانة! ارفع عن القوم، فوالذي بعثني بالحق! إنهم ليجدون ألم العذاب إلى يوم القيامة". (الخصائص الكبرى للسيوطي: ۱۶۶/۲، باب فيه ذكر حرز الجن المعروف بحرز أبي دجانة اهـ، حقانيه پشاور)

(۲) "عن عوف بن مالك الأشجعي رضي الله تعالىٰ عنه قال: كنا نرقي في الجاهلية، فقلنا: يا رسول الله! =

دُنبل پر دم کرنے پر معاوضہ

سوال[۸۲۳۵]: ۱......زید کسی ''دُنبل''یعنی جس کو''نکالا''یا''بولا''بھی کہتے ہیں(۱)، وہ کسی طریقہ آیت یا علمِ سفلی سے دم کرتا ہے، ڈھیلا کاٹ دیتا ہے اور مریض کو آرام ہو جاتا ہے، کسی کو نہیں ہوتا ہے تو اس دم کرنے کے بعد زید، دو سوا دو آنہ بطورِ شیرینی کے لیتا ہے مریض سے۔ تو یہ رقم کافی جمع ہو جاتی ہے، مسجد کے مصرف یعنی لوٹا، مصلی، تیل، صف یا تعمیر وغیرہ میں خرچ کیا جاتا ہے تو بکر کہتا ہے کہ یہ مصرف جائز نہیں ہے، مسجد میں یہ پیسے نہیں لگ سکتے، کیونکہ اس میں ہندو کے پیسے بھی ہوتے ہیں اس لئے ناجائز ہے۔

۲......اگر یہ رقم مسجد میں نہ صرف کی جاوے تو کیا مدرسہ اسلامیہ میں مدرس کی تنخواہ یا تعمیر میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲......اگر آیتِ قرآنی پڑھ کر دم کرتا ہے اور اس کے عوض میں لیتا ہے تو یہ درست ہے(۲)۔ پھر اس

= كيف ترى في ذلك؟ فقال: "اعرضوا عليّ رُقاكم، لا بأس بالرقى ما لم يكن فيه شرك". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۸۸، كتاب الطب والرقىٰ، الفصل الأول، قديمي)

"ولا بأس بالمعاذات إذا كتب فيها القرآن أو أسماء الله تعالىٰ، وإنما تكره العوذة إذا كانت بغير لسان العرب، ولا يُدرىٰ ما هو، ولعله يدخله سحرٌ أو كفرٌ أو غير ذلك. وأما ما كان من القرآن أو شيء من الدعوات، فلا بأس به". (ردالمحتار: ۳۶۳/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، سعيد)

(وكذا في فتح الباري: ۴۵۷/۴، باب ما يعطى في الرقية على أحياء العرب بفاتحة الكتاب، دارالمعرفة بيروت)

(۱) ''دُنبل: پھوڑا، ایک قسم کی بیماری''۔(فیروز اللغات، ص:۶۴۷، فیروز سنز لاہور)

''نکلا: بولا، چیچک''۔(فیروز اللغات، ص:۱۳۷۳، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه أن ناساً من أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أتوا على حيٍّ من أحياء العرب، فلم يقروهم. فبينما هم كذلك إذا لدغ سيد أولئك، فقالوا: هل معكم دواء أو راق؟ فقالوا: نعم، إنكم لم تقرونا و لا نفعل حتى تجعلوا لنا جعلاً. فجعلوا قطيعاً من الشاء، =

کو یہ بھی جائز ہے کہ وہ مسجد یا مدرسہ میں جہاں چاہے دیدے اور مسجد و مدرسہ دونوں جگہ اس کا صرف کرنا درست ہے۔ اگر کچھ اور پڑھ کر دم کرتا ہے تو اس کے معلوم ہونے پر حکم تحریر کیا جائے گا۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۴/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ ربیع الثانی/ ۶۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

☆......☆......☆......☆......☆

= فجعل يقرأ بأم القرآن، ويجمع بزاقه ويتفل، فبرأ. فأتوا بالشاء، فقالوا: لا نأخذه حتى نسأل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فسألوه، فضحك وقال: "ما أدراك أنها رقية، خذوها واضربوا لي بسهم". (صحيح البخاري: ۸۵۴/۲، كتاب الطب، باب الرقىٰ بفاتحة الكتاب، قديمي)

"جوزوا الرقية بالأجرة ولو بالقرآن، كما ذكره الطحاوي؛ لأنها ليست عبادة محضة، بل من التداوي". (ردالمحتار: ۵۷/۶، باب الأجرة الفاسدة، مطلب في الاستيجار على التلاوة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۵۰/۴، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع، رشيديه)

باب الاستیجار علی المعاصی

(ناجائز کاموں پر اجرت لینے کا بیان)

ناجائز کام کی اجرت

سوال[۸۲۳۶]: شاکر وخالد یہ دونوں طالب علم ہیں، ایک ہی اسکول میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، دونوں میں دوستی ہوگئی۔ شاکر مقامی ہے اور خالد پردیسی ہے اور شاکر بینا اور خالد نابینا ہے اور شاکر چھوٹا ہے اور خالد بڑا ہے، خالد مسجد کے ایک حجرہ میں رہتا ہے اور شاکر اپنے گھر۔

دوستی یہاں تک بڑھی کہ شاکر حجرہ میں آنے لگا، ایک دن شاکر آنے لگا تو خالد نے شاکر سے کہا کہ لیٹ جاؤ، ابھی اسکول سے تھکے ہوئے ہو، آرام کرلو، پھر جانا۔ شاکر لیٹ گیا تو خالد نے شاکر کے ساتھ بدفعلی کی، پھر اس کے بعد شاکر گھر آ گیا۔ یہ معامہ اتنا طویل ہوگیا کہ کچھ روز کے بعد خالد اور شاکر دونوں اسکول ساتھ آتے تھے اور حجرے میں شاکر سے خالد بدفعلی کرتا تھا۔

آخر یہ ہوا کہ شاکر نے ایک سائیکل مرمت کے لئے دیدی، مزدوری ۱۰۰/ روپیہ طے ہوئی۔ شاکر نے خالد سے پچاس روپیہ طلب کئے جو بدفعلی کی اجرت اس پر تھی، اس نے انکار کردیا۔ شاکر نے اس کی شکایت کی کہ خالد میرے روپے نہیں دیتا ہے، قاری صاحب نے خالد کو بلایا اور چند لوگوں کو جمع کیا کہ شاکر کے پچاس روپے دیدو۔ بہرحال جب خالد نے نہ دیئے تو قاری صاحب اور پنچایت نے یہ طے کیا کہ خالد کا وظیفہ پچاس روپیہ شاکر کی سائیکل کی مرمت میں دیدیا جاوے۔ تو کیا یہ روپیہ خالد سے لینا جائز ہے یا کہ نہیں؟ اور وہ سائیکل ابھی تک شاکر کے پاس موجود ہے اور ان دونوں میں بول چال بند ہے۔ شرعی حکم سے مطلع فرمادیں۔

شاکر اور اس کے باپ نے قرآن شریف لے کر حلف اٹھایا کہ ہمارا روپیہ خالد کے پاس قرض ہے، حالانکہ وہ بدفعلی کی اجرت مقررہ کا روپیہ تھا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

خالدوشاکر کے شرمناک تعلقات ومعاملات کا پہلا تقاضا تو یہ ہے کہ ان کے درمیان ہرگز میل میلاپ نہ ہونے دیا جائے، اگران کی اصلاح کی توقع نہ ہوتو ان کو خارج کردیا جاوے تاکہ ان کی وجہ سے دوسروں کے حالات خراب نہ ہونے پائیں اور اسکول اور طلباء کی بدنامی نہ ہو۔

جو فیصلہ کیا گیا ہے کہ دونوں کے روپے ملاکر سائیکل والے کو دیئے ہیں، اگر یہ روپیہ ان دونوں کو دے کر ان کا قبضہ نہیں کرایا بلکہ اسکول سے براہ راست سائیکل والے کو دیئے گئے ہیں تو اس روپیہ پر نہ خالد کی ملک ہوئی، نہ شاکر کی، بلکہ یوں سمجھئے کہ دونوں کا وظیفہ ضبط کرلیا گیا اور سائیکل والے کا مطالبہ ادا کردیا گیا، پس یہاں نہ خالد نے روپیہ دیا نہ شاکر نے لیا کہ حرام کمائی اور فعلِ حرام پر روپیہ لینے دینے کا سوال پیدا ہو(۱)۔

جھوٹی قسم کھانا اور قرآن ہاتھ میں لے کر جھوٹا حلف اٹھانا کبیرہ گناہ ہے جو کہ شرک کے قریب ہے(۲)

---

(۱) ”عن رافع بن خديج رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ”ثمن الكلب خبيث، و مهرالبغي خبيث، وكسب الحجام خبيث“. رواه مسلم“. (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۱، باب الكسب و طلب الحلال من كتاب البيوع، قديمى)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فاجتنبوا الرجس من الأوثان، واجتنبوا قول الزور﴾ سورة الحج : ۳۰)

وقال الله تعالىٰ: ﴿إن الذين يشترون بعهد الله وأيمانهم ثمناً قليلاً، أولئک لا خلاق لهم فى الآخرة، ولا يكلمهم الله و لا ينظر إليهم يوم القيامة ولا يزكيهم، ولهم عذاب أليم﴾. (سورة آل عمران : ۷۷)

”عن أبى ذر رضى الله تعالىٰ عنه أنه سمع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: ”من ادّعى ما ليس له، فليس منا، وليتبوأ مقعده من النار“. رواه مسلم“. (مشكوة المصابيح، كتاب القضاء، ص: ۳۲۷، باب الأقضية والشهادات، الفصل الأول، قديمى)

”عن عبدالله بن عمرو رضى الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ”الكبائر الإشراک بالله، وعقوق الوالدين، وقتل النفس، واليمين الغموس“. رواه البخارى. وفى رواية أنس: ”وشهادة الزور“. بدل اليمين الغموس“. (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق، ص: ۱۷، الفصل الأول، قديمى)

”وقد صرح فى غاية البيان وغيرها بأن اليمين الغموس كبيرة، وهو أعم كما ذكرنا“. (البحر=

اس پر سخت ندامت، پختہ توبہ لازم ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۸۸ھ۔

باجہ بجانے کی اجرت

سوال[۸۲۳۷]: جولوگ انگریزی باجہ بجانے والے ہیں اوروہ مسلمان ہیں ان کا پیشہ یہی ہے، اس پر ان کی گزراوقات ہے تو ان کی مزدوری بموجبِ شرحِ حدیث کے کیسی ہے؟ نیز ان کو کرایہ کے طور پر مسجد کی دوکانیں دینی چاہئیں یا نہیں؟ اس کا مفصل طور پر اور خلاصہ کے طور سے فتوی مرحمت ہو، اس معاملہ میں آپس میں نزاع ہو رہا ہے۔

الجواب حامداومصلیاً:

انگریزی باجہ بجانا شرعاً جائز نہیں (۲) اوراس کا پیشہ کرنا بھی ممنوع ہے، اس کی آمدنی بھی ناجائز ہے، ایسے لوگوں کو مسجد کی دوکانیں کرائے پر دی جائیں تو احترامِ مسجد کے خلاف ہے (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= الرائق، كتاب الأيمان: ۴/۴۷۰، رشيديه)

(۱) "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الغناء يُنبت النفاق في القلب، كما ينبت الماء الزرع". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۱۱، كتاب الآداب، باب البيان والشعر، الفصل الثالث، قديمي)

"وقال النووي في الروضة: غناء الإنسان بمجرد صوته مكروه، وسماعه مكروه، وإن كان سماعه من الأجنبية كان أشد كراهةً، والغناء بآلات مطربة هو من شعار شاربي الخمر كالعود والطنبور والصنج والمعازف وسائر الأوثار حرام". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب البيان والشعر، الفصل الثالث: ۸/۵۵۷، ۵۵۸، رشيديه)

(۳) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ولا لأجل المعاصي مثل الغناء، والنوح، والملاهي. ولو =

ریڈیو بنانے اور مرمت کرنے کی اجرت

سوال[۸۲۳۸]: آج کل عموماً نوجوان لڑکے-جن میں خاص تعداد مسلمان لڑکوں کی بھی ہے- ریڈیو بنانے کا فن سیکھتے ہیں اور اس کے بعد یا تو خود ریڈیو بنانے اور اس کی مرمت کرنے کی دوکان کھول لیتے ہیں، یا کسی کی دوکان پر ملازمت کر لیتے ہیں۔ اس کے بارے میں جواز وعدمِ جواز کے بارے میں تحریر فرمائیں اور اس سے پیدا کردہ آمدنی حلال ہے یا حرام؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ریڈیو نہ نجس ہے، نہ حرام، نہ حرام کام کے لئے اصالۃً بنایا گیا ہے، جو لوگ اس کو ناجائز کام کے لئے استعمال کرتے ہیں وہ اپنے فعل کے خود ذمہ دار ہیں(۱)، اس لئے اس کا بنانا اور بنا کر آمدنی حاصل کرنا حرام نہیں، نہ ایسی آمدنی حرام ہے۔ اس سے بہتر حلال روزی کی کوئی دوسری صورت ہو تو وہ مقدم ہے، اس لئے کہ بکثرت لوگ اس کو لہو ولعب کے لئے استعمال کرتے ہیں، لہٰذا اگر کوئی اس کی آمدنی سے احتیاط کرے تو بہتر ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۵/۸۵ھ۔

= أخذ بلا شرط، يباح". (الدرالمختار). "(قوله: والملاهي) كالمزامير والطبل.......... وفي المنتقى: امرأة نائحة، أو صاحبة طبل، أو زمر، اكتسبت مالاً، ردّته على أربابه إن علموا، وإلا تتصدق به".

(ردالمحتار، كتاب الإجارة: ۵۵/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۵/۸ باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۴۹/۴، الباب الخامس العشر، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

(۱) "وإذا استأجر الذمیّ من المسلم داراً يسكنها، فلا بأس بذلك وإن شرب فيها الخمر، أو عَبَدَ فيها الصليب، أو أدخل فيها الخنازير، و لم يُلحق المسلمَ في ذلك بأسٌ؛ لأن المسلم لا يؤاجرها لذلك، وإنما آجرها للسكنیٰ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۵۰/۴، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

(وكذا في المبسوط: ۴۳/۱۶، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) لیکن اگر کسی شخص کے بارے میں یہ یقین ہو کہ یہ آدمی اس کو لہو ولعب اور گانا سننے کے لئے استعمال کرتا ہے تو اس صورت میں اس شخص کے لئے ریڈیو بنانا اور مرمت کرنا جائز نہیں ہوگا، لقوله تعالیٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ الاية =

قوالی اوراس کی آمدنی

سوال[۸۲۳۹]: زید ایک صالح اور دیندار آدمی ہے اور وہ نماز پنجگانہ کا پابند ہے، نیز امورِ شرعیہ کا لحاظ کرتا ہے، مگر اس کا ذریعۂ معاش پیشۂ قوالی ہے، وہ قوالی کی محفل میں شرکت کرتا ہے اور اس کی آمدنی سے اپنے اہل وعیال کی کفالت کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ پیشۂ قوالی جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ اس روپیہ سے غرباء کی امداد وادائیگی حجِ بیت اللہ کیا جاسکتا ہے؟ ایک صاحب کہتے ہیں کہ قوالی کا پیشہ جائز ہے، کیونکہ اکثر بزرگانِ دین سے قوالی کا سننا ثابت ہے۔ آپ بتلادیں کہ اگر دوسرا کاروبار کرتا ہے اس نیت کے ساتھ کہ وہ اپنے سابق پیشہ قوالی کو ترک کردے گا تو وہ دوسرا پیشہ جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیاً:

مروجہ قوالی ناجائز ہے، اس کو ذریعۂ معاش بنانا اور پیسہ حاصل کرنا بھی ناجائز ہے (۱)، ایسا پیسہ

= (سورة المائدة: ۲)

"فإذا ثبت كراهة لبسها، ثبت كراهة بيعها، وصيغها، لِمَا فيه من الإعانة على ما لا يجوز، وكل ما أدى إلى ما لا يجوز، لا يجوز". (الدرالمختار: ۶/ ۳۶۰، فصل في اللبس، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

"وجاز بيع عصير ممن يتخذه خمراً؛ لأن المعصية لا تقوم بعينه، بل بعد تغيره. وقيل: يكره، لإعانته على المعصية، بخلاف بيع أمرد ممن يلوط به، و بيع سلاح من أهل الفتنة؛ لأن المعصية تقوم بعينه .... قلت: وقدمنا ثمة معزياً للنهر أن ما قامت المعصية بعينه، يكره بيعه تحريماً". (الدرالمختار: ۶/ ۳۹۱، فصل في البيع، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

(۱) "ولا تجوز الإجارة على شئ من الغناء والنوح والمزامير، والطبل، و شئ من اللهو، وعلى هذا الحداء، وقراءة الشعر وغيره، لا أجر في ذلك، و هذا كله قول أبي حنيفة وأبي يوسف و محمد رحمهم الله تعالىٰ أجمعين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة: ۴/ ۴۴۹، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/ ۴۱، باب المتفرقات، كتاب الإجارة، رشيديه) .... =

درست نہیں، اس کو غریبوں پر صدقہ کردے (۱) اور آئندہ کے لئے اس پیشہ سے توبہ کرلے۔ ایسی کمائی سے جو ٹیکسی خریدی ہے اس ٹیکسی کی آمدنی ناجائز نہ ہوگی (۲)، بلکہ اس کی قیمت کے بقدر روپیہ حسبِ وسعت صدقہ کردے۔

بزرگانِ دین نے اس قسم کی محفلیں منعقد نہیں کیں، ان کا دوسرا حال تھا۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ سب نے ہی اس قوالی کو ناجائز فرمایا ہے۔ فتاوی بزازیہ میں تصریح موجود ہے (۳)۔

= (وكذا في ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٥٥/٦، سعيد)

(١) قال العلامة الزيلعي رحمه الله تعالىٰ: "و لا يجوز على الغناء و النوح والملاهي؛ لأن المعصية لا يتصور استحقاقها بالعقد، فلايجب عليه الأجر .... وإن أعطاه الأجر وقبضه، لايحل له، و يجب عليه ردّه على صاحبه". (تبيين الحقائق: ١١٩/٦، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت)

"والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال، وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام، لايحل له، ويتصدق به بنية صاحبه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ٩٨/٥، ٩٩، سعيد)

(٢) "رجل اكتسب مالاً من حرام، ثم اشترى، فهذا على خمسة أوجه: إما إن دفع تلك الدراهم إلى البائع أولاً، ثم اشترى منه بها، أو اشترى قبل الدفع بها و دفع غيرها، أو اشترى مطلقاً و دفع تلك الدراهم، أو اشترى بدراهم أخر ودفع تلك الدراهم .... قال الكرخي في الوجه الأول والثاني: لايطيب، وفي الثلاث الأخير: يطيب في الكل. قال أبوبكر: لا يطيب في الكل، لكن الفتوى الآن على قول الكرخي دفعاً للحرج عن الناس؛ لكثرة الحرام". (ردالمحتار: ٢٣٥/٥، كتاب البيوع، باب المتفرقات منه، سعيد)

واضح رہے کہ سوال میں "ٹیکسی" سے متعلق کوئی ذکر نہیں، شاید مستفتی نے مذکورہ آمدنی سے متعلق چند سوال کئے ہوں، اس میں ایک سوال ٹیکسی کے حوالے سے بھی ہو، لیکن مرتبین حضرات یا کاتب سے چھوٹ ہوگیا ہو کہ وہ سوال تو رہ گیا ہو اور جواب میں اس سوال کا جواب آگیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(٣) "في العيون: لا تجب أجرة المغنية. وفي المنتقى: امرأة نائحة، أو صاحبة طبل، أو صاحبة مزامير، اكتسبت مالاً، إن كانت على شرط، ردته على أربابها إن علموا، وإن لم يعلموا تصدقت به". (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ١٢٥/٥، النوع العاشر في الحظر والإباحة، رشيديه)

اسی طرح قرطبی، ابن عابدین، حصکفی (رحمہم اللہ تعالیٰ) نے منع لکھا ہے(۱)۔

بعض اکابر کی عبارت میں بہت شدت سے سخت الفاظ میں منع کیا گیا ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی نے بھی اجازت نہیں دی ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے کہیں ثابت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/۱۱/۸۸ھ۔

ناول کرایہ پر دینا

سوال [۸۲۴۰]: زید ایک کتب خانہ کھولنا چاہتا ہے، اس میں ناول اور قصہ کہانی کی کتابیں رکھ کر روزانہ کرایہ پر دے گا تو کتابوں کو کرایہ پر دینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ کتابوں کو کرایہ پر دینا درست نہیں، خواہ وہ کتابیں کیسی ہی ہوں (۲)،

---

(۱) قال العلامة محمد بن أحمد الأنصاري القرطبي في تفسير قوله تعالىٰ: ﴿ومن الناس من يشتري لهو الحديث﴾ .... هذه إحدى الآيات الثلاث التي استدلّ بها العلماء على كراهة الغناء، والمنع منه .... وفيه قال: فأما ما ابتدعته الصوفية اليوم من الإدمان على سماع المغاني بالآلات المطربة من الشبابات، والطار، والمعازف، والأوتار، فحرام .... فأمّا مالك بن أنس رضي الله تعالىٰ عنه: فإنه نهى عن الغناء، وعن استماعه .... وهو مذهب سائر أهل المدينة .... وأما مذهب أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، فإنه يكره الغناء، و يجعل سماع الغناء من الذنوب .... وأما مذهب الشافعي: فقال: الغناء مكروه، يشبه الباطل، ومن استكثر، فهو سفيه، تُردّ شهادته". (أحكام القرآن للقرطبي: ۱۴/۳۸-۴۰، سورة اللقمٰن، دار الكتب العلميه بيروت)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ولا لأجل المعاصي مثل: الغناء والنوح والملاهي. ولو أخذ بلا شرط، يباح". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: والملاهي) كالمزامير والطبل". (ردالمحتار، كتاب الإجارة: ۶/۵۵، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(۲) "ولو استأجر كتباً ليقرأ فيها، شعراً كان أوفقهاً أو غير ذلك، لا يجوز له وإن قرأ". (الفتاویٰ =

ناولوں کا دیکھنا تو ایسے ہی مخرّبِ اخلاق ہیں، بے شرمی، بے غیرتی اور غیروں سے آشنائی پیدا کرنے کا بڑا محرک ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱/۱/۸۸ھ۔

تصویر کی اجرت

سوال[۸۲۴۱]: میں ٹھیکہ داری کا کام کرتا ہوں، رنگ، لوہا، جنگلے وغیرہ کا ٹھیکہ بھی میرے ذمہ ہوتا ہے، بعض لوگ مجھ سے تصویر بھی بنواتے ہیں۔تو اس کی کمائی میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جاندار کی تصویر خود بنانا، یا دوسروں کے ذریعہ سے بنوانا، لکڑی یا لوہے پر کھدوانا، اپنی مرضی سے یا گاہک کی مرضی سے ہر طرح ناجائز ہے، بنوانے والا گاہک مسلم ہو یا غیر مسلم، کسی کی خاطر اجازت نہیں ہے(۲)،

= العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة ومالايجوز: ۴/۴۵۰، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۵/۸، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۴۰/۱۶، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "و لا لأجل المعاصي مثل: الغناء والنوح والملاهي. ولو أخذ بلا شرط، يباح". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: والملاهي) كالمزامير والطبل.......... اهـ". (ردالمحتار: ۵۵/۶، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۵/۸، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(۲) "عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "أشد الناس عذاباً عند الله المصوّرون". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۸۵، كتاب الآداب، باب التصاوير، قديمي)

"و ظاهر كلام النووي في شرح مسلم: الإجماع على تحريم تصوير الحيوان، وقال: وسواء صنعه لما يمتهن، أو لغيره، فصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاةً لخلق الله تعالىٰ". (ردالمحتار، =

مگراس کی وجہ سے بقیہ تمام لوہے کا کام - جو کہ جائز ہے - شرعاً ناجائز نہیں کہا جائے گا اور اس کی آمدنی ناجائز نہیں ہو جائے گی۔

اگر تصویر بنانے کی آپ ذمہ داری نہ لیں، نہ اس کا معاملہ کریں تو بہت اچھا ہے، پھر جس جگہ چاہیں اور جو معاملہ چاہیں کریں، آپ بری ہوں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/ ۸/ ۸۹ھ۔

گیس بتی مجالسِ شرک وفسق میں کرایہ پر دینا

سوال [۸۲۴۲]: سوال یہ ہے کہ خادم ایک مدت سے گیس بتیاں کرایہ پر دیتا ہے اور کرایہ پر لے جانے والے حضرات وقتاً فوقتاً اپنی غرض ایسی بتلاتے ہیں کہ جو کبھی شرک ہوتا ہے، یا فسق، یا بدعت مثلاً گنپتی کی پوجا پاٹ اور دیوالی وعرس، اسی طرح جوا، شراب خانہ، زناکاری کے اڈے اور ناچ گانوں کی محفلیں اور شادی بیاہ کی بارات جس میں بینڈ باجے وغیرہ ہوتے ہیں، عرس کی چادر کا جلوس و دیگر امور بدعات کے لئے لے جانا چاہتے ہیں۔ تو کیا اس صورت میں خادم کو گیس بتیاں دینا جائز ہے یا ناجائز؟ جب کہ اس کے ساتھ بذات خود یا کسی دوسرے شخص کا ساتھ ہونا یا جو مسلمان ہوتا ہے، ضروری ہوتا ہے اور یہ شرکت اس کی خرابی یا ہوا وغیرہ دینے کے لئے ہوتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جانتے ہوئے کہ فلاں معصیت یا شرک کی محفل میں یہ گیس جائے گا جس سے اس کی رونق میں اضافہ ہوگا، یہ اس کی اعانت ہے، اس سے اجتناب کرنا چاہئے، لقوله تعالیٰ: ﴿و لا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾(۱)۔

= کتاب الصلوة: ۱/ ۶۴۷، باب مکروهات الصلاة، سعید)

"و لو استاجر رجلاً لیزخرف له بیتاً بتماثیل، والأصباغ من المستأجر، فلا أجر له، کذا فی السراجیة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الإجارة، الباب الخامس عشر فی بیان مایجوز من الإجارة ومالایجوز: ۴/ ۴۵۰، الفصل الرابع فی فساد الإجارة، رشیدیه)

(۱) (سورة المائده : ۲)

پھر جبکہ گزارہ کا دوسرا ذریعہ بھی قابو میں ہے تو اس کو بالکل ترک کردیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۹/۹۰ھ۔

حرام آمدنی سے کھانا اور تنخواہ لینا

سوال [۸۲۴۳]: میں اپنے بھائی صاحب کی دوکان میں ملازم کی حیثیت سے دوسو روپیہ ماہانہ تنخواہ پر کام کررہا ہوں، ابتداہی سے بھائی صاحب کے مکان میں رہائش وخورد ونوش ہے اور وہی کفیل رہے ہیں۔ بھائی صاحب کی آمدنی تمام تر حرام ہے اور دوکان سامانِ تقاریب کی ہے جو کہ کرایہ پر دیئے جاتے ہیں اور یہ سامان بھی اسی حرام مال سے خریدا گیا ہے۔

یہ عاجز اپنے لئے حلال کی فکر میں ہے، اس لئے باوجود کوشش اور پیشکش کے بجائے شریک بننے کے ملازم بن کر رہنا گوارا کرلیا، اگر میں ملازمت چھوڑ دوں تو فی زمانہ دوسری ملازمت ملنا بہت دشوار ہے، بچپن سے بھائی صاحب ہی کے مکان میں زندگی گذری ہے۔ اور میں ابھی تک غیر شادی شدہ ہوں، اس لئے علیحدہ رہنا بھی بظاہر دشوار ہے۔ ان حالات میں ان کے گھر کا پکا کھانا میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟

دوسرے: اگر میں ماہانہ کچھ رقم بطورِ خوراک دیدوں تو اس صورت میں کیا حکم ہوگا؟ حال ہی میں بھائی صاحب نے ماہانہ تنخواہ میں پچاس روپیہ زائد دینے کی پیشکش کی جسے اس وقت قبول نہیں کیا تھا۔ اگر میں ان سے یہ کہہ دوں کہ میری ماہانہ تنخواہ میں بجائے پچاس روپے کے اضافہ کے میری خوراک کے معاوضہ میں داخل کرلی جائے تو آیا اس صورت میں اس گھر کا کھانا میرے لئے جائز ہوگا؟ موجودہ صورت میں جناب عالی شریعتِ

---

(۱) "ولا لأجل المعاصي: مثل الغناء، والنوح، والملاهي. ولو أخذ بلا شرط، يباح". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين: "(قوله: والملاهي) كالمزامير والطبل". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۵/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة: ۴۴۹/۴، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۵/۸، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة: ۱۱۸/۶، باب الإجارة الفاسدة، دار الكتب العلمية بيروت)

مطہرہ کے حکم سے مطلع فرما کر اس عاجز کو آخرت کے بگاڑ سے بچالیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کی تحریر میں ''سامانِ تقاریب'' مجمل ومبہم لفظ ہے اس کا مطلب سمجھتا ہوں: ''شامیانہ، میز، کرسی، گیس، فرش'' وغیرہ، ان اشیاء کو کرایہ پر دینا اور کرایہ وصول کرنا حرام نہیں ہے۔ اگر چہ کرایہ پر لینے والے اپنی محفل میں کچھ غلط قسم کے کام بھی کرتے ہوں، مگر اس کی وجہ سے وہ کرایہ کی آمدنی حرام نہیں، ایسی آمدنی سے کھانا اور تنخواہ لینے میں مضائقہ نہیں ہے، دونوں طرح درست ہے(۱)۔ اگر آمدنی حرام ہونے کی کوئی اَور صورت ہے تو صاف لکھئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۹/۹۰ھ۔

کارخانۂ شراب کی ملازمت

سوال[۸۲۴۴]: کارخانۂ شراب جہاں کئی ہزار من شراب روزانہ شیرہ وغیرہ سے پک کر تیار ہوتی ہے اور یہاں سے ہندوستان کے اکثر شہروں میں بذریعۂ برانڈی (۲) اور دیگر ذرائع سے روانہ کی جاتی ہے، اس میں مسلمانوں کو بطورِ مزدور، محرر، مثلاً: شراب کی مشین چلانا، بوتلیں صاف کرنا، شراب کے لئے صندوق، ڈبہ، کنستر بنانا(۳)۔

اپنی لاری، ٹھیلہ، بیل گاڑی، یا سر پر لاد کر قرب وجوار، یا مثلاً دہلی، حصار، لاہور، انبالہ وغیرہ لے جانا

---

(۱) ''وإذا استأجر الذمی من المسلم داراً یسکنها، فلا بأس بذلک، وإن شرب فیها الخمر، أوعَبَدَ فیها الصلیب، أو أدخل فیها الخنازیر، و لم یلحق المسلمَ فی ذلک بأسٌ؛ لأن المسلم لا یؤاجرها لذلک، وإنما آجرها للسکنی''. (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الإجارة، الباب الخامس عشر فی بیان مایجوز من الإجارة ومالایجوز: ۴/۴۵۰، الفصل الرابع فی فساد الإجارة، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الإجارة: ۲/۳۲۴، باب الإجارة الفاسدة، رشیدیه)

(وکذا فی المبسوط للسرخسی: ۱۶/۴۳، باب الإجارة الفاسدة، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) ''برانڈی: برانڈ، تجارتی مارکہ، خاص قسم کا مال''۔(فیروز اللغات، ص: ۱۹۳، فیروز سنز، لاهور)

(۳) ''کنستر: ٹین کا بکس، پیپا''۔(فیروز اللغات، ص: ۱۰۳۵، فیروز سنز لاهور)

مسلمانوں کو جائز ہے یا نہیں؟ اگر نا جائز ہے تو مکروہ ہے یا حرام؟ اور قرآن کریم کا حکم: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ الاية(۱)۔ ان پر صادق آتا ہے یا نہیں؟

نیز حدیث میں جو آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دس آدمیوں پر لعنت فرمائی ہے جس میں بنانے والا، نچوڑنے والا، پینے والا، پلانے والا، اٹھا کر لے جانے والا، جس کے پاس لے جائے وغیرہ وغیرہ جو کہ قرآن کریم کے حکم مذکور اور ﴿فاجتنبوا﴾ کی تفسیر کر رہی ہے، اس سے کون لوگ مراد ہیں؟ شراب خانہ مسلمان اور ہندو کا ایک ہی حکم میں ہے یا جداگانہ احکام ہیں؟ مع حوالۂ کتبِ حدیثِ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کارخانہ اگر مسلمان کا ہے تو اس کی یہ سب ملازمتیں حرام ہیں، موٹر وغیرہ کے ذریعہ سے لیجانا اور مزدوری لینا بھی حرام ہے۔ اگر یہ کارخانہ کافر کا ہے تو یہ ملازمتیں مکروہ تحریمی ہیں۔ شراب کی بیع وملازمت وغیرہ میں مسلم اور کافر کا حکم یکساں نہیں، بلکہ علیحدہ علیحدہ ہے:

"عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فی الخمر عشرةً: عاصرها، ومعتصرها، وشاربها، وحاملها، والمحمولة إليه، وساقيها، وبائعها، وآكل ثمنها، والمشترى لها، والمشترى له". رواه الترمذی وابن ماجة". مشکوة(۲)۔

مگر شراب بنانے کی ملازمت بہرحال حرام ہے:

"وجاز حمل خمر بنفسه، أو بدابّته بأجر، لاعصرها، لقيام المعصية بعينه، اهـ". درمختار۔ "قال الزيلعی: وهذا عنده، و قالا: و هو مكروه. زاد فی النهاية: وهذا قياس، وقولهما

---

(۱) (سورة المائدة: ۲)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الثانی، ص: ۲۴۲، قديمی)

"قال الطيبی رحمه الله تعالى: لعن من سعى فيها سعياً ماعلى ماعدد من العاصر والمعتصر وما أرْدَفَهما. وإنما أطنب فيه ليستوعب من زوالها مزادلةً مّا بأیّ وجه كان. ومن باع العنب من العاصر وما أخذ ثمنه، فهو أحق باللعن". (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الثانی: ۲۸/۶، رشيديه)

استحسان. ثم قال الزيلعي: وعلى هذا الخلاف لو أجره دابته ينقل عليه الخمر. ولعل المراد ههنا عصر العنب على قصد الخمرية، فإنّ عين هذا الفعل معصيةٌ بهذا القصد، ولذا أعاد الضمير على الخمر، مع أن العصر للعنب حقيقةً، اهـ". رد المحتار ملخصاً(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ایسی ملازمت جس میں سود کا حساب ہی ہو

سوال[۸۲۴۵]: میں سرکاری ملازم ہوں، میرے کاروبار وظیفہ خواروں کو ادائیگیٔ وظیفہ، ملازمین سرکار کی تنخواہ پر اندراجات وسفر خرچ کی تنقیح واجرائے اسٹام، دستاویزی عدالتی کی فراہمی وفروخت کا حساب ہے، ساتھ ساتھ بعض دفعہ میرے نوٹ پر سود کی اجرائی اور مختلف قرضہ جات کی سود کی رقم بذریعۂ چالان جمع ہوتی ہے تو اس طرح سود کی اجرائی اور سود کی رقم کے جمع سرکار ہونے کا حساب بھی وقتاً فوقتاً آجاتا ہے۔ نیز اب لاٹری ٹکٹ کے حسابات کی ذمہ داری بھی سپرد کردی گئی ہے۔ میں کثیر العیال ہوں، ملازمت چھوڑنے پر یقیناً والد محترم مجھ سے ناراض ہوں گے۔ ایسی صورت میں ملازمت کررہا ہوں، یہ میرے لئے جائز ہے یا قابلِ ترک ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

آپ کی اصل آمدنی تو جائز تھی، لیکن اب آپ کو اپنی جائز ملازمت میں کچھ ایسا کام بھی کرنا پڑتا ہے جس کی شرعاً اجازت نہیں، جائز کام کے مقابلہ میں اگر دوسرا کام کم ہے تو اپنی ملازمت ترک نہ کریں، اگر جائز کام کم ہو اور دوسرا کام زائد ہو تب بھی فوراً ملازمت ترک نہ کریں، مبادا کہ پریشانی کا سامنا ہو جو قابلِ برداشت نہ ہو(۲) البتہ دوسری جائز کسبِ معاش تلاش کرتے رہیں، جب وہ میسر آجائے تب اس موجودہ ملازمت

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۶/۳۹۱، ۳۹۲، فصل فی اللبس، کتاب الحظر والإباحة، سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/۴۵۰، الباب الخامس العشر، الفصل الرابع فی فساد الإجارة، رشيديه)

(وكذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة: ۲/۳۲۴، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(۲) "إذا تعارض مفسدتان، رُوعی أعظمهما ضرراً بارتكاب أخفهما، وقال الزيلعي: ثم الأصل فی جنس هذه المسائل أن من ابتُلی ببليتين وهما متساويان، يأخذ بأيّتهما شاء، وإن اختلفاه يختار أهونهما؛ لأن مباشرة =

کوترک کردیں(۱)۔ استغفار بہر حال کرتے رہیں، نیز اللہ پاک سے حلال کسبِ معاش کی دعاء میں لگے رہیں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ دعاء قبول فرمائیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

چنگی کی ملازمت

سوال[۸۲۴۶] : ایک شخص چنگی چوکی کا داروغہ ہے، اس کی نظر سے فضائلِ صدقات، ص:۲۷ پر ایک حدیث گزری کہ: ’’حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ’’جس شخص کے پاس کوئی عذر کرے اور وہ قبول نہ کرے تو اس کو اتنا گناہ ہوتا ہے جتنا کہ چنگی کے وصول کرنیوالوں کو‘‘(۲)۔ اب داروغہ بہت پریشان ہے کہ چنگی کی ملازمت کرے یا نہ کرے۔

الجواب حامداومصلیاً:

شریعت نے ٹیکس کو حرام قرار دیا ہے اور ٹیکس وصول کرنے والے کے لئے سخت وعید ہے، اس کی دعاء بھی قبول نہیں ہوتی، آجکل چنگی کا حال بھی تقریباً ایسا ہی ہے، اس لئے جب دوسری ملازمت کو پالے، یا گزارہ کی صورت ہوجائے تو چنگی کی ملازمت نہ کی جائے۔ اگر ملازمت کرلی ہے اور دوسری جائز ملازمت اس سے بہتر

= الحرام لا تجوز إلا لضرورة". (الأشباه والنظائر: ۱/۲۶۱، (رقم القاعدة: ۵۹۸)، إدارة القرآن كراچی)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة، عامةً كانت أو خاصةً، و لهذا جوزت الإجارة على خلاف القياس للحاجة .... اهـ". (شرح الأشباه والنظائر: ۱/۲۶۷، (رقم القاعده: ۶۱۷)، إدارة القرآن كراچی)

"الضرورات تُبيح المحظورات: أى الأشياء الممنوعة تعامل وقت الضرورة". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۹، (رقم المادة: ۲۱)، المقالة الثانية فى بيان القواعد الفقهية". (مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "الضرورة تتقدر بقدرها". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۳۰، (رقم المادة: ۲۲)، المقالة الثانية فى بيان القواعد الفقهية ،مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى شرح الأشباه والنظائر: ۱/۲۵۱، الفن الأول، القاعدة الخامسة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فى قواعد الفقه، ص: ۸۹، (رقم القاعدة: ۱۷۱)، الصدف پبلشرز كراچی)

(۲) (فضائل صدقات، فصل اول، (تحت رقم الآية: ۱۲)، ص: ۲۹، كتب خانه فيضى لاهور)

موجود ہے تو چنگی کی ملازمت ترک کردی جائے (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ دار العلوم دیو بند، ۲۹/۶/۸۹ھ۔

نسبندی کی ملازمت

سوال[۸۲۴۷]: ۱......نسبندی کی ملازمت کرنا اور صرف غیر مسلموں کی نسبندی کرنا، دوسروں کی نہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

تاڑی نکالنے کے لئے درخت کو کرایہ پر دینا

سوال[۸۲۴۸]: ۲......کھجور کے درخت کا پانی جو خاص موسم میں نکالا جاتا ہے جس کو "تاڑی" کہتے ہیں جس میں نشہ ہوتا ہے۔تو تاڑی نکالنے کی وجہ سے مالک درخت کا کچھ روپیہ لینا کیسا ہے اور درخت ایسے شخص کو دینا جائز ہے یا نہیں جو تاڑی کا کاروبار کرتا ہے؟

الجواب حامداومصلیاً:

۱...... جو کام ناجائز ہے، اس کام کی نوکری بھی ناجائز ہے، دوسرا ذریعۂ معاش تلاش کرے اور اس

---

(۱) "عن عقبة بن عامر رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: "لا یدخل الجنة صاحب مکس". یعني العشار". (مسند الإمام أحمد: ۱۳۶/۵، (رقم الحدیث: ۱۶۸۴۳)، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

"(قوله: دفع النائبة والظلم عن نفسه) النائبة: ما ینوبه من جهة السلطان من حق أو باطل أو غیره .... والمراد دفع ما کانت بغیر حق، ولذا عطف الظلم تفسیراً". (ردالمحتار: ۳۳۶/۲، باب العشر، سعید)

قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ: "فإذا ثبت کراهة لبسها، ثبت کراهة بیعها وصیغها، لما فیه من الإعانة علی ما لایجوز، وکل ما أدی إلی مالا یجوز، لا یجوز". (الدرالمختار: ۳۶۰/۶، فصل فی اللبس، کتاب الحظر والإباحة، سعید)

"ویکره بیع الأمرد من فاسقٍ یعلم أنه یعصی به؛ لأنه إعانة علی المعصیة". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۲۸۱/۱، فصل فیما یخرجه عن الضمان فی البیع الفاسد والبیع المکروه، رشیدیه)

نوکری کو چھوڑ دے(۱)۔

۲......درست نہیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۵/۱۱/۲۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۵/۱۱/۲۲ھ۔

نائی کا پیشہ

سوال[۸۲۴۹]: ۱......زید قوم کا نائی ہے، اس کا روزگار حجامت بنانا ہے، آج کل داڑھی منڈانے کا زیادہ رواج ہے، اگر زید داڑھی نہیں مونڈتا تو لوگ کہتے ہیں کہ ہم دوسرا نائی مقرر کر لیں گے۔

۲......زید کو غیر مسلموں کی داڑھی مونڈنی کیسی ہے؟

۳......مسلموں اور غیر مسلموں کے سر کے بال فینسی کاٹنا کیسا ہے؟

۴......زید کو بعض مسلم داڑھی کاٹنے کے لئے مجبور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم غیر مسلموں کی بھی تو داڑھی مونڈتے ہو۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وجاز خصاء البهائم حتى الهرة، و أما خصاء الآدمي فحرام". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳۸۸/۶، فصل في البيع، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

"و لو استأجر لتعليم الغناء أو استأجر رجلاً ليخصي عبداً، لايجوز". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة ومالايجوز: ۴۴۹/۴، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ولا لأجل المعاصي، مثل: الغناء والنوح والملاهي. ولو أخذ بلا شرط، يُباح". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: والملاهي) كالمزامير والطبل". (ردالمحتار، كتاب الإجارة: ۵۵/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۵/۸، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۱/۵، باب المتفرقات، كتاب الإجارة، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... داڑھی مونڈنا جائز نہیں، وہ لوگ اگر دوسرا نائی مقرر کرنے کی دھمکی دیتے ہیں تو آپ مت گھبرائیں، رزّاق خدا ہے(۱)۔

۲......وہ بھی جائز نہیں۔

۳......مکروہ ہے۔

۴......زید غیر مسلموں کو بھی انکار کردے اور مسلمانوں کو بھی، پھر مجبور نہیں کریں گے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۳/۹۵ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۳/۹۵ھ۔

نائی کی اجرت

سوال[۸۲۵۰]: حجام کی آمدنی کا کیا حکم ہے جس کی آمدنی مسلمانوں کی داڑھی مونڈنے اور انگریزی بال بنانے سے حاصل ہوتی ہے؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و من یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً، ویرزقه من حیث لا یحتسب﴾ الایة. (سورة الطلاق: ۳)

(۲) و قال اللہ تعالیٰ: ﴿و لا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾. (سورة المائدة: ۲)

قال العلامة الزیلعی رحمه اللہ تعالیٰ: "ولا یجوز علی الغناء و النوح والملاهی؛ لأن المعصیة لا یتصور استحقاقها بالعقد، فلایجب علیه الأجر .... وإن أعطاه الأجر وقبضه، لا یحل له، و یجب علیه ردّه علی صاحبه". (تبیین الحقائق، کتاب الإجارة: ۶/۱۱۹، باب الإجارة الفاسدة، دارالکتب العلمیة بیروت)

قال العلامة الحصکفی رحمه اللہ تعالیٰ: "ولذا یحرم علی الرجل قطع لحیته". (الدرالمختار: ۶/۴۰۷، فصل فی البیع، کتاب الحظر و الإباحة، سعید)

الجواب حامداومصلیاً:

یہ کام بھی گناہ ہے، ان کی آمدنی بھی مکروہ ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (راجع للتخریج عنوان: ''نائی کا پیشہ'')

باب المتفرقات

کرایہ دار کا مالک کی زمین میں مکان بنانا

سوال[۸۲۵۱]: ایک شخص نے شیخ محمد خلیل کی بیوہ سے کرایہ پر ایک مکان لیا ہے، ورثاء اور بھی ہیں جیسا کہ منسلکہ کاغذ سے ظاہر ہے، مگر شوہر کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے شیخ بدرالحسن کا قبضہ ہے جو دوسرے شوہر سے ہیں۔ مکان کے باہر بیٹھنے کی کوئی جگہ نہیں تھی، اس لئے ان کی اجازت سے سامنے افتادہ زمین پر کچھ حصہ اپنے خرچ سے تعمیر کرالیا اور کرایہ مقررہ برابر ادا کرتا رہا۔ بیوہ محمد خلیل صاحب کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے شیخ بدرالحسن (جو دوسرے شوہر کے ہیں) کرایہ لیتے رہے، کچھ دن کے بعد شیخ محمد خلیل والا مکان پورے کا پورا منہدم ہوگیا۔

تقریباً چھ ماہ تک زمین ویسے ہی پڑی رہی اور منہدمہ مکان کا اثاثہ مالکِ مکان اور کچھ ملبہ اٹھا کے لے گئے، تب شیخ بدرالحسن نے غیر مشروط طور پر کہا کہ ہم لوگ بنوا نہیں سکتے۔ زمین ایسے ہی پڑی رہے گی، آپ بنوایئے اور رہئے، اور تقریباً ۱۷/ سال سے سکونت پذیر ہے، جب سے اپنے بنائے ہوئے مکان میں رہنے لگا، کرایہ دینا بند کردیا ہے۔ مکان بنتے وقت شبیر نے بالواسطہ اجازت دیدی اور دوسرے ورثاء نے بھی مکان بنتے ہوئے دیکھا، مگر نہ اظہارِ ناراضگی کیا اور نہ رکاوٹ ڈالی۔

اب محمد خلیل مرحوم کے لڑکے کہتے ہیں کہ مکان ہمارا ہے، کیونکہ ہماری زمین پر ہے، اتنے دن تک کا کرایہ وضع کرنے کے بعد اگر کچھ رقم بچ جائے گی تو ہم دیدیں گے، مکان چھوڑ دیجئے۔ سابق کرایہ دار اور تعمیر کنندۂ مکان کہتا ہے کہ مکان کا مالک میں ہوں، زمین آپ کی ہے، آپ صرف زمین کا کرایہ لے سکتے ہیں، مکان سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ شریعت کے اعتبار سے کونسا نظریہ صحیح ہے؟ مکان کا مالک کون مانا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکان کرایہ دار نے بنایا ہے وہ تعمیر کا مالک ہے، زمین کے مالک مرحوم کے ورثاء ہیں۔ یا تو زمین کا

کرایہ مقرر کرلیا جائے، اس کرایہ دار سے اس کو وصول کرتے رہیں، یا کرایہ دار سے کہا جاوے کہ وہ اپنی تعمیر وہاں سے ہٹا کر زمین خالی کردے، یا تعمیر میں جس قدر احباب موجود ہوں اس کی قیمت بصورتِ ملبہٗ مکان (ترکہ بصورت مکان تعمیر شدہ) مالکِ زمین کرایہ دار کو دیدیں اور مکان کے بھی مالک ہوجاویں۔ جس صورت پر بھی معاملہ ہوجائے درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۳/۹۰ھ۔

امام کے لئے نوتہ لکھنے کی ذمہ داری

سوال[۸۲۵۲]: ایک قریہ کا قدیم سے دستور ہے کہ جو امام مسجد میں رہتا ہے اس کو نوتہ وغیرہ شادی میں لکھنا پڑتا ہے(۲) اور اگر امام انکار کرے تو وہ لوگ معترض ہوتے ہیں، ایک امام اس سے گریز کرتا ہے اور دوسرا امام اس کو کرتا ہے۔ آیا یہ نوتہ لکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیاً:

نوتہ قرض ہے جس کی ادائیگی لازم ہوتی ہے، قرض کے لین دین کا لکھنا شرعی حکم ہے(۳)۔ اگر بوقتِ

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وتصح إجارة أرض للبناء والغرس، و سائر الانتفاعات .... فإن مضت المدة، قلعها وسلّمها فارغةً .... إلا أن يغرم له المؤجر قيمته: أى البناء والغرس مقلوعاً، بأن تقوّم الأرض بهما وبدونهما، فيضمن ما بينهما -اختيار- أو يتملكه .... قال في البحر: هذا استثناء من لزوم القلع على المستأجر، فأفاد أنه لايلزمه القلع لو رضى المؤجر بدفع القيمة .... أويرضى المؤجر -عطفاً على يغرم- بتركه: أى البناء والغرس، فيكون البناء والغرس لهذا، والأرض لهذا. وهذا الترك إن بأجرٍ فإجارة، وإلا فإعارة". (الدرالمختار: ۶/۳۱، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً فيها، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۸/۱۹، ۲۰، باب ما يجوز من الإجارة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/۹۶، ۹۷، باب ما يجوز من الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "نوتہ، نیوتا: وہ نقدی جو بیاہ شادی میں صاحبِ خانہ کو بطورِ رسم دی جاتی ہے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۸۴، فیروز سنز، لاہور)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا إذا تداينتم بدين إلى أجل مسمىً فاكتبوه، وليكتب بينكم كاتبٌ =

ملازمت امام سے طے کرلیا جائے جیسا کہ بعض جگہ نکاح کا لکھنا اور مسجد کی صفائی وغیرہ امور طے کر لئے جاتے ہیں تو درست ہے(۱)، مگر بلاضرورت قرض لینا اور کسی کو مجبور کر کے قرض دینا (۲) اور بلا وجہ ادائے قرض میں تاخیر کرنا شرعاً منع ہے(۳)، لہٰذا اس رسم کو ترک کرنا چاہئے۔ ایک شخص نے جتنا نوتہ دیا ہے، اگر اس سے زیادہ لیا جائے تو یہ سود ہے جس کا لینا دینا اور لکھنا موجبِ لعنت ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

بلاٹکٹ ریل میں سفر کرنا

سوال[۸۲۵۳]: ریل سے بلاٹکٹ سفر کرنا کیسا ہے؟ اور بعض لوگ بتلاتے ہیں کہ سہارنپور اور مظفر

= بالعدل﴾ (سورة البقرة: ۲۸۲)

(۱) "وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة .... ويعلم النفع ببيان المدة كالسكنى والزراعة مدةً كذا أيّ مدة كانت .... و يعلم النفع أيضاً ببيان العمل كالصياغة، والصبغ، والخياطة بما يرفع الجهالة، فلا بد أن يعين الثوب الذى يصبغ، ولون الصبغ أحمر أونحوه، و قدر الصبغ إذا كان يختلف". (الدرالمختار: ۶/۵، ۱۰، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۱۱، كتاب الإجارة، الباب الأول فى تفسير الإجارة، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق: ۸/۶-۷، كتاب الإجارة، رشيديه)

(۲) "عن أبى حرة الرقاشى عن عمه رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقى فى شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۵، باب الغصب والعارية، الفصل الثانى، قديمى)

(۳) "وعن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "مطل الغنى ظلم، فإذا اتبع أحدكم على مليءٍ، فليتبع ". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۱، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار، قديمى)

(۴) "حدثنى عبدالرحمن بن عبد الله بن مسعود عن أبيه رضى الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم آكل الربا و موكله و شاهده وكاتبه". (سنن أبى داؤد: ۴۷۳/۲۳، كتاب البيوع، باب فى أكل الربا، دارالحديث ملتان)

نگروالی لائن چونکہ خاص گورنمنٹ کی ہوگئی ہے، لہذا اس لائن سے بلاٹکٹ سفر کرنا بلا ریب جائز ہے۔ اگر اس کے متعلق کوئی تحقیق معلوم ہو بتلائی جائے۔

الجواب حامداومصلیاً:

یہ چوری ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۹/محرم/۵۹ھ۔

بذریعۂ پاس ریل میں سفر کرنا

سوال [۸۲۵۴]: جولوگ ریلوے میں ملازم ہوتے ہیں، ریلوے کا قانون ہے کہ ان کو ایک سال میں کئی مرتبہ مفت پاس ملتا ہے، جہاں چاہیں بلاٹکٹ کے (پاس دکھا کر) جاسکتے ہیں۔ اب بہت سے لوگ دوسرے کی عورتوں کو اپنی عورت اور دوسروں کے بچوں کو اپنا بچہ بتا کر بغیر ٹکٹ کے سفر کرتے ہیں اور ان سے روپیہ لے کر جیب میں رکھتے ہیں، اس طرح کرنے سے ریلوے کا نقصان ہوتا ہے۔ اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

محمد علی کلکتہ۔

---

(۱) "لایجوز التصرف فی مال غیرہ بلا إذنہ ولاولایتہ". (الدرالمختار، کتاب الغصب: ۲۰۰/۶، سعید)

(وکذا فی شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۶۱/۱، (رقم المادة: ۹۶)، المقالة الثانیة فی القواعد الفقهیه، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "لعن الله السارق یسرق البیضة فتقطع یده، ویسرق الحبل فتقطع یده". (مشکوة المصابیح، کتاب الحدود، باب قطع السرقة، الفصل، ص: ۳۱۳، قدیمی)

قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم "ألا! لا تظلموا، ألا! لایحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". الحدیث. (مشکوة المصابیح: ۲۵۵/۱، باب الغصب والعاریة، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ دھوکہ اور خیانت ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

دوکان کا بڑھا ہوا تختہ حکومت نے کٹوا دیا، وہ کرایہ دار کا ہے یا مالکِ دوکان کا؟

سوال [۸۲۵۵]: بموجبِ حکم سرکار دوکانوں کے وہ تختے جو بازار کی نالیوں سے آگے کو بڑھے ہوئے تھے، کرایہ داران کو کٹوانا پڑ گئے کہ حکم کا رخ انہیں کی طرف تھا، مالکان بے غم رہے، حالانکہ از روئے انصاف تعمیل مالکان کو کرنا تھی تو تختوں کی کٹوائی کے خرچہ کے بدلہ میں کرایہ داران تختوں کے ایندھن کو اپنے خرچہ میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ تختے مالکان نے لگوائے تھے، کرایہ داران نے نہیں لگوائے تو ان کا ایندھن مالکان کی ملک ہے۔ ان کو کٹوانے کا حکم حکومت نے دیا ہے، مالکان نے نہیں دیا، اس لئے وہ ایندھن بغیر اجازتِ مالکان خرچ نہ کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/ ۵/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/ ۵/ ۸۷ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من حمل علينا السلاح، فليس منا، ومن غشنا، فليس منا". (الصحيح لمسلم: ۱/ ۷۰، كتاب الإيمان، قديمي)

"وعن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قلّما خطبنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلا قال: "لا إيمان لمن لا أمانة له، ولا دين لمن لا عهد له". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح: ۱/ ۱۴، كتاب الإيمان، الفصل الثاني، قديمي)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه، ولا ولايته". (الدر المختار: ۶/ ۲۰۰، كتاب الغصب، سعيد)

"لا يجوز أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/ ۶۱، (رقم =

بیع سے پہلے کرایہ وصول کرنا

سوال[۸۲۵۶]: ۱۹۳۸میں ہندہ نے اپنا مکان ہبہ زید (بیٹے) کے نام کردیا، رجسٹری کرا کراس کے حوالہ کردی، چنانچہ زید اس مکان میں رہنے لگا، پھر بیس سال کے بعد یعنی ۱۹۵۸ء میں ہندہ نے زید سے ناراض ہوکر موہوبہ مکان کے ہبہ نامہ کو رڈ کرا کر مسجد کے نام رجسٹری کرادی۔ زید نے ۱۹۶۴ء میں آ کر مکان کو حارث کے نام پر ایک ہزار روپیہ میں فروخت کردیا۔

اس فروخت کی کیفیت سن کر مسجد کے متولی نے زید سے کہا کہ میں تجھے ایک ہزار روپیہ دیتا ہوں، تُو اپنے اس مکان کو خالی کر کے میرے حوالہ کردے، چنانچہ زید نے متولی کے اس قول کو تسلیم کرلیا۔ متولی نے قیس سے ایک ہزار روپیہ لے کر زید کو دیدیا، زید نے مکان خالی کر کے متولی کے حوالہ کردیا اور متولی نے قیس کو کرایہ پر اس مکان کو دیدیا، قیس کرایہ برابر دیتا رہا۔

حارث نے منصفِ کورٹ کے ذریعہ قیس پر دعوی کردیا، متولی اور قیس دونوں نے مل کر منصف کورٹ میں دعوی کیا کہ یہ مکان مسجد ہی کی ملک پر ہے۔ کورٹ کے منصف نے قیس کو حکم دیا کہ گھر خالی کر کے حارث کے حوالہ کردیا جائے، کیونکہ مذکور مکان مسجد کی ملکیت نہیں ہے، بلکہ زید کا ہے، زید نے جب حارث کو دیدیا تو اب حارث اس کا مالک ہوگیا۔

پھر قیس اور متولی دونوں نے دعوی جج کورٹ میں کیا کہ مکان مسجد ہی کا ہے، زید کا نہیں ہے۔ پھر جج کورٹ نے بھی یہی فیصلہ کردیا کہ مکان زید کا ہے مسجد کا نہیں ہے، قیس نے مکان خالی کر کے حارث کے حوالہ کردیا۔

عدالت کی طرف سے فیصلہ ہونے تک قیس کرایہ نامہ کی تحریر کے مطابق ماہانہ کرایہ ادا کرتا رہا اور قیس نے دونوں کورٹ کے تمام اخراجات برداشت کئے جب کہ کورٹ نے گھر خالی کر کے حارث کے حوالہ کرنے کے لئے فیصلہ کردیا تو اس کے مطابق قیس نے گھر خالی کر کے حارث کے حوالہ کردیا، اس کے بعد سے حارث کے

= المادة: ۹۶)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي". (قواعد الفقه، ص: ۱۱۰، مكتبه الصدف پبلشرز كراچى)

پاس ہے۔اس کے بعد حارث کے پاس سے قیس کی بیوی نے اس مکان کو خرید لیا اور بذریعۂ کورٹ اس مکان کو قیس کی بیوی کے حوالہ کردیا گیا۔

اب سوال یہ ہے کہ مکانِ مذکور زید کی ملکیت ثابت ہونے سے پہلے قیس نے جو کرایہ نامہ لکھ کر دیا تھا، اس کے متعلق متولی زبردستی کرایہ وصول کرنا چاہتے ہیں۔ مسجد والوں کا قیس سے کرایہ کا مطالبہ کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں، اس کے شرعی احکام کیا ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ہندہ نے جب مکان اپنے بیٹے زید کو ہبہ کردیا اور رجسٹری کر کے اس کے حوالہ کردیا، یعنی اپنا قبضہ ختم کر کے بیٹے کا قبضہ کرادیا تو وہ ہبہ بالکل مکمل ہوگیا اور مکان زید کی ملکیت میں آ گیا۔ پھر ہندہ نے ناراض ہوکر اس کو مسجد کے نام کردیا تو یہ مسجد میں دینا صحیح نہیں ہوا، بلکہ بدستور زید ہی کی ملکیت میں رہا(۱)۔ پھر جب زید نے اس مکان کو حارث کے نام فروخت کردیا تو وہ مکان حارث کا ہوگیا(۲)۔

اس کے بعد جب متولی نے زید سے ایک ہزار روپیہ میں لیا تو زید کو اس کے فروخت کرنے کا حق نہیں تھا(۳)۔لیکن اگر حارث نے اپنا معاملہ ختم کر کے زید کو اجازت دیدی اور زید نے وہ مکان متولی کے حوالہ کردیا

---

(۱) "من وهب لأصوله وفروعه، أو لأخيه أو أخته أو لأولادهما، أو لعمه أو لعمته، أو لخاله أو لخالته شيئاً، فليس له الرجوع". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۷۶، (رقم المادة: ۸٦٦)، كتاب الهبة، الباب الثالث فى أحكام الهبة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

قال صاحب الهداية: "وإن وهب هبةً لذى رحم محرم، لم يرجع فيها، لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا كانت الهبة لذى رحم محرم، لم يرجع فيها". رواه البيهقى". (الهداية: ۲۸۷/۳، كتاب الهبة، باب ما يصلح رجوعه ومالايصلح، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "وأما حكمه، فثبوت الملك فى المبيع للمشترى، وفى الثمن للبائع إذا كان البيع باتاً. وإن كان موقوفاً، فثبوت الملك فيهما عند الإجازة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۳، كتاب البيوع، الباب الأول، فى تعريف البيع وركنه وشرطه، رشيديه)

(وكذا فى الدر المختار: ۵۰٦/۴، كتاب البيوع، سعيد)

(۳) "لايجوز أن يتصرف فى ملك غيره بلا إذنه". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۱۲، (رقم المادة:=

اور حارث نے اپنا قبضہ ختم کردیا تو پھر یہ بیع درست ہوگئی (۱) اور متولی کا قیس کو کرایہ پر دینا بھی صحیح ہوگیا۔ اگر حارث نے اپنا معاملہ ختم نہیں کیا اور زید نے بغیر اس کی اجازت کے متولی کے ہاتھ فروخت کردیا تو یہ بیع صحیح نہیں ہوئی، حارث بدستور مالک ہے (۲)۔

پھر حارث سے قیس کی بیوی نے خرید لیا تو وہ مالک ہوگئی۔ مسجد والوں نے جو روپیہ غلط طریقہ پر جمع کیا ہے اس کے وہ ذمہ دار ہیں، جب وہ مکان مسجد کا نہیں تھا تو قیس سے کرایہ بحقِ مسجد وصول کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

ایک کی دوکان سے دوسرے کو نقصان پہنچے تو اس کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟

سوال [۸۲۵۷] : ا......حاجی غنی احمد صاحب نے حامد علی صاحب کو دوکان قائم کرتے وقت ملازم رکھا تھا، اس وعدہ کے ساتھ کہ وہ کوئی مال اپنا دوکان پر نہ رکھیں گے اور نہ اپنے نام سے اپنی کتابیں طبع کریں گے۔ دوکان ۲۷ء میں قائم ہوئی، ۵۳ء تک وہ اس پر عمل بھی کرتے رہے۔ اس درمیان میں انہوں نے اپنے لڑکے خورشید علی سلمہ کو اپنے معاون کی حیثیت سے دوکان پر ملازم رکھ لیا۔ حاجی صاحب پر فالج کا حملہ ہوتے ہی حامد علی صاحب نے اپنے لڑکے خورشید کے نام سے کتابیں طبع کرنا شروع کردیں، اب مستقلاً اپنا کاروبار بھی شروع کردیا ہے خرید وفروخت کا۔ اس سے میرے کاروبار کو نقصان پہونچ رہا ہے۔ کیا شرعاً میرا مطالبہ درست ہے کہ

= ۹۶)، المقالة الثانية فی بيان القواعد الفقهية، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فی الدرالمختار: ۶/۲۰۰، كتاب الغصب، سعيد)

(۱) "والأصل أن الإقالة فسخٌ فی حق المتعاقدين، بيع جديد فی حق غيرهما". (الهداية: ۳/۱۷، باب الإقالة، كتاب البيوع، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/۱۵۶، الباب الثالث عشر فی الإقالة، كتاب البيوع، رشيديه)

(وكذا فی الدرالمختار: ۴/۱۲۴، باب الإقالة، كتاب البيوع، سعيد)

(۲) "لا يجوز التصرف فی مال غيره بلا إذنه و لا ولايته". (الدرالمختار: ۶/۲۰۰، كتاب الغصب، سعيد)

(وكذا فی شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، المقالة الثانية فی بيان القواعد الفقهية، مكتبه حنفيه كوئٹه)

ملازمت اور کاروبار ایک ساتھ نہیں کر سکتے ؟

۲......حامد علی صاحب کا فرمانا ہے کہ میں وعدہ کا پابند ہوں، لیکن یہ پابندی میرے لڑکے خورشید پر عائد نہیں ہوتی۔ میرا کہنا ہے کہ یہ کاروبار آپ کر رہے ہیں، اگر یہ فرض کرلیا جاوے تو بھی آپ کا لڑکا ان شرائط کا پابند ہے جو آپ سے کئے گئے تھے، اس لئے کہ ملازمت کی حیثیت ایک ہے۔

۳......علیحدگی ملازمت کی شکل میں رقم کا مطالبہ کریں تو شرعاً جائز ہوگا؟

۴......حامد علی صاحب کو ۱۹۵۳ء میں ایک سو پچاس روپے ملتے تھے، ۱۹۵۷ میں دوسو روپے ملنے لگے، ۱۹۶۲ میں جبراً سو روپے تنخواہ کرلی، یکدم سے سو روپے کے اضافہ پر احتجاج کرتا رہا، مگر کوئی پروانہیں کی۔

۵......دوسری طرف خورشید علی سلمہ کی تنخواہ ۱۹۵۳ میں ساٹھ روپے تھی، ۱۹۵۵ء میں سو روپے ہوگئی، ۱۹۵۷ء میں ایک سو پچاس روپے ہوگئی، ۱۹۶۰ء میں دوسو روپے ہوگئی ۱۹۶۵ء میں تین سو روپے ہوگئی۔ میرے احتجاج کے باوجود تنخواہ میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، کبھی ان کی اور کبھی لڑکے کی۔ اور میرے نفع کی رقم میں کمی کرتے جارہے ہیں۔

۶......۱۹۶۷ء سے اپنے دوسرے لڑکے شعیب علی کو بھی سو روپے ماہوار پر دوکان میں نوکر رکھ لیا بغیر میری اجازت کے، جب کہ تین آدمی دوکان پر کام کر رہے ہیں، چوتھے کی قطعی ضررت نہیں ہے۔

۷......ہماری کتابیں جو کان پور سے طبع ہوکر دوکان لکھنؤ جایا کرتی تھیں، وہ اب حامد علی صاحب لکھنؤ ہی میں طبع کرتے تھے جب کہ مجھے پریس کو چلانے میں دشواری ہورہی ہے۔ اکثر کاغذ نہ ہونے کی وجہ سے مشین بند رہتی ہے، وہ ہمارا ہی کام دوسرے پریس میں کروار ہے ہیں (اپنی کتابیں چھاپتے ہیں اور اس کی بکری کرتے ہیں، وہ علیحدہ ہے)۔ کیا یہ میری حق تلفی نہیں ہے؟

۸......نئی صورتِ حال انہوں نے مجھے پریشان کرنے کے لئے یہ پیدا کردی ہے کہ اختتامِ سال میں کتابوں کا اسٹاک زائد موجود ہوتے ہوئے کم دکھاتے ہیں تا کہ اس طرح مجھ کو کم نفع مل سکے۔ ان کے اس فعل کو شرعی اصطلاح میں کیا کہا جائے گا؟ جو واقعات قلم بند کئے گئے ہیں وہ حلفاً صحیح ہیں۔ فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

۱...... یہ شرط تو صحیح ہے کہ حامد علی صاحب اپنا مال حاجی غنی احمد کی دوکان پرنہیں رکھیں گے، لیکن اپنے نام سے کتابیں طبع نہ کرانے کا مطلب اگر یہ ہے کہ وہ اپنے روپیہ سے جداگانہ طبع نہیں کرائیں گے تو یہ شرط صحیح نہیں ہے(۱)، اس شرط کی پابندی لازم نہیں، بلکہ اس شرط کوختم کردینا ضروری ہے(۲)۔اگر یہ مطلب ہے کہ حاجی صاحب کے روپے سے اپنے نام سے طبع نہیں کرائیں گے تو یہ شرط صحیح ہے، اس کی پابندی لازم ہے(۳)۔غیر صحیح شرط کی پابندی نہ کرنے سے اگر کاروبار کونقصان پہونچے تواس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔

۲......اس کا جواب نمبر:۱ سے واضح ہے۔اگر اپنے لڑکے کو اصل مالک کی اجازت سے ملازم رکھا ہے، یا ملازم رکھ لینے پر مالک نے رضامندی دیدی ہے تو یہ ملازمت صحیح ہے(۴) اوراس سے بھی اگر کتابیں

---

(۱)واضح رہے کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب حقوقِ طبع محفوظ نہ ہو،لیکن اگر حقوقِ طبع محفوظ کئے گئے ہوں تو اس صورت میں اس کو اپنے نام سے طبع کرانا جائز نہیں:

"یلزم مراعاة الشرط بقدر الإمکان، واعلم أن الشرط ثلاثة أقسام: شرط جائز، و شرط فاسد، وشرط لغو. فالأول: هو ما یقتضیه العقد ویلائمه کالبیع بشرط أن البائع یحبس المبیع لاستیفاء الثمن، أو جری العرف به .... أوورد الشرع بجوازه". (شرح المجلة لسلیم رستم: ۱/۵۴، (رقم المادة: ۸۳)، المقالة الثانیة فی بیان القواعد الفقهیة، حنفیه کوئٹه)

(۲)جب کسی عقد میں کوئی شرط فاسد پایا جائے تو اس عقد کوفسخ کرنا واجب ہوتا ہے:

"والأصل فیه أن کل شرط لایقتضیه العقد هو غیر ملائم له، ولم یرد الشرع بجوازه ولم یجز التعامل فیه، وفیه منفعة لأهل الاستحقاق مفسد لما روینا". (تبیین الحقائق، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۴/۳۸۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۵/۸۴، ۸۵، سعید)

(۳) عقدِ اجارہ میں شرائطِ صحیحہ کی پابندی لازم ہوتی ہے،لہٰذا اجیر کومتاجر کی شرائط کے خلاف تصرف کرنے کا حق نہیں:"لا یجوز التصرف فی مال غیره بلا إذنه، ولا ولایته". (الدرالمختار: ۶/۲۰۰، کتاب الغصب، سعید)

(وکذا فی شرح المجلة لسلیم رستم: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، المقالة الثانیة فی بیان القواعد الفقهیة، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۴) "تنعقد إجارة الفضولی موقوفةً علی إجازة المتصرف". (الدرالمختار: ۵/۱۰۶، کتاب البیوع،

اپنے نام سے طبع نہ کرانے کی شرط کی گئی تھی تو اس کا حال بھی وہی ہے جو خود حامد علی صاحب کا ہے۔

۳......ملازمت سے علیحدگی کی شکل میں اگر باہمی قرارداد کچھ ہو چکی ہے(۱)، یا عرفِ عام میں کچھ قرار داد ہے تو اس کی رعایت کی جائے، ورنہ تو اس (رقم) کے مطالبہ کا حق نہیں، تاہم مالک برضا و رغبت دیدے تو لینا منع بھی نہیں۔

۴......ایک سو پچاس پر غالباً مالک بھی رضامند ہے اور ۲۰۰/ پر بھی رضامندی معلوم ہوتی ہے، البتہ ۳۰۰/ کا لینا منشائے مالک کے خلاف ہے جس کے لینے کا حق نہیں تھا، لیکن احتجاج کے باوجود اگر لینے کی اجازت دیدی تو لینا درست ہے، اگر اجازت نہیں دی، بالکل نامنظور کیا، لینا درست نہیں (۲)، جتنی رقم ماہوار کے حساب (زائد مقدار میں) لی ہے اس کی واپسی لازم ہے (۳)۔

۵......یہاں بھی اجازت و رضامندی پر موقوف ہے (۴)۔

= فصل فی الفضولی، سعید)

(۱) واضح رہے کہ ملازمت کی ابتدا میں کچھ دینے کی قرارداد اگر بطورِ اجرت طے ہوئی ہو تب تو دینا ضروری ہے، اور اگر بطورِ وعدہ کچھ دینے کا کہا ہو تب بھی حسب وعدہ کچھ دینا چاہئے، ورنہ مستحق نہیں:

قال الله تعالى: ﴿وأوفوا بالعهد، إن العهد كان مسئولا﴾ (سورة الإسراء: ۳۴)

"يعتبر و يراعى كل ما اشترط العاقدان في تعجيل الأجرة و تأجيلها". .... "إذا كانت الأجرة موقّتةً بوقتٍ معينٍ، كالشهرية أو السَّنوية، يلزم إيفاؤها عندانقضاء ذلك الوقت". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۲۶۴، ۲۶۵، (رقم المادة: ۴۷۳، ۴۷۶)، كتاب الإجاره، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". الحديث. (السنن الكبرى للبيهقي: ۳۸۷/۴، (رقم الحديث: ۵۴۹۲)، باب شعب الإيمان، دارالكتب العلميه بيروت)

(۳) "ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي، وإن أخذه و لوعلى ظن أنه ملكه، وجب عليه رده". (شرح المجلة لسيم رستم: ۱/۶۲، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، حنفيه كوئٹه)

(و كذا في الدرالمختار: ۶/۲۰۰، كتاب الغصب، سعيد)

(۴) "تنعقد إجارة الفضولي موقوفةً على إجازة المتصرف". (الدرالمختار: ۵/۱۰۶، كتاب البيوع، =

۶......اس کی ملازمت کا حال بھی خورشید علی کی ملازمت کی طرح ہے(۱)۔

۷......آپ کی کتابیں بغیر آپ کی اجازت کے دوسری جگہ طبع کرانے کا ان کو حق نہیں، اپنی کتابیں آپ کی دوکان میں رکھ کر فروخت کرنے کا ان کو حق نہیں (۲)۔

۸......اگر موجود سے کم دکھاتے ہیں تو یہ کذب اور خیانت ہے (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/ ۵/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۵/ ۸۸ھ۔

بلا مجبوری کے کرایہ دار کو تکلیف دینا

سوال[۸۲۵۸]: کرایہ دار کو جو انہوں نے تکلیف دی ہے وہ جائز ہے یا ناجائز؟ اگر وہاں

= فصل فی الفضولی، سعید)

(۱) "تنعقد إجارة الفضولی موقوفةً علی إجازة المتصرف". (الدرالمختار: ۵/ ۱۰۶، کتاب البیوع، فصل فی الفضولی، سعید)

(۲) واضح رہے کہ حقوقِ طبع محفوظ کرنا جائز ہے تو اس صورت میں کسی اور کو اپنے نام سے طبع کرانا جائز نہیں:

"یلزم مراعاة الشرط بقدر الإمکان، واعلم أن الشرط ثلاثة أقسام: شرط جائز، و شرط فاسد، وشرط لغو. فالأول: هو ما یقتضیه العقد ویلائمه کالبیع بشرط أن البائع یحبس المبیع لاستیفاء الثمن، أو جری العرف به............ أوورد الشرع بجوازہ". (شرح المجلة لسلیم رستم: ۱/ ۵۴، (رقم المادة: ۸۳)، المقالة الثانیة فی بیان القواعد الفقهیة، حنفیه کوئٹه)

"لا یجوز التصرف فی مال غیره بلا إذنه، ولا ولایته". (الدرالمختار: ۶/ ۲۰۰، کتاب الغصب، سعید)

(وکذا فی شرح المجلة لسلیم رستم: ۱/ ۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، المقالة الثانیة فی بیان القواعد الفقهیة، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۳) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "من حمل علینا السلاح، فلیس منا، و من غشنا فلیس منا". الحدیث. (الصحیح لمسلم: ۱/ ۷۰، کتاب الإیمان، باب قول النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من غشنا"، قدیمی)

مکان بنے تو پہلا حق پرانے کرایہ دار کو (جوتقریباً بیس سال سے رہ رہا تھا) ہے یا کسی اور کو غور فرما کر ضروری تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلاوجہِ شرعی کرایہ دار کو کیا کسی کو بھی تکلیف دینا جائز نہیں (۱)، اگر مصالحِ مسجد سے قطع نظر کرتے ہوئے اس کو جبراً نکالا ہے تو یہ ظلم ہے، اس کی تلافی لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۹۰ھ۔

ٹیکس دینے سے نقصان ہو تو کیا کرے؟

سوال [۸۲۵۹]: میں تجارت کرتا ہوں، اسی تجارت کو دوسرے لوگ بھی کرتے ہیں، میں پورا ٹیکس ادا کرتا ہوں، دوسرے ٹیکس کو پورا ادا نہیں کرتے، مجھ کو نقصان ہوتا ہے غیر کو فائدہ۔ مجھے ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ دیانت داری کے ساتھ تجارت کرتے ہیں، کسی کا حق اپنے ذمہ باقی نہ رہنے دیں، جس کا حق آپ کے ذمہ ہو اس کو پورا پورا ادا کردیں اور جو نقصان ہو تقدیر پر صابر وشاکر رہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

چنگی کا محصول

سوال [۸۲۶۰]: احقر سے دو مسلمانوں نے متفرق وقتوں میں فرداً فرداً یہ تذکرہ کیا کہ محصول چنگی یعنی وہ محصول جو اشیاء کی درآمد پر لیا جاتا ہے، اس کا ادا کرنا ناجائز ہے، مثلاً: ایک شخص کسی گاؤں سے بکری لے کر

---

(۱) "عن عبداللہ بن عمرو عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ". (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ: ۱/۶، قدیمی)

"وفیہ أیضاً عن عبداللہ عمر عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: "الظلم ظلمات یوم القیامۃ". (صحیح البخاری، ابواب المظالم والقصاص، باب الظلم ظلمات: ۱/۳۳۱، قدیمی)

سہارنپور شہر میں لاوے، خواہ فروخت کی نیت سے یا پالنے کی نیت سے تو سہارنپور کا محکمۂ محصول (میونسپلٹی) اس سے چند پیسے بطورِ محصول بکری کے لے لیں گے تو یہ پیسے بطورِ محصول ادا کرنا جائز نہیں ہے، مگر چوں کہ ادا کئے بغیر کام نہیں بنتا، اس لئے اس کو برداشت کر کے صبر کرے۔ کیا ایسا مسئلہ شریعتِ مقدسہ میں ہے؟

نیز عرض ہے کہ ایک صاحب ہمارے عزیز ہیں وہ منصف کا عہدہ رکھتے تھے، انہوں نے بطورِ امداد میرے لئے کچھ روپیہ بھیجا، اس کا کچھ حصہ میں نے خرچ بھی کرلیا، مگر تردّد بہت ہے اور وہ تردد یہ ہے کہ منصفوں کی آمدنی عموماً مشتبہ ہوتی ہے، یہ لوگ رشوت بھی لیتے ہیں، ہمیں معلوم نہیں کہ یہ منصف صاحب آج کل رشوت لیتے ہیں یا نہیں۔ اس عہدہ پر مامور ہونے سے قبل جس عہدہ پر تھے اس وقت ہم نے دیکھا کہ عرصۂ دراز تک رشوت نہیں لیتے تھے، مگر ہمارے دیکھنے سے چند سال قبل رشوت لیا کرتے تھے، حالتِ موجودہ معلوم نہیں۔

اس لئے ازراہِ کرم تحریر فرمایئے گا کہ اس روپیہ کا استعمال کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور جو رقم صرف کر چکا ہوں اس کا کفارہ کس طرح ادا کروں؟ والسلام مع الاکرام۔

نیازمند: احقر منظور احمد عفی عنہ، مدرس مدرسہ تحصیل رڑکی، ۱۳/ شعبان المعظم/ ۵۲ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مروجہ چنگی ظلم ہے (۱) اور جس طرح ظلم ناجائز اور حرام ہے اسی طرح سے ظلم کی اعانت ناجائز ہے اور

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿یأیها الذین آمنوا لاتأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾. (سورة النساء: ۲۹)

قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ الآیة. (سورة البقرة: ۱۸۸)

قال الإمام القرطبی: "من أخذ مال غیره لا علی وجهِ إذنَ الشرع، فقد أکله بالباطل". (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی: ۳۳۸/۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

قال العلامة البغوی: ﴿بالباطل﴾ بالحرام، یعنی بالربا والقمار والغصب والسرقة والخیانة ونحوها". (معالم التنزیل: ۵۰/۲)

"لایأکل بعضکم أموال بعض بالوجه الذی لم یبحه الله تعالیٰ". (تفسیر أبی السعود: ۳۱۸/۱)

(وکذا فی أحکام القرآن للجصاص: ۲۵۰/۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

چنگی ادا کرنے سے ظلم کی اعانت ہوتی ہے، لہٰذا نا جائز ہے(۱)، مگر چنگی ادا نہ کرنے سے دوسرے بڑے مصائب کا سامنا ہوتا ہے، اس لئے دفعِ ظلم کی وجہ سے چنگی کی ادائیگی پر صبر کیا جاتا ہے: "من ابتلی ببلیتین، فلیختر أهونهما" (۲)۔

جب ان منصف صاحب کے متعلق پختہ طور سے آپ کو معلوم ہے کہ انہوں نے رشوت لینا بند کر دیا تھا تو پھر اس بھیجے ہوئے روپیہ میں تردد بلا وجہ ہے، تاوقتیکہ ان کے متعلق رشوت لینے کا دوبارہ علم نہ ہو(۳)، اس روپیہ کا استعمال نا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

"فإذا ثبت كراهة لبسها للتختم، ثبت كراهة بيعها وصيغها، لما فيه من الإعانة على مالا يجوز، وكل ما أدى إلى مالا يجوز، لايجوز". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳۶۰/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، سعيد)

(وكذا في مرقاة المفاتيح: ۵۱/۲، باب الربا، الفصل الأول، رشيديه)

(۲) (شرح الأشباه والنظائر: ۲۶۱/۱، ۲۶۳، الفن الأول، القاعدة الخامسة، إدارة القرآن كراچى)

"عن عائشة رضي الله عنها قالت: ماخُيّر رسول الله بين أمرين: أحدهما أيسر من الآخر، إلا اختار أيسرهما مالم يكن إثماً". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲۳۲/۶، (رقم الحديث: ۲۴۲۷۶)، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"إذا تعارض مفسدتان، رُوعي أعظمهما ضرراً بارتكاب أخفهما". .... "يختار أهون الشرين". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۲، (رقم المادة: ۲۸، ۲۹)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۲۷، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع، الفصل الأول، قديمي)

"اليقين لايزول بالشک". (الأشباه والنظائر، ص: ۶۰، إدارة القرآن كراچى)

"إذا كان غالب مال المهدي حلالاً، فلا بأس بقبول هديته وأكل ماله مالم يتبين أنه من حرام". (الأشباه والنظائر، ص: ۱۲۵، إدارة القرآن كراچى) .... =

چنگی سے مال بچانا

سوال[۸۲۶۱]: چنگی اور ریل کے کرایہ سے چوری کرنا جائز ہے یا نہیں، یعنی اپنے مال کو ریل میں لائے اور کرایہ نہ دے، یا خود آئے، یا گارڈ وغیرہ کے ساتھ جائے اور اپنا مال لائے اور چنگی سے چھپا کر لائے تا کہ چنگی نہ دینی پڑے، یا ہے تو بڑھیا مال پیٹی میں اور لکھوادیا گھٹیا تا کہ چنگی کم لگے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جھوٹ بولنا بھی ناجائز ہے(۱) اور چوری کرنے سے آبروریزی بھی ہوتی ہے، اس سے بچنا بھی واجب ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۲/۶۱ھ۔

= "لاهبة للتوهم". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۵۰، (رقم المادة: ۷۴)، إدارة القرآن كراچى)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿لعنة الله على الكٰذبين﴾ (اٰل عمران: ۶۱)

وقال الله تعالىٰ: ﴿واجتنبوا قول الزور﴾ (سورة الحج: ۳۰)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "آية المنافق ثلاث .... إذا حدث كذب". الحديث. (مشكوٰة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول، ص: ۱۷، قديمى)

(والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق: ۵۶/۱، قديمى)

قال الملا على القارى: "إذا حدث كذب" وهو أقبح الثلاثة". (مرقاة المفاتيح: ۲۲۶/۱، رشيديه)

(۲) "وعن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "لعن الله السارق يسرق البيضة فتقطع يده، ويسرق الحبل فتقطع يده". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الحدود، باب قطع السرقة، ص: ۳۱۳، قديمى)

"عن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "لايزنى الزانى وهو مؤمن، ولا يسرق حين يسرق وهو مؤمن". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق: ۵۶/۱، قديمى)

قال الملا على القارى: "قيل: المراد الحقير، فإن النصاب يشارك البيضة والحبل فى الحقارة". (مرقاة المفاتيح: ۱۷۷/۷، رشيديه)

تجارتی مال کا محصول اور چنگی دینا

سوال[۸۲۶۲]: تجارتی مال کا محصول وچنگی دونوں دینی چاہئیں، یا محض محصول دیدے اور چنگی نہ دے، اس لئے کہ اس کی دوکان اسی شہر میں ہے؟ سنا جاتا ہے کہ چنگی نہ دینی چاہئے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ریل اور ڈاک کا محصول تو دیدیا جائے (۱) اور چنگی ظلماً لی جاتی ہے، اس سے حتی الوسع بچے، لیکن دفعِ ظلم اور حفظِ عزت کے لئے جائز ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ربیع الثانی /۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) ریل اور ڈاک کا محصول مال پہنچانے کی اجرت ہے، اس لئے مال پہنچانے پر حکومت اجرت لینے کا مستحق ہے:

"تلزم الأجرة باستيفاء المنفعة، فلو استأجر دابةً ليركبها إلى محل، ثم ركبها، ووصل إلى ذلك المحل، استحق آجرُها الأجرة". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۶۲، (رقم المادة: ۴۶۹)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"والأجرة لا تستحق بالعقد، بل بالتعجيل أو بشرطه أو باستيفاء المعقود عليه، أو التمكن منه". (ملتقى الأبحر: ۳/۵۱۵، كتاب الإجارة، غفاريه كوئٹه)

"ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل، أو بالتعجيل، أو باستيفاء المعقود عليه". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۱۳، كتاب الإجارة، الباب الثانى فى بيان أنه متى تجب الأجرة، رشيديه)

(وكذا فى الدر المختار مع ردالمحتار: ۶/۱۰، كتاب الإجارة، سعيد)

(۲) (راجع، ص: ۱۳۹، رقم الحاشية: ۲)

کتاب الغصب

(غصب کا بیان)

کسی کی زمین کو غصب کرنا

سوال[۸۲۶۳]: ۱...... ہمارے یہاں کمیونسٹ پارٹی نے یہ قانون بنایا ہے کہ جن کے پاس پچھتر بیگہ سے زائد زمین ہو، ان سے لے لی جائے گی۔ اس قانون کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارے گاؤں کے لوگوں نے ایک مسلمان زمیندار کی زمین پر اس شرط پر درخواست کی کہ فلاں فلاں آدمی پانچ چھ سال سے کاشتکاری کرتے ہیں، حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ اور کمیونسٹ پارٹی نے اس جھوٹ درخواست کرنے والوں کا ساتھ دیکر اس زمیندار کے کم سے کم سو بیگہ کھیت (زمین) کو زبردستی لے لیا۔ تو کیا اس طرح پر جھوٹ درخواست دے کر کسی مسلمان کی زمین پر درخواست دیکر زبردستی قبضہ کر لینا دوسرے مسلمانوں کے لئے جائز ہے؟

۲...... مذکورہ زمیندار کی زمین جسے عام لوگوں نے قبضہ کرلیا، اسی طرح ایک عالم صاحب نے بھی لوگوں کا ساتھ دے کر ۵، ۶/ بیگہ زمین جھوٹ طریقہ پر زبردستی قبضہ کرلیا۔ کیا ایک عالم کے لئے یہ جائز ہے کہ دوسرے مسلمان کی زمین پر زبردستی قبضہ کرلے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... کسی کی زمین پر ناحق قبضہ کرنا غصب ہے جو کہ شرعاً حرام ہے، حدیث شریف میں اس پر سخت وعید آئی ہے:

”عن سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: ”من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه یطوّقه یوم القیامة من سبع أرضین“. متفق علیه“.

مشکوۃ شریف، ص: ٤٥٤(١)۔

۲......عالم مسائل سے واقف ہوکر اور مقتدیٰ بن کر غصب کرتا ہے تو اس کا گناہ زیادہ سخت ہے:

"عن أبی الدرداء رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: إن من أشرّ الناس عند اللّٰه منزلةً یوم القیامة عالمٌ لا ینتفع بعلمه". رواه الدارمی". مشکوۃ شریف (٢)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

زمین غصب کرکے پڑوسی کا مکان بنوانا

سوال[۸۲۶۴]: میری تھوڑی سی زمین کسی شخص نے جبراً غصب کرکے میرے پڑوسی کا مکان بنوادیا، مجھ سے اس بارے میں کچھ نہیں پوچھا، اس پر میں راضی نہیں تھا، تو اس شخص کے بارے میں جس نے جبراً

---

(۱) (مشکوۃ المصابیح، ص: ۲۵۴، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الأول، قدیمی)

"عن سالم عن أبیه رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من أخذ من الأرض شیئاً بغیر حقه، خسف به یوم القیامة إلی سبع أرضین".

"عن یعلی بن مرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یقول: "من أخذ أرضاً بغیر حقها، کلف أن یحمل ترابها المحشر".

"وعن یعلی بن مرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یقول: "أیما رجل ظلم شبراً من الأرض، کلفه اللہ عزوجل أن یحفر حتی یبلغ آخر سبع أرضین، ثم یطوّقه إلی یوم القیامة، حتی یقضی بین الناس". (مشکوۃ المصابیح، ص: ۲۵۶، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثالث، قدیمی)

(وصحیح البخاری: ۱/۴۵۳، کتاب بدء الخلق، قدیمی)

(وکذا فی الصحیح لمسلم: ۲/۳۲، ۳۳، کتاب المساقات، باب تحریم الظلم وغصب الأرض وغیرها، قدیمی)

(۲) (مشکوۃ المصابیح، ص: ۳۷، کتاب العلم، الفصل الثالث، قدیمی)

"عن الأحوص بن حکیم عن أبیه رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: سأل رجلٌ النبیّ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: عن الشر، فقال: "لا تسألونی عن الشر، وسلونی عن الخیر". یقولها ثلثاً، ثم قال: "ألا! إن شرّ الشر شرار العلماء، وإن خیر الخیر خیار العلماء". (مشکوۃ المصابیح، المصدر السابق)

زمین غصب کر کے پڑوسی کے لئے مکان بنوادیا، ایسے شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

زمین غصب کرنا کبیرہ گناہ ہے، غاصب کے گلے میں ساتوں زمینوں کا طوق بنا کر ڈالا جائے گا(۱)۔ پڑوسی کولازم ہے کہ آپ کی زمین خالی کردے، مکان ہٹالے، یا ملبہ کی قیمت آپ سے لے لے، اس طرح وہ مکان بھی آپ کا ہوجائے گا، یا آپ کی زمین آپ سے کرایہ پر لے لے، اور کرایہ آپ کو دیتا رہے(۲)۔ اس طرح زمین آپ کی رہے گی، مکان اس کا رہے گا، یا زمین کی قیمت آپ کو دیدے اس طرح زمین بھی اس کی ہوجائے گی۔ غرض سمجھوتہ سے۔ جس پر دونوں متفق ہوجائیں۔ وہ معاملہ کرلیا جائے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۹/۱۸ھ۔

---

(۱) "عن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من اقتطع شبراً من الأرض ظلماً، طوّقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين"

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا يأخذ أحدٌ شبراً من الأرض بغير حقه، إلا طوّقه الله إلى سبع أرضين يوم القيامة". (الصحيح لمسلم: ۳۲/۲، ۳۳، كتاب المساقات، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها، قديمي)

(ومشكوة المصابيح، ص: ۲۵۴، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الأول، قديمي)

(۲) "ومن بنى أو غرس في أرض غيره بغير إذنه، أمر بالقلع والردّ، وللمالك أن يضمن له قيمة بناء أو شجر أمر بقلعه إن نقصت الأرض به". (الدرالمختار مع رد المحتار: ۱۹۴/۶، ۱۹۵، كتاب الغصب، سعيد)

"وإن كان المغصوب أرضاً، فبنى الغاصب فيها بناءً، أو غرس فيها أشجاراً، يؤمر بقلعها و ردّ الأرض". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۵۰۲، (رقم المادة: ۹۰۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في البحرالرائق: ۲۱۳/۸، كتاب الغصب، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳۲۹/۶، كتاب الغصب، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۸۷/۴، كتاب الغصب، غفاريه كوئٹه)

(۳) قوله تعالىٰ: ﴿والصلح خيرٌ﴾ [سورة النساء: ۱۲۸] "عرّف بالألف واللام، فيقتضي أن يكون كل الصلح خيراً، وكل خير مشروع". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۲۶۷/۵، كتاب الصلح، دارالكتب العلمية بيروت)

کسی کی بوئی ہوئی کھیتی کو کاٹ لینا

سوال[۸۲۶۵]: اگر کسی کی بوئی ہوئی زمین کو بغیر اس کی اجازت کے کاٹ لیا تو کیا اس میں گناہ ہوگا؟ کیونکہ اس نے ۷۵/ بیگھ زمین سے زائد خرید رکھی ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جس شخص نے اپنی مملوکہ زمین میں جو کچھ بویا ہے وہ بونے والے کی ملک ہے، بغیر مالک کی اجازت کسی کو اس کے کاٹنے کا حق نہیں، بلکہ ایسا کرنا غصب اور ظلم ہے(۱)، قانون کا حاصل بھی یہ نہیں ہے کہ ۷۵/ بیگھ سے زائد کسی کے پاس ہو تو اس کو کاٹ لیا جائے، یہ بلا قیمت زبردستی قبضہ کرنا ظلم ہے، اس کا کسی کو حق نہیں:

"عن سالم عن أبيه رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله: صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أخذ من الأرض شيئاً بغير حقه، طوّق له يوم القيامة إلى سبع أرضين". رواه البخاري(۲)۔

"عن يعلى بن مرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من أخذ أرضاً بغير حقها، كلّف أن يحمل ترابها المحشر". رواه أحمد"(۳)۔

"وعنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أيما رجل ظلم شبراً من الأرض، كلفه الله عزوجل أن يحفره حتى يبلغ آخر سبع أرضين، ثم يطوّقه إلى يوم القيامة،

---

(۱) "لا يجوز لأحد أن يتصرف فى ملك غيره بلا إذنه، أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"لا يجوز التصرف فى مال غيره بغير إذنه". (شرح الأشباه والنظائر: ۴۴۴/۲، الفن الثانى، الفوائد، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى ردالمحتار: ۲۰۰/۶، كتاب الغصب، سعيد)

(۲) (صحيح البخارى: ۴۵۳/۱، كتاب بدء الخلق، قديمى)

(۳) (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۶، قديمى)

حتی يقضي الله بين الناس". رواه أحمد". مشكوة شريف(۱)۔

حررہ العبد محمد غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۸۹ھ۔

۷۵/ بیگہ سے زائد زمین رکھنا اور کسی اور کا اس پر قبضہ کرنا

سوال[۸۲۶۶]: آج کل سرکاری قانون ہے کہ پچھتر بیگہ سے زائد کوئی زمین نہیں رکھ سکتا، حالانکہ قبل اس قانون کے اس نے اپنے پیسے سے پچھتر بیگہ سے زائد زمین خرید رکھی ہے۔ اس صورت میں زبردستی پچھتر بیگہ زمین کاٹ سکتا ہے کہ نہیں؟ یہ فعل عوام کے لئے حلال ہوگا کہ نہیں اور یہ قانون کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

جس شخص نے اپنی مملوکہ زمین میں وہاں بویا ہے وہ بونے والے کی ملک ہے، بغیر مالک کی اجازت کے کسی اَور کو کاٹنے کا حق نہیں، بلکہ ایسا کرنا غصب اور ظلم ہے (۲)۔ قانون کا حاصل بھی یہ نہیں کہ جس کے پاس پچھتر بیگہ زمین زائد ہو اس کی بوئی ہوئی فصل جس کا دل چاہے کاٹ لے۔ پچھتر بیگہ سے زائد زمین کو بلا قیمت زبردستی قبضہ کر لینا بھی ظلم ہے، اس کا کسی کو حق نہیں:

"عن سالم عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه

---

(۱) (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۶، باب الغصب والعارية، قديمي)

"عن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من اقتطع شبراً من الأرض ظلماً، طوقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين".

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا يأخذ أحدٌ شبراً من الأرض بغير حقه، إلا طوّقه الله إلى سبع أرضين يوم القيامة". (الصحيح لمسلم: ۲/۳۲، ۳۳، كتاب المساقات، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها، قديمي)

(۲) "لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه، أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"لا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الأشباه والنظائر: ۲/۴۴۴، كتاب الغصب، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار: ۶/۲۰۰، كتاب الغصب، سعيد)

وسلم: "من أخذ من الأرض شيئاً بغير حقه، خسف به يوم القيامة إلى سبع أرضين".

"عن يعلى بن مرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من أخذ أرضاً بغير حقها، كلّف أن يحمل ترابها المحشر".

"وعنه رضى الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "أيما رجل ظلم شبراً من الأرض، كلفه الله عزوجل أن يحفر، حتى يبلغ آخر سبع أرضين، ثم يطوّقه إلى يوم القيامة، حتى يقضى الله بين الناس". رواه أحمد". مشكوة شريف: ٢٥٦(١)۔

"عن سعيد بن زيد رضى الله تعالىٰ عنه، عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "من أحيىٰ أرضاً ميتةً فهى له، و ليس لعرق ظالم حق". رواه أحمد، والترمذى، وأبو داؤد. ورواه مالك عن عروة مرسلاً، وقال الترمذى: هذا جديث حسن غريب".

"عن أبى حرة الرقاشى عن عمه رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقى فى شعب الإيمان، والدار القطنى فى المجتبى، اهـ". مشكوة شريف(٢)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

پاکستان منتقل ہونے والے کی جائیداد پر حکومت کا قبضہ

سوال[٨٢٦٧]: محمد عبدالخالق از قانونِ حکومت ہندوستان کے باشندے ہیں۔ شخصِ مذکور اپنے والدین بہن اور ایک بھائی حافظ محمد عبدالحق، خویش اقرباء کو چھوڑ کر بالاختیار حکومت میں درخواست دے کر پاکستان چلا گیا۔ جاتے وقت اپنے بھائی حافظ محمد عبدالحق سے کہا کہ میرے مال وزمین سے والدین کی خدمت کرنا اور کل جائیدا کے مالک تم ہو، محلّہ کی مسجد میں بھی اس قسم کے اختیارات بھائی کو دیا ہے۔ اور لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہا: ہندو لوگ میری داڑھی توڑنے کو کہتے ہیں، ہر اعتبار سے ستانے کی وجہ سے مجھ کو اس دیس سے نفرت ہوگئی ہے۔ بالآخر سب کو ناراض کر کے اپنی اولاد وازواج کو لے کر حکومت میں درخواست دے کر پاکستان چلا

(١) (مشكوة المصابيح، ص: ٢٥٦، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثالث، قديمى)

(٢) (مشكوة المصابيح، ص: ٢٥٥، باب الغصب والعارية، الفصل الثانى، قديمى)

گیا، اب ۸، ۹/ سال وہیں رہا، اس دراز زمانہ میں والد کا انتقال ہوا۔

حافظ محمد عبدالحق مقروض ہوکر دو بیگہ زمین فروخت کیا، اب وہ شخص پاکستان سے ہندوستان آیا، اور حکومتِ ہند میں مقدمہ دائر کیا کہ مجھ کو ظلماً بھیجا گیا، میں اس دیس کا باشندہ ہوں۔ تیس سال بعد حکومتِ ہند نے مقدمہ سے بری کردیا۔ اب وہ شخص دعویٰ کرتا ہے بھائی کے مشتری سے کہ میری زمین مجھ کو واپس کرو، نہیں تو میں مقدمہ چلاؤں گا۔

وہ شخص یہ بھی کہتا ہے کہ فلاں بات ایسی اگر نہ ہوتو داڑھی کتروادوں گا، فلاں بات ایسی نہ ہوتو سنتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چھوڑ دوں گا۔ اب دریافت طلب چند سوالات کے جواب تحریر فرمائیں:

۱...... آیا شرعاً اپنی زمین لوٹا سکتا ہے یا نہیں؟ بصورتِ جوازِ ثمنِ مشتری کا ضمان دینا پڑے گا یا نہیں؟

۲...... اس قسم کے صریح جھوٹ مقدمہ لڑانے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ عند الشرع شہادت اس کی کیسی ہے؟ اس کے پیچھے اقتداء کرنا وضمانت میں شریک ہونا کیسا ہے؟

۳...... ''فلاں بات اگر ایسی نہ ہوتو داڑھی کتروادوں گا، سنتِ رسول چھوڑ دوں گا'' کہنا کیسا ہے؟

۴...... مع الاختیار ہندوستان کو خیر باد کر کے جانا، پھر آنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ باغیِ حکومت کی کیا سزا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱...... جو لوگ باقاعدہ حکومت کو اطلاع کر کے پاکستان گئے، ان کی جائیداد پر حکومت نے قبضہ کرلیا ہے اور استیلائے حکومت کی وجہ سے وہ جائیداد حکومت کی ہوگئی، بھائی یا کسی کو بھی یہ کہنا کہ ''میری جائیداد کے مالک تم ہو'' مفید نہیں۔ اگر حکومت نے مالکانہ قبضہ نہیں کیا اور جائیداد بھائی کو دیدی اور بھائی نے اس پر قبضہ کرلیا تو وہ جائیداد بھائی کی ہوگئی، شرعاً اس سے واپس لینے کا حق نہیں۔ بھائی نے جو زمین فروخت کردی اس کی واپسی کا بھی حق نہیں، کذا فی الشامی (۱)۔

---

(۱) ''وإن غلبوا علی أموالنا وأحرزوها بدارهم، ملکوها''. (الدر المختار، کتاب الجهاد، باب استیلاء الکفار: ۱۶۰/۴، سعید)

''وإن غلبوا علی أموالنا وأحرزوها بدارهم، ملکوها''. (تبیین الحقائق، کتاب السیر، باب استیلاء =

۲...... جھوٹ بولنا(۱)، جھوٹا مقدمہ لڑنا کبیرہ گناہ ہے(۲)۔ جوشخص ایسا کرے وہ امامت کے لائق نہیں، کذا فی ردالمحتار (۳)۔

۳...... جہالت ہے، منع ہے، دین سے بُعد ہے۔

۴...... اس کے لئے کوئی کلی حکم سب کے لئے نہیں، مختلف حالات کے اعتبار سے حکم مختلف ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

سیر داری کی زمین

سوال[۸۲۶۸]: کانگریس گورنمنٹ کے زمانہ میں زید کے پاس دوقسم کی زمین ہے: ۱- بھوم دھری۔ ۲- سیر داری۔ بھوم دھری کو بیع کر سکتے ہیں اور سیر داری کو بیع نہیں کر سکتے۔

= الکفار: ۴/۱۲۳، دارالکتب العلمیة بیروت)

"وإن غلبوا: أی الکفار علی أموالنا وأحرزوها: أی أموالنا بدراهم: أی بدار الحرب، ملکوها". (مجمع الأنهر شرح ملتقی الأبحر: ۲/۴۴۲، کتاب السیر، باب استیلاء الکفار، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی الدرالمنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۲/۴۴۲، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق: ۴/۱۲۳، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق، باب استیلاء الکفار: ۵/۱۶۱، رشیدیه)

(۱) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "آیة المنافق ثلاث: إذا حدث کذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (مشکوة المصابیح، باب الکبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول، ص: ۱۷، قدیمی)

(۲) "عن أبی ذر رضی الله تعالیٰ عنه أنه سمع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من ادّعی مالیس له، فلیس منا، ولیتبوأ مقعده من النار". (مشکوة المصابیح، باب الأقضیة والشهادات، الفصل الأول، ص: ۳۲۷، قدیمی)

(۳) "ویکره إمامة عبد .... وفاسق". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱/۵۵۹، سعید)

ان دوقسموں کوزید نے عمرکو بٹائی نصفی یا لگان پر جوتنے کے لئے دیا اور وہ سرکاری کاغذات میں عمر کے نام درج ہوگئی۔ تین سال کے بعد کاغذات سے زید کا نام خارج ہوکر وہ زمین عمر کے نام ہوگئی اور زید کے قبضہ سے نکل گئی۔ اور گورنمنٹ کے قانون کے بنا پر زید کو اس زمین کا کچھ معاوضہ بھی ملتا ہے، لیکن اس معاوضہ پر نہ تو زید بخوشی تیار ہے اور نہ یہ چاہتا ہے کہ میری زمین مملوکہ عمر کے قبضہ میں چلی جائے۔

اب سوال یہ ہے کہ ازروئے شریعت کیا عمر ایسی زمین کا مالک ہوسکتا ہے، یا یہ کہ عمر کے ذمہ ضروری ہے کہ اس زمین سے استعفیٰ دے کر زید کے حوالہ کرے؟ مدلل طور پر جواب تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

ظہیرالدین، پوٹریا، جونپور۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر سرکاری قانون کے مطابق وہ زمین زید کی ملک نہیں رہی اور عمر کی ملک ہوگئی اور عمر اگر اس سے مستعفی ہوجائے، یا زید کو دیدے تو زید کی ملک میں آسکتی ہے۔ تو عمر کو مستعفی ہونا، یا زید کو دیدینا لازم ہے، خود رکھنا درست نہیں:

"لا یجوز لأحدٍ من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی، کذا فی البحرا لرائق". فتاویٰ عالمگیریة (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

دوسرے کی زمین کاشت کرنے سے کیا مالک بن جائے گا؟

سوال[۸۲۶۹]: ایک شخص مرزا عاقل حسین صاحب کو کچھ اراضی مزروعہ ترکہ میں ملی، اس کا مورث کاشت کیا کرتا تھا۔ اراضی بالا قصبہ سردھنہ میرٹھ میں واقع ہے۔ مرزا عاقل حسین میرٹھ میں سکونت رکھتا ہے، گاہ

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۲/۱۶۷، کتاب السیر، فصل فی التعزیر، رشیدیه)

(وکذا فی البحرالرائق: ۵/۶۸، کتاب السیر، فصل فی التعزیر، رشیدیه)

"لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی". (ردالمحتار: ۴/۶۱، کتاب الجهاد، مطلب فی التعزیر بالمال، سعید)

"لیس لأحد أن یأخذ مال غیره بلا سبب شرعی". (شرح المجلة لسلیم رستم باز ص: ۶۲، (رقم المادة: ۹۷)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

گاہ میرٹھ سے آتا جاتا ہے۔ کچھ مدت تک اراضی کاشت نہیں ہوئی، افتادہ رہی۔ ایک شخص معین الدین شاہ نے اراضی پر غاصبانہ قبضہ کرکے کاشت شروع کردی اور کاغذات میں بلا تصفیہ لگان کاشتکار درج ہوگیا۔

قانونِ خاتمۂ زمینداری کے بموجب ہر کاشتکار خواہ اس کی نوعیت کچھ ہو وہ کاشتکار سیردار حکومت نے تسلیم کرلیا، اگر وہ دوگنا لگان داخلِ خزانۂ حکومت کردے تو اس کو حکومتِ وقت مالک تسلیم کرلے گی۔ قانونِ دینِ محمدی کے بموجب عاقل حسین کی موجودگی میں کیا شرع محمدی معین الدین کو مالک تسلیم کرلے گی؟ اگر شرع میں معین الدین کو مالک تسلیم نہیں کیا گیا تو آیتِ قرانی نمبر: ۱۸۸، سورۂ بقرہ، رکوع: ۲۲:

﴿ و لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل و تدلوا بها إلى الحكام لتأكلوا فريقاً من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون﴾ الاية۔

جس کا اردو ترجمہ امام المحدثین حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا:

''اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق، اور نہ پہونچاؤ ان کو حاکموں تک کہ کھاجاؤ کاٹ کر لوگوں کے مال سے ماری گناہ اور تم کو معلوم ہے''۔

آیتِ بالا کا اطلاق معین الدین پر ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوتا ہے تو وہ کس گناہ کا مرتکب ہے، صغیرہ کا یا کبیرہ کا؟ اگر وہ ضد کرے اور گناہ پر جمارہے تو کفر عائد ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

جو شخص کسی کی ایک بالشت زمین غصب کرے گا، ساتوں زمینوں کا طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا، یہ حدیث شریف میں موجود ہے(۱)، اس لئے غصب کرنا کبیرہ گناہ ہے۔

---

(۱) ''عن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ''من اقتطع شبراً من الأرض ظلماً، طوّقه إياه يوم القيامة من سبع أرضين''.

''عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''لا يأخذ أحدٌ شبراً من الأرض بغير حقه إلا طوّقه الله إلى سبع أرضين يوم القيامة''. (الصحيح لمسلم: ۲/۳۲، ۳۳، كتاب المساقات، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها، قديمي)

''عن سالم عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''من أخذ من الأرض شيئاً بغير حقه، طوق له يوم القيامة إلى سبع أرضين''. (صحيح البخاري: ۱/۴۵۳، =

حرام قطعی لعینہ کو حلالِ قطعی اعتقاد کرنا کفر ہے(۱)۔ گناہ کو گناہ سمجھتے ہوئے جو شخص گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے، اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

غاصب کا قبضہ ہٹانے کے لئے قتل کرنا

سوال[۸۲۷۰]: زید کے بھائی نے زید کا کافی مال اور جائیداد غصب کر رکھا ہے، کافی کوشش کی، مگر وہ ہرگز نہیں دیتا ہے، اب بجز اس کے اس کو قتل کر کے ہی کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ تو کیا ایسے فاسق و فاجر اور ظالم کا خون شرعاً حلال ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

کیا قتل کرنے کے بعد قاتل خود بھی قتل ہونے سے بچ جائے گا اور اس مال و اسباب سے فائدہ اٹھا سکے گا، ایسی حرکت ہرگز نہ کریں (۳)، بلکہ قانونی چارہ جوئی کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

= كتاب بدء الخلق، باب ماجاء في سبع أرضين، قديمي)

(ومشكوة المصابيح، ص: ۲۵۴، باب الغصب والعارية، الفصل الثالث، قديمي)

(۱) "والأصل أن من اعتقد الحرام حلالاً، فإن كان حراماً لغيره كمالَ الغير، لا يكفر. وإن كان لعينه، فإن كان دليله قطعياً، كفر، وإلا فلا". (البحر الرائق: ۲۰۶/۵، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، رشيديه)

"إن استحلال المعصية صغيرةً كانت أو كبيرةً كفرٌ إذا ثبت كونها معصيةً بدلالة قطعية".

(شرح الملا على القارى على الفقه الأكبر، ص: ۱۰۲، قديمي)

(۲) "و لا نكفر مسلماً بذنب من الذنوب وإن كانت كبيرةً إذا لم يستحلها، ولا نُزيل عنه اسم الإيمان".

(شرح الملا على القارى على الفقه الأكبر، ص: ۷۱، قديمي)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن يقتل مؤمناً متعمداً فجزاءه جهنم خالداً فيها، وغضب الله عليه، ولعنه وأعدّله عذاباً عظيماً﴾. (سورة النساء: ۹۳) .... =

مملوک کنویں کو مندر بنانا

سوال[۱۷۲۸]: ایک تکیہ قبرستان مسجد اور کنواں بنام شاہ کوشام قدوس شاہ سے موسوم ہے، تکیہ مسجد اور کنواں تقریباً ۵۰۰/ سال پرانا ہے جو ہمارے آباء واجداد کی ملکیت رہا ہے اور اب ہم اس پر قابض ہیں۔ تکیہ ہذا مسجد میں کنواں اس لئے تعمیر کرایا گیا تھا کہ یہاں مسجد کے نمازیوں کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ اب قدرتی طور پر اس کنویں کا پانی تقریباً ۲۵، ۲۶/ سال سے بند ہو گیا ہے اور کنواں خشک ہو گیا۔ اور کنواں اپنی جگہ پر موجود ہے جو کھنڈر ہو چکا ہے۔ تو جگہ سے فائدہ اٹھانے کے لئے کچھ شر پسندوں نے اس کنویں کی جگہ کو اپنی ملکیت بتایا ہے، جس میں قصبہ کے کچھ جن سنگھی بھی شامل ہیں۔

یہ فریق اس کنویں کو مندر کی شکل دینا چاہتے ہیں، ہم لوگ بہت غریب ہیں۔ کیا اس کنویں کو مندر کی شکل دی جا سکتی ہے؟ اگر ایسا ہوتا ہے تو مسجد اور تکیہ کے بسنے والے حضرات کی زندگیاں خطرے میں رہیں گی۔ براہ کرام آپ شرعی نقطۂ نگاہ سے فیصلہ دیں کہ یہ عمل ان کا جائز ہے یا ناجائز؟ مسلمانان کھتولی اس میں دامے درمے سخنے (۱) ہماری مدد فرما سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہ کنواں آپ کے آباء واجداد کی ملک ہے، آپ اس پر بحیثیتِ وارث قابض ہیں تو پھر کسی کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ کنواں کسی اَور کو مندر وغیرہ کے لئے دے۔ ایسا کرنا غصب اور ظلم ہے جس کی ہرگز

= "عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنهما أن النبي صلّى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لَزوال الدنيا أهون على الله من قتل رجل مسلم".

"عن أبي الدرداء رضي الله تعالى عنه، عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "كل ذنب عسى الله أن يغفره إلامن مات مشركاً، أو من يقتل مؤمناً متعمداً".

"وعن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من قتل متعمداً دفع إلى أولياء المقتول، فإن شاء وا، قتلوا، وإن شاء وا أخذوا الدية".

(مشكوة المصابيح، ص: ۳۰۱، كتاب القصاص، الفصل الثاني، قديمي)

(۱) "دامے: درمے، قدمے، سخنے: ہر طرح امداد کرنا، روپیہ، پیسہ، جان اور زبان ہر طریقہ سے مدد کرنا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۰۹، فیروز سنز، لاہور)

اجازت نہیں (۱)۔ان لوگوں کو ایسا کرنے سے باز آنا ضروری ہے، ان کو بھی سمجھا کر اپنے اثر سے کام لے کر ان غلط ارادوں سے روک دینا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۹/۹۲ھ۔

کرایہ کے مکان پر قبضہ

سوال[۸۲۷۲]: زید فریقِ اول نے عمر فریقِ ثانی کو اپنے مکان کی زمین-جس میں گائے وغیرہ باندھی جاتی ہے-اس شرط پر دی کہ وہ اپنے لئے رہائشی مکان بنالے اور تعمیر میں جو کچھ خرچ ہو، کرایہ کے حساب سے منہا کرلے اور کچھ رقم بھی دینے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ تین سال کی مدت میں بارہ روپیہ ماہواری کرایہ کے حساب سے تعمیر کے حساب میں منہا بھی کرادیئے۔

حساب کرانے پر عمر فریقِ ثانی پر زید فریقِ اول کا کچھ روپیہ نکلتا ہے، جس کا عمر بھی اقرار کرتا ہے۔ فی الحال عمر بارہ روپیہ ماہوار کے حساب سے کرایہ برابر ادا کرتا ہے، لیکن اب عمر اس مکان پر مستقل طور پر قابض ودخیل ہونا چاہتا ہے اور سرکاری کاغذات میں بھی اپنے نام کا اندراج کرانا چاہتا ہے اور اسی کوشش میں مصروف ہے۔

چونکہ مالکِ مکان زید ایک سید تھے اور نیک طبیعت کے انسان تھے جو کہ مارچ ۶۴ء کے فساد میں شہید بھی ہوچکے ہیں، ان کے اہل وعیال کو جگہ کی تنگی کی وجہ سے مکان مذکور کی خود ضرورت شدید ہے۔ لہذا از

---

(۱) "عن سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ تعالیٰ عنه أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "من اقتطع شبراً من الأرض ظلماً، طوّقه إیاه یوم القیامة من سبع أرضین".

"عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "لا یأخذ أحدٌ شبراً من الأرض بغیر حقه إلا طوّقه اللہ إلی سبع أرضین یوم القیامة". (الصحیح لمسلم: ۳۲/۲، ۳۳، کتاب المساقات، باب تحریم الظلم وغصب الأرض وغیرها، قدیمی)

"عن سالم عن أبیه رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من أخذ من الأرض شیئاً بغیر حقه، طوق له یوم القیامة إلی سبع أرضین". (صحیح البخاری: ۴۵۳/۱، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی سبع أرضین، قدیمی)

(ومشکوة المصابیح، ص: ۲۵۴، باب الغصب والعاریة، الفصل الثالث، قدیمی)

روئے شریعت اسلامی عمر کا یہ فعل کہاں تک درست ہے اور زید شہید مرحوم کے احسانات کا بدلہ عمر کو کس طرح ادا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ تو ظاہر ہے کہ زید نے جگہ نہ عمر کو ہبہ کی ہے اور نہ بیع کی ہے، بلکہ کرایہ پر دی ہے اور جو روپیہ تعمیر میں خرچ ہوا، اس کو بھی کرایہ میں محسوب کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ زید نے عمر کو اپنا وکیل بنایا کہ میری طرف سے اس کرایہ کو مجھے دینے کے بجائے تعمیر میں خرچ کردیں تو اس لحاظ سے جو عمارت مکان کی بنے گی وہ بھی زید کی ملک ہوگی (۱)۔ اگر زید کے ورثہ خالی کرانا چاہتے ہیں تو عمر کو اس جگہ پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کرنا صحیح نہیں (۲)، بلکہ اس کو لازم ہے کہ اس غصب اور ظلم سے باز رہے اور جو روپیہ کرایہ کا باقی ہے، وہ بھی ادا کردے، ورنہ خدا تعالیٰ کے

---

(۱) "ولكن حقوق العقد عائدة إلى موكله، وليست بعائدة إليه، سواء كان وكيلاً بالبيع أو الشراء، بثمن حال أو مؤجل؛ لأنه إذا كان الوكيل محجوراً، فهو كالرسول .... فتتعلق الحقوق بمؤكله". (شرح المجلة، كتاب الوكالة، الباب الثاني: ۲/۷۷۵، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"فإن لم يُضفه الوكيل إلى مؤكله، واكتفى بإضافته إلى نفسه، صح أيضاً، وعلى كلتا الصورتين لا تثبت الملكية إلا لمؤكله". (شرح المجلة، لسليم رستم باز: ۲/۷۸۱، الباب الثالث، كتاب الوكالة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

وقال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "والملك يثبت للمؤكل ابتداءً". (الدرالمختار: ۵/۵۱۴، كتاب الوكالة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۵٦۷، الباب الأول، كتاب الوكالة، رشيديه)

(۲) "وتصح إجارة أرض للبناء، والغرس، وسائر الانتفاعات .... فإن مضت المدة، قلعها وسلّمها فارغةً، إلا أن يغرم له المؤجر قيمته: أي البناء والغرس مقلوعاً .... ويتملكه .... أو يرضى الموجر بتركه: أي البناء والغرس، فيكون البناء والغرس لهذا، والأرض لهذا. وهذا الترك إن بأجر، فإجارة، وإلا فإعارة". (ردالمحتار: ٦/۳۰، ۳۱، باب ما يجوز من الإجارة و مايكون خلافاً فيه، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۸/۱۹، ۲۰، باب ما يجوز من الإجارة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ٦/۹٦، ۹۷، باب ما يجوز من الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

یہاں سخت سزا کا مستحق ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۸۸ھ۔

شجرۂ مغصوبہ کا پھل

سوال [۸۲۷۳]: ایک درخت ایک شخص کا ہے، دوسرے نے اس زمین کو اپنی کاشتکاری بنوالیا، وہ درخت بھی گورنمنٹ کے قانون سے کاشتکار کا ہوگیا اور درخت کا لگانے والا بالکل محروم ہوگیا۔ تو کیا کاشتکار غاصب کو درخت یا درخت کا پھل کھانا جائز ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ زمین اس کاشتکار کی نہیں ہے تو وہ زمین بھی غصب ہے اور درخت بھی غصب ہے، دونوں سے انتفاع ناجائز ہے (۲)۔ غلط کارروائی سے ملک ثابت نہیں ہوتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿و لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل وتدلوا بها إلى الحكام لتأكلوا فريقاً من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن سعيد بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، قديمي)

(۲) "يلزم ردّ المغصوب عيناً، وتسليمه إلى صاحبه في مكان الغصب إن كان موجوداً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۸۸، (رقم المادة: ۸۹۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وعلى الغاصب رد العين المغصوبة، معناه: ما دام قائماً، لقوله عليه السلام: "على اليد ما أخذت حتى ترد". و قال عليه السلام: "لا يحل لأحد أن يأخذ متاع أخيه لاعباً ولا جاداً، فإن أخذه فليردّه عليه". (الهداية: ۳/۳۷۱، كتاب الغصب، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ويجب ردّ عينه في مكان غصبه، لقوله عليه السلام: "على اليد ما أخذت حتى ترد". ولقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا يحل لأحدكم أن يأخذ مال أخيه لاعباً ولا جاداً، وإن أخذه فليردّه عليه". =

کیا بارش کے پانی کو دوسرے کے مکان کے صحن سے روکنا درست ہے؟

سوال[۸۲۷۴]: زید وعمر دونوں حقیقی بھائیوں کے مکان قریب قریب ہیں، اور درمیان دونوں مکانوں کے ایک دیوار ہے اور دیوار کے نیچے سے ایک سوراخ ہے جس سے زید کے گھر کا پانی - جو بارش وغیرہ کا ہوتا ہے- عمر کے صحن میں سے ہوکر شارعِ عام میں چلا جاتا ہے اور یہ صورت کافی عرصہ سے واقع ہے۔ اب تنازع ہوگیا، عمر کہتا ہے کہ اپنے گھر کے پانی کا اَور بندوبست کرو، میں اپنے صحن سے نہیں نکلنے دوں گا، حتی کہ جس جگہ پانی نکلتا تھا، اس نے مکان بنالیا۔ اگر زید کوشش کرے تو دوسری جانب سے نکل سکتا ہے، مگر تکلیف سے۔

زید کہتا ہے: چونکہ کافی عرصہ سے یہ صورت چلی آرہی ہے، لہٰذا اس میں سے پانی نکالا جائے گا۔ اور دونوں میں مقدمہ بازی شروع ہوچکی ہے۔ بحوالہ تحریر فرماویں کہ شرع کا کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وكذا لو كان مسيل ماء سطحه إلى دار رجل، وله فيها ميزاب قديمٌ، فليس لصاحب الدار منعُه عن مسيل الماء، اه". فتاوى عالمگيرى: ٥/٣٩٤(١)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر پانی کا راستہ قدیم سے ہے تو عمر کو اس کے روکنے کا حق نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ربیع الثانی/ ۶۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (تبيين الحقائق: ٦/٣١٥، كتاب الغصب، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۴/۷۸، كتاب الغصب، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى ردالمحتار: ٦/١٨٢، كتاب الغصب، سعيد)

(١) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشرب، الباب الثانى فى بيع الشرب وما يتصل بذلك: ۵/۳۹۴، رشيديه)

(وكذا فى مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب إحياء الموات، فصل فى الشرب: ۴/۲۴۰، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب إحياء الموات، فصل فى المشرب: ٦/۴۴۳، سعيد)

كتاب الشفعة

(شفعہ کا بیان)

حقِ شفعہ کی تفصیل

سوال [۸۲۷۵]: حقِ شفعہ شرعی کے طلب کرنے اور اس کے ثبوت کے لئے کیا شرائط ہیں، نیز وہ چیزیں کیا ہیں جن کی بناء پر یہ حق زائل ہو جاتا ہے؟ اس کی طلب کی مدت کیا ہے اور کن لوگوں کو اس کا حق پہونچتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کوئی شخص کسی مملوک غیر منقول شیٔ مکان وغیرہ فروخت کرے تو ان پر تین قسم کے آدمیوں کو ترتیب وار شفعہ حاصل ہوتا ہے: اول اس کو جو کہ نفسِ مبیع میں شریک ہو، پھر اس کو جو کہ حقِ مبیع راستہ میں شریک ہو، پھر اس کو جو کہ پڑوسی ہو۔ اول کی موجودگی اور طلب پر ثانی وثالث کو حق نہیں، اسی طرح ثانی کی موجودگی میں ثالث کو حق نہیں۔

شفعہ طلب کرنے کے لئے تین مرتبہ طلب ضروری ہے: اول: جس مجلس میں بیع کو سنا ہے فوراً کہے کہ میں اس کا شفیع ہوں، میں طلب کروں گا۔ اگر خاموش رہا، یا یہ کہا کہ فلاں مکان کی بیع ہوئی ہے کچھ مضائقہ نہیں تو حقِ شفعہ بیع کے ساتھ ساقط ہو گیا۔

دوسری مرتبہ طلب یہ ہے کہ مشتری کے پاس جا کر، یا بائع کے پاس جا کر، یا مبیع پر یہ کہے کہ اس مکان کی بیع ہوئی ہے میں اس کا شفیع ہوں، میں اس کو خریدوں گا۔ اور اس طلب پر گواہ بھی بناوے، کم از کم دو گواہوں کے سامنے اس کو کہہ دے تا کہ وہ وقت پر گواہی دے سکیں۔

تیسری مرتبہ طلب یہ ہے کہ حاکم کے یہاں دعویٰ دائر کرے نفسِ مبیع اور اپنے استحقاقِ شفعہ اور طلبِ

شفعہ کا ثبوت پیش کرے، حاکم واقعہ کی باقاعدہ تحقیق وتفتیش کر کے فیصلہ کر دے۔

طلبِ اول کے بعد اگر طلبِ ثانی میں بلا عذر تاخیر کی تو حقِ شفعہ ساقط ہو جائے گا، البتہ طلبِ ثالث حاکم کے یہاں دعویٰ دائر کرنے میں اگر تاخیر کی تو اس سے حق شفعہ ساقط نہیں ہوتا، لیکن امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی مدت ایک ماہ ہے، اگر ایک ماہ تک بلا کسی عذر مرض وسفر وغیرہ کے حاکم کے یہاں دعویٰ نہ کیا تو حق ساقط ہو جائے گا(۱)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۹/محرم الحرام/۶۳ھ۔

---

(۱) "الشفعة واجبة للخليط في نفس المبيع، ثم للخليط في حق المبيع كالشرب والطريق، ثم للجار. أفاد هذا اللفظ ثبوت حق الشفعة كل واحد من هؤلاء وأفاد الترتيب، أما الثبوت فلقوله عليه السلام: "الشفعة لشريك لم يقاسم". ولقوله عليه السلام: "جار الدار أحق بالدار والأرض، ينتظر له وإن كان غائباً إذا كان طريقها واحد". أو لقوله عليه السلام: "الجار أحق سقبه" قيل: يارسول الله! ماسقبه؟ قال: "شفعته" ويروى: "الجار أحق بشفعته" .... وأما الترتيب فلقوله عليه السلام: "الشريك أحق من الخليط، والخليط أحق من الشفيع". فالشريك في نفس المبيع، والخليط في حقوق المبيع، والشفيع هو الجار .... وليس للشريك في الطريق والشرب والجار شفعة مع الخليط في الرقبة لما ذكرنا أنه مقدم. قال: فإن سلم فالشفعة للشريك في الطريق، فإن سلم، أخذها الجار لما بينا من الترتيب .... إعلم أن الطلب على ثلثة أوجه: طلب المواثبة وهو أن يطلبها كما علم، حتى لوبلغ الشفيع البيع ولم يطلب شفعته، بطلت الشفعة لما ذكرنا، ولقوله عليه السلام: "الشفعه لمن واثبها" .... والثاني: طلب التقرير والإشهاد" لأنه محتاج إليه لإثباته عند القاضي على، ذكرنا .... وبيانه ماقال في الكتاب: ثم ينهض منه يعني من المجلس ويُشهد على البائع إن كان المبيع في يده، معناه: لم يسلم إلى المشتري، أو على المبتاع أو عند العقار، فإذا فعل ذلك استفرت شفعته، وهذا لأن كل واحد منهما خصم فيه؛ لأن للأول اليد والثاني الملك، وكذا يصح الإشهاد عند المبيع؛ لأن الحق متعلق به .... والثالث: طلب الخصومة والتملك .... ولا تسقط الشفعة بتأخير هذا الطلب عند أبي حنيفه، وهو رواية عن أبي يوسف، وقال محمد: إن تركها شهراً بعد الإشهاد، بطلت، وهو قول زفرؒ، معناه: إذا تركها من غير عذر". (الهداية، كتاب الشفعة، باب طلب الشفعة والخصومة فيها: ۳۸۹/۴، ۳۹۲، شركت علميه ملتان)

ابطالِ شفعہ کے حیلہ پر بخاریؒ کا اعتراض

سوال[۸۲۷۶]: عرض یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ نے بخاری شریف ، جلد ثانی، ص: ۱۰۳۲، کتاب الحیل میں امام اعظمؒ پر اعتراض کرتے ہوئے حسبِ عادت "قال بعض الناس" کہنے کے بعد یہ لکھا ہے:

"إن اشترى نصيب دار فأراد أن يبطل الشفعة، وهب لابنه الصغير، ولايكون عليه يمين". بخاری شریف: ۱۰۳۲/۲(۱)۔

لیکن صورتِ مسئولہ سمجھ میں نہیں آرہی ہے، کیونکہ اعتراض حق بجانب ہوسکتا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی جلالتِ شان بالخصوص نقلِ روایت کے باب کو دیکھتے ہوئے یہ بعید معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یونہی بلاوجہ یہ حیلہ منسوب کردیا ہوگا، جیسا کہ علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ کا خیال ہے(۲)۔ علاوہ ازیں علامہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو تشریح فیض الباری میں کی ہے اس سے بھی امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی نسب غلط نہیں معلوم ہوتی(۳)۔

---

(۱) (صحيح البخاري، كتاب الحيل، باب في الهبة والشفعة: ۱۰۳۲/۲، قديمي)

(۲) "هذا أيضاً تشنيع على الحنيفة. قوله: "وهب" أي: ما اشتراه "لابنه الصغير ولايكون عليه يمين" في تحقق الهبة، ولا في جريان شروطها وقيد بالصغير؛ لأن الهبة لوكانت للكبير، وجب عليه اليمين فتحيل إلى إسقاطها بجعلها للصغير. وأشار باليمين أيضاً إلى أنه لو وهب لأجنبي، فإن للشفيع أن يحلف الأجنبي أن الهبة حقيقية، وأنها جرت بشروطها، والصغير لايحلف، لكن عند المالكية: أن أباه الذي يقبل له يحلف. وعن مالك: لاتدخل الشفعة في الموهوب مطلقاً، كذا ذكره في المدونة". (عمدة القاري، كتاب الحيل، باب في الهبة والشفعة: ۱۸۶/۲۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "قوله: "وقال بعض الناس: إن اشترى نصيب دار، فأراد أن يبطل الشفعة، وهب لابنه الصغير، ولايكون عليه يمين": أي إذا وهب لابنه الصغير داراً يكون الصغير شريكاً في نفس المبيع، فلو أدى عليه الشفيع، لايتوجه إليه اليمين حتى يبلغ". (فيض الباري، كتاب الحيل، باب في الهبة والشفعة: ۴۸۸/۴، خضر راه بک ڈپو الهند)

مگر اس تشریح سے بھی صورت مسئولہ سمجھ میں نہیں آتی، کیونکہ یہ طے ہے کہ مشتری کے کسی بھی تصرفِ مُضر، مثلاً: ہبہ، بیع، بناء، غرس وغیرہ سے حقِ شفعہ باطل نہیں ہوتا، کما فی مبسوط السرخسی: ١٤/١١٤(١)۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ارکانِ عقد متحقق ہوجانے کے بعد عقد منعقد ہوجاتا ہے، منعقد ہونے کے باوجود نظرِ شرع میں اس کا مستحسن ہونا ضروری ہے۔ لفظِ ''حیلہ'' اردو میں بہت بدنام ہے، اس کی جگہ ''تدبیر'' کا لفظ انسب ہے۔ اضرارِ غیر کے لئے تدبیر کی اجازت نہیں، دفعِ ضرر کے لئے تدبیر کی اجازت ہے اگرچہ اس کے ضمن میں دوسرے کا کچھ ضرر بھی ہوجائے:

مبسوط: ١٤/١٣١، میں ہے: ''والاشتغال بهذه الحيل لإبطال حق الشفيع لا بأس به، أما قبل وجوب الشفعة، فلا إشكال فيه. وكذلك بعد الوجوب إذا لم يكن قصد المشترى الإضرار به، وإنما كان قصده الدفع عن ملك نفسه. وقيل: هذا قول أبى يوسف رحمه الله تعالىٰ، فأما عند محمد رحمه الله تعالىٰ: يكره ذلك، اه''(٢)۔

---

(١) ''وحجتنا فى ذلک أنه بنى فى غيره أحق بها منه من غير تسليط من له الحق، فينتقض عليه بناءه، كالراهن إذا بنى فى المرهون، وبيان الوصف أن حق الشفيع فى هذه البقعة حق قوى متأكد وهو متقدم على حق المشترى، وتصرف المشترى فيما يرجع إلى الإضرار بالشفيع يكون باطلاً لمراعاة حق الشفيع، ويجعل ذلک متصرفه فى غير ملكه. ألا ترى أن تصرفه بالبيع والهبة ينقض هذا المعنى، فكذلک بناءه، وفى البناء هو مضر بالشفيع من حيث أنه يلزمه زيادة فى الثمن لم يرض هو بالتزامها، وهو مبطل للحق الثابت له يعنى حق الأخذ بأصل الثمن، فلا ينفذ ذلک منه كما لا ينفذ سائر التصرفات .... وفى الزرع قياس واستحسان، فى القياس يقلع زرعه، وفى الاستحسان لا يقلع؛ لأن لإدراكه نهاية معلومة، وليس فى الانتظار كثير ضرر على المشترى، بخلاف الغرس والبنا، وأصله فى المستعير يقلع بناءه وغرسه لحق المعير، ولا يقلع زرعه استحساناً''. (المبسوط للسرخسى، كتاب الشفعة: ١٤/٩٧، ٩٨، حبيبه كوئٹه)

(٢) (المبسوط للسرخسى، كتاب الشفعة، باب الشفعة بالعروض: ١٤/١١٢، حبيبه كوئٹه)

تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق للزيلعي: ٥/٢٦١، میں بھی یہ موجود ہے(۱)۔علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نسبت کی تغلیط نہیں کی ہے۔محشی بخاری نے بھی بحوالہ کفایہ مبسوط کا مذکورہ بالا مقولہ نقل کیا ہے(۲)۔

شفیع کا دعویٰ مشتری پر ہوتا ہے،اگر مشتری اس مبیع کو ہبہ کردے اور یہ چاہیے کہ موہوب لہ پر دعوی کیا جائے تو موہوب لہ قسم کھا کر بے تعلق ہوجائے گا،لیکن اگر موہوب لہ صغیر ہوتو اس پر قسم نہیں آتی(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ،دار العلوم دیوبند،۱۶/۷/۸۸ھ۔

---

(۱) "وقال شمس الأئمة: الاشتغال بالحيل بإبطال حق الشفعة لابأس به، أما قبل وجوب الشفعة فلا إشكال فيه، وكذلك بعد الوجوب إذا لم يقصد المشترى الإضرار به، وإنما قصد به الدفع عن ملك نفسه، ثم قال: وقيل هذا قول أبى يوسف رحمه الله، وأما عند محمد رحمه الله فتكره على قياس اختلافهم فى الزكوة". (تبيين الحقائق للزيلعى، كتاب الشفعة، باب ما تبطل به الشفعة: ٣٩٤/٦، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وذكر الإمام شمس الأئمة السرخسى فى باب الشفعة بالعروض من المبسوط بعد ماذكر وجوه الحيل فقال: والاشتغال بهذه الحيل لإبطال حق الشفعة فلا بأس به، أما قبل وجوب الشفعة فلا إشكال فيه، وكذلك بعد الوجوب إذا لم يكن قصد المشترى الإضرار به، وإنما قصد به الدفع عن ملك نفسه. ثم قال: وقيل: هذا قول أبى يوسف، فأما عند محمد فيكره، كذا فى الكفاية". (صحيح البخارى، كتاب الحيل، باب احتيال العامل ليهدى له: ١٠٣٣/٢، (رقم الحاشية: ٨)، قديمى)

(۳) "هذا أيضا تشنيع على الحنيفة. قوله: "وهب" أى: ماشتراه "لابنه الصغير ولايكون عليه يمين" فى تحقق الهبة، ولا فى جريان شروطها، وقيد بالصغير؛ لأن الهبة لو كانت للكبير، وجب عليه اليمين، فتحيل إلى إسقاطها بجعلها للصغير، وأشار باليمين أيضاً إلى أنه لو وهب لأجنبى، فإن للشفيع أن يحلف الأجنبى أن الهبة حقيقية، وأنها جرت بشروطها، والصغير لايحلف، لكن عند المالكية: أن أباه الذى يقبل له يحلف، وعن مالك لاتدخل الشفعة فى الموهوب مطلقاً، كذا ذكره فى المدونة". (عمدة القارى، كتاب الحيل، باب فى الهبة والشفعة: ١٨٦/٢٤، دارالكتب العلمية بيروت)

" قوله: "وقال بعض الناس: إن اشترى نصيب دار، فأراد أن يبطل الشفعة، وهب لابنه الصغير، ولايكون عليه يمين": أى إذا وهب لابنه الصغير داراً يكون الصغير شريكاً فى نفس المبيع، فلو أدى عليه الشفيع لايتوجه إليه اليمين حتى يبلغ". (فيض البارى، كتاب الحيل، باب فى الهبة والشفعة: ٤٨٨/٤، خضر راه بک ڈپو الهند)

كتاب المزارعة

(مزارعت کا بیان)

مزارعت کی مختلف صورتیں

سوال[۸۲۷۷]: **استفتاء**

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مخدومنا المکرم ذوالمجد والکرم مد ظلکم العالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ مذکورہ میں کہ:

ایک شخص کھیتی کا کاروبار کرتا ہے اور اپنی مصالح کی خاطر خاص کر اس وجہ سے کہ خود تنہا کھیتی کا کاروبار کر ہی نہیں سکتا، کسی مددگار ساتھی کی تلاش کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو بارہ ماہ تک کے لئے مقرر کرلے تاکہ کام میں تشتت اور وقت پر پریشانی نہ ہو۔ اس کی کئی صورتیں مروج ہیں:

ایک یہ کہ کسی شخص کو اپنی کوئی ضرورت پیش آئی تو وہ کسی کھیتی کرنے والے سے دو سو چار سو روپے قرض لے کر اپنی ضرورت پوری کرتا ہے اور وہ شخص مقروض اس کھیتی والے قرض خواہ کے ساتھ یہ معاہدہ کرتا ہے کہ جس روز تم مجھ کو کام پہ بلاؤ گے، میں ضرور آؤں گا اور مروج مزدوری سے کم پر مثلاً مروج فی یوم آٹھ آنہ ہے اور وہ چھ آنہ پر معاہدہ کرتا ہے۔ تو وہ اپنے آپ کو دو باتوں کا پابند کردیتا ہے: ایک ضرورت کے وقت آنے پر، اور ایک کم اجرت پر۔ اور یہ اس وقت تک ہوتا ہے جب تک کہ وہ اپنے روپے جو قرض لئے ہیں نہ دے، تب تک پابند رہتا ہے، جب دیدے تو چھوٹ جاتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص کو اپنی کوئی ضرورت پیش آئی تو وہ کسی کھیتی والے سے چار سو پانچ

سو روپے قرض لے کر اپنی ضرورت پوری کرتا ہے، اور کھیتی والے کے ساتھ معاہدہ کرتا ہے کہ میں بارہ ماہ تک تمہارے یہاں نوکری کروں گا اور کھانا تمہارے یہاں کھاؤں گا اور کچھ کپڑے مقرر کئے جاتے ہیں، اتنے کپڑے دینے ہوں گے اور اجرت میں بارہ ماہ کے پچاس روپے مثلاً دینے ہوں گے۔ اب اس میں اشکال یہ ہے کہ اگر وہ چار سو پانچ سو روپے قرض جو اس نے لئے تھے وہ نہ لیتا تو ہرگز بارہ ماہ کی اجرت میں کھانے اور اتنے مقررہ کپڑوں اور پچاس روپیوں پر راضی نہ ہوتا، بلکہ ایسی صورت میں سو روپے پر بمشکل راضی ہوتا۔

پھر ان مذکورہ دونوں صورتوں میں دو صورتیں ہوتی ہیں: ایک یہ کہ وہ خود اتنی کم اجرت پر راضی ہونا ظاہر کردے، اور یہ کہ ہم خود اس کو قرض دیتے ہوئے روپیوں کے دباؤ سے اجرت کم کراتے ہیں۔ دونوں کا حکم ایک ہے یا الگ الگ ہے؟

اور ایک **تیسری صورت** یہ ہوتی ہے کہ بجائے اجرت پر مقرر کرنے کے کسی کو شریکِ کار و پیداوار کرلیا جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً: زمین زید، بیل بھی، زید کے، بیج بھی زید کا۔ اب زید چونکہ تنہا کام نہیں کرسکتا اور نہ دوسرے کو مزارعت پر دے کر بالکل فارغ ہو کر بیٹھ سکتا ہے، بلکہ خود بھی کام کرنا چاہتا ہے تو بکر سے ایسا معاہدہ کرتا ہے کہ تم آؤ اور محنت کرو اور میں بھی محنت کروں گا، جو کچھ پیداوار ہوگی اس میں سے مثلاً آٹھواں حصہ تمہارا اور میری محنت اور زمین اور بیل اور بیج میرے ہونے کی وجہ سے سات حصے میرے۔ تو اب اس صورت میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقد ہے تو مزارعت اور پھر اس مزارعت میں شرکت ہے، پھر کام میں بھی آدھے اودھ مقرر ہوتا ہے اور کبھی کم زیادہ اور کبھی کچھ مقرر ہی نہیں ہوتی، ہر ایک شریک حسبِ استطاعت کام کرتا ہے۔

اور اس تیسری صورت میں یہاں کے اعتبار سے دونوں کا فائدہ ہے، زمین والے کا اس لئے کہ وہ دوسرا شریک اپنے آپ کو پیداوار میں شریک سمجھ کر محنت اچھی کرتا ہے، اور شریک کو اس لئے کہ اکثر اس کو اجرتِ مقررہ سے کچھ زیادہ ہی حصہ ملتا ہے۔ اور اس کو یہاں کے عرف میں شریکِ معاملہ کہتے ہیں۔

اور یہ مذکورہ کل صورتیں یہاں پر بہت ہی کثرت سے واقع ہوتی ہیں اور غیر مسلمین کے ساتھ ہوتی ہیں۔ اور یہاں کچھ طبقہ دیندار ہے اور میں پڑھا لکھا ہوں اس لئے وہ بار بار مجھ سے حکم دریافت کرتے ہیں اور چونکہ مجھ کو اس معاملہ میں شرحِ صدر نہیں ہوتا، خاص کر اس تیسری صورت میں اس لئے کوئی صاف جواب دینے سے رکتا

ہوں۔امید ہے کہ حضرت والا تکلیف گوارہ فرما کر اگر بارِ خاطر نہ ہو تو ہر شق کا الگ الگ حکم اور ہو سکے تو کسی کتاب کے حوالہ سے تحریر فرما کر میری گنجلک کو دور فرمائیں گے۔اور عند اللہ ماجور اور عند الناس مشکور ہوں گے۔اور اگر صورتہائے مذکورہ میں کوئی صورتِ صحیح نہ ہوتی ہو اور اس کے قریب قریب کوئی صورت صحیح ہو سکتی ہو، امید کہ اسے بھی تحریر فرمائیں گے۔

اور اس تیسری صورت شریک والی میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس شریک سے یہ شرط کرتے ہیں کہ تجھ کو کھیتی کے علاوہ اَور کچھ کام بھی مثلاً کھیت سے گھاس اٹھالانا تجھ کو یا تیری عورت کو، یا لکڑیاں لانا ہوں گی وغیرہ۔تو اس صورت میں یہ شرطِ فاسد ہو جائے گی، یا اس کی وجہ سے عقد پر اثر پڑے گا؟ اور مذکورہ صورتوں میں جو معاملات غلط ہیں تو باطل ہیں، یا فاسد؟ امید کہ اس کی بھی تشریح فرمائیں گے۔فقط والسلام۔

احقر ابراہیم بن نور محمد گجراتی، ۲۵/ رمضان المبارک/ ۷۰ھ۔

الجواب حامداًومصلیاً:

پہلی دونوں صورتیں چونکہ قرض کے دباؤ میں کی جاتی ہیں اور مقروض کو اپنے قرض سے نفع ہوتا ہے کہ مزدور کم اجرت پر پابندی کے ساتھ مل جاتا ہے، خواہ مزدور از خود راضی ہو جائے خواہ مُقرض دباؤ سے اسے راضی کرے، اس لئے ممنوع ہیں: "كل قرض جرّ نفعاً، فهو حرام، الخ" شامی: ۱۷۴/٤(۱)۔

تیسری صورت تقریباً جائز ہے اور یوں کہا جائے گا کہ زید نے خود کاشت کی اور دوسرے کو اس نے اجارہ پر لیا کہ میرے ساتھ کھیتی میں کام کرنا اور اجرت قرار دیا پیداوار کا آٹھواں حصہ تو یہ آٹھواں حصہ اجرتِ عمل ہے۔بظاہر یہ صورت بھی ناجائز ہونی چاہئے تھی دو وجہ سے: ایک یہ کہ اجرت فی الحال مجہول ہے، دوسرے یہ کہ ایسی چیز کو اجرت قرار دیا گیا ہے جو اجیر کے عمل سے حاصل ہوگی۔پس یہ قفیزِ طحان کے تحت میں داخل ہے، چنانچہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مطلقاً مزارعت ناجائز ہے، لیکن صاحبین کے نزدیک جائز ہے اور اُنہیں کے

---

(۱) (ردالمحتار: ۱٦٦/٥، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، مطلب: كل قرض جرّ نفعاً فهو حرام، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۱۳۱/۳، كتاب الحوالة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثاني القرض: ۳۷۹۳/۵، رشيديه)

قول پرفتویٰ ہے "للحاجة، وقياساً على المضاربة". شامی(۱)۔اورمزارعت میں اس قدر جہالت قابلِ تحمل ہے۔

اس میں صرف اتنی اصلاح کی ضرورت ہے کہ زید- جوزمین، بیل، بیج، کا مالک ہے- اپنی محنت اور کام کوشرط کے درجہ میں قرار نہ دے، بلکہ یا توکل کام اجیر کے ذمہ کردے، پھر چاہے اس کی اعانت کر کے خود ہی کام کردیا کرے اور نگرانی وغیرہ کرتا رہے مگر اپنے ذمہ کام نہ لے، یا اپنے کام سے سکوت اختیار کرے۔اگر اپنے ذمہ بھی کام کوشرط کرلے گا- جیسا کہ سوال میں تصریح ہے-تو عقد فاسد ہوجائے گا:

"وإن شرطا شيئاً من ذلك (أي العمل) على رب الأرض، فسد العقد عند الكل، اهـ". شامی(۲)۔

کھیتی کے علاوہ کوئی اَورکام اس اجیر کے ذمہ یا اس کی عورت وغیرہ کے ذمہ شرط کرنا جائز نہیں، یہ مفسدِ عقد ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ رمضان/ ۷۰ھ۔

---

(۱) "و لا تصح عند الإمام؛ لأنها كقفيز الطحّان، و عندهما تصحّ، و به يفتى للحاجة، و قياساً على المضاربة". (الدرالمختار: ۶/۲۷۵، كتاب المزارعة، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب المزارعة: ۴/۴۲۴، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب المزارعة، باب المزارعة على قول من يجيزها في النصف والثلث: ۱۲/۱۵، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المزارعة، الفصل الأول في صحتها وشرائطها: ۶/۸۸، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب المزارعة، فصل في بيان شرعية المزارعة: ۸/۲۶۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحرالرائق شرح كنز الدقائق، كتاب المزارعة: ۸/۲۸۹، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب المزارعة: ۶/۲۸۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المزارعة، الباب الأول في شرعيتها: ۵/۲۳۶، رشيديه)

(۳) "تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد، فكل ما أفسد البيع ممامر (يفسدها)". =

زمین مزارعت کے لئے ادھیا پر دینا

سوال[۸۲۷۸]: کاشتکار اپنا کھیت ادھیا پر اس طرح اٹھاتا ہے کہ جوتنے بونے والا محنت کرتا ہے اور کاشتکار صرف سرکاری لگان ادا کردیتا ہے اور فصل پر آدھا آدھا غلہ محنت کرنے والے اور کاشتکار کے درمیان تقسیم ہوجاتا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

صوفی صاحب، نصیرآباد، ضلع رائے بریلی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٤٦/٦، سعيد)

"وأجر الحصاد والرفاع والدياس والتذرية عليهما بالحصص، فإن شرط على العامل، فسدت". (ملتقى الأبحر).

"قوله: (فإن شرط) الأجر (على العامل فسدت) المزارعة؛ لأنه شرطٌ لايقتضه العقد، وفيه منفعة لأحدهما، فتفسد". (مجمع الأنهر، كتاب المزارعة: ١٤٢/٤، ١٤٣، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) "(وكذا) صحت(لو كان الأرض والبذر لزيد، والبقر والعمل لآخر) أو الأرض له والباقي للآخر(أو العمل له والباقي لآخر)، فهذه الثلاثة جائزة". (الدرالمختار، كتاب المزارعة: ٢٧٨/٦، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المزارعة، الباب الثاني في بيان أنواع المزارعة: ٢٣٨/٥، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب المزارعة، فصل في أنواع المزارعة: ٢٧١/٨، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المبسوط للإمام السرخسي، كتاب المزارعة، باب المزارعة على قول من يجيزها في النصف والثلث: ١٨/١٢، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(وكذا في البحرالرائق شرح كنز الدقائق، كتاب المزارعة: ٢٩١/٨، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب المزارعة: ٤٢٤/٤، شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المزارعة، الفصل الأول في صحتها وشرائطها: ٩٠/٦، رشيديه)

(وكذا في شرح المجلة، الباب الثامن في المزارعة (رقم المادة: ١٤٣١) : ٧٥٩/٢، مكتبه حنفيه كوئٹه)

بیج دے کر نصف پیداوار پر کھیت دینا

سوال[۸۲۷۹]: زید نے اپنا کھیت عمر کو بٹائی پر دیا اور بیج بھی دیا اور اب کل پیداوار کا نصف غلہ مقرر کیا۔ یہ صورت جائز ہے یا نہیں، اگر بیج خود نہ دے تو کیا حکم ہے؟

فدوی: سعید احمد، کھیڑہ افغان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ دونوں شرطیں بٹائی کی جائز ہیں:

"الأرض مـن أحـدهما، والبذر والبقر والعمل من الآخر، وشرطا لصاحب الأرض شيئاً معـلوماً من الخارج، جاز .... الأرض من أحدهما والعمل والبقر من الآخر، فذلك جائز".

عالم گیری: ٤/٩٦، ٩٧(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ٦/ ٧/ ٥٣ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۰/ رجب/ ۵۳ھ۔

کچھ اراضی نصف پیداوار پر دینے اور کچھ کل پیداوار پر دینے کا حکم

سوال[۸۲۸۰]: ۱..... اگر عمر نے زید کو کچھ اراضی اس شرط پر دی کہ جو اس کی پیداوار ہوگی، نصف

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المزارعة، الباب الثاني في بيان أنواع المزارعة: ٥/٢٣٨، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب المزارعة: ٦/٢٧٨، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب المزارعة، فصل في أنواع المزارعة: ٨/٢٧١، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المبسوط للإمام السرخسي، كتاب المزارعة، باب المزارعة على قول من يجيزها في النصف والثلث: ١٢/١٧، ١٨، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(وكذا في البحرالرائق شرح كنز الدقائق، كتاب المزارعة: ٨/٢٨٩- ٢٩١، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب المزارعة: ٤/٤٢٣، ٤٢٤، شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المزارعة: ٦/٩٠، رشيديه)

(وكذا في شرح المجلة، الباب الثامن في المزارعة (رقم المادة: ١٤٣١): ٢/٧٥٩، دارالكتب العلمية بيروت)

میرا ہوگا اور نصف تیرا، اوراس کے علاوہ کچھ اراضی اس شرط پر دی کہ جواس کی پیداوار ہوگی، وہ تمام میں ہی لوں گا۔کیا یہ نا جائز ہے یا جائز؟

۲......فصل میں کمی یا ضروریات کی وجہ سے مقررہ روپے ادا نہ کرنے کا حکم عمر نے زید کواراضی سالانہ روپیہ مقرر کر کے کاشت پر دی، مگر وقتِ مقررہ پر زید نے روپیہ ادا نہیں کیا، یا تو زید نے اپنی ضروریات میں صرف کرلیا، یا فصل کی کمی ہوگئی۔اور موجودہ جو قانون ہیں اس کے ماتحت عمر روپیہ وصول نہیں کرسکتا۔فرمایئے شریعت کا کیا حکم کہ زید روپیہ ادا کرے کہ نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ا......نصف نصف کی شرط جائز ہے(۱)۔اوراس شرط پر کہ ''جواس کی پیداوار ہوگی وہ تمام میں ہی لوں گا'' معاملہ صحیح نہیں، آخر جو زید کاشت کرے گا وہ کس لئے، یا اس کی پیداوار میں سے کچھ ملنا چاہئے یا اس کو عمل کاشت کی اجرت دیجائے (۲)۔البتہ اگر زید اپنی زمین کے ساتھ اس کی زمین بھی کاشت کردے اوراس پر احسان کردے تو اس میں مضائقہ نہیں، لیکن اس پر کوئی جبر نہیں کیا جاسکتا۔

---

(۱) "ومنها أن يكون ذلک البعض من الخارج معلوم القدر من النصف أو الثلث أوالربع أو نحوه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب المزارعة، الباب الأول:فی شرعيتها وتفسيرها وركنها وشرائط جوازها وحكمها وصفتها: ۲۳۵/۵، رشيديه)

(وكذا فی بدائع الصنائع، كتاب المزارعة، فصل فيما يرجع إلى الخارج من الزرع: ۲۶۸/۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "منها: شرط كون الخارج لأحدهما؛ لأنه شرطٌ يقطع الشركة التی من خصائص العقد". (بدائع الصنائع، كتاب المزارعة، فصل فی الشروط المفسدة للمزارعة: ۲۷۴/۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب المزارعة، الباب الأول: فی شرعيتها وتفسيرها وركنها وشرائط جوازها وحكمها وصفتها وأما الشروط المفسدة للمزارعة فأنواع: ۲۳۶/۵، رشيديه)

"ومتى فسدت فالخارج لرب البذر؛ لأنه نما ملكه (و) يكون (للآخر) أجر (مثل عمله أو أرضه، ولايزاد على الشرط)". (الدرالمختار، كتاب المزارعة: ۲۷۹/۶، سعيد)

۲......زید کے ذمہ شرعاً روپیہ ادا کرنا واجب ہے، لیکن جس صورت میں کہ فصل کم ہوئی ہے(۱) اگر اصل روپیہ کا مستحق کچھ روپیہ میں تخفیف کردے تو یہ مروّت کی بات ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبداللطیف، ۱۹/۴/۶۰ھ۔

پیداوار میں سے مخصوص حصہ متعین کرنا

سوال[۸۲۸۱]: زید کی ایک زمین ہے جس میں اندازہ لگایا گیا کہ اس سے ہر سال بیس من دھان پیدا ہوتا ہے(۲) اور گھاس سو بیڑا۔ اب زید اس زمین کے اندر خود کھیتی نہ کر سکا، بلکہ کسی مجبوری کی وجہ سے اس نے عمر کو کہا کہ تُو اس زمین میں کھیتی کر، مجھ کو صرف اس کی پیداوار میں سے ہر سال آٹھ من دھان اور چالیس بیڑا گھاس دیدینا اور باقی جو پیداوار ہو وہ تمام تیرا ہوگا۔ اب آپ فرمائیں کہ اس شرط پر زمین دینا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح معاملہ کرنا جائز نہیں (۳)، لیکن اگر یہ قید نہ لگائے کہ اس کی پیداوار میں سے دے دینا، بلکہ

---

(۱) "ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل، أو بالتعجيل، أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وجد أحد هذه الأشياء الثلاثة، فإنه يملكها، كذا في شرح الطحاوی". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثانی فی بیان أنه متى تجب الأجرة: ۴/۴۱۳، رشیدیه)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الإجارة: ۸/۷، رشیدیه)

(۲) "دھان: چاول کا پودا، چھلکے دار چاول"۔(فیروز اللغات، ص: ۶۶۰، فیروز سنز لاهور)

(۳) "فإن شرطا لأحدهما قفزاناً مسماةً، فهي باطلة؛ لأن به تنقطع الشركة؛ لأن الأرض عساها لا تخرج إلا هذا القدر، و صار كاشتراط دراهم معدودة لأحدهما فی المضاربة". (الهداية، كتاب المزارعة: ۴/۴۲۶، مكتبه شركت علميه ملتان)

"فتبطل إن شرط لأحدهما قفزان مسماة، أو ما يخرج من موضع معين". (الدرالمختار: ۶/۲۷۶، كتاب المزارعة، سعيد)

(وكذا فی البحرالرائق شرح كنز الدقائق، كتاب المزارعة: ۸/۲۹۳، رشیدیه)

(وكذا فی شرح المجلة، المبحث الثانی فی شروط المزارعة، (رقم المادة: ۱۴۳۵): ۲/۷۶۱، دارالكتب العلمية بيروت)

مطلقاً آٹھ من دھان اور چالیس بیڑا گھاس پر معاملہ کیا گیا، چاہے وہ بازار سے خرید کر ہو، یا کسی اَور طرح تو درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۵/۸۸ھ۔

زمین کا کرایہ نقد، غلہ کی صورت میں، یا پیداوار کا حصہ متعین کرنا

سوال[۸۲۸۲]: دوسرے شخص کی زمین میں شرکت کی کیا کیا صورتیں جائز ہیں کہ جس سے اس زمین میں کچھ کیا جاسکے اور کون کون سی صورتیں ناجائز ہیں یا مکروہ؟ چونکہ آج کل عام طور پر اس قسم کے معاملات ہوتے رہتے ہیں۔ تفصیل مطلوب ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

زمین کا نقدی کرایہ مقرر کرلیا جائے (۲)۔ زمین کا کرایہ غلہ کی صورت میں متعین کرلیا جائے کہ فلاں غلہ سالانہ اتنی مقدار میں لیں گے، خواہ آپ کوئی غلہ بوئیں یا کچھ نہ بوئیں (۳)۔ زمین کی پیداوار کا حصہ معین کرلیا

---

(۱) "والحيلة أن يفرز الأجر أولاً، أو يسمى قفيزاً بلا تعين، ثم يعطيه قفيزاً منه، فيجوز". (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۷/۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۴۱/۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الثالث في قفيز الطحان وماهو في معناه: ۴۴۴/۴، رشيديه)

(۲) "يشترط أن تكون الأجرة معلومةً، سوآء كانت من المثليات أو من القيميات، أو كانت منفعةً أخرى؛ لأن جهالتها تفضي أيضاً إلى المنازعة، فيفسد العقد". (شرح المجلة، الفصل الثالث في شروط صحة الإجارة، (رقم المادة: ۴۵۰): ۲۵۴/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب الإجارات: ۲۹۳/۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول في تفسير الإجارة، الخ: ۴۱۱/۴، رشيديه)

(۳) "وتصح إجارة أرض للزراعه مع بيان مايزرع فيها، أو قال: على أن أزرع فيها ما أشاء كما لاتقع المنازعة، وإلا فهي فاسدة للجهالة، وتنقلب صحيحة بزرعها، ويجب المسمى، وللمستأجر الشرب =

جائے، مثلاً: کل پیداوار کا نصف حصہ، یا ایک تہائی وغیرہ لیں گے(۱)۔ ان سب صورتوں میں معاملہ درست ہے۔ ان کے علاوہ جو صورت آپ چاہتے ہیں اس کو لکھ کر دریافت کر لیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۰/۸۷ھ۔

= والطريق، ويزرع زرعين ربيعاً وخريفاً ولو لم يمكنه الزراعة للحال لاحتياجها لسقي، أو كرى إن أمكنه الزراعة في مدة العقد، جاز، وإلا لا، وتمامه في القنية". (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً فيها: ۲۹/۶، سعيد)

"عن طاؤس أن معاذ رضي الله تعالىٰ عنه لما قدم اليمن كان يكرى الأرض، أو المزارع على الثلث أو الربع، أو قال: قدم اليمن وهم يفعلونه، فأمضى لهم ذلك. .... وهي المال يدفعه الرجل إلى الرجل على أن يعمل به على النصف أو الثلث أو الربع، فكل قد أجمع على جواز ذلك، وقام ذلك مقام الاستيجار بالمال المعلوم". (شرح معاني الأثار للطحاوي، كتاب المزارعة والمساقاة: ۲۸۹/۲، سعيد)

(۱) "عن موسىٰ بن طلحة قال: أقطع عثمان نفراً من أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عبدالله بن مسعود والزبير بن العوام وسعد بن مالك وأسامه رضي الله تعالىٰ عنهم، فكان جاري منهم سعد بن مالك وابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنهما ويدفعان أرضهما بالثلث والربع .... قال: سألت موسىٰ بن طلحة عن المزارعة، فقال: أقطع عثمان بن عفان رضي الله تعالىٰ عنه عبدالله أرضاً، وأقطع خبّاباً أرضاً، وأقطع صهيباً رضي الله تعالىٰ عنهم أرضاً، فكلاً جاري يزارعان بالثلث والربع". (شرح معاني الأثار للطحاويؒ، كتاب المزارعة والمساقاة: ۲۸۸/۲، ۲۸۹، سعيد)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "إذا كان البذر والآلات لصاحب الأرض والعامل، فيكون الصاحب مستأجراً للعامل، والعامل للأرض بأجرة ومدة معلومتين، ويكون له بعض الخارج بالتراضي". (ردالمحتار، كتاب المزارعة: ۲۷۵/۶، سعيد)

"ومنها أن يكون المعقود عليه، وهو المنفعة معلوماً علماً يمنع المنازعة، فإن كان مجهولاً جهالة مفضية إلى المنازعة، يمنع صحة العقد، وإلالا". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول في تفسير الإجارة الخ: ۴۱۱/۴، رشيديه)

زمیندار کا حصہ متعین کر کے مزدور، ہل اور بیج کا خرچہ کاشتکار پر رکھنا

سوال[۸۲۸۳]: اگر کوئی زمین دار اپنی زمین کو کسی کاشتکار کو ایک سال، یا زیادہ کھیتی باڑی کے لئے دیدے اور اس پر معاملہ مقرر کرلے کہ کھیت میں جتنا دھان ہوگا اس میں سے تہائی حصہ یا نصف حصہ زمیندار کو اور باقی کاشتکار کو ملے گا، مگر نوکر اور ہل خرچ، بیج وغیرہ کا خرچہ کاشتکار کے ذمہ ہو، زمیندار اس خرچ کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔

ان سب صورتوں میں زمین لگان اور کاشتکار کو ان صورتوں پر کھیتی باڑی کرنا جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو کس صورت پر جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں یہ معاملہ شرعاً درست ہے:

"وكذا صحت لو كان الأرض والبذر لزيد والبقر والعمل للآخر، أو الأرض له والباقي للآخر". درمختار: ۵/۱۹۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۷ھ۔

مزارعت میں اگر تاوان ہو تو کس پر ہوگا؟

سوال[۸۲۸۴]: زید نے اپنی زمین مزروعہ کی مزارعت کا معاملہ اس صورت میں کیا کہ دو شخصوں کو زمین دی اس صورت میں کہ تمہارا صرف عمل، اور زمین اور بیل اور بیج میرے اور حصہ دونوں کا، صرف غلہ میں ربع ہوگا، بھوسہ میں نہیں۔ ان دو شخصوں میں سے ایک آدمی زمین کو سرکاری نالہ سے سیراب کر رہا تھا۔ سیراب کنندہ

---

(۱) (الدر المختار: ۶/۲۷۸، کتاب المزارعة، سعید)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۴/۱۹۱، كتاب المزارعة، الفصل الأول في صحة المزارعة وشرائطها، امجد اکیڈمی لاہور)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكرية: ۵/۲۳۸، الباب الثاني من كتاب المزارعة، رشيديه)

(وكذا في الجوهرة النيرة، كتاب المزارعة: ۲/۶۱، قديمى)

کے گیارہ سالہ لڑکے نے نالہ کی دوسری شاخ میں جو دوسری قریہ کی طرف جاتی تھی کوئی ثقیل چیز ڈال کر پانی میں رکاوٹ ڈال دی تا کہ ان کی شاخ میں زیادہ پانی آوے اور جلدی زمین سیراب ہوجائے۔ اسی اثناء میں ہندی محکمہ کے افسر نے موقع پر پکڑ لیا اور پولیس میں رپورٹ دیدی، پولیس نے مالک اور اس کے مزارعین سے مقدمہ نہ چلانے کے عوض دوصد روپیہ رشوت لے کر چھوڑ دیا اور ہندی افسروں نے زمین کے اصلی خراج کے علاوہ چھ گنا تاوان ڈال دیا۔

اب دریافت طلب امر ہے کہ رشوت وتاوان بقدرِ حصص ہے یا شخصِ واحد پر، یا دونوں میں فرق ہے؟ لہذا اگر سیراب کنندہ لڑکے کو کہہ کر بند کرایا ہو، یا لڑکے نے ازخود کیا، دونوں میں فرق ہے یا نہیں؟ باقی مالکِ زمین اور سیراب کنندہ کے ساتھی کو اس کا کچھ علم نہیں وہ موجود نہ تھے۔ غرضیکہ جو صورت ہو باحوالہ تحریر فرماویں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جس کے فعل سے یہ تاوان پڑا ہے، اسی پر تاوان پڑے گا، اس کا ذمہ دار کوئی اور شخص نہیں ہوگا (۱)۔ جو شخص نفسِ مزارعت میں شریک ہے، وہ اس تاوان میں شریک نہیں، بلکہ لڑکے کے مال سے یہ تاوان ادا کیا جاوے گا۔ اور اگر لڑکے کو اس کے والد نے حکم کیا اور اس کی وجہ سے یہ صورت پیش آئی تو لڑکے کے والد پر تاوان ہوگا، هکذا یفهم مما فی الأشباه والنظائر (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۵/۶۴ھ۔

---

(۱) "إذا اجتمع المباشر والمتسبب، أضيف الحكم إلى المباشر". (شرح الأشباه والنظائر: ۱/۴۰۴، الفن الأول، القاعدة التاسعة عشر، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "الرابعة: إذا كان المأمور صبياً، كما إذا أمر صبياً بإتلاف مال الغير، فأتلفه، ضمن، ويرجع به على الآمر". (شرح الأشباه والنظائر: ۲/۴۴۴، الفن الثانی، الفوائد، إدارة القرآن كراچی)

"يضاف الفعل إلى الفاعل لا الآمر مالم يكن مجبراً .... و يخرج من هذه القاعدة مسائل .... ومنها: إذا كان الآمر أباً، وصورته: أمر الأب ابنه البالغ ليوقد ناراً فی أرضه، ففعل و تعدّت النار إلى أرض جاره، فأتلفت شيئاً، يضمن الأب؛ لأن أمره صح، فانتقل إليه كما باشره بنفسه". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۵۸، (رقم المادة: ۸۹)، مكتبه حنفيه كوئٹه) .... =

سوال وجواب مذکورہ سے متعلق سوال

سوال[۸۲۸۵]: مسئولہ صورت میں لڑکے کے پاس مال نہیں، نیز لڑکا فوت ہو چکا ہے، اب کیا صورت ہوگی، آیا باپ سے وہ تاوان وصول کیا جاوے، یا مالک ومزارعین بقدرِ حصص ادا کریں، یا مالک نے رشوت دی ہے، اسی کے ذمہ پڑے گا؟ جوحکم ہو باحوالہ جلد تحریر فرمادیں۔

استفتاء ہمراہ ارسال ہے، دوبارہ سوال غور سے پڑھ لیں۔ لڑکے کے والد یا دیگر شخص نے نہیں کہا تھا، بلکہ ازخود کیا۔

الجواب حامداًومصلياً:

جس نے یہ تاوان دیا اس نے ناحق دیا اور اس پر ظلم ہے، اب وہ یہ رقم لڑکے کے والد یا کسی اَور شریک وغیرہ سے وصول نہیں کرسکتا۔ حکومت کے ملازمین یعنی پولیس کا رشوت وصول کرنا تو ظلم ہے(۱) اور دوسروں کو مُقدمہ سے بچانے کے لئے دیا ہے تو ان کے حق میں یہ تبرع اور احسان ہے، جیسے کہ اگر کوئی شخص کسی مدیون کا دین بغیر اس کے امر کے ادا کردے تو وہ تبرع ہوتا ہے، اس کو وصول کرنے کا حق نہیں ہوتا، حالانکہ وہ مطالبہ حق ہے، اسی طرح ناحق مطالبہ کسی کی طرف سے ادا کرنے کی صورت میں بطریقِ اَولیٰ وصول کرنے کا حق نہیں:

"طالب المحتال عليه المحيل بما: أي بمثل ما أحال به مدعياً قضاء دينه بأمره، فقال المحيل: إنما أحلت بدين ثابت لي عليك، لم يُقبل قوله، بل ضمن المحيل مثل الدين للمحتال عليه، اهـ". درمختار. "(قوله: بأمره) قيد به؛ لأنه لو قضاه بغير أمره، يكون متبرعاً و لو لم يدع

= "واعلم أن الآمر لا ضمان عليه إلا في ستة: إذا كان الآمر سلطاناً أو أباً". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: أو أبا) صورته : أمر الأب ابنه البالغ ليوقد ناراً في أرضه، ففعل و تعدّت النار إلى أرض جاره، فأتلفت شيئاً، يضمن الأب؛ لأن الأمر صح، فانتقل الفعل إليه كما لو باشره الأب". (ردالمحتار : ۲۱۴/۶، كتاب الغصب، مطلب: الآمر لا ضمان عليه إلا في سته ، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ولاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل، وتدلوا بها إلى الحكام لتأكلوا فريقاً من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون﴾ (سورة البقرة ۱۸۸)

المحيل ما ذكر، اهـ". شامی: ٤/٤٥٤ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ١٣/ ربیع الثانی/ ٦٤ھ۔

مسجد کی زمین کو زراعت کے لئے دینا

سوال [٨٢٨٦]: مسجد کی کچھ زمین ہے اوراس کی نیلامی لگادی جاتی ہے کہ: جو غلہ زیادہ دے اس کو وہ زمین دے دی جاتی ہے، اس زمین میں ایک تالاب بھی ہے جس میں برسات کا پانی جمع ہوجاتا ہے اس سے اس زمین کی آب پاشی ہوتی ہے۔ مندرجہ ذیل شرائط بھی ہوتی ہیں:

١- تالاب پورا بھرنے اور پڑوس کا کھیت بوجانے پر کاشتکار کو پورا غلہ دینا ہوگا۔

٢- اگر قحط سالی ہوجائے تو اس کی بوئی معاف کردی جاتی ہے۔

٣- لگان مسجد کی طرف سے ادا کیا جاتا ہے، باقی خرچ کاشتکار کو برداشت کرنا ہوتا ہے۔ لہٰذا نیلامی کا یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زیادہ غلہ کا مطلب مثلاً ٢/٣، یا ٢/٥ وغیرہ تشریح کے ساتھ ہے تو یہ بولی اور معاملہ شرعاً درست ہے، اس میں پیداوار کی حسبِ قرارداد تقسیم ہوگی (٢)۔ اگر زیادہ غلہ کا مطلب بالقطع غلہ کی تجویز ہے، مثلاً: دس من

---

(١) (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الحوالة: ٥/٣٤٦، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الحوالة: ٣/١٣٠، شركت علميه ملتان)

(وكذا في النهر الفائق شرح كنز الدقائق، كتاب الحوالة: ٣/٥٩٠، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحوالة، ٦/٤٢١، ٤٢٢، رشيديه)

(٢) "عن موسىٰ بن طلحة قال: أقطع عثمان نفراً من أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عبدالله بن مسعود والزبير بن العوام وسعد بن مالك وأسامه رضي الله تعالىٰ عنهم، فكان جاري منهم سعد بن مالك وابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنهما ويدفعان أرضهما بالثلث والربع .... قال: سألت موسىٰ بن طلحة عن المزارعة، فقال: أقطع عثمان بن عفان رضي الله تعالىٰ عنه عبدالله أرضاً، وأقطع خبّاباً أرضاً، =

بیس من وغیرہ اوراس میں یہ شرط نہیں کہ اس زمین کا پیدا شدہ غلہ دینا ہوگا تو نقد معاوضہ کی طرح یہ بھی درست ہے، یعنی جس طرح دس روپیہ یا بیس روپیہ وغیرہ کوئی معاوضہ اجرت تجویز کرلینا درست ہے، اسی طرح غلہ کی مقدار مقرر کرکے معاوضہ اجرت تجویز کرلینا بھی درست ہے(۱)۔شرط نمبر:۱،۲سہولت کے لئے ہے،اس میں مضائقہ نہیں۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۱۲/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح:بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= وأقطع صهيباً رضي الله تعالىٰ عنهم أرضاً، فكلاً جارى كانا يزارعان بالثلث والربع". (شرح معاني الأثار للطحاويؒ، كتاب المزارعة والمساقاة: ۲/۲۸۸، ۲۸۹، سعيد)

"ومنها أن يكون المعقود عليه، وهو المنفعة معلوماً علماً يمنع المنازعة، فإن كان مجهولاً جهالة مفضية إلى المنازعة، يمنع صحة العقد، وإلالا". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول في تفسير الإجارة وركنها وألفاظها وشرائطها وبيان أنواعها وحكمها وكيفية انعقادها وصفتها: ۴/۴۱۱، رشيديه)

"إذا كان البذر والآلات لصاحب الأرض والعامل، فيكون الصاحب مستأجراً للعامل، والعامل للأرض بأجرة ومدة معلومتين، ويكون له بعض الخارج بالتراضي". (ردالمحتار، كتاب المزارعة: ۶/۲۷۵، سعيد)

(۱) "وتصح إجارة أرض للزراعة مع بيان مايزرع فيها، أو قال: على أن أزرع فيها ما أشاء كما لاتقع المنازعة، وإلا فهي فاسدة للجهالة، وتنقلب صحيحة بزرعها، ويجب المسمى، وللمستأجر الشرب والطريق، ويزرع زرعين ربيعاً وخريفاً. ولو لم يمكنه الزراعة للحال لاحتياجها لسقي، أو كرى إن أمكنه الزراعة في مدة العقد، جاز، وإلا لا، وتمامه في القنية". (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً فيها: ۶/۲۹، سعيد)

"يشترط أن تكون الأجرة معلومةً، سوآء كانت من المثليات أو من القيميات، أو كانت منفعةً أخرى؛ لأن جهالتها تفضي أيضاً إلى المنازعة، فيفسد العقد". (شرح المجلة، الفصل الثالث في شروط صحة الإجارة، (رقم المادة: ۴۵۰): ۱/۲۵۴، دارالكتب العلمية بيروت)

خاتمۂ زمینداره کاشتکارکومالک بنادینادرست ہے یانہیں؟ مع فتوی حضرت حکیم الامتؒ

سوال[۸۲۸۷]: ۱۹۴۷ء سے قبل جب کہ ہندوستان میں انگریز کی حکومت تھی اور پاکستان کا بٹوارہ نہیں ہوا تھا تو برطانیہ حکومت کی جانب سے زمینوں کے بارے میں یہ قانون تھا کہ جب کوئی زمیندار اپنی اراضی کسی کاشتکار کو بطورِ اجارہ یا بطورِ مزارعت دیدیتا اور مذکورہ زمین جب کاشتکار کے پاس بارہ سال رہ جاتی تو وہ کاشتکار ہی اس زمین کا مالک بنادیا جاتا، اور مالکِ زمین یعنی زمیندار کو زمین پر کوئی حق نہیں رہتا۔ اس کاشتکار کو ''موروثی دار'' کہتے ہیں۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس موروثی داری کی زمین کے بارے میں فتویٰ صادر فرمایا کہ: ''کاشتکار کو ان مذکورہ بالا اراضی سے انتفاع بغیر طیبِ قلبِ مالک حرام وظلم ہے''۔ اور وہ فتویٰ بہشتی زیور اور امداد الفتاوی میں موجود ہے، ان دونوں کتابوں کی عبارت یہ ہے: مسئلہ نمبر: ۱۴:

> ''اجارہ یا مزارعت میں بارہ سال یا کم وبیش مدت تک زمین سے منتفع ہو کر موروثیت کا دعویٰ کرنا -جیسا کہ اس وقت رواج ہے- محض باطل اور حرام اور ظلم وغصب ہے، بدون طیبِ خاطرِ مالک ہرگز اس سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں، اگر ایسا کیا تو اس کی پیداوار بھی خبیث ہے اور کھانا اس کا حرام ہے''۔ بہشتی زیور، باب مزارعت (۱)۔

حکم موروثی

سوال: ۳۱۲/ قانون کے مطابق جو زمین بارہ سال تک کسی کاشتکار کے قبضہ میں رہے تو اس زمین پر کاشتکار کا حق مزارعت سے ثابت ہو جاتا ہے یعنی زمیندار خود نہ اس زمین کے بیچنے کا مجاز ہے، نہ مالگزاری معینہ کو بڑھانے کا، بلکہ بیچنے کا اختیار کاشتکار کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ حق شرعاً کاشتکار کو حاصل ہے یا نہیں؟ بعد بیع مبیع مشتری کی ملک ہوگی یا نہیں؟

---

(۱) (بہشتی زیور، باب مزارعت اور مساقاۃ، گیارہواں حصہ، ص: ۹۶۹، مکتبہ مدینہ لاہور)

الجواب حامداًومصلیاً:

’’اس کاشتکار کو کوئی حقِ شرعی حاصل نہیں ہوتا ہے، اگر ایسے کاشتکار سے کوئی خریدے گا تو وہ مشتری بھی مالک نہ ہوگا‘‘۔۱۸/ ربیع الثانی/۱۳۳۱ھ۔(کتاب الإجارة، امداد الفتاویٰ (۱)۔

۱۹۴۷ء میں ہندوستان سے انگریزی حکومت ختم ہوگئی اور کانگریس راج قائم ہوگیا جو کہ ایک جمہوریہ حکومت ہے، ہندومسلم سب اس کے ارکان ہیں۔۱۹۵۰ء کانگریسی راج نے زمینداری طریقہ کو بالکل ختم کردیا، زمینداروں کو ان کی اراضی سے کسی قسم کا تعلق باقی نہ رہا، جو زمین جس کے قبضہ میں تھی اسی کو دیدی گئی۔حکومت کے اس قانون کے خلاف زمینداروں نے بہت آواز اٹھائی اور حکومت سے احتجاج بھی کیا،حکومت نے ایک نہ سنی، آخر زمینداروں کو تھک کر بیٹھنا پڑا۔ بعد میں حکومت نے ان زمینداروں کو کچھ روپیہ بھی دیا تھا جو کہ آٹے میں نمک کے برابر تھا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ان موروثی دار کاشتکاروں کا ان مذکورہ بالا اراضی سے انتفاع حرام تھا جس کو حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا، یا تقسیمِ ہندوپاک کے بعد مسئلہ بدل گیا؟ جیسا بھی حکم ہو تحریر فرمائیں۔

محمد سلیمان، مدرسہ اسلامیہ ربوپورہ، بلندشہر۔

الجواب حامداًومصلیاً:

انگریزی حکومت میں موروثیت پر کسی کو مجبور نہیں کیا گیا،صرف حق دیا گیا تھا، اگر کاشتکار استعفیٰ دے دیتا تو زمیندار کی ملک برقرار رہتی، تو گویا کہ اس کو حقِ غصب دیا گیا تھا، وہ غصب نہ کرے تو اصل مالک کی ملک اور قبضہ موجود رہتا۔۴۷ء کا جب انقلاب ہوا، اور حکومت بدلی تو ۵۰ء میں قانونِ خاتمۂ زمینداری بنایا گیا، جس کا حاصل یہ ہے کہ زمیندار کی ملک ختم (قدرے اس کا بدل بھی تجویز کیا گیا) اور اصل مالک حکومت ہوگئی (۲) البتہ

---

(۱) (امداد الفتاویٰ، کتاب الإجارة، ’’حکم حق موروثی‘‘:۳/ ۳۵۱، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(۲) ”وأسباب الملک ثلاثة: مثبت للملک من أصله وهو الاستيلاء على المباح، وناقل بالبيع والهبة ونحوها، وخلافة كملک الوارث“. (الأشباه والنظائر مع شرح الحموی، کتاب الصيد والذبائح =

کاشتکار کو اتنی ترجیح دی گئی کہ اگر وہ دس گنا ادا کردے تو دوسروں پر مقدم ہے، پس ملکِ زمیندار ختم کرکے گویا حکومت نے کاشتکار کو اپنی طرف سے زمین دی ہے، کاشتکار نے خود مالک سے غصب نہیں کی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ مالک کی ملک کو ختم کرکے حکومت نے استیلاء کرلیا، اور نام اس کا بیع رکھ دیا ہو یا اَور کچھ رکھا ہو، بہر حال زمیندار کا قبضہ ختم ہوگیا۔

اور جب وہ معاوضہ قبول کرتا ہے تو گو بادل ناخواستہ ہی سہی اس کی طرف سے ایک درجہ کی اجازت بھی ہوگئی، لہذا اس کی حیثیت موروثی سے جداگانہ ہے(۱)۔ یہ اَور بات ہے کہ خود یہ استیلاء کس حد میں داخل ہوا؟ امداد الفتاویٰ: ۲/۱۱۰، میں کانجی ہاؤس سے خریدے ہوئے جانور کی قربانی کو جائز لکھا ہے، حالانکہ وہ ملکِ غیر ہے، بہت ممکن ہے کہ مالک کو خبر بھی نہ ہو کہ میرا جانور کہاں ہے، کس نے خریدا ہے۔ اس جواز کی علت استیلاء ہی کو لکھا ہے(۲)۔ امید ہے کہ آپ کا شبہ رفع ہوجائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱/۶/۹۱ھ۔

= والأضحية، الفن الثاني، (رقم المسئلة: ۱۷۲۳) : ۲/۴۵۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصيد: ۲/۴۶۳، سعيد)

(۱) جب کہ اصل مالک کی طرف سے رضامندی نہیں، اس لئے یہ غصب ہے اور شئ مغصوبہ کا حکم یہ ہے کہ اصل مالک کو واپس کردیا جائے، اس میں غاصب کو کسی قسم کے تصرف کا شرعاً حق نہیں:

"المغصوب إن كان عقاراً، يلزم الغاصبَ ردُّه إلى صاحبه من دون أن يغيره وينقصه، وإذا طرأ على قيمة ذلك العقار نقصانٌ بصنع الغاصب وفعله، يضمن قيمته" (شرح المجلة، باب الغصب، الفصل الثاني في المسائل المتعلقة بغصب العقار، (رقم المادة: ۹۰۵) : ۱/۵۰۱، دار الكتب العلمية بيروت)

"لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه و لا ولايته". (الدرالمختار، كتاب الغصب: ۶/۲۰۰، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الغصب: ۳/۳۷۳، إمداديه ملتان)

(۲) **سوال:** ''نیلام کانجی ہاؤس سے کوئی جانور خریدنا اور اس کی قربانی کرنا، جانوروں کا کانجی ہاؤس بھیجنا جائز ہے یا نہیں''؟

الجواب: "في الدرالمختار: وإن غلبوا (أهل الحرب) على أموالنا وأحرزوها بدراهم، ملوكها".=

موروثی زمین، کسی مدت تک کاشت کرنے سے کاشتکار کے لئے ثبوتِ ملک

سوال[۸۲۸۸]: ۱...... موروثی زمین کا ہمارے یہاں اس طرح رواج ہے کہ پہلے جب ایک مدت مقررہ تک کاشتکار کسی کھیت کو جوت لیتا تھا تو وہ زمین موروثی ہو جاتی تھی اور اسی مقرر شرح سے ہمیشہ کے لئے اس کے نام بندھ جاتی تھی، اس طرح سے یہاں پر بہت سی زمینیں ہیں۔ تو یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۲...... اور اب آج کل یہ قانون بن گیا ہے کہ کاشتکار قانونی ہو جاتا ہے، یعنی وہ زمین اس کے نام بندھ جاتی ہے اور زمیندار اس زمین کو کاشتکار سے نہیں چھڑا سکتا جب تک کہ چوگنا لگان ادا نہ کرے۔ اور اگر زمیندار کاشتکار سے کھیت لینا چاہے تو اسی طرح سے کھیت لے سکتا ہے ورنہ نہیں۔ شرعاً یہ بات جائز ہے یا نہیں؟

زمین شوہر کے نام ہو جائے تو کیا اس کے مرنے کے بعد بیوی کو لینے کا حق ہے؟

= اور عملہ کانجی ہاؤس نائب ہیں مستولین کے، پس اس استیلاء تملکاً سے وہ جانور ملک سرکار ہو جائے گا، لہٰذا بیع کے وقت اس کو خریدنا جائز ہے اور جب یہ بیع صحیح سے ملک میں داخل ہو گیا تو قربانی بھی اس کی درست ہے۔ البتہ عرفاً بدنامی کا موجب ہے، اس لئے بلاضرورت بدنام ہونا بالخصوص مقتدا کے لئے زیبا نہیں اور کانجی ہاؤس میں جانور کو داخل کرنا اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی جانور کھیت میں خود گھس گیا ہے تو اس کا داخل کرنا بالکل جائز نہیں، کیونکہ اس میں مالک پر ضمان نہیں تو اس سے کچھ لینا یا لینے میں اعانت کرنا ظلم ہے۔

اور اگر کسی نے قصداً جانور کو کھیت وغیرہ میں داخل کر دیا ہے تو اس پر بقدر اتلاف ضمان ہے، اس مقدار تک اگر کانجی ہاؤس میں یا ویسے ہی اس سے وصول کیا ہے تو جائز ہے اور اس سے زائد بطور جرمانہ کے ناجائز ہے کیونکہ یہ تعزیر بالمال ہے اور حنفیہ کے نزدیک منسوخ ہے۔

كما صرحوا به في الدر المختار آخر باب جناية البهيمة: "أدخل غنماً أو ثوراً أو فرساً أو حماراً في زرع، أو كرم، إن سائقاً، ضمن ما أتلف، وإلا لا. وقيل: يضمن". وقال الشامي رحمه الله تعالىٰ مرجحاً للقول الثاني: "أقول: ويظهر أرجحية هذا القول لموافقته لما مر أول الباب، من أنه يضمن ما أحدثته الدابة مطلقاً، إذا أدخلها في ملك غيره بلا إذنه لتعدية، وأما لو لم يدخلها ففي الهداية، ولو أرسل بهيمة، فأفسدت ذرعاً على فورها، ضمن المرسل، وإن مالت يميناً أو شمالاً وله طريق الآخر، لا يضمن لما مر". (إمداد الفتاویٰ، كتاب الذبائح والأضحية والصيد والعقيقة، حکمِ قربانی جانور خرید کردہ از نیلام کانجی ہاؤس، وحکمِ ادخال جانوررا ں: ۳/ ۵۴۱، مکتبه دار العلوم کراچی)

۳......ایک عورت کے شوہر کے نام کچھ زمین اور ایک باغ بطور کاشتکار بندھا تھا اور زمیندار اس کے شوہر کا باپ ہی تھا، اس نے اپنے لڑکے کے نام کچھ زمینیں بطورِ کاشت باندھ دی تھی، پھر اس عورت کا شوہر اپنے باپ کے مرنے سے قبل ہی مرگیا۔ تو وہ زمین اور باغ اس عورت کو لینا - جو کہ اس کے شوہر کے نام بطور موروثی کاشت کار کے تھی - لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور شرعاً اس زمین کی مالک وہ عورت ہوسکتی ہے یا نہیں، یا کہ اس عورت کے شوہر باپ کے ورثاء اس کے مالک ہوں گے؟

(الف) براہ کرم اور شفقت یہ تحریر فرمائیں کہ اگر کسی کے پاس ایسی زمین ہو تو اس کے جائز ہونے کی کیا صورت ہے، یعنی کیا ایسا موروثی کاشتکار اس زمین سے استعفاء دے دے، یا زمین دار سے مل کر اس کو روپیہ دے کر، یا لگان بڑھوا کر پھر سے قبضہ کرے، یا زمین دار کی رضامندی سے اتنے ہی لگان پر اور اسی شرح پر کھیت جوتے، کیونکہ موروثی زمین کا لگان نہیں بڑھا کرتا؟ لیکن اگر زمین دار اسی شرح پر راضی ہوجائے اور راضی ہورہے تو جائز ہوگا یا نہیں، یا اَور کوئی ایسی صورت ہے جس سے وہ زمین جائز طریقہ سے استعمال کی جاسکے، یا بالکل چھوڑ دی جائے؟

(ب) ایسی زمین اور پیداوار کا شرعاً کیا حکم ہے اور اس کی آمدنی کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اور اگر کسی کے پاس آمدنی اور معاش کا یہی ذریعہ ہو یعنی موروثی زمین تو اس شخص کو کیا کرنا چاہیے؟ اگر ہمت ہو تو چھوڑ دے یا توبہ استغفار کرتا رہے، یا کیا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......بغیر زمین دار کی رضامندی کے ایسی زمین میں کاشت کرنا شرعاً ناجائز ہے(۱)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿یأیها الذین اٰمنوا لاتأکلوا أموالکم بینکم بالباطل إلا أن تکون تجارةً عن تراض منکم﴾ (سورة النساء: ۲۹)

"عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لایحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". (مشکوة المصابیح، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی: ۱/۲۵۵، قدیمی)

"لایجوز التصرف فی مال غیره بلا إذنه ولا ولایته". (الدرالمختار، کتاب الغصب: ۶/۲۰۰، سعید)

۲...... یہ بھی ناجائز ہے(۱)۔

۳...... اس زمین اور باغ کا مالک عورت کے شوہر کا باپ ہے، اس کے بعد اس کے ورثہ مالک ہوں گے (۲) عورت شوہر کا ترکہ ہونے کی وجہ سے مالک نہ ہوگی (۳)۔

(الف) بہتر یہ ہے کہ ایسی زمین چھوڑ دے اور استعفاء دے دے۔ یہ درست ہے کہ اصلی مالک سے دوبارہ معاملہ کرے، جتنے پر وہ رضامند ہو جائے خواہ وہ لگان سابقہ پر یا زیادہ پر، پھر کاشت درست ہے (۴)۔

(ب) اصل مالک سے گذشتہ معاف کرائے (۵)۔ آئندہ کو چھوڑ دے، یا دوبارہ معاملہ کرے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿یأیها الذین اٰمنوا لاتأكلوا الربوا﴾ (سورة اٰل عمران: ۱۳۰)

"عن جابر قال: "لعن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم آكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهدیه وقال: "هم سواء". (مشكوة المصابیح، باب الربا، الفصل الأول، ص: ۲۴۴، قدیمی)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿للرجال نصیب مماترك الوالدان والأقربون وللنساء نصیب مما ترك الوالدان والأقربون مماقل منه أو كثر نصیباً مفروضاً﴾ (سورة النساء: ۷)

"عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "الحقوا الفرائض بأهلها، فما بقی فهو لأولیٰ رجل". (مشكوة المصابیح، باب الفرائض، الفصل الأول، ص: ۲۶۳، قدیمی)

(۳) اس لئے کہ ترکہ کی صورت میں جو مال ہے وہ شوہر کے باپ کی ملکیت ہے، شوہر کا نہیں کہ ترکہ میں عورت کو بھی ملے۔

(۴) "ولا تصح المزارعة إلا علی مدة معلومة لما بینا، وأن یكون الخارج شائعا". (الهدایة، كتاب المزارعة: ۴/۴۲۶، شركة علمیه ملتان)

"ومنها: أن یكون الخارج بینهما علی الشرط المذكور". (بدائع الصنائع، كتاب المزارعة، فصل فی حكم المزارعة الصحیحة: ۸/۲۸۶، دارالكتب العلمیة بیروت)

(۵) "فإن كانت المعصیة لحق آدمی، فلها ركن رابع، وهو التحلل من صاحب ذلك الحق". (شرح النووی علی الصحیح لمسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قدیمی)

(وكذا فی روح المعانی، (سورة التحریم: ۸): ۲۸/۱۵۹، دارإحیاء التراث العربی بیروت) =

موروثی زمین اور قرض میں تمادی

سوال[۸۲۸۹]: ۱......سرکاری زمین جب کہ زمیندار کی زمین کوئی کاشت کرے تو بس وہ زمین کاشتکار کی ہوگئی، زمیندار اس کو چھڑا نہیں سکتا ہے۔ اگر کوئی کاشتکار اس زمین سے بے دخل کرادے۔ یعنی اپنی رضامندی سے چھوڑ دے تو ثواب ہے یا نہیں اور اس کے نہ چھوڑنے میں کاشت کار کو گناہ ہوگا یا نہیں؟

۲......مسئلہ یہ دریافت طلب ہے کہ سرکاری قانون ہے کہ قرض تین سال تک وصول کرسکتا ہے، اور تین سال سے زیادہ کے قرض کو ادا کرنا ثواب ہے یا نہیں اور ادا نہ کرنے میں گناہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......جو زمین کاشتکار نے اصل مالک سے محض کاشت کے لئے اجرت پر لی ہے تو کاشت کرنے سے اصل مالک کی ملک سے نہیں نکلی، کاشتکار کی ملک میں داخل نہیں ہوئی (۱)، اس کی واپسی ضروری ہے، جو لوگ واپس نہیں کرتے اور بغیر مالک کی رضامندی کے اس پر قبضہ کئے ہوئے ہیں اور تصرف کرتے ہیں وہ گنہگار ہیں (۲)، جب واپس کردیں گے تو حقوق العباد کی ادائیگی کی وجہ سے بہت بڑی گرفت سے چھٹکارہ پائیں گے

= "وقال الشيخ ملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ فی کلامه عن التوبة وأركانها: فإن كانت من مظالم الأموال، فتتوقف صحة التوبة منها مع ماقدمناه فی حقوق الله تعالیٰ علی الخروج عن عهدة الأموال وإرضاء الخصم فی الحال والاستقبال بأن يتحلل منهم أو يردها إليهم أو إلی من يقوم مقامهم من وكيل أو وارث هذا". (مجلة البحوث الإسلامية، أقوال العلماء فی حكم من تاب من الكسب الحرام، فصل فی الحلال والحرام والمشتبه فيه، وحكم الكثير والقليل من الحرام: ۲۴۵/۱۶، البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد الرياض، المملكة العربية السعودية)

(۱) "اس کاشتکار کو کوئی حقِ شرعی حاصل نہیں ہوتا ہے، اگر ایسے کاشتکار سے کوئی خریدے گا تو وہ مشتری بھی مالک نہ ہوگا"۔ (إمداد الفتاوی، کتاب الإجازة، "حکم حق مورثی": ۳۵۱/۳، مکتبه دار العلوم کراچی)

(۲) "لا يجوز التصرف فی مال غيره بلا إذنه و لا ولايته" (الدر المختار كتاب الغصب: ۲۰۰/۶، سعيد)

"المغصوب إن كان عقاراً، يلزم الغاصبَ ردُّه إلی صاحبه من دون أن يغيّره و ينقصه. وإذا طرأ علی قيمة ذلک العقار نقصانٌ بصنع الغاصب وفعله، يضمن قيمته". (شرح المجلة لسليم رستم باز، =

اور ثواب کے مستحق ہوں گے۔

۲.....تین سال کی مدت سرکاری قانون میں ہے، شریعت میں مدت مقرر نہیں، بلکہ جس مدت کا بھی قرضہ ہو اس کو ادا کرنا واجب ہے، جو ادا نہیں کرے گو وہ قیامت میں ماخوذ ہوں گے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۸/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

غیر مسلم کی موروثی زمین

سوال[۸۲۹۰]: ایک معتبر دیندار شخص نے بیان کیا- غالباً فتاویٰ رشیدیہ کا حوالہ بھی دیا- کہ حضرت قطب عالم حضرت شاہ رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ ہے کہ: ''ہندو کی موروثی زمین جائز ہے، مسلم کی زمین ہو تو ناجائز ہے بالکل''۔ آیا اس بیان کی حضرت کی طرف نسبت صحیح ہے یا نہیں؟

= باب الغصب، الفصل الثاني في المسائل المتعلقة بغصب العقار، (رقم المادة: ۹۰۵): ۱/۱ ۵۰، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وكذا في الهداية، كتاب الغصب: ۳/۳۷۳، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها﴾ (سورة النساء: ۵۸)

وقال الله تعالیٰ: ﴿ياأيهاالذين آمنوا أوفوا بالعقود﴾ (سورة المائدة: ۱)

''عن همّام بن منبه أخي وهب بن منبه أنه سمع أبا هريرة رضی الله تعالیٰ عنه يقول: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: '' مطل الغني ظلم''. (صحيح البخاری، كتاب في الاستقراض و أداء الديون، بابٌ: مطل الغنی ظلم: ۱/۳۲۳، قديمی)

''عن عبدالله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنهما أن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: ''يغفر للشهيد كل ذنب إلا الدين''.

''وعن براء بن عازب رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: ''صاحب الدين مأسور بدينه يشكو إلى ربه الوحدة يوم القيامة''. (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول، ص: ۲۵۲، قديمی)

الجواب حامداًو مصلیاً:

ان سے حوالہ کی تعیین کر کے پورا پتہ دریافت کیجئے، ہمیں تو اب تک یہی معلوم ہوا ہے کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً منع فرمایا ہے، خواہ مسلم کی ہو خواہ ہندو کی۔ فتاویٰ رشیدیہ، حصہ دوم، کتاب البیوع میں، ص:۷۸ پر کفار سے بھی سود لینے کو منع فرمایا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

زمین کو چک بندی سے بچانے کی ترکیب

سوال[۸۲۹۱]: زید کی ایک زمین جس پر وہ اپنے دادا کے زمانہ سے قابض ہے اور اس پر درخت بھی لگا چکا ہے جن کی مدت تقریباً ۲۰/ سال کی ہو چکی ہے، دو سال سے معلوم ہوا کہ وہ زمین بنجر ہے، لہذا اگرام سماج کی ملکیت ہے اور بوقتِ چک بندی زید کی ملکیت سے نکل جائے گی، لیکن ایک صورت اس کے بچانے کی یہ ہے کہ زمیندار سے زمینداری ٹوٹنے سے پہلے باغ لگانے کا اجازت نامہ حاصل کرلیا جائے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

مولا بخش پرتاپ گڑھ۔

الجواب حامداًو مصلیاً:

اگر وہ اس زمین کا مالک ہے اور اس کی یہ مملوکہ زمین اس طرح بچ سکتی ہے تو اس کو بچانے کے لئے ایسی ترکیب اختیار کرنے کی گنجائش ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۵/۱۶ھ۔

---

(۱) **سوال**: ''ان بلادِ حرب میں نصاریٰ کو اپنا روپیہ دے دینا اور اس پر سود لینا جائز ہے یا نہیں''؟

جواب: ''کفار سے بھی سود لینا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم''۔ (فتاوی رشیدیہ، سود کے مسائل کا بیان، ص:۴۱۰، کفار سے سود لینے کا حکم، مطبوعہ ادارۂ اسلامیات لاہور)

(۲) جس طرح مشفوعہ زمین کو شفعہ سے بچانے کے لئے بائع زمین کے اس حصے کو جو شفیع کی زمین کے متصل ہے، مشتری کو ہبہ کردے تو شفیع اس پر شفعہ نہیں کرسکتا تو اسی طرح یہ آدمی بھی اپنی زمین کو بچانے کے لئے باغ لگانے کا اجازت نامہ حاصل کرلے تو اس میں کچھ حرج نہیں، اس شرط پر کہ وہ زمین اس آدمی کی اپنی ہو۔ .... =

موروثی اور دخیل کاری کی آمدنی

سوال[۸۲۹۲]: موروثی کاشت دخیل کاری کی آمدنی کے تصرف کی بابت علمائے دین کا کیا حکم ہے؟ چونکہ موروثی کاشت دوقسم کی ہوتی ہے: اول: موروثی قانونِ جدید، دوم: موروثی سابقہ جوزمانۂ بندوبست سرکاری سے چلی آتی ہے۔فتویٰ سے مشرف فرماویں۔فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

موروثی زمین سے جو آمدنی کاشتکاروں کو حاصل ہے اس سے جتنا اس نے خرچ کاشت میں کیا ہے اتنا تو رکھنا جائز ہے، باقی رکھنا جائز نہیں۔ یہ تو آمدنی کا حکم ہے اور زمین کا حکم یہ ہے کہ آئندہ کے لئے اس کو چھوڑ دے، ورنہ ظلم اور گناہ اور غصب میں مبتلا رہے گا:

"لقوله عليه السلام: "لا يحل لأحد أن يأخذ متاع أخيه لاعباً و لا جاداً، فإن أخذ فليرده عليه". هدايه: ۳/۳۷۱(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: بندہ عبدالرحمان غفرلہ۔

= قال العلامة المرغيناني رحمه الله تعالىٰ: "وإذا باع داراً إلا مقدار ذراع منها في طول الحد الذي يلي الشفيع، فلا شفعة له، لانقطاع الجوار، وهذه حيلة. وكذا إذا وهب منه هذا المقدار وسلّمه إليه، لما بينا". (الهداية، كتاب الشفعة، باب ماتبطل به الشفعة، فصل: ۴۰۸/۴، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الشفعة، باب مايبطلها، مطلب لاشفعة للمقرله بدار: ۲۵۰/۶، سعيد)

(۱) (الهداية: ۳۷۱/۲، كتاب الغضب، إمداديه ملتان)

"عن عبد الله بن السائب بن يزيد عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا يأخذ أحدكم عصا أخيه لاعباً جاداً، فمن أخذ عصا أخيه، فليردّها إليه".

(جامع الترمذي، أبواب الفتن، باب ما جاء: لا يحل لمسلم أن يروّع مسلماً: ۳۹/۲، سعيد)

(ومشكوة المصابيح، الفصل الثاني، باب الغضب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب من يأخذ الشئ من مزاح: ۳۲۷/۲، سعيد)

کھڑے کھیت کی اندازے سے تقسیم

سوال[۸۲۹۳]: زید کے والدین اور قبیلہ والے قدیم سے موروثی زمین میں کاشتکاری کرتے ہیں، کچھ زمین ایسی بھی ہے کہ جس کا لگان دینا پڑتا ہے، موروثی زمین مثل بٹائی ہے، یعنی نصف زمین دار کا، نصف حصہ کاشتکار کا۔ اور اس طرح سے دونوں کی مرضی کے مطابق کھڑے کھیت میں تخمیناً غلہ طے کر لیتے ہیں، طے شدہ غلہ زمین دار کو دیا جاتا ہے۔ آیا یہ جائز ہے یا نہیں اور اس میں سے زید کو حصہ دینا جائز ہے یا نہیں، جب کہ مستحق ہوا؟ اور پیشوا ہے، کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

موروثی زمین ناجائز ہے(۱)، اور کھڑے کھیت کا تخمینہ کر کے غلہ طے کرنا اور طے شدہ وصول کرنا بھی درست نہیں، بلکہ جب نصفا نصفی طے ہے تو پورا پورا تول کر تقسیم کرنا چاہئے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين امنوا لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارةً عن تراض منكم﴾ (سورة النساء: ۲۹)

"وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، باب الغصب والعاريه، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

"لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه". (شرح المجله لسليم رستم باز، (رقم المادة: ۹۶): ۱/۶۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) جس طرح قربانی کے گوشت میں تمام افراد برابر کے حصے دار ہوتے ہیں، تو ان میں وہ گوشت بھی وزن کے برابر برابر تقسیم کیا جاتا ہے، اسی طرح جب کھیتی میں بھی برابر کے شریک ہیں تو پھر تول کر برابر برابر ہر آدمی اپنا حصہ لے لے"۔

"ويقسم لحمها وزناً؛ لأنه موزون لاجزافاً، لاحتمال الربا، وتحليل بعضهم بعضاً لايجوز؛ لأنه هبة مشاع يقسم". (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/۱۶۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۱۷، سعيد)

مزارع کوسکونت کا حق

سوال[۸۲۹۴] : ایک شخص مثلاً زید عرصہ ستر یا اَسی سال سے عمر کا مزارع تھا۔ عمرو غیرہ نے مزارع کو کہا تھا کہ اگر تم یہیں رہو اور جائے رہائش (مکان) وغیرہ بنالو، ہم تمہیں نہ اٹھائیں گے اگر تو نے ہمیں نہ چھوڑا۔ چنانچہ اس مزارع نے اس چاہ پر آ کر مکان رہائش (وغیرہ) بنالیا(۱) اور بصورت ٹھیکہ چاہ پر کھیتی کرتا رہا۔ بعد میں وہ اصلی مزارع فوت ہوگیا اور مالک بٹھانے والے بھی فوت ہوگئے، دونوں کی اولادیں رہیں، پہلی صورت پر معاملہ طے ہوتا رہا۔

چنانچہ مزارع کے بیٹے نے چاہ مذکور کو دس سال پر ٹھیکہ لے لیا اور اسٹامپ بھی لکھا گیا، لیکن چھ ماہ کل گزرے تھے کہ چاہ خراب ہوگیا، مالکان نے نہیں بنوایا تھا، مزارعہ کا ٹھیکہ ضائع ہوگیا، جو ۲۰/ فی کنال تھا، لیکن جب چاہ خراب ہوگیا تھا تو اس وقت ۹۰/ فی کنال ٹھیکہ ہوگیا تھا، اگر چاہ بنوادیتے تو مزارع کا اس میں نفع تھا، لیکن انہوں نے نقصان کیا۔ پھر مالکوں نے زمین فروخت کرنی شروع کردی۔ مزارع کو مکان سے نہیں اٹھایا گیا اور نہ مزارعین خود اٹھے۔

تقریباً ستر اَسّی سال گزر چکے ہیں چاہ کی اردگرد کی زمین مزارع کو بیچ دی گئی۔ مزارع کی کوٹھری ....وغیرہ کھڑی رہی، نہ مالکوں نے کچھ کہا اور نہ مزارع برطرف ہوئے، کاغذات سرکاری میں بھی مزارع کے نام حد بندی میں لکھی ہوئی ہے۔ قریب قریب مقدمات بھی چلائے گئے ہیں، ہائی کورٹ بھی اپیل کی گئی ہے، قانوناً گورنمنٹی میں مالکان کو مزارع کے اٹھانے کا حق نہیں دیا گیا اور نہ اس کوٹھری کو فروخت کرنے کا حق دیا گیا، بلکہ مالک تصور کیا گیا ہے، اب وہ خاموش ہو چکے ہیں۔

مزارع کہتا ہے کہ مالکوں نے کہا تھا کہ جب تک تم خود نہ اٹھ جاؤ تو ہم تمہیں نہ اٹھائیں گے، یہیں پر اپنا مکان بنا کر بیٹھے رہے۔ دوسرا یہ کہ میرا دس سال کا ٹھیکہ ضائع ہوگیا ہے جس میں تقریباً گیارہ ہزار روپیہ کا نقصان ہوگیا ہے، لیکن یہ ضرور ہے کہ نہ مالکوں نے رقم لی ہے اور نہ مزارعین نے مخصوص پیداوار اٹھائی ہے۔

---

(۱) ''چاہ: کنواں، غار، گڑھا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۵۱۵، فیروز سنز لاهور)

جو اسٹامپ ٹھیکہ لکھا گیا تھا وہ مالکوں کے پاس موجود ہے اور جو مزارع کے پاس تھا وہ مکان کے جل جانے سے جل گیا ہے۔

مالکوں کے اسٹامپ میں بھی لکھا ہے کہ اگر ہم نے کوئی زمین بیچی تو فی مرلہ دوصد روپیہ ٹھیکہ میں سے کاٹ دیں گے۔ اور یہ بھی شرط تھی کہ اگر چاہ کا نچلا حصہ خراب ہو جائے تو مزارع بناوے گا، چنانچہ اس چھ ماہ میں مزارع نے مبلغ یک صدروپیہ خرچ کر کے نچلا حصہ بوجہ خراب ہونے کے بنایا تھا۔

یہ بھی شرط تھی کہ اگر اوپر کا حصہ خراب ہو گیا تو مالک بنادے گا، چنانچہ چاہ بہت کہنہ تھا، اوپر کا حصہ خراب ہو گیا تو مزارع نے مالکوں کو کہا کہ بنوادو، لیکن مالکوں نے بجائے بنوانے کے زمین فروخت کرنا شروع کردی۔

یہ بھی شرط تھی کہ آٹھ سال کے روپیے مزارع ادا کرے گا اور دو سال بعوضِ مرمت چاہ مفت کاشت کرے گا۔

یہ بھی معلوم ہے کہ جو مالک ہیں ان کی بھی اپنی جدی زمین نہیں تھی، پہلے زمانہ میں جس کا قبضہ ہو گیا بس وہی مالک بن بیٹھا۔

اب ستّر اَسی سال کے بعد مالک کہتے ہیں مزارع کو کہ کچھ ہمیں دیدے اور وہ دینا پسند نہیں کرتا۔ زمین اتنی ہے جس میں اس کی رہائش ہے اور بس۔ شرعاً کیا حکم ہے، مزارع مالک بن سکتا ہے کیونکر؟ بصورتِ مالک نہ بننے کے مزارع کو مالک کچھ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا یہ عمریٰ کی صورت بن سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ظاہر ہے کہ مالک نے مزارع کو اپنی زمین میں مکان بنانے اور رہنے کی اجازت اس لئے دی ہے کہ وہ مزارعت کرتا رہے اور مالک اور مزارع کے درمیان معاملہ برقرار رہے۔ اب جب کہ مالک اور مزارع کے درمیان معاملہ برقرار نہیں رہا بلکہ ختم ہو چکا اور وہ زمین بھی فروخت کردی جس میں مزارعت کا معاملہ طے ہوا تھا اور جس کی وجہ سے مالک نے مزارع کو رہنے کی اجازت دی تھی، اس لئے اب اس زمین میں مزارع کو رہنے کا اختیار نہیں (۱)، البتہ مکان کا ملبہ اور سامان جو کہ مزارع نے اپنے پاس سے صرف کیا ہے وہ مزارع کا ہے، اس

---

(۱) "لا یجوز التصرف فی مال غیرہ بلا إذنہ و لا ولایتہ". (الدر المختار، کتاب الغصب: ۶/۲۰۰، سعید) .... =

میں مالکِ زمین کو کوئی اختیار نہیں، مزارع چاہے اس کی قیمت لیکر مالک کے ہاتھ فروخت کردے، چاہے اپنا ملبہ اٹھالے جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ رجب/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ ہذا، ۲/ رجب المرجب/ ۵۸ھ۔

زمیندار کی زمین میں مکان تعمیر کرانا

سوال[۸۲۹۵]: زید کے پاس ایسی زمین ہے کہ جس کو وہ خود بیچ نہیں سکتا، کیونکہ زمیندار کو کچھ روپیہ نذرانہ دے کر مکان بنانے کی اجازت سے لیا تھا، ایک احاطہ کی شکل میں بنوالیا تھا۔ جب احاطۂ مذکورہ پست ہوگیا اور معمولی نشان باقی تھے تو عمر نے اپنے ذاتی مراسم وتعلقات کی بناء پر زید سے کہا کہ مجھے مکان کی تکلیف ہے، کہیں زمین ہوتی تو مکان بنوالیتا، اس پر زید نے وہ زمین عمر کو دیا کہ مکان بنوالو، چنانچہ عمر نے اس زمین پر مکان بنوالیا اور تقریباً ۹، ۱۰/ سال سے اس مکان پر قابض ہے، اور سالانہ پرجوٹ (۲) برابر زمیندار کو ادا کرتا رہتا ہے۔

اب زید نے عمر پر دعویٰ کیا ہے کہ مجھ کو مکان ملنا چاہئے، اور کہتا ہے کہ میں نے مکان بنانے کی اجازت

= (وكذا في شرح المجلة، (رقم المادة: ۹۶)، ص: ۶۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في مشكوة المصابيح، باب الغصب والعارية، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، قديمی)

(۱) "(ولو غرس أو بنى في أرض الغير قلعا وردت، فإن نقصت الأرض بالقلع، ضمن، وله البناء والغرس مقلوعاً، ويكونان له، ولأن الأرض باقية على ملكه إذا لم تكن مستهلكةً ولا مغصوبةً حقيقةً، ولم يوجد فيها شيء، يوجب الملك للغاصب، فيؤمر بتفريغها و ردّها إلى مالكها كما إذا أشغل ظرف غيره بالطعام .... إذا كانت الأرض تنقص بالقلع، كان لصاحب الأرض أن يضمن للغاصب قيمة البناء والغرس مقلوعاً، ويكونان له". (البحر الرائق، كتاب الغصب: ۸/۲۱۲، ۲۱۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الغصب: ۶/۱۹۴، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۵۰۲، ۵۰۳، (رقم المادة: ۹۰۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "پرجوٹ (پرجوت) مکانات کی زمین کا محصول"۔ (نوراللغات، ص: حصہ دوم، ص: ۸۲۲)

اس شرط پر دی تھی کہ جب میں اتنی رقم ادا کردوں گا کہ جتنا مکان بنانے میں صرفہ ہوا ہے تو مکان واپس لے لوں گا۔اور عمر کہتا ہے کہ اس قسم کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔اور زید وعمر میں سے کوئی اپنی بات پر شہادت نہیں پیش کرسکتا۔البتہ زید سے عمر کہتا ہے کہ آپ زمانۂ حال کے مطابق قیمت دیکر مکان وزمین لے سکتے ہیں،مگر زید مصر ہے کہ اتنا ہی روپیہ دوں گا جتنا تمہارے بنوانے میں لگا ہے۔

پس اس صورت میں مکان اور زمین کا کیا حکم ہے،زمین کس کی ملک ہے،زمیندار یا زید کی؟ تصفیہ کس طرح کی جائے،مکان اگر زید کو دلایا جائے تو رقم کتنی اس سے لی جاوے؟ جواب مدلل مع حوالہ وعبارات کتب عنایت ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوال سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اصل زمین زمیندار کی ملک ہے،زید نے اس میں مکان بنانے کی اجازت لی تھی اور اس اجازت کے لئے کچھ نذرانہ پیش کیا تھا،زید زمین کا مالک نہیں تھا،غالباً اسی لئے وہ بیچ نہیں سکتا تھا،پھر ذاتی تعلقات کی بناء پر اس زمین کو عمر کے حوالہ کردیا اور سالانہ پر جوٹ بجائے زید کے عمر نے دینا شروع کیا اور زمیندار اس معاملہ میں راضی رہا تو زید کا تعلق درمیان سے ختم ہوگیا،اب زمیندار اور عمر کا تعلق باقی رہ گیا۔

اگر عمر پر جوٹ زید کو دیتا اور زید زمیندار کو ادا کرتا تو زید کا تعلق باقی رہتا۔اب کوئی تعلق نہیں رہا،لہٰذا زید کا دعویٰ بے اصل ہے،جب تک کوئی شرعی شہادت پیش نہ کرے۔اب زمین زمیندار کی ہے اور مکان عمر کا۔اگر عمر اپنا مکان فروخت کرنا چاہے تو مستقل معاملہ کیا جائے جس پر طرفین رضامند ہوجائیں،زید کو جبراً عمر سے مکان لینے کا حق نہیں۔اگر کوئی مدت مقرر نہیں کی گئی تو زمیندار کو حق حاصل ہے کہ جب چاہے اپنی زمین لے لے اور عمر سے کہہ دے کہ میری زمین خالی کردو اور اپنی عمارت اٹھالو،پھر عمر یا اپنی عمارت اٹھائے،یا اگر طرفین رضامند ہوجائیں تو عمارت مقطوعہ کی قیمت زمیندار ادا کردے اور اس عمارت کا مالک بھی زمیندار ہوجائے:

”وتصح إجارة أرض للبناء والغرس. فإن مضت المدة، قلعهما وسلمها فارغةً، إلا أن

يغرم له المؤجر مقلوعاً ويتملكه، أو يرضى بتركه، فيكون البناء والغرس لهٰذا، والأرض لهٰذا، اهـ". در مختار: ٥/ ٢٥(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۶/۶۶ھ۔

اس اجمال کا جواب درست ہے، لیکن ترجیح کے لئے اول یہ امر صاف ہونا ضروری ہے کہ زید اور زمیندار کا معاملہ عاریۃً تھا یا اجارۃً اور پھر زید نے جو عمر سے معاملہ کیا ہے وہ بطورِ عاریت فی العاریۃ تھا یا اجارہ در اجارہ، تو براہ راست زمیندار سے یا زید سے، اس کے بعد کچھ حکم لگایا جائے گا۔

سعید احمد غفرلہ، ۱۳/ جمادی الثانیہ/ ۶۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ جمادی الثانیہ/ ۶۶ھ۔

کسی کی زمین سے گھاس کاٹنا

سوال [۸۲۹٦]: اگر کوئی شخص دوسرے کی مملوکہ ڈول سے بلا اجازت گھاس کاٹے تو جائز ہے(۲) یا نہیں؟ اگر کوئی شخص فقط اپنے جانوروں کو گھاس کھلانے کے لئے کوئی خاص جگہ اپنے مملوکہ میں سے محصور کر کے رکھ دے تو ایسی صورت میں دوسرے لوگوں کو بلا اجازت اسی خاص جگہ سے اپنے جانوروں کو گھاس کھلانے کے

---

(١) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ٦/ ٣٠، كتاب الإجارة، سعيد)

"لو أحدث المستأجر بناءً في العقار المأجور، أوغرس شجرةً، فالآجر مخيرٌ عند انقضاء مدة الإجارة: إن شاء، قلع البناء والشجرة، وإن شاء أبقى ذلك، وأعطى قيمته، كثيرةً كانت أو قليلةً".
(شرح المجلة لسليم باز، ص: ٢٩٠، (رقم المادة: ٥٣١)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"للبناء والغرس إن بين مدة، فإن مضت المدة، قلعهما وسلمها فارغةً، إلا أن يغرم الموجر قيمته مقلوعاً ويتملكه، يعني إذا مضت المدة، يجب عليه قلع البناء والغرس". (البحر الرائق: ٨/ ١٩، كتاب الإجارة، رشيديه)

"وإذا انقضت المدة، لزمه أن يقلعهما ويسلمها فارغةً، إلا أن يغرم المؤجر قيمة ذلك مقلوعاً برضى صاحبه". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ٣/ ٥٢٣، كتاب الإجاره، مكتبه غفاريه كوئٹه)
(وكذا في تبيين الحقائق: ٦/ ٩٧، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

(٢) "ڈول: کھیت کی اونچی حد، باڑھ"۔ (فيروز اللغات، ص: ٦٨٢، فيروز سنز لاهور)

لئے کاٹنا کیسا ہے؟ اگر خودرو اور غیر خودرو میں فرق ہو تو تفصیلی طور پر دلائل وحوالۂ کتب کے ساتھ جواب فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

خودرو گھاس کسی کی ملک نہیں اگر چہ مملوکہ زمین میں پیدا ہو، بغیر مالک زمین کی اجازت اس کا کاٹنا اور جانور کو چرانا جائز ہے، البتہ مالک زمین کو یہ اختیار ہے کہ دوسرے شخص کو اپنی زمین میں آنے سے منع کردے اور اس کے بعد دوسرے شخص کو یہ بھی حق ہے کہ مالک سے کہے کہ: یا مجھے اپنی زمین میں آنے کی اجازت دے، یا مجھے گھاس کاٹ کردے، کیونکہ گھاس مباح الاصل ہے جس میں ہر شخص کو حق ہے، لہٰذا میرا بھی حق ہے اور وہ تیری زمین میں موجود ہے۔

اور جو گھاس خودرو نہ ہو، بلکہ مالک زمین نے پانی دے کر اسے اُگایا ہو، یا اس زمین کا احاطہ بنادیا ہو اور گھاس کے لئے زمین کو تیار کیا ہو تو اس کا بغیر مالک کی اجازت کے کاٹنا جائز نہیں:

"لايجوز بيع الكلأ. ومعناه أن له احتشاشه وإن كان في أرض مملوكة، غير أن لصاحب الأرض أن يمنع من الدخول في أرضه. وإذا منع، فلغيره أن يقول: إن لي في أرضك حقاً، فإما إن توصلني إليه أو تحشه. وظاهره أن هذا إذا نبت بنفسه، فأما إذا كان سقى الأرض وأعدها للإنبات فنبت، ففي الذخيرة والمحيط والنوازل: يجوز بيعه؛ لأنه مِلكه، وهو مختار الصدر الشهيد. وكذا ذكر في اختلاف أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، فيحمل كلام المصنف على ما إذا لم يعدّها للإنبات. ومنه لوحدق حول أرضه وهيّأها للإنبات حتى نبت القصب، صار ملكاً له، الخ". بحر بحذف: ٦/٧٧(١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ۵/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ جمادی الأولیٰ/ ۵۷ھ۔

---

(١) (البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ٦/١٢٦، ١٢٧، رشيديه)

"عن رجل من المهاجرين من أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: غزوت مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ثلاثاً أسمعه يقول: "المسلمون شركاء في ثلث: في الماء والكلاء والنار". =

سرکاری زمین میں کھیتی کرنا

سوال[۸۲۹۷]: گورنمنٹ نے چک بندی کے زمانہ میں کچھ راستے چھوڑے ان کی جوتائی وغیرہ کر کے غلہ حاصل کرنا کیسا ہے؟ اس کا کیا حکم ہے، جس کا لگان وغیرہ نہیں ہوتا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین کسان کی نہیں، نہ کوئی معاملہ اجارہ یا بٹائی کا مالک سے کیا ہو، اس کو جوتنا اور غلہ حاصل کرنا اس کے لئے جائز نہیں(۱)، وہ گورنمنٹ کی مِلک ہے تو اس کی اجازت سے درست ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۷/ ۸۹ھ۔

= (سنن أبي داؤد، باب في منع الماء: ۱۳۶/۲، إمداديه)

"ثم الكلام في الكلاء على أوجه: أعمها مانبت في موضع غير مملوک لأحد، فالناس شركاء في الرعيٰ، والاحتشاش منه كالشركة في ماء البحار، وأخص منه، وهو ما ينبت في الأرض مملوكة بلا إنبات صاحبها، وهو كذلک، إلا أن لرب الأرض المنع من الدخول في أرضه، فهو مالک له، وليس لأحد أخذه بوجه لحصوله بكسبه، ذخيرة وغيرها". (ردالمحتار، كتاب إحياء الموات، فصل الشرب: ۴۴۰/۶، سعيد)

"والمراد بالكلأ الحشيش الذي ينبت بنفسه من غير أن ينبته أحد، ومن غير أن يزرعه، ويسقيه، فيملكه من قطعه وأحرزه". (البحر الرائق، كتاب إحياء الموات: ۳۹۲/۸، رشيديه)

"قوله عليه السلام: "المسلمون شركاء في ثلاثة، الخ" شركة إباحة لاشركة ملک، فمن سبق إلى أخذ شئ من ذلک في وعاء، أو غيره وأحرزه، فهو أحق به، وهو ملک له دون ماسواه يجوز له تمليكه بجميع وجوه التمليک، وهو مورث عنه، ويجوز فيه وصاياه كما يجوز في إملاكه". (تبيين الحقائق، كتاب إحياء الموات، مسائل الشرب: ۸۶/۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح القدير، كتاب البيوع، باب بيع الفاسد: ۴۱۷/۶، ۴۱۸، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(۱) "عن رافع بن خديج رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من زرع زرعاً في أرض قوم بغير إذنهم، فليس له من الزرع شئ، ويرد عليه نفقته في ذلک". (شرح معاني الآثار، كتاب المزارعة والمساقاة، باب من زرع في أرض قوم بغير إذنهم كيف حكمهم في ذلک وماروي عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في ذلک: ۲۹۰/۲، سعيد)

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولاية". (الدرالمختار، كتاب الغصب: ۲۰۰/۶، سعيد)

(۲) "المغصوب إن كان عقاراً، يلزم الغاصبَ ردُّه إلى صاحبه من دون أن يغيره وينقصه، وإذا طرأ على =

کاشتکار کا چار بیگہ زمین لے کر زمیندار کی بقیہ زمین واپس کرنا

سوال[۸۲۹۸]: آج کل سرکاری قانون ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی زمین دو سال بوئے تو وہ زمین وہ شخص زندگی بھر کاشت کر سکے گا، مالکِ زمین کو یہ حق نہیں کہ اس کے ہاتھ سے چھین لے۔ اس صورت میں اگر کوئی اس زمین کو بیچنا چاہے تو بیچ نہیں سکتا، کیونکہ خریدنے والا یہ کہتا ہے کہ ہم تو کاشت کے لئے خریدیں گے اور تمہارا کاشتکار تو اس کو نہیں چھوڑے گا، لہٰذا میں نہیں لوں گا۔ اب بیچارہ زمیندار پریشان ہو کر اس کاشتکار سے کہتا ہے کہ مثلاً چار بیگھ تم لے لو اور باقی مثلاً بارہ بیگہ چھوڑ دو تا کہ میں بیچ ڈالوں، اب وہ کاشتکار راضی ہو جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ مالکِ زمین کے جو یہ چار بیگھ زمین اس کو مصیبت میں پھنسا کر لی گئی، یہ کاشتکار کے لئے حلال ہو گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کاشتکار کی طرف سے یہ ظلم ہے کہ چار بیگہ زمین لے کر مالک کی بارہ بیگہ زمین واپس کرتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۶/۲۳ھ۔

= قيمة ذلك العقار نقصان بصنع الغاصب وفعله، يضمن قيمته". (شرح المجلة لسليم رستم باز، باب الغصب، الفصل الثاني في المسائل المتعلقة بغصب العقار، (رقم المادة: ۹۰۵): ۱/۵۰۱، دارالكتب العلمية بيروت)

"وعلى الغاصب رد العين المغصوبة، معناه: مادام قائماً .... والواجب الرد في المكان الذي غصبه لتفاوت القيم بتفاوت الأماكن". (الهداية، كتاب الغصب: ۳/۳۷۳، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لايحل مال امرئ لا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

قال العلامة الملا على القاري رحمه الله تعالىٰ: "لاتظلموا": أي لايظلم بعضكم بعضاً، كذا قيل، والأظهر أن معناه: لاتظلموا أنفسكم، وهو يشمل الظلم القاصر والمتعدي .... "لايحل مال =

غیر مملوک زمین میں بونے سے ملکیت

سوال[۸۲۹۹]: خلاصہ یہ ہے کہ یہاں پہاڑی جنگلات میں کاشتکاری نہیں ہوتی، بلکہ مویشی چرانے کا جنگل ہوتا ہے، چھ ماہ کے لئے اس جنگل میں مویشی چرتے ہیں۔ گورنمنٹ کا محکمۂ جنگلات فی بھینس ۱۲/ روپے چھ ماہ کا ٹیکس لیتی ہے۔ جنگلات میں کچھ لوگ قدیم باشندے ہوتے ہیں، وہ لوگ بعض جگہ سبزی وغیرہ لگا دیتے ہیں، یہ لوگ ٹیکس وغیرہ کچھ نہیں دیتے۔ تو ان جگہوں پر جس کو گورنمنٹ کرایہ پر دیتی ہے، سبزی وغیرہ لگانا جائز ہے یا نہیں؟ افسران کہتے ہیں کہ تم ان کو نکال کر پھینک دو تو ٹیکس والے لوگ ان کو استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

غیر مملوکہ زمین میں جس نے جو کچھ بو دیا وہ اس کا ہے، دوسرے کو اس کے استعمال کی اجازت نہیں (۱)۔ لیکن اگر زمین کو مالک سے کسی نے کرایہ پر لی ہے تو اس میں دوسرے شخص کو کاشت کرنے کا حق نہیں،

= امرئ": أی مسلم أو ذمی "إلا بطيب نفس": أی بأمر أو رضاً". (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۲۹۴۶): ۱۴۹/۶، رشيديه)

(۱) "عن رافع بن خديج رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "من زرع فی أرض قوم بغير إذنهم، فله نفقته، وليس له من الزرع شئ". .... قوله: "ليس من الزرع شئ" ويرد عليه نفقته فی ذلک، فوجه ذلک أن غيره يعطيه النفقة التی قد أنفقها فی ذلک، فيكون له الزرع لابما يعطی من ذلک، وهذا محال عندنا؛ لأن النفقة التی قد أخرجت فی ذلک الزرع ليست بقائمة، ولا لها بدل قام، وذلک أنها إنما دفعت فی أجر عمال وغير ذلک مما قد فعل المزارع له لنفسه، فاستحال أن يجب له ذلک علی رب المال إلا بعوض يتعوضه منه رب الأرض فی ذلک .... ووجه ذلک عندنا علی أن الزارع لاشئ له فی الزرع يأخذه لنفسه، فيملكه كما يملک الزرع الذی يزرعه فی أرض نفسه أو فی أرض غيره ممن أباح له الزرع فيها، ولكنه يأخذ نفقته وبذره ويتصدق بما بقي، هكذا وجه هذا الحديث عندنا فی ذلک، والله اعلم". (شرح معانی الآثار، كتاب المزارعة والمساقاة، باب من زرع فی أرض قوم بغير إذنهم كيف حكمهم فی ذلک وماروی عن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم فی ذلک: ۲۹۱/۲، سعيد)

اس کو اجازت ہے کہ اس کی سبزی وغیرہ اکھاڑ کر پھینک دے۔وھذا ظاھر (۱)۔ فی بھینس ٹیکس سے سب زمین کرایہ پر شمار نہیں ہوگی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۳۰/۵/۹۰ھ۔

سیلِ ماء دوسرے کی ملک میں

سوال[۸۳۰۰]: زید وعمر دونوں حقیقی بھائیوں کے مکان قریب قریب ہیں، اور درمیان دونوں مکانوں کے ایک دیوار ہے اور دیوار کے نیچے سے ایک سوراخ ہے جس سے زید کے گھر کا پانی- جو بارش وغیرہ کا ہوتا ہے- عمر کے صحن میں سے ہوکر شارعِ عام میں چلا جاتا ہے اور یہ صورت کافی عرصہ سے واقع ہے۔اب تنازع ہوگیا: عمر کہتا ہے کہ اپنے گھر کے پانی کا اَور بندوبست کرو، میں اپنے صحن سے نہیں نکلنے دوں گا، حتی کہ جس جگہ پانی نکلتا تھا اس نے مکان بنالیا۔اگر زید کوشش کرے تو دوسری جانب سے نکل سکتا ہے مگر تکلیف سے۔

زید کہتا ہے: چونکہ کافی عرصہ سے یہ صورت چلی آرہی ہے، لہٰذا اس میں سے پانی نکالا جائے گا۔اور دونوں میں مقدمہ بازی شروع ہوچکی ہے۔بحوالہ تحریر فرماویں کہ شرع کا کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وكذا لو كان مسيل ماء سطحه إلى دار رجل، وله فيها ميزابٌ قديمٌ، فليس لصاحب الدار منعه عن مسيل الماء، اه". فتاوى عالمگیری: ۳۹٤/٥(۲)۔

---

(۱) "أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قد أمر بقطع النخل المغروس في غير حق بعدما قد بنت في الأرض، ولم يجعله لإرباب الأرض، فيوجب عليهم غرم ماأنفق فيه، فعل ذلك على أن الزرع المزروع في الأرض أخرى أن يكون كذلك،وأن يقلع ذلك، فيدفع إلى صاحب الزرع كالنخل التي قد ذكرنا ها، إلا أن يشاء صاحب الأرض أن يمنع من ذلك ويغرم قيمة الزرع والنخل منزعين مقلوعين، فيكون ذلك له". (شرح معاني الأثار للطحاوي رحمه الله تعالىٰ، كتاب المزارعة والمساقاة، باب من زرع في أرض قوم بغير إذنهم كيف حكمهم في ذلك وماروي عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في ذلك: ۲۹۱/۲، سعيد)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشرب، الباب الثاني في بيع الشرب وما يتصل بذلك: ۳۹۴/۵، رشيديه) =

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر پانی کا راستہ قدیم سے ہے تو عمر کو اس کے روکنے کا حق نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ربیع الثانی/ ۶۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وکذا فی مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب إحياء الموات، فصل فی الشزب: ۴/ ۲۴۰)

(وأيضاً الدر المختار، كتاب إحياء الموات، فصل في الشرب: ۶/ ۴۴۳، سعيد)

كتاب الصيد والذبائح

باب الصيد

(شکار کرنے کا بیان)

کیا شکار کرنا مباح ہے؟

سوال[۸۳۰۱]: "الصيد مباح إلا للتلهي" شامی جلد خامس میں(۱) "تلهی" سے کیا مراد ہے؟ اگر کوئی شخص گاہے گاہے تفریحاً شکار کھیلتا ہے اور ترکِ واجبات نہیں کرتا تو بالکل جائز ہے یا مکروہ، اگر مکروہ ہے تو تنزیہی یا تحریمی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

"تلهی" سے یہ مراد ہے کہ وہ محض لہو ولعب کے لئے شکار کھیلتا ہے جس سے وقت ضائع ہوتا ہے، حیوانات کو اذیت پہنچتی ہے، نہ یہ ان جانوروں کا گوشت کھاتا ہے، نہ ہڈی، سینگ وغیرہ کام میں لاتا ہے، نہ کھیت وغیرہ کی حفاظت کے لئے ان کو مارتا ہے، بلکہ محض تفریح کے لئے ان کو مارتا ہے، ایسا شکار کھیلنا حرام ہے۔ نیز وہ شکار کھیلنا بھی حرام ہے جس سے فرائض، واجبات ترک ہوتے ہوں(۲)۔

---

(۱) (الدارلمختار، كتاب الصيد: ۴۶۲/۶، سعيد)

(۲) "كل لهو باطل إذا شغله: أى شغل اللاهى به عن طاعة الله: أى كمن التهىٰ بشئ من الأشياء مطلقاً، سواء كان مأذوناً فى فعله أو منهياً عنه: كمن شغل بصلاة نافلة أوبتلاوة أو ذكر أوتفكر فى معانى القرآن -مثلاً- حتى خرج وقت الصلوة المفروضة عمداً، فإنه يدخل تحت هذا الضابط. وإذا كان هذا فى الأشياء المرغب فيها المطلوبِ فعلُها، فكيف حال ما دونها". (فتح البارى، كتاب الاستيذان، باب: كل لهو باطل إذا شغله عن طاعة الله: ۹۱/۱۱، دارالمعرفة بيروت)

اگر فرائض، واجبات ترک نہ ہوں، نیز ان جانوروں کو شکار کر کے کام میں لائے، یا ان کے شکار سے حفاظت مقصود ہو تو ممنوع نہیں، بلکہ مباح ہے:

"الصيد هو الاصطياد في اللغة يقال: صاد يصيد صيداً. وسمي به المصيد تسميةً للمفعول بالمصدر، فصار اسماً لكل حيوانٍ متوحشٍ ممتنع عن الآدمي، مأكولاً كان أوغير مأكولٍ. والاصطياد مباح في غير الحرم لغير المحرم، وكذا المصيد إن كان مأكولاً، لقوله تعالىٰ: ﴿وإذا حللتم فاصطادوا﴾ ولقوله: ﴿وحرم عليكم صيد البرّ مادمتم حرماً﴾.

ولقوله عليه الصلوة والسلام: "الصيد لمن أخذ". ولقوله عليه السلام لعدى بن حاتم: "إذا أرسلت كلبك، فاذكر اسم الله تعالىٰ، فإن أمسك عليك فأدركته حيّاً فاذبحه. وإن أدركته قد قتل ولم يأكل منه، فكُلْه، فإن أخْذَ الكلب ذكاةٌ". رواه البخاري ومسلم وأحمد. ولأنه نوع اكتساب وانتفاع بما هو مخلوق لذلك، فكان مباحاً كالاحتطاب، ليمكن المكلف من إقامة التكليف، اه". زيلعي: ٦/ ٥٠(١)۔

" والاصطياد مباح فيما يحل أكله ومالايحل، فماحل أكله فصيده للأكل، ومالايحل فصيده لغرض آخر: إما انتفاع بجلده أوشعره أو لدفع أذيته، اه". غاية(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/صفر/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

تفریح کے لئے شکار کھیلنا

سوال[۸۳۰۲]: ایک شخص ایک بندوق کا لائسنس صرف اس مقصد کے لئے بنوانا چاہتا ہے کہ حلال وحرام جانور کا شکار کھیلے اور تفریحِ طبع حاصل کرے، شکار کی عادت بغرضِ تفریح مثل اور مشاغل کے ہوتی ہے جن کی تعریف لہو ولعب سے کی جاتی ہے۔ اس لئے کارتوس وغیرہ کا صرفہ بعض اوقات عادتاً بڑھتا ہی رہتا ہے۔ آیا

(١) (تبيين الحقائق، كتاب الصيد: ٧/ ١١١، سعيد)

(٢) (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الصيد: ٧/ ١١١، دارالكتب العلمية بيروت)

بندوق اس غرض سے حاصل کرنا کہ اس کو مشغلۂ تفریح بنایا جائے اور ہر قسم کے جانوروں کا شکار تفریحِ طبع اور احباب کی دلچسپی اور ذاتی مشغلہ کے طور پر کیا جائے از روئے شرع شریف جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شکار کرنا - خواہ حلال جانور کا ہو خواہ حرام جانور کا - شرعاً مباح اور درست ہے جب کہ اس سے شکاری کی کوئی مشروع غرض حاصل ہوتی ہو، مثلاً: حلال جانور کا گوشت حاصل کرنا مقصود ہو، یا کسی جانور کے پَر، یا بال، یا کھال، یا سینگ، یا ہڈی وغیرہ کوئی چیز مطلوب ہو، یا مثلاً دفعِ اذیت ہی مقصود ہو جیسے بعض اوقات آدمی بندر یا بھیڑیئے کا شکار کرتے ہیں۔

اگر محض لہو ولعب اور اضاعتِ وقت مقصود ہو تو ناجائز ہے:

"وحل اصطياد مايؤكل لحمه ومالا يؤكل، لقوله تعالىٰ: ﴿وإذا حللتم فاصطادوا﴾ مطلقاً من غير قيد بالمأكول؛ إذ الصيد لايختص بالمأكول .... ولأن اصطياده سبب الانتفاع بجلده أوريشه أوشعره أولاستدفاع شره، وكل ذلك مشروع، اه". زیلعی: ۶/۶۱ (۱)۔

"الصيد مباح". الأشباه، ص: ۲۵ (۲)۔

والبسط فی فتح الباری: ۹/۵۲۱ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۶/ شعبان/ ۵۶ھ۔

---

(۱) (تبيين الحقائق، كتاب الصيد: ۷/۱۳۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "الصيد مباح إلا للتلهي أوحرفة". (الأشباه والنظائر مع شرح الحموی، كتاب الصيد، الفن الثانی: ۳/۲۲۴، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "وفيه إباحة الاصطياد للانتفاع بالصيد للأكل والبيع، وكذا اللهو بشرط قصد التذكية والانتفاع". (فتح الباری، كتاب الذبائح والصيد، باب التسمية على الصيد: ۹/۶۰۲، دار المعرفة بيروت)

"وحل اصطياد مايؤكل لحمه ومالايؤكل .... ولأن الاصطياد سبب الانتفاع بجلده أو =

بلاضرورت شکار میں وقت ضائع کرنا

سوال[۸۳۰۳] : ۱...... بلاضرورت شکار کرنا یا وقت ٹلانے کو کیسا ہے؟

شکار میں نماز قضا کرنا

سوال[۸۳۰۴] : ۲...... شکار میں اکثر نماز قضا کرنا اور تنگ وقت پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

بے نمازی کا شکار اور اس کے ساتھ اختلاط

سوال[۸۳۰۵] : ۳...... بے نمازی کا شکار کیا ہوا کھانا، یا اس کے ساتھ کھانا پینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... محض تفریح، یا وقت ٹلانے کے لئے کسی جان کا ضائع کرنا، یا اس کو اذیت پہونچانا جائز نہیں (۱)۔

= ريشه أوشعره أولاستدفاع شره، وكل ذلك مشروع". (البحر الرائق، كتاب الصيد: ۸/۴۲۶، رشيديه)

"قال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: إذا طلب الصيد لهواً ولعباً، فلا خير فيه وأكرهه. وإن طلب منه مايحتاج إليه من بيع أو إدام أوحاجة أخرىٰ، فلا بأس". (ردالمحتار، كتاب الصيد: ۶/۴۶۲، سعيد)

"الاصطياد مباح إلا إذا كان للتلهي". (خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الصيد: ۴/۳۰۰، امجد اكيڈمی، لاهور)

"عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما، عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم -وقال مرةً سفيان: قال: حدثنى، ولا أعلمه إلا عن النبى صلى الله تعالى عليه وسلم-: "من سكن البادية جفا، ومن اتبع الصيد غفل". (سنن أبى داؤد، كتاب الصيد، باب فى اتباع الصيد: ۲/۳۹۷، مكتبه امداديه ملتان)

"عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما: من قتل عصفوراً بغير حقه، سأله الله عنه يوم القيامة". (فيض القدير: ۱۱/۵۹۴۲، (رقم الحديث: ۸۹۱۰)، مكة المكرمة)

"عن عبدالله بن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "مامن إنسان قتل عصفوراً فما فوقها بغير حقها، إلاسأله الله عزوجل عنها". قيل: يارسول الله! وماحقها؟ قال: "يذبحها فيأكلها، ولا يقطع رأسها يرمى بها". (سنن النسائى: ۲/۲۰۰، كتاب الصيد، إباحة أكل العصافير، قديمى)

(۱) "كل لهو باطل إذا شغله: أى شغل اللاهى به عن طاعة الله: أى كمن التهىٰ بشئ من الأشياء مطلقاً،=

۲......حرام ہے(۱)۔

۳......اگر شریعت کے موافق شکار کیا ہے تو وہ حلال ہے(۲)۔ اور اس کے ساتھ کھانا پینا اور دوستی ومحبت کے تعلقات رکھنا اس نیت سے کہ اس کی اصلاح ہو جائے اور اس کو نصیحت کرتے رہنا اور نماز کے فضائل، نیز اس کے ترک کے عذاب کو بتاتے اور سمجھاتے رہنا بہتر ہے(۳)۔ اگر اس کی اصلاح کی توقع نہ ہو، یا اپنے

= سواء كان مأذوناً في فعله أو منهياً عنه: كمن شغل بصلاة نافلة أوبتلاوة أو ذكر أوتفكر في معاني القرآن -مثلاً- حتى خرج وقت الصلوة المفروضة عمداً، فإنه يدخل تحت هذا الضابط. وإذا كان هذا في الأشياء المرغب فيها المطلوبِ فعلُها، فكيف حال ما دونها". (فتح الباری، کتاب الاستيذان، باب: كل لهو باطل إذا شغله عن طاعة الله: ۹۱/۱۱، دارالمعرفة بيروت)

"قال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: إذا طلب الصيد لهواً ولعباً، فلا خير فيه وأكرهه. وإن طلب منه مايحتاج إليه من بيع أو إدام أوحاجة أخرىٰ، فلا بأس". (ردالمحتار، كتاب الصيد: ۴۶۲/۶، سعيد)

"الاصطياد مباح إلا إذا كان للتلهي". (خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الصيد: ۳۰۰/۴، امجد اکیڈمی، لاهور)

(۱) "عن بريدة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: "العهد الذي بيننا وبينهم الصلوة، فمن تركها فقد كفر".

"عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه قال: أوصاني خليلي أن: "لاتشرك بالله شيئاً وإن قطعت أوحرقت، ولاتترك صلوةً مكتوبةً متعمداً، فمن تركها متعمداً، فقد برء ت منه الذمة". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، الفصل الثاني، والفصل الثالث: ۵۸/۱، ۵۹، قديمی)

(۲) "ولا بد فيه من الجرح، وكون المرسل أو الرامي مسلماً أو كتابياً، وأن لايترك التسمية عمداً عند الإرسال .... اهـ". (مجمع الأنهر: ۲۵۵/۴، كتاب الصيد، مكتبه غفاريه)

(۳) "وينبغي للآمر والناهي أن يرفق ليكون أقرب إلى تحصيل المطلوب، فقد قال الإمام الشافعي: من وعظ أخاه سراً فقد نصحه وزانه، ومن عظه علانية فقد فضحه وشانه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸۶۳/۸، رشيديه)

اوپراس کابُرااثرپڑتاہوتوتعلق نہ رکھے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفااللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۸/۲/۶۱ھ۔

الجواب صحیح:سعیداحمدغفرلہ، صحیح:عبداللطیف،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۸/۲/۶۱ھ۔

زندہ چیز کو کانٹے میں پھنسا کر شکار کرنا

سوال[۸۳۰۶]: زندہ چیز کو کانٹے وغیرہ میں پھنسا کر شکار کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زندہ چیز کانٹے میں پھنسا کر شکار کرنا ناجائز ہے،اس لئے کہ اس میں ایلام وتعذیبِ حیوان ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۹/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح:بندہ محمد نظام الدین،دارالعلوم دیوبند،۲۹/۲/۸۸ھ۔

مچھلی زندہ پکڑنے کے بعد پانی سے باہر مرگئی،اس کے کھانا کا حکم

سوال[۸۳۰۷]: ۱.....مچھلی پانی سے زندہ پکڑی اور پکڑنے کے بعد پانی سے باہر مرگئی تو اس کا کھانا کیسا ہے؟

---

(۱) "والهجر فوق ثلاث دائر مع القصد، فإن قصد هجر المسلم حرم، وإلا فلا : أى بأن كان الهجر لموجبٍ شرعيّ لايحرم، هذا هو المراد". (شرح الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الثانية، (الرقم: ۸۰) : ۱/۱۰۳، إدارة القرآن كراچى)

"رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولايجوز فوقها إلا إذا كان الهجران فى حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك .... وأجمع العلماء على أن من خاف من مكالمة أحد وصلته مايفسد عليه دينه أو يدخل مضرة فى دنياه، يجوز له مجانبته وبعده، ورب صرم جميل خير من مخالطة توذيه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع، الفصل الأول: ۷۵۸/۸، ۷۵۹، رشيديه)

(۲) "وفى هذه الأحاديث تحريم تعذيب الحيوان الآدمى وغيره". (فتح البارى، كتاب الذبائح، باب مايكره من المثلة والمصبورة والمجثمة: ۶۴۵/۹، دارالمعرفة بيروت) .... =

پانی کے اندر لاٹھی سے مچھلی مار کر مرنے کے بعد پکڑنا

سوال[۸۳۰۸]: ۲......مچھلی کا شکار پانی میں لاٹھی سے کیا، لاٹھی لگ کر مچھلی مرگئی، پھر مچھلی پکڑی تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... پانی سے زندہ مچھلی پکڑنے کے بعد اگر مرجائے تو وہ مردار نہیں ہوگی، اس کا کھانا شرعاً درست ہے(۱)۔

۲......زندہ مچھلی کے پانی میں لاٹھی مارنے سے اگر وہ مرجائے تو وہ مُردار نہیں ہوگی، اس کا کھانا درست ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۸/ ۸۹ھ۔

= "وكل طريق أدى الحيوان إلى تعذيب أكثر من اللازم لإزهاق روحه، فهو داخل في النهي ومأمور بالاجتناب عنه". (تكلمة فتح الملهم، كتاب الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح، القتل والتحديد الشفرة: ۵۴۰/۳، مكتبه دارالعلوم كراچى)

"ويكره تعليم البازى بالطير الحى لتعذيبه". (الدرالمختار، كتاب الصيد: ۴۷۴/۶، سعيد)

"ويكره تعليم البازى بالطير الحى يأخذه ويعذبه، ولابأس بأن يعلم بالمذبوح". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الحادى والعشرون فيما يسع من جراحات بنى آدم والحيوانات وقتل الحيوانات ومالايسع من ذلك: ۳۶۲/۵، رشيديه)

(۱) "ولايحل حيوان مائى إلا السمك الذى مات بآفة .... وحل الجراد وأنواع السمك بلا ذكاة". (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۳۰۶/۶، سعيد)

"وحل السمك بلا ذكاة كالجراد". (تبيين الحقائق، كتاب الذبائح: ۴۷۱/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن عبدالله بن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أحلت لنا ميتتان: الحوت والجراد". (سنن ابن ماجة، أبواب الصيد، باب صيد الحيتان والجراد: ۲۳۲/۲، قديمى) .... =

لبِ دریا خطیرہ بنایا، اس میں مچھلیاں آگئیں، ان کا دوسرے کو پکڑنا

سوال[۸۳۰۹]: تقریباً عرصہ ۲۵/ سال سے زید نے کچھ سرکار سے بندوبستی شدہ زمین جو لبِ دریا پر واقع ہے، دریا کے پانی کے طغیان سے حفاظت کی غرض سے سرکار نے اس زمین کی دریائی کنارہ پر ایک اونچی آڑ بنادی ہے، زید نے سرکار سے اجازت لے کر اس آڑ میں ایک نالی اپنی زمین کی محاذات میں بنائی ہے تاکہ حسبِ ضرورت اندرونی پانی نکل جائے، یعنی زید عمرو بکر کی مشرقی زمین کا پانی نکل جائے، پانی زیادہ جمع ہونے سے زراعت کو ضرر رسانی نہ ہو۔ اور اس نالی کے منہ پر ایک حظیرہ بنایا ہے اور اس میں درخت کی شاخیں وغیرہ ڈالی تاکہ مچھلیاں جمع ہوں، چنانچہ عرصہ سے زید اس حظیرہ سے مچھلیاں پکڑتا ہے۔

کبھی اس نالی کی بند کھل کر دریا کا پانی داخل ہونے سے قرب وجوار کی زراعت کا کچھ نقصان ہوتا ہے، مگر شاذ ونادر۔ اب عمر- جو زید کے جار میں سے ہے- کہتا ہے کہ اس نالی کو بند کردو، ورنہ مجھے بھی مچھلیوں میں شریک کرو، یا اپنی زمین کی آڑ اونچی کردو، ورنہ تمہارے لئے یہ مچھلیاں کھانا حرام ہوگا۔ اب یہ چند امور قابلِ استفسار ہیں:

الف...... کیا زید کو وہ پانی بند کرنا پڑے گا؟

ب...... کیا اس حظیرہ سے زید کو مچھلیاں کھانا حرام ہوگا؟

ج...... کیا عمرو کو حقیقۃً اس حظیرہ سے مچھلیاں پکڑنا جائز ہوگا؟

د...... کیا زید کو اپنی آڑ اونچا کرنا پڑے گا؟

ہ...... اگر زید کی بے خبری میں وہ نالی دریا کے تموج سے خود بخود کھل کر نمناک پانی داخل ہو کے قرب وجوار کا کچھ نقصان پہونچے۔ کیا زید پر اس کا ضمان آوے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

نیز دریافت طلب یہ ہے کہ ایک رات عمرو مذکورہ کا بھائی اور ایک دوسرا آدمی ساتھ لے کر زید کے حظیرہ

= "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في مآء البحر: "هو الطهور ماءه والحل ميتته". (سنن النسائي، باب ميتة البحر: ۲/۲۰۰، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الذبائح: ۳۱۳/۸، رشيديه)

سے مچھلیاں پکڑنے کے لئے جا کر وہاں سے کتنی مچھلیاں پکڑ کر لائے اور وہ عمرو مولوی صاحب تھے، ان کے بھائی نے مولوی صاحب کے پاس دے دیا تاکہ مولوی صاحب مچھلیوں کی حفاظت کریں اور مولوی صاحب کو معلوم ہے کہ یہ مچھلیاں زید کے حظیرہ کی مچھلیاں ہیں۔

زید نے مولوی صاحب کے بھائی کو مچھلیاں لے جانے کے وقت دیکھا، لیکن خوفِ لڑائی سے زید نے کچھ بات چیت نہیں کی، پھر صبح زید نے دوسرا آدمی یعنی قریب والے لوگوں کو کہا کہ مولوی صاحب کے بھائی میرے حظیرہ سے مچھلیاں پکڑ کر لے گئے، لیکن اس واقعہ کی تصدیق میں دو تین آدمی کو بلا کر اس حظیرہ میں گئے، انہوں نے علامت اور قرینہ سے معلوم کرلیا کہ واقعی مچھلیاں پکڑی گئی ہیں۔ پھر لوگ کہنے لگے کہ حقیقۃً جا کر دیکھو کہ عمرو کے گھر میں مسروقہ مچھلیاں ہیں یا نہیں۔

زید نے دیکھا کہ عمرو کے مکان کے باہر ساری مچھلیاں بکھری ہوئی ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ تو کیا چاہتا ہے، زید نے جواب دیا: گذشتہ رات تمہارے بھائی میرے حظیرہ سے مچھلیاں پکڑ کر لائے ہیں۔ مولوی صاحب نے جواب دیا کہ میں بھی مچھلیاں پکڑنے میں شریک تھا۔ زید نے جواب دیا اتنا بڑا عالم ہو کر مچھلیاں چوری کی، اگر یونہی مانگ لیتے تو دیدیا جاتا، کیونکہ تم کو پہلے بھی دیا ہے۔ زید کہنے لگا کیا یہ مچھلیاں تمہارے لئے کھانا جائز ہے، مولوی صاحب نے جواب دیا کہ یہ مچھلیاں کھانا جائز ہے اس لئے کہ جو شئی کسب کے ذریعہ سے ہو اس کا کھانا جائز ہوتا ہے، وہ بھی ایسی شئی میں سے ہے یعنی میرے ہاتھ کی پکڑی ہوئی ہے۔

زید نے کہا کہ یہ مچھلیاں میرے حظیرہ کی ہیں اب یہ چوری ہوئی، مولوی صاحب نے جواب دیا کہ تو نے مجھ کو چور کیوں کہا، تو نے میری اہانت کی اور عالم کی اہانت موجبِ کفر ہے۔ نیز مولوی صاحب نے جواب دیا کہ تیری بیوی کو طلاق ہوگئی، نیز داہ بھی لازم آیا(۱)۔ مولوی صاحب نے اس طرح فتویٰ جاری کیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ واقعی بیوی کو طلاق پڑ گئی اور وہ بھی کافر ہوگیا اور وہ داہ آوے گا یا نہیں؟ نیز مولوی صاحب کو حقیقۃً مچھلیاں پکڑنا جائز ہوا یا نہیں؟ اگر وہ واقعی کافر نہیں ہوا اور بیوی کو طلاق نہیں ہوئی تو شرعاً ایسے مفتی پر کیا حکم عائد ہوگا؟

---

(۱) ''داہ: لونڈی، کنیز، ذلیل، خوار''۔ (لغات سعدی، ص: ۳۱۳، سعید)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا......الف......محض اس وجہ سے اس نالی کا بند کرنا زید کے ذمہ ضروری نہیں۔

ب......نہیں، بلکہ مباح ہوگا، لأنہ مباح الأصل (۱)۔

ج......ناجائز ہوگا:

”ولا یجوز بیع سمك لم یصد أو صید وألقی فی حظیرة لایجوز. وفی الزاهدی: إذا اجتمعت بنفسها، فبیعها باطل کیف ماکان، لعدم الملك، اه“. مجمع الأنهر: ۲/۵۵(۲)۔

”وإذا دخل السمك الحظیرة باحتیال، مَلَکه، وکان له بیعه علی التفصیل. وقیل: لامطلقاً، لعدم الإحراز. والخلاف فیما إذا لم یهیّئها له، فإن هیّئها له، ملکه إجماعاً. فإن اجتمع بغیر صنعه، لم یملکه، سواء أخذه من غیر حیلة أولا، اه“. بحر: ۶/۷۳(۳)۔

د......محض مچھلیوں کی اجازت نہ دینے پر تو آڑ کا اونچا کرنے کا مطالبہ ناحق ہے، اگر اس سے زراعت کو نقصان پہونچتا ہے تو پھر مطالبہ درست ہے اور چونکہ آڑ سرکار نے بنائی ہے، اس لئے اونچا کرنے کا مطالبہ سرکار ہی سے کیا جائے (۴)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿أحل لکم صید البحر وطعامه متاعاً لکم وللسیارة﴾ (المائدة: ۹۶)

”أي: مایصاد فی الماء، بحراً کان أو نهراً أو غیراً، أو هو مایکون توالده ومثواه فی الماء مأکولاً کان أو غیره، کما فی البدائع“. (روح المعانی: ۷/۳۰، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) (مجمع الأنهر، باب البیع الفاسد: ۲/۵۵، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۳) (البحر الرائق، باب البیع الفاسد: ۶/۱۱۹، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، البیع الفاسد: ۴/۳۶۴، دارالکتب العلمیة بیروت)

”وفسد بیع سمک لم یُصد، أو صِیَد ثم أُلقی فی مکان لایؤخذ منه إلابحیلة وأخذ بدونها، صح، إلا إذا دخل بنفسه ولم یسدّ مدخله، فلو سدّه، ملکه“. (الدرالمختار، باب البیع الفاسد: ۵/۶۰، سعید)

(۴) ”لایمنع أحد من التصرف فی ملکه أبداً، إلا إذا أضرّ بغیره ضرراً فاحشاً“. (شرح المجلة، ص: ۶۵۷، (رقم المادة: ۱۱۹۷)، مکتبه حنفیه کوئٹه) .... =

ہ...... چونکہ یہ نالی زید نے سرکار کی اجازت سے کھولی ہے، اس لئے اگر قرب والوں کو نقصان کا قوی اندیشہ ہو تو باقاعدہ سرکار سے درخواست دے کر بند کرادیں، اگر باوجود درخواست دینے اور بندش کا حکم سرکار کی طرف سے صادر ہونے کے زید نے نالی کو بند نہ کیا تو پھر نقصان کا زید ضامن ہوگا(۱)۔

۲...... جوابِ سوال نمبر:۱(ج) کی نقل کردہ عبارت کا حاصل یہ ہے کہ: اگر مچھلیوں کے لئے کسی شخص نے حظیرہ بنالیا اور اس میں مچھلیاں داخل ہوگئیں تو وہ حظیرہ والے کی ملک ہیں۔ اور صورت مسئولہ میں زید نے مچھلیوں کے لئے حظیرہ بنایا ہے، پس اس کی مچھلیاں زید کی ملک ہیں، عمرو وغیرہ کو ان کا پکڑنا اور کھانا بغیر زید کی اجازت کے ناجائز ہے۔

عمر کا استدلال صورتِ مذکورہ پر منطبق نہیں، بلکہ اگر کوئی شخص غیر مملوک مباح الاصل مچھلی وغیرہ کو پکڑے، اس وقت اس کو یہ استدلال درست ہوگا اور صورت مسئولہ میں چونکہ وہ مچھلیاں زید کی مملوک ہو چکی ہیں اس لئے یہ استدلال درست نہیں۔

واقعہ مذکورہ کی بناء پر زید کو کافر اور اس کی بیوی کو مطلقہ کہنا اور زید کو مستحقِ داہ قرار دینا ہرگز درست نہیں۔ کفر بہت بڑی چیز ہے، کسی پر کفر کا فتویٰ لگانے کے لئے سخت ترین احتیاط کی ضرورت ہے۔ ان مولوی صاحب کے ذمہ اپنے فتوے سے رجوع کرنا واجب ہے اور ایسے شخص کو بغیر تحقیق کے فتویٰ دینا قطعاً ناجائز ہے۔

اہانتِ عالم کی وجہ سے کفر کا فتویٰ دینا قطعاً ناجائز ہے۔ جب کہ وہ اہانت کسی اَور سبب سے ہو بلکہ علمِ دین کی وجہ سے نہ ہو، یعنی کسی نے علمِ دین کی اہانت کی ہو تو چونکہ علم صفتِ خداوندی ہے، اس لئے اس کی اہانت کی وجہ سے اہانت کرنے والے کی تکفیر کی جاتی ہے۔ اور یہاں تو ظاہر ہے کہ جو کچھ مولوی صاحب کو کہا ہے ان کے اس فعل کی بناء پر کہا ہے، علم کی اہانت کے لئے نہیں کہا:

= "وكذا لو كان لرجل عرصةٌ متصلةٌ بدار آخر، فشق فيها خرقاً إلى طاحونه، وجرى الماء يوهن جدار الدار، أو اتخذ واحدٌ فى أساس جدار جاره مزبلةً، و إلقاء القمامة يضرّ بالجدار، فلصاحب الجدار أن يكلّفه رفع الضرر. وكذا إذا اتخذ فى ملكه بئراً أو بالوعةً، فنزّ منها حائط جاره، فلِجاره أن يُجبره على رفع الضرر". (شرح المجلة، ص: ۶۵۹، (رقم المادة: ۱۲۰۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "المسبب لايضمن إلا بالتعمد". (شرح المجلة، (رقم المادة: ۹۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ویخاف علیه الکفر إذا شتم عالماً أو فقیهاً من غیر سبب، اه". بحر: ١٢٣/٥ (١)۔

"الاستخفاف بالعلماء لکونهم علماء استخفافٌ بالعلم، والعلم صفة اللّٰه تعالیٰ منحه فضلاً علی خیار عباده لیدلوا خلقه علی شریعته نیابةً عن رُسله، فاستخفافه بهذا یعلم أنه إلیٰ من یعود؟........... قال للفقیه: "**دانشمندک**" أو لعلویٍ "**علویک**" یکفر إن قصد به الاستخفاف بالدین. وإن لم یُرد به الاستخفاف بالدین، لایکفر. وشتم العالم أو العلوی لأمر غیر صالح فی ذاته وعداوته لخلافه الشرع لا یکون کفراً، اه". فتاویٰ بزازیه: ٣٣٦/٦ (٢)۔

"وفی فتاویٰ الصغری: الکفر شئٌ عظیمٌ، فلا أجعل المؤمن کافراً متی وجدت راویةً أنه لایکفر، اه. .... إذا کان فی المسئلة وجوه توجب التکفیر ووجه واحد یمنع التکفیر، فعلی المفتی أن یمیل إلی الوجه الذی یمنع التکفیر تحسیناً للظن بالمسلم، اه". بحر: ١٢٤/٥ (٣)۔

بغیر دلیلِ شرعی کسی کو چور کہنا اور بائیکاٹ وغیرہ کی سزا دینا ناجائز ہے، اگر مولوی صاحب کو شبہ ہے تو ان کو چاہیے کہ باقاعدہ حاکم کی عدالت میں دعویٰ کر کے اپنے دعویٰ کو دلیل سے ثابت کریں اور زید کو حکومت سے سزا دلوائیں بغیر ثبوت کے خود بائیکاٹ وغیرہ کا حکم کر دینا ناجائز ہے اور ظلم ہے:

---

(١) (البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ٢٠٧/٥، رشیدیه)

(٢) (البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الفاظ تکون إسلاماً أو کفراً، الثانی فی الاستخفاف بالعلم: ٣٣٦/٦، رشیدیه)

(٣) (البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ٢١٠/٥، رشیدیه)

"من أبغض عالماً من غیر سبب ظاهر، خیف علیه الکفر". (شرح الفقه الأکبر، فصل فی العلم والعلماء، ص: ٢١٣، قدیمی)

"إذا کان فی المسئلة وجوه توجب التکفیر، ووجه واحد یمنعه، فعلی المفتی أن یمیل إلی الوجه الذی یمنع التکفیر تحسیناً للظن بالمسلم .... لایفتی بکفر مسلم أمکن حمل کلامه علی محمل حسن، أو کان فی کفره اختلاف ولوروایةً ضعیفةً". (ردالمحتار، کتاب الجهاد، باب المرتد: ٢٣٠/٤، سعید)

"من قذف مسلماً بيافاسق وهو ليس بفاسق أو ياسارق وهو ليس بسارق، عزّر، اه".

هنديه مختصراً: ۲/۱٦۸(۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۲/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ ہذا۔

مملوک حوض سے مچھلی پکڑنا

سوال[۸۳۱۰]: بہت سے لوگ اس علاقہ میں اپنی زمین میں حوض کھدواتے ہیں اور اس میں چھوٹی بڑی ہر قسم کی مچھلی پالتے ہیں، بوقتِ ضرورت نکال کر فروخت کرتے اور کھاتے ہیں۔ زید ایک رات چپ چاپ گیا اور بغیر اجازت مچھلی لے آیا۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ مچھلی لانا جائز نہیں، بغیر مالک کی اجازت کے۔ وہ کہتا ہے کہ جو مچھلی پکڑے اس کی مِلک ہے، میرا پکڑنا اور لانا جائز ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اپنی زمین میں حوض کھدوا کر اس میں مچھلی لا کر ڈالنے اور پالنے سے وہ مچھلی مالک کی ہو جاتی ہے، بغیر مالک کی اجازت کے اس کے پکڑنے کا کسی کو حق نہیں۔ البتہ خود پیدا شدہ مچھلی جیسے عام دریا اور تالاب میں ہوتی ہے، اس کے پکڑنے کا ہر ایک کو حق ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۸/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۵/۸۸ھ۔

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية، فصل في التعزير: ۱٦۸/۲، رشيديه)

(۲) "والحاصل -كما في الفتح- أنه إذا دخل السمك في حظيرة، فإمّا أن يعدها لذلك أولا، ففي الأول يملكه وليس لأحد أخذه. ثم إن أمكن أخذه بلا حيلة، جاز بيعه؛ لأنه مملوك مقدور التسليم، وإلالم يجز، لعدم القدرة على التسليم. وفي الثاني لايملكه، فلا يجوز بيعه، لعدم الملك، إلا أن يسدّ الحظيرة إذا دخل فحينئذ يملكه. ثم إن أمكن أخذه بلا حيلة، جاز بيعه، وإلا فلا. وإن لم يعدها لذلك لكنه أخذه وأرسله فيها، ملكه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ٦۱/۵، سعيد)

سور کے خون سے آلودہ برچھی سے شکاری کے زخمی کئے ہوئے جانور کا حکم

سوال[۸۳۱۱]: ایک پہاڑ اشکاری کا زخمی کیا ہوا جار ہاتھا، راستہ میں سور کی برچھی سے (جس میں سور کا خون لگا ہوا تھا) اس پر وار کردیا، پھر اس کو ذبح کردیا گیا۔ وہ گوشت کھانے کے قابل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ ماکول اللحم جانور ہے اور اس کو بحالتِ حیات شرعی طریق سے ذبح کرلیا ہے (۱) تو اس کا گوشت کھانا جائز ہے، پاک کر کے کھانا چاہیے (۲)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۲/۱۲/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ محرم الحرام/۵۲ھ۔

---

(۱) "وإن أدركه حياً، ذكاه، لقوله عليه الصلوة والسلام لعدىّ: "إذا أرسلت كلبك، فاذكر اسم الله تعالىٰ عليه، فإن أمسك عليك وأدركته حياً، فاذبحه". (البحر الرائق، كتاب الصيد: ۴۱۲/۸، رشيديه)

"وإن أدركه حياً، زكاه". (تبيين الحقائق، كتاب الصيد: ۱۱۷/۷، دار الكتب العلمية بيروت)

"وإذا أدرك الصيد حياً حياةً فوق المذبوح، فلا بد من زكوته، فإن تركها متمكناً منها، حرم .... وإن لم يبق من حياته إلا مثل حياة المذبوح وهو لايتوهم بقاءه، فلم يدركه حياً. وقيل: عند الإمام لابد من تزكيته أيضاً، فإن زكاه حلّ إجماعاً". (مجمع الأنهر، كتاب الصيد: ۲۶۶/۴، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصيد: ۴۶۹/۶، سعيد)

(۲) "الكلب إذا أكل بعض عنقود العنب يغسل ماأصاب فمه ثلاثاً لتنجسه بلعابه كما يغسل الإناء من ولوغه ثلثاً". (الحلبي الكبير، فصل في الآسار، ص: ۱۹۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب الثالث، الفصل الثاني فيما لايجوز به التوضوء: ۲۴/۱، رشيديه)

"ولو صبت الخمرة في قدر فيها لحم إن كان قبل الغليان، يطهر اللحم بالغسل ثلاثاً".

(ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب في تطهير الدهن والغسل: ۳۳۴/۱، سعيد)

عضوِ شکار ذبح سے پہلے جدا ہو گیا

سوال[۸۳۱۲]: ایک نیل گائے پر شکاری نے بندوق سے فائر کیا، ایک ران شکار سے جدا ہوگئی، شکار آگے نکل گیا۔ زید نے دوڑ کر شکار کو پکڑا اور اسے شرع کے مطابق ذبح کیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو ران کٹ کر پہلے ہی گر گئی تھی، اس کا کیا حکم ہے، اسے کھایا جائے یا نہیں؟

حاجی عبدالرزاق، کرنیل گنج، کانپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ ران مردار ہے، اس کا کھانا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کتے کے ذریعہ شکار

سوال[۸۳۱۳]: شکاری کتے کو "بسم اللّٰه، اللّٰه أكبر" پڑھ کر چھوڑا، جب تک کتے نے شکار مالک کو لا کر دیا، شکار مر چکا تھا۔ اب اس کا کھانا کیسا ہے؟

---

(۱) "عن أبي واقد رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ماقطع من البهيمة وهي حية، فهي ميتة". (سنن أبي داؤد، كتاب الصيد، باب في اتباع الصيد: ۳۹/۲، مكتبه إمداديه ملتان)

"عن واقد الليثي قال: قدم النبي المدينة وهم يحبّون أسنمة الإبل، ويقطعون إليات الغنم، فقال: "ماقطع من البهيمة، فهو ميتة". (جامع الترمذي، أبواب الصيد، باب ماجاء ماقطع من الحي فهو ميت: ۲۷۳/۱، سعيد)

"عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ماقطع من البهيمة وهي حيةٌ، فما قطع منها، فهو ميتة". (سنن ابن ماجه، أبواب الصيد، باب ماقطع من البهيمة وهي حية، ص: ۲۳۱، قديمي)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصيد: ۴۷۳/۶، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر: ۲۶۴/۴، كتاب الصيد، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الجوهرة النيرة، كتاب الصيد: ۲۷۴/۲، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

شکار پر "بسم اللہ، اللہ أکبر" کہہ کر تعلیم یافتہ کتے کو چھوڑا اور کتے نے شکار کو پکڑ لیا، شکاری ابھی وہاں تک نہیں پہونچ سکا تھا کہ شکار مر گیا تو وہ شکار حلال ہے(۱)، بشرطیکہ کتے نے اس کو زخمی کر دیا ہو جس سے کچھ خون بھی نکلا ہو(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۲/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "عن عدیّ بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: سألت رسول اللہ، قلت: إنا نصيد بهذه الكلاب، فقال لی: "إذا أرسلت كلابک المعلمة، وذكرت اسم اللہ، عليها فكل مما أمسكن عليک". قلت: وإن قتلن؟ قال: "وإن قتلن.......... اهـ". (سنن أبی داؤد، كتاب الصيد، الباب الثانی فی الصيد، باب الصيد: ۳۹/۲، إمداديه ملتان)

"عن عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قلت: يارسول اللہ! إنا نرسل كلاباً لنا معلمةً، قال: "كل ما أمسكن عليک". قلت: يارسول اللہ! وإن قتلن؟ قال: "وإن قتلن". (جامع الترمذی، أبواب الصيد، باب ماجاء مايوكل من صيد الكلب ومالايوكل: ۲۷۱/۱، سعيد)

"عن عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: سألت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ عليه وسلم فقلت: "إنا قوم نصيد بهذه الكلاب، قال: "إذا أرسلت كلابک المعلمة وذكرت اسم اللہ عليهما، فكل ما أمسكن عليک وإن قتلن". (سنن ابن ماجة، ص: ۲۳۱، باب صيد الكلب، قديمی)

(وكذا فی كتاب الأثار، باب صيد الكلب، ص: ۱۸۱، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی ردالمحتار، كتاب الصيد: ۴۶۵/۶، سعيد)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿يسئلونک ماذا أحلّ لهم قل أحلّ لكم الطيبات وماعلمتم من الجوارح﴾ (سورة المائدة: ۴)

"وأما الاصطياد بالجوارح من الحيوانات: إما بناب كالكلب والفهد ونحوهما، وإما بالمخلب كالبازی والشاهين ونحوهما، فكذلک فی الرواية المشهورة أنه إذا لم يجرح لايحل، حتى لوخنق أو سدم ولم يجرح ولم يسكر عضواً منه، يحل فی ظاهر الرواية". (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح والصيود: ۲۱۹/۶، دارالكتب العلمية بيروت) .... =

کتے کا شکار کو پکڑنا

سوال[۸۳۱۴]: کتا شکار کو پکڑ لیتا ہے اور پھر شکاری ذبح کر لیتا ہے۔ اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے، هکذا فی کتب الفقه(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم، ۵۲/۱۲/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/محرم الحرام/۵۳ھ۔

کتے کو "بسم اللہ" پڑھ کر ہرن پر چھوڑا، اس نے اول خنزیر کو پکڑا پھر ہرن کو

سوال[۸۳۱۵]: شکاری نے کتا شکار کے پیچھے چھوڑا، اچانک اس نے ایک خنزیر کو پکڑ لیا اور اس کے خون میں دانت آلودہ کرنے کے بعد ہرن کو پکڑ لیا اور وہ ہرن مر گیا۔ اب اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے تو جس نے کھایا ہے اس کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے؟ اور اگر اس کتے نے ہرن کو نہیں مارا بلکہ وہ ذبح کیا گیا تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کتے نے ہرن کو گلا گھونٹ کر مارا ہے زخمی نہیں کیا ہے، یا وہ کلبِ معلَّم نہیں، یا اس کتے کو بغیر "بسم اللہ" پڑھے چھوڑا ہے تو وہ ہرن حرام ہو گیا، اس کا کھانا حرام ہے(۲)، جس نے کھایا وہ گنہگار ہے توبہ لازم ہے۔

=(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصيد: ۸/۴۱۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصيد: ۷/۱۱۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الصيد: ۴/۲۵۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) (تقدم تخريجه تحت المسئلة المتقدمة آنفاً)

(۲) "وهو (أى الصيد) جائز بالجوارح المعلمة .... ولابدّ فيه من الجرح .... وأن لايترك التسمية عمداً عند الإرسال.......... اهـ". (ملتقى الأبحر، كتاب الصيد: ۴/۲۵۴، مكتبه غفاريه)

"ولا بد من التعليم لقوله تعالىٰ: ﴿وما علّمتم من الجوارح مكلبين تعلمونهن﴾". (تبيين =

اور اگر وہ کلبِ معلم ہے اور اس کو "بسم اللّٰہ" پڑھ کر چھوڑا ہے اور اس نے ہرن کو زخمی کر دیا، نیز درمیان میں محض خنزیر کو بطورِ شکار پکڑنے کے لئے ٹھہرا اور پھر فوراً ہرن پر دوڑ گیا، تاخیر نہیں کی اور نہ کسی اَور طرف متوجہ ہوا تو ہرن کا کھانا درست ہے(۱)۔ اگر کتے نے نہیں مارا، بلکہ ذبح کر دیا گیا تو بہرحال درست ہے، البتہ جس جگہ کتے کے دانت لگے ہوں اس جگہ کو پاک کرلیا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

کتے کے منہ سے گوشت چھین کر خود کھانا

سوال[۸۳۱۶]: ایک شکاری آدمی نے اپنا شکاری کتا ہرن کے پیچھے چھوڑا، اور شکاری کتے نے ہرن کر پکڑ لیا، اس کے مالک نے پہونچ کر ہرن کو ذبح کرلیا اور پھر کتا داؤ لگا کر گوشت کا ٹکڑا اٹھا کر بھاگ گیا، کتے کا مالک بھی پیچھے بھاگا اور وہ ٹکڑا چھڑا لیا اور اس کو دھو کر کھالیا۔ کیا شرعاً ایسا گوشت جو کتے کے منہ سے چھوڑایا

= الحقائق: ۱۱۲/۷، دارالکتب العلمیة بیروت)

"أوخنقه الكلب ولم يجرحه، أو شاركه كلب غير معلم، أو كلب مجوسي، أو كلبٌ لم يذكر اسم الله عليه عمداً، حرم". (تبيين الحقائق، كتاب الصيد: ۱۱۷/۷، دارالكتب العلمية بيروت)

"أوخنقه الكلب ولم يجرحه، أو شاركه كلبٌ غير معلم، أوكلب محوسي، أو كلب لم يذكر اسم الله عليه عمداً، حرم". (البحر الرائق، كتاب الصيد: ۴۱۲/۸، رشيديه)

(۱) "ولو أرسل كلبه المعلم على صيد معين فأخذه غيره وهو على سننه، حل". (تبيين الحقائق، كتاب الصيد: ۱۲۱/۷، دارالكتب العلمية بيروت)

"وإن أرسله على صيد، فأخذ غيره، حل مادام على سنن إرساله. قال في المجمع: إن الإرسال شرط غير مقيد؛ لأن المقصود حصول الصيد؛ إذ لايقدر على الوفاء به؛ إذ لايمكنه تعليمه على وجه يأخذه ماعينه، فسقط اعتباره مادام لم يعدل عن سننه". (مجمع الأنهر: ۲۶۰/۴، كتاب الصيد، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "الكلب إذا أكل بعض عنقود العنب، يغسل ما أصاب فمه ثلاثاً، لتنجسه بلعابه، كما يغسل الإناء من ولوغه ثلاثاً". (الحلبي الكبير، فصل الآسار، ص: ۱۹۴، سهيل اكيڈمی، لاهور)

ہو پاک ہے اور حلال ہوسکتا ہے؟ اور کیا اس کا کھانا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہ گوشت پاک کرلیا گیا تو شرعاً اس کا کھانا درست ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں، پاک کرنے سے گوشت پاک ہوجاتا ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۰/۶/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۲/ جمادی الثانیہ/ ۵۹ھ۔

کیچوے کے ذریعہ مچھلی کا شکار

سوال[۸۴۱۷]: کیچوا کانٹے میں لگا کر مچھلی کا شکار کرنا شرعاً کیسا ہے اور ایسی شکار کی ہوئی مچھلی بھی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مچھلی درست ہے، کیچوا اگر مار کر کانٹے میں لگا کر شکار کیا جائے تو یہ فعل بھی درست ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

---

(۱) "الكلب إذا أكل بعض عنقود العنب، يغسل ماأصاب فمه ثلاثاً، لتنجسه بلعابه كما يغسل الإناء من ولوغه ثلثاً". (الحلبي الكبير، كتاب الطهارة، فصل في الآسار، ص: ۱۹۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

"ويغسل الإناء من ولوغ الكلب ثلاثاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب الثالث، الفصل الثاني فيما لايجوز به التوضؤ: ۱/۲۴، رشيديه)

"ولو صبت الخمرة في قدر فيها لحم إن كان قبل الغليان، يطهر اللحم بالغسل ثلاثاً". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب في تطهير الدهن والعسل: ۱/۳۳۴، سعيد)

(۲) کیچوا اگر زندہ ہونے میں ہی کانٹے میں لگایا جائے تو یہ صورت جائز نہیں، کیونکہ اس میں تعذیبِ حیوان ہے جو کہ حرام ہے، البتہ کیچوا مار کر کانٹے میں لگانے میں کوئی حرج نہیں:

"وفي هذه الأحاديث تحريم تعذيب الحيوان الآدمي وغيره". (فتح الباري، كتاب الذبائح، باب مايكره من المثلة والمصبورة والمجثمة: ۹/۶۴۵، دارالمعرفة بيروت) .... =

کیچوے کے ذریعہ شکار

سوال[۸۳۱۸]: ۱......مچھلی کا شکار مرے ہوئے کیچوے کے ذریعہ کیسا ہے؟

زندہ مینڈک سے شکار

سوال[۸۳۱۹]: ۲......اور نیز زندہ مینڈک سے شکار کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......جائز ہے(۱)۔

۲......زندہ جانور کو کانٹے میں لگا کر شکار کرنا ممنوع ہے(۲)، اس کو مار کر لگانا اور پھر شکار کھیلنا

= "وكل طريق أدى الحيوان إلى تعذيب أكثر من اللازم لإزهاق روحه، فهو داخل في النهى ومأمور بالاجتناب عنه". (تكلمة فتح الملهم، كتاب الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح، القتل والتحديد الشفرة: ۳/۵۴۰، مكتبه دارالعلوم كراچى)

"ويكره تعليم البازى بالطير الحى لتعذيبه". (الدرالمختار، كتاب الصيد: ۶/۴۷۴، سعيد)

"ويكره تعليم البازى بالطير الحى يأخذه ويعذبه، ولابأس بأن يعلم بالمذبوح". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الحادى والعشرون فيما يسع من جراحات بنى آدم والحيوانات وقتل الحيوانات ومالايسع من ذلك: ۵/۳۶۲، رشيديه)

(۱) "وحل اصطياد مايؤكل لحمه، ومالايؤكل؛ لقوله تعالىٰ: ﴿وإذا حللتم فاصطادوا﴾ مطلقاً من غير قيد بالمأكول؛ إذ الصيد لايختص بالمأكول .... ولأن الاصطياد سبب الانتفاع بجلده أو ريشه أو شعره أو لاستدفاع شره وكل ذلك مشروع". (تبيين الحقائق، كتاب الصيد: ۷/۱۳۴، دارالكتب العلمية بيروت)

"الصيد مباح إلا للتلهى أو حرفة". (الأشباه والنظائر مع شرح الحموى، كتاب الصيد، الفن الثانى: ۳/۲۲۴، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى الدرالمختار، كتاب الصيد: ۶/۴۶۲، سعيد)

(۲) "وفى هذه الأحاديث تحريم تعذيب الحيوان الآدمى وغيره، قال عليه الصلوة والسلام: "إن الله كتب الإحسان على كل شئ، فإذا قتلتم، فأحسنوا القتلة، وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح، وليحد أحدكم =

درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۲/۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۲/۸ھ۔

بندوق کے شکار کا حکم

سوال [۸۳۲۰]: ایک شخص نے مرغابی کا شکار بندوق کی گولی سے کیا۔ تلاش کرنے کے بعد وہ مری ہوئی حالت میں پایا گیا اور پھر اس کو ذبح کر دیا گیا جس سے تھوڑا سا گرم خون بھی نکلا۔ اس کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگوں نے اس کا گوشت بھی کھایا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بندوق میں جو گولی ہوتی ہے یا چھرّا ہوتا ہے وہ چاقو یا تیر کی طرح دھاردار نہیں ہوتی، وہ تیر کے حکم میں نہیں۔ اگر "بسم اللہ" پڑھ کر بندوق چلائی اور اس سے جانور مر جائے، ذبح کی نوبت نہ آئے تو وہ جانور حلال نہیں (۱)۔ اگر

= شفرته، وليرح ذبيحته". قال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالىٰ: "قال ابن أبي جمرة: فيه رحمة الله لعباده حتى في حال القتل فأمر بالقتل، وأمر بالرفق فيه، ويؤخذ منه قهره لجميع عباده؛ لأنه لم يترك لأحد التصرف في شئ إلا وقد حدّله فيه كيفيةً". (فتح الباري، كتاب الصيد والذبائح، باب مايكره من المثلة: ۹/۶۴۴، دار المعرفة بيروت)

"ويكره تعليم البازي بالطير الحيّ لتعذيبه". (الدر المختار، كتاب الصيد: ۶/۴۷۴، سعيد)

(۱) "ولا يخفى أن الجرح بالرصاص إنما هو بالإحراق والثقل بواسطة اندفاعه العنيف؛ إذ ليس له حد، فلا يحل، وبه أفتى ابن نجيم". (ردالمحتار، كتاب الصيد: ۶/۴۷۱، سعيد)

"والأصل أن الموت إذا حصل بالجرح بيقينٍ، حل. وإن بالثقل أوشک فيه، فلا يحل حتماً أو احتياطاً". (تبيين الحقائق، كتاب الصيد: ۷/۱۲۹، دار الكتب العلمية بيروت)

"عن إبراهيم عن عدي بن حاتم قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا رميت فسمت فخرقت فكلْ، وإن لم يخرق فلا تأكل، ولا تأكل من المعراض إلا ماذكيت، ولا تأكل من البندقة إلا ماذكيته". (نيل الأوطار، أبواب الصيد، باب النهي عن الرحي بالبندق ومافي معناه: ۹/۱۳، دار الباز للنشر والتوزيع) .... =

اس کو زندہ پالیا اور شرعی طریقہ پر ذبح کرلیا تو وہ حلال ہوگا(۱)۔ اگر وہ مر چکا تھا پھر ملا تو ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوگا، اس صورت میں اس کے غائب ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ذبح کرنے سے پہلے اگر اس کی موت وحیات مشکوک ہو اور ذبح کرنے پر اس میں کوئی حرکت نہ ہو، جیسے زندہ جانور کو ذبح کرتے وقت حرکت ہوتی ہے اور نہ اس طرح سے اس میں خون نکلے تو وہ حلال نہیں (۲)۔ محض خون نکلنا علامتِ حیات نہیں، مگر خون اس طرح جوش کے ساتھ نکلے جس طرح زندہ سے نکلتا ہے تو وہ علامتِ حیات ہے:

"قال في البزازية: وفي شرح الطحاوي: خروج الدم لايدل على الحيوة، إلا إذا كان يخرج كما يخرج من الحيّ عند الإمام، وهو ظاهر الرواية، اهـ". شامي: ۵/۱۹۶ (۳)۔

= "وأما الحنفية فالجمهور منهم في ديارنا على عدم خل المصيد بالرصاص مالم يُدرك حياً فيذبح بطريق مشروع، وحجتهم مامرّ عن ابن عابدين من أن الرمي بالرصاص رض ووقذ، وليس جرحاً. وما ذكره الرافعي من أنه إن وقع الشك ولايُدرى مات بالجرح أو الثقل، كان حراماً". (تكملة فتح الملهم، كتاب الصيد والذبائح، حكم الصيد ببندقة الرصاص: ۳/۴۹۱، دارالعلوم كراچی)

(۱) "عن عدي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ولا تأكل من البندقة إلا ماذكيت". (تكملة فتح الملهم، كتاب الصيد والذبائح، حكم الصيد ببندقة الرصاص: ۴۸۸/۳، مكتبه دارالعلوم كراچی)

(۲) "ولو ذبح شاةً لم تعلم حياتها، فتحركت أو خرج منها دمٌ، حلت، وإلا فلا. وإن علمت، حلت مطلقاً". (ملتقى الأبحر: ۱۶۴/۴، كتاب الذبائح، مكتبه غفاريه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الذبائح، فصل فيما يحل ولايحل: ۳۱۵/۸، رشيديه)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۳۰۸/۶، سعيد)

"وفيه أيضاً وإن ذبح شاةً أو بقرةً، فخرج منها دمٌ ولم تتحرك، وخروجه مثل مايخرج من الحي، أكلت عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول: ۲۸۶/۵، رشيديه)

"وخروج الدم لايدل على الحياة، إلا إذا كان يخرج كما يخرج من الحي، وهذا عند أبي =

قلت: ومسئلة المذبوحة مذكورة فيها في: ٥/٣٠٤(١)۔ اس تفصیل پر آپ اپنے مرغابی کا مسئلہ منطبق کرلیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود۔

بندوق سے شکار

سوال[۸۳۲۱]: بندوق سے شکار کیا ہوا جانور کتنی دیر میں مردہ قرار دیا جاتا ہے،اگر شکاری "بسم اللہ" کہہ کر گولی چلائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شکاری "بسم اللہ" پڑھ کر گولی چلائے اوراس سے جانور (چرند پرند) مرجائے تووہ مردار ہوجائے گا(۲)۔ اگراس کے مرنے سے پہلے ذبح کرلیا جائے تو حلال ہوجائے گا(۳)۔بے حس وساکت جانور کوذبح کرنے

= حنيفة رحمه الله، وهو ظاهر الرواية". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الفصل الأول: ٣٠٥/٦، رشيديه)

(١) "(قوله: ولو عجز عن التذكية) بأن لم يجد آلةً أصلاً، أو يجد لكن لايبقى من الوقت مايمكن تحصيل الآلة والاستعداد للذابح، وهذا إذا كان فيه عن الحياة أكثر مما في المذبوح بعد الذبح، وأما إذا كان مثله فهو ميت حكماً، فيحل إجماعاً .... روى عن أصحابنا الثلاثة أنه يؤكل استحساناً، وقيل بأن هذا أصح". (ردالمحتار، كتاب الصيد: ٤٧١/٦، سعيد)

(٢) "عن عدى رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "ولا تأكل من البندقة إلا ماذكيت". (تكملة فتح الملهم، كتاب الصيد والذبائح، حكم الصيد ببندقة الرصاص: ٤٨٨/٣، مكتبه دارالعلوم كراچى)

(٣) "ولا يخفى أن الجرح بالرصاص إنما هو بالإحراق والثقل بواسطة اندفاعه العنيف؛ إذ ليس له حد، فلا يحل، وبه أفتى ابن نجيم". (ردالمحتار، كتاب الصيد: ٤٧١/٦، سعيد)

"والأصل أن الموت إذا حصل بالجرح بيقين، حل. وإن بالثقل أوشك فيه، فلا يحل حتماً أو احتياطاً". (تبيين الحقائق، كتاب الصيد: ١٢٩/٧، دارالكتب العلمية بيروت)

"عن إبراهيم عن عدى بن حاتم رضى الله تعالىٰ عنه قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

سے اگر خون نکلا جیسا کہ زندہ کو ذبح کرنے سے نکلتا ہے تو وہ حلال ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/ ۵/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/ ۵/ ۸۸ھ۔

بندوق کی گولی سے شکار

سوال [۸۳۲۲]: اگر کوئی شخص شکار کھیلنے لگا اور تکبیر کہہ کر شکار پر بندوق چلائی اور اس کی گولی سے شکار مرگیا، شکاری کے شکار تک پہونچنے سے قبل، تو اس کا کیا حکم ہے، شکار کا گوشت کھایا جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کا کھانا درست نہیں:

"أوبندقة ثقلية ذات حدة، لقتلها بالثقل لا بالحدّ، اه". قال الشامی: "ولا يخفى أن الجرح بالرصاص إنما هو بالإحراق والثقل وبواسطة اندفاعه العنيف؛ إذ ليس له حدّ، فلا يحل، وبه أفتى ابن نجيم، اه". درمختار: ٥/٤١٧ (٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= "إذا رميت فسميت فخرقت، فكُلْ، وإن لم يخرق فلا تأكل. ولا تأكل من المعراض إلا ماذكيت، ولا تأكل من البندقة إلا ماذكيته". (نيل الأوطار، أبواب الصيد، باب النهي عن الرمي بالبندق ومافي معناه: ١٣/٩، دارالباز للنشر والترزيع)

"وأما الحنفية فالجمهور منهم في ديارنا على عدم حل المصيد بالرصاص مالم يُدرك حياً، فيذبح بطريق مشروع، وحجتهم مامرّ عن ابن عابدين من أن الرمي بالرصاص رض ووقذ، وليس جرحاً. وما ذكره الرافعي من أنه إن وقع الشك ولايُدرى: مات بالجرح أو الثقل، كان حراماً". (تكملة فتح الملهم، كتاب الصيد والذبائح، حكم الصيد ببندقة الرصاص: ٣/ ٤٩١، دارالعلوم كراچي)

(١) "ولو ذبح شاةً لم تعلم حياتها، فتحركت أو خرج منها دمٌ، حلت، وإلا فلا. وإن علمت، حلت مطلقاً". (ملتقى الأبحر: ٤/ ١٦٤، كتاب الذبائح، مكتبه غفاريه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الذبائح، فصل فيما يحل ولايحل: ٨/ ٣١٥، رشيديه)

(٢) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصيد: ٦/ ٤٧١، سعيد) .... =

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۶/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۶/ ۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= عن عدی رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : "ولا تأکل من البندقة إلا ما ذکیت". (تکملة فتح الملهم، کتاب الصید والذبائح، حکم الصید ببندقة الرصاص: ۴/ ۴۸۸، مکتبه دارالعلوم کراچی)

"والأصل أن الموت إذا حصل بالجرح بیقین، حل وإن بالثقل أو شک فیه، فلا یحل حتماً أو احتیاطاً". (تبیین الحقائق، کتاب الصید: ۷/ ۱۲۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

"وأما الحنفیة فالجمهور منهم فی دیارنا علی عدم حل المصید بالرصاص مالم یدرک حیّاً، فیذبح بطریق مشروع، وحجتهم مامر عن ابن عابدین من أن الرمی بالرصاص رض ووفذ، ولیس جرحاً، وماذکره الرافعی من أنه إن وقع الشک ولایدرک مات بالجرح أو الثقل کان حراماً". (تکملة فتح الملهم، کتاب الصید والذبائح، حکم الصید ببندقة الرصاص: ۳/ ۴۹۱، مکتبه دارالعلوم کراچی)

باب الذبائح

الفصل الأول في من يصح ذبحه ومن لايصح

(ذبح کرنے والے کا بیان)

دیوبندی کا ذبیحہ

سوال[۸۳۲۳]: بقرعید یعنی عیدالاضحیٰ کے موقع پر میں نے چند بکرے اور چند بھینس اپنے ہاتھ سے ذبح کئے جو کہ حدیث وغیرہ میں دعائیں ہیں ان کو بھی پڑھا اور "بسم الله، الله أكبر" پڑھ کر ذبح کیا۔اور میں مسلمان ہوں، قریب قریب نمازیں بھی پڑھتا ہوں اور روزے بھی رکھتا ہوں، اللہ پاک اور اس کی کتاب اور اس کے رسول پر بھی عقیدہ دل سے رکھتا ہوں۔ میری غلطی اتنی ضرور ہے (کہ) میں علمائے دیوبند کی باتوں سے اتفاق کرتا ہوں، اس وجہ سے میرے وہاں کے جیٹ طیارے جو کہ تازہ تازہ بریلی سے گالی بکنا سیکھ کر آئے ہیں انہوں نے زبانی فتویٰ دے دیا کہ میرے ہاتھ کا ذبیحہ حرام ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جو مسلمان "بسم الله، الله أكبر" پڑھ کر ذبح کرے اس کی ذبح کی ہوئی بھینس، بکری سب حلال ہے(۱)۔علمائے دیوبند کا مسلک بفضلہٖ تعالیٰ قرآن وحدیث شریف، فقہ حنفی، اولیائے کرام کے عین مطابق ہے،

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿فكلوا مما ذكر اسم الله عليه إن كنتم بآيٰته مؤمنين . ومالكم ألا تأكلوا مما ذكر اسم الله عليه، وقد فصّل لكم ماحرم عليكم إلا ما اضطررتم إليه، وإن كثيراً ليضلون بأهوائهم بغير علم، إن ربک هو أعلم بالمعتدين﴾ (الأنعام: ۱۱۹، ۱۲۰)

"وتحل ذبيحة مسلم". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الذبائح: ۱۵۳/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه) .... =

اس مسلک کوصحیح (نہ) سمجھنے کی وجہ سے ذبیحہ کوحرام قرار دینا غلط اورعناد ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفاعنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، ۱۵/۸/۹۰ھ۔

بچے کے ذبیحہ کا حکم

سوال[۸۳۲۴]: اگرنابالغ لڑکا قربانی کا جانورذبح کردے توکوئی حرج ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگروہ جانتا ہوتودرست ہے،عالمگیری: ۹٤/٤(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفااللہ عنہ۔

بے نمازی اورنشہ کرنے والوں کا ذبیحہ

سوال[۸۳۲۵]: قصبہ نظام آباد میں قصائی- جوبھینس وغیرہ ذبح کرتے ہیں-نماز بالکل ہی نہیں پڑھتے ہیں حتی کہ نماز جمعہ بھی کبھی نہیں ادا کرتے ہیں۔تمام نشہ آوراشیاء(تاڑی،شراب،گانجہ،افیم وغیرہ) کا استعمال بلاروک ٹوک کرتے ہیں،اکثر بازار کی گندی نالیوں اورسڑکوں پرنشہ کی حالت میں گرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔اوریہی بے نمازی اورنشہ آوراشیاء کا استعمال کرنے والے قصائی ہی بھینس ذبح کرکے گوشت بیچتے

= (وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الذبائح: ٦/٤٤٩، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النتف في الفتاوىٰ، كتاب الذبائح، ص: ١٤٧، سعيد)

(١) "فإن كان الصبي يعقل الذبح ويقدر عليه، تؤكل ذبيحته". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول في ركنه وشرائطه وحكمه وأنواعه: ٥/٢٨٥، رشيديه)

"(وحلّ ذبيحة مسلم وكتابي وصبيّ) والمراد بالصبي هو الذي يعقل التسمية ويضبط".

(تبيين الحقائق، كتاب الذبائح: ٦/٤٤٩، دارالكتب العلمية بيروت)

"وتحل ذبيحة مسلم وكتابي ذميّ أو حربي ولوأمرأةً أو صبياً أو مجنوناً يعقلان". (ملتقى الأبحرمع مجمع الأنهر، كتاب الذبائح: ٤/١٥٣، مكتبه غفاريه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الذبائح: ٨/٣٠٦، رشيديه)

ہیں اور عوام اسے کھاتے بھی ہیں۔

فحش کلام اور جھوٹ ان کی عام زبان، روزمرہ کی زندگی میں شامل ہے۔ ان قصائیوں کے یہاں کا گوشت کھایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

نوٹ: کبھی اپنی ہاتھ سے ہی ذبح کرتے ہیں اور کبھی کسی دوسرے سے بھی ذبح کرا لیتے ہیں، مگر بوٹی اپنے ہاتھ سے ہی بناتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ حالت نہایت افسوس ناک اور موجبِ اذیت ہے، ان میں دینی شعور پیدا کرنے کی ضرورت ہے، اہل دین حضرات پوری توجہ فرمائیں۔ جب تک کوئی بات ایسی معلوم نہ ہو کہ یہ ذبیحہ غیر مسلم کا ذبیحہ ہے، یا مسلم نے ذبح کرتے وقت قصداً "بسم اللہ" ترک کردی ہے، یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا، ان کے ذبیحہ کو بھی حرام نہیں کہا جائے گا (۱)۔

ذبح کے بعد بوٹی بنانے والا مسلم ہو یا مسلم کے سامنے غیر مسلم نے بوٹی بنائی ہو، اس کو حرام قرار نہیں دیا جائے گا (۲)۔ اگر بااثر اہل اسلام ان کی اصلاح کے لئے ان سے گوشت خریدنا بند کردیں کہ جب تک تم نشہ نہیں چھوڑوگے اور نماز نہیں پڑھوگے، ہم تم سے گوشت نہیں خریدیں گے تاکہ وہ لوگ نشہ چھوڑ دیں اور نماز پڑھنے لگیں تو درست ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۴/۳۰ھ۔

---

(۱) "فإن ذبح كل مسلم وكل كتابيّ حلال، رجلاً كان أو أنثىٰ.......... براً كان أو فاجراً". (النتف في الفتاوىٰ، كتاب الذبائح، ص: ۱۴۷، سعيد)

"شروط الذابح .... وهي أن يكون مميزاً عاقلاً .... ولو كان مكرهاً على الذبح، ذكراً أو أنثىٰ طاهراً .... عدلاً أو فاسقاً، لعموم الأدلة وعدم المخصص". (الفقه الإسلامي وأدلته، الباب التاسع، الذبائح والصيد، المبحث الأول: الذبائح: ۲۷۶۳/۴، رشيديه)

(۲) "ولا بأس بطعام اليهود والنصارىٰ كله من الذبائح وغيرها ....ولا بأس بطعام المجوس كله، إلا الذبيحة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة: ۳۴۷/۵، رشيديه)

(۳) "قال الطبري: قصة كعب بن مالك أصلٌ في هجران أهل المعاصي .... وإنما لم يشرع =

کیا تارکِ صوم کا ذبیحہ حرام ہے؟

سوال[۸۳۲۶]: ہمارے یہاں یہ مشہور ہے کہ جو شخص رمضان شریف کے روزے نہیں رکھتا اگر وہ کوئی جانور ذبح کرے گا تو اس کا ذبیحہ حرام ہوگا۔ یہ مسئلہ میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھا۔ بعض علماء سے معلوم کیا، انہوں نے کہا ہے کہ روزہ نہ رکھنے سے آدمی فاسق ہوجاتا ہے اور فاسق کا ذبیحہ حرام ہوجاتا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

روزۂ رمضان فرضِ قطعی ہے، بلا عذرِ شرعی اس کو ترک کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے، اس کے باوجود اس کا ذبیحہ حرام نہیں (۱)۔ فقط واللہ علم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۱۷ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۱۸ھ۔

عورت کا خود اپنی قربانی کے جانور کو ذبح کرنا

سوال[۸۳۲۷]: عورت اگر اپنے ہاتھ سے قربانی کا جانور ذبح کردے تو کوئی حرج ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہ واقف اور قوی ہے تو کوئی حرج نہیں، شامی: ۱۸۹/۵ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= هجرانه (أي الكافر) بالكلام، لعدم ارتداعه بذلك عن كفره، بخلاف العاصي المسلم فإنه ينزجر بذلك غالباً". (فتح الباري لابن حجر العسقلاني، كتاب الأدب، باب مايجوز من الهجران لمن عصى: ۶۱۰/۱۰، قديمي)

"قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب علىٰ أخيه ثلاثة ليالٍ لقلته، ولايجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حقٍ من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۵۰۲۷): ۷۵۸/۸، رشيديه)

(۱) (راجع، ص: ۲۲۷، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "فتحل ذبيحتهما (أي الكتابي الذمي والحربي) ولو الذابح مجنوناً أو امرأةً أو صبياً يعقل التسمية=

عورت کا ذبیحہ

سوال[۸۳۲۸]: عورت کا ذبیحہ کیسا ہے؟ اپنی قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت خود اپنے جانور کی قربانی کر سکتی ہے، ذبیحہ درست ہے: "وحل ذبيحة مسلم وكتابى وصبى وامرأة، اهـ". كنز (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= والذبح و يقدر". (الدرالمختار: ۲۹۷/۶، كتاب الذبائح، سعيد)

"وتحل ذبيحة مسلم و كتابى ذمىّ أو حربى ولو امرأةً أو صبياً أو مجنوناً يعقلان". (مجمع الأنهر: ۱۵۴/۴، كتاب الذبائح، غفاريه كوئٹه)

"وحل ذبيحة مسلم و كتابى وصبىّ وامرأة". (تبيين الحقائق: ۴۴۹/۶، كتاب الذبائح، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الذبائح: ۳۰۶/۸، رشيديه)

(وكذا فى إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب جواز ذبح المرأة: ۹۳/۱۷، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح: ۳۰۴/۶، رشيديه)

(۱) (كنز الدقائق، كتاب الذبائح، ص: ۴۱۶، رشيديه)

"عن ابن الكعب بن مالك عن أبيه رضى الله تعالىٰ عنه: أن امرأةً ذبحت شاةً بحجر، فذكر ذلك لرسول الله، فلم يَرَ به بأساً". (سنن ابن ماجة، أبواب الأضاحى، باب ذبيحة المرأة، ص: ۲۲۹، قديمى)

"عن ابن لكعب بن مالك عن أبيه رضى الله تعالىٰ عنه أن امرأةً ذبحت شاةً بحجر، فسئل النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن ذلك، فأمر بأكلها". (صحيح البخارى، كتاب الذبائح، باب ذبيحة الأمَة والمرأة: ۸۲۷/۲، قديمى)

"عن إبراهيم النخعى أنه قال فى ذبيحة المرأة والصبى: لابأس إذا أطاق الذبيحة وحفظ التسمية، وهو قول الجمهور". (فتح البارى، كتاب الذبائح، الصيد، باب : ذبيحة الأمة والمرأة: ۶۳۲/۹، دارالفكر بيروت) .... =

حائضہ،نفساءاور جنب کے ذبیحہ کا حکم

سوال[۸۳۲۹]: حائضہ اور نفساء اور جنبی کا ذبیحہ شرعاً حلال ہے یا حرام؟ بحوالہ کتب وصفحہ ومطبع تحریر ہو۔

الجواب حامداً ومصلياً:

حلال ہے:"وتحل ذبيحة مسلم ولو امرأةً حائضاً أو نفساء، أو جنباً ،اھ". سكب الأنهر: ۲/۵۰۷(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کلمۂ کفر کہنے والے کا ذبیحہ

سوال[۸۳۳۰]: جولوگ کفریہ کلام زبان سے نکالتے ہیں ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب حامداً ومصلياً:

مسلمان کی زبان سے اگر کوئی کلمہ ایسا نکلے جس سے کفر لازم آتا ہو اور اس کے اندر تاویل کر کے کفر سے

= (وكذا في إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب جواز ذبح المرأة والصبي: ۱۷/۹۲، إدارة القرآن، كراچی)

(۱) (الدر المنتقى المعروف بسكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الذبائح: ۴/۱۵۴، مكتبه غفارية)

"فإن ذبح كل مسلم وكل كتابيّ حلالٌ، رجلاً كان أو أنثىٰ، حراً كان أو عبداً، جنباً كان أو طاهراً". (النتف في الفتاویٰ، كتاب الذبائح، ص: ۱۴۷، سعيد)

"شروط الذابح وهي: أن يكون مميزاً، عاقلاً، مسلماً أو كتابياً.........قاصداً التذكية ولو كان مكرهاً، ذكراً أو أنثىٰ، طاهراً أو حائضاً أو جنباً". (الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث الأول: الذابح: ۴/۲۷۵۹، رشيديه)

"فتحل ذبيحتهما ولو محنوناً أو امرأةً". (الدرالمختار). قال العلامة الطحطاوي: "(قوله: امرأة): حائضاً أو نفساء أو جنباً". (حاشية الطحطاوي: ۴/۱۵۲، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الذبائح، فوائد شتى تتعلق بأبواب الذبائح: ۱۷/۲۰۲، إدارة القرآن كراچی)

بچایا جاسکتا ہوتو کفر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا(۱)، اور ایسے شخص کا ذبیحہ ناجائز نہیں ہوتا (۲)، البتہ ایسا کلمہ کہنے سے اس کو پوری قوت کے ساتھ روکا جائے گا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۱۹/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مشین اور یہودی کا ذبیحہ

سوال [۸۳۳۱]: امریکہ میں میرے ایک بھائی زیرِ تعلیم ہیں وہ وہاں ذبیحہ کے گوشت کے شرعاً ہونے میں مشکوک ہیں، وہ کہتے ہیں کہ وہاں پر دو قسم کا گوشت ملتا ہے: پہلے یہ کہ مشین سے جانور کی گردن ایک دم کاٹ دی جاتی ہے اور مشین سے ہی تھوڑی دیر میں گوشت کے ٹکڑے پیک ہو جاتے ہیں۔ دوسری قسم کا گوشت وہاں کے یہودی کاٹتے ہیں جسے ''کوشہ'' کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہودی جانور کے حلق میں چھری گھونپ کر ہلاک کرتے ہیں، نہ معلوم کچھ پڑھتے ہیں یا نہیں۔

ہندوستان اور دوسرے ممالک کے زیادہ تر مسلمان بازار میں جو گوشت ملتا ہے وہی کھاتے ہیں، صرف گنتی کے چند ہیں جو ''کوشہ'' کو حلال یا ذبیحہ کا بدل سمجھ کر کھاتے ہیں۔ اُمید ہے کہ مندرجہ بالا مسئلہ پر روشنی ڈال کر ممنون فرمائیں گے۔

---

(۱) ''واعلم أنه لا يفتى بكفر مسلم أمكن حمل كلامه على محمل حسن''. (الدرالمختار، كتاب الجهاد، باب أحكام المرتدين: ۲۹۴، سعيد)

''إذا كان في المسئلة وجوهٌ توجب التكفير ووجه واحد يمنع التكفير، فعلى المفتي أن يميل إلى الوجه الذي يمنع التكفير تحسيناً للظن بالمسلم''. (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۱۰، رشيديه)

(۲) مذکورہ شخص مسلمان ہے، البتہ کلماتِ کفر کہنے کی وجہ سے فاسق ہے، لیکن فاسق کا ذبیحہ حلال ہے:

''فإن ذبح كل مسلم وكل كتابي حلال .... براً كان أو فاجراً''. (النتف في الفتاوىٰ، كتاب الذبائح، ص: ۱۴۷، سعيد)

(۳) '' وعزر كل مرتكب منكر''. (الدرالمختار، باب التعزير: ۶۲/۴، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مشین کا ذبیحہ تو ظاہر ہے شرعی ذبیحہ نہیں (۱)۔ یہودی اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر اور تورات کو

---

(۱)"لو أضجع شاتين أحدهما فوق الآخر، فذبحهما ذبحةً واحدةً بتسميةٍ واحدةٍ، حلاّ، بخلاف مالو ذبحهما على التعاقب؛ لأن الفعل يتعدد، فتتعدد التسمية". (الدر المختار، كتاب الذبائح: ۳۰۲/۶، سعيد)

"رجل أراد أن يذبح عدداً من الذبائح، لا تجزيه تسميةٌ واحدةٌ علىٰ واحدة لما بعدها". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصيد والذبائح، باب في الزكاة: ۳۶۸/۳، رشيديه)

سوال: "صنعتی ترقی کے اس مشینی دور میں انسان زیادہ سے زیادہ کام اپنے ہاتھ سے کرنے کے بجائے مشینوں سے لے رہا ہے، چنانچہ یورپ اور امریکہ میں ایسی برقی مشینیں ایجاد ہوگی ہیں کہ بہت سارے جانور اس کے نیچے کھڑے کردیئے جاتے ہیں اور ایک مرتبہ بٹن دبانے سے ان سب کی گردنیں کٹ جاتی ہیں تو اگر بٹن دبانے والا مسلمان یا کتابی "بسم اللہ، اللہ أکبر" کہہ کر بٹن دبائے تو یہ ذبیحہ حلال ہوگا یا نہیں؟

الجواب: از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب

اس طرح جانور کی گردن اوپر کی طرف سے کاٹ کر علیحدہ کردینا خواہ دستی چھری کے ذریعہ ہو، یا کسی مشین کے ذریعہ، ذبح کے شرعی طریقہ کے خلاف اور باتفاقِ جمہور ناجائز اور گناہ ہے۔ البتہ جو جانور اس ناجائز طریقہ سے ذبح کردیا گیا ہے اس کا گوشت حلال ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر بٹن دبانے سے بیک وقت چھری سب جانوروں کی گردنوں پر آگئی اور "بسم اللہ" پڑھ کر بٹن دبایا گیا، تو یہ ایک "بسم اللہ" سب کے لئے کافی ہوگی، ورنہ اگر آگے پیچھے گردنیں کٹیں تو یہ "بسم اللہ" صرف پہلے جانور کے لئے کافی ہوگی، باقی جانوروں کے لئے یہ "بسم اللہ" معتبر نہ ہوگی، اور اسی لئے باتفاقِ امت یہ جانور حرام اور مردار قرار پائیں گے۔

اور خلاصہ اس کا یہ ہے کہ یورپ کے شہروں کا مروجہ طریقۂ ذبح خلافِ شرع اور موجبِ گناہ ہے، مسلمانوں کو جہاں تک قدرت ہو اس سے بچیں اور اپنے ملکوں میں اس کے رواج کو بند کردیں۔

اور یورپ کے علاقوں میں رہنے والے مسلمان جو اس طریقہ کے بدلنے پر قادر نہیں تو گوشت کی ضرورت بہرحال ہے ان کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ اس گوشت کا استعمال کرنا جائز =

آسمانی کتاب مانتے ہیں اور جانور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیکر ذبح کرتے ہیں، کسی اَور کا نام لیکر مثلاً حضرت عزیر علیہ السلام کا نام لیکر ذبح نہیں کرتے ہیں تو اس میں شرعاً گنجائش ہے(۱)۔

تنبیہ: آج کل کثرت تو ایسے لوگوں کی ہے جو صرف قومی حیثیت سے یہودی ہیں، نہ وہ تورات کو خدا تعالیٰ کی کتاب مانتے ہیں، نہ پیغمبر پر ایمان رکھتے ہیں، نہ مذہب کے قائل ہیں، نہ خدا کو مانتے ہیں اور نہ

= ہوگا، ان میں سے ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو حرام ہوگا:

۱- مشین کے ذریعہ ذبح کرنے والا آدمی مسلمان یا نصرانی یا یہودی ہو۔

۲- مشین کی چھری جانوروں کی گردن تک پہنچانے کے وقت اس نے خالص اللہ کا نام "بسم الله، الله اكبر" پڑھا ہو۔

۳- یہ چھری جتنے جانوروں کی گردن پر بیک وقت پڑی ہے وہ جانور ممتاز اور الگ ہوں، دوسرے جانور جن پر چھری بعد میں پڑی ہے اور وہ مردار ہیں، ان کا گوشت پہلے جانوروں کے گوشت میں مخلوط نہ ہو گیا ہو۔

مگر ظاہر ہے کہ باہر سے جانے والے اور مختلف علاقوں کے رہنے والے مسلمانوں کو ان شرائط کے پورے ہونے کا علم ہونا آسان نہیں، اس لئے اجتناب ہی بہتر ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ: محمد شفیع عفا اللہ عنہ، دار العلوم کراچی، ۲۲/ ذیقعدہ/۸۴ھ۔

جواب از: مفتی محمود صاحب، قاسم العلوم ملتان:

''میں سمجھتا ہوں کہ بٹن دبانے والا مسلمان بھی ہو اور بٹن دباتے وقت تسمیہ بھی پڑھے تب بھی مشین کے مروجہ ذبیحہ کو حلال نہیں کہا جا سکتا، بلکہ وہ مردار ہی ہے............اھ''۔

الجواب باسم ملہم الصواب: حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم کا جواب صحیح ہے، یعنی مشین سے ذبح کرنا جائز نہیں، مگر ذبیحہ حلال ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم''۔

رشید احمد، ۲۲/ ربیع الأول/ ۸۶ھ۔

(أحسن الفتاویٰ، کتاب الصید والذبائح، رسالہ: أحسن القضاء فی الذبح بإعانة الکهربا: ۷/ ۴۶۱، -۴۷۶، سعید)

(۱) "وشرط كون الذابح مسلماً .... أو كتابياً ذمياً، أو حربياً، إلا إذا سمع منه عند الذبح ذكر المسيح". (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۶/ ۲۹۷، سعيد)

دہریے ہیں(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۹/۸۵ھ۔

ذبیحۂ یہودی

سوال[۸۳۳۲]: یہودی کے مذبوح بچھڑے کی رینٹ (۲) سے بنی ہوئی پنیر مسلمان کھا سکتے ہیں یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو قوم کسی نبی کی نبوت پر ایمان رکھے اور کسی کتاب سماوی کے تسلیم کرنے کی مُقر ومدعی ہو، اس کے ذبیحہ کو استعمال کرنے کی گنجائش ہے جبکہ وہ ذبیحہ کے وقت غیر اللہ کا نام نہ لے (۳)۔اگر ذبیحۂ مسلم میسر آجائے تو وہ

---

(۱) ''خلاصہ یہ ہے کہ جن نصرانیوں کے متعلق یہ بات یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ وہ خدا کے وجود ہی کو نہیں مانتے، یا حضرت موسیٰ وعیسی علیہما السلام کو اللہ کا نبی ہی نہیں مانتے، وہ اہل کتاب کے حکم میں نہیں''۔(جواهر الفقه، عنوان: ''نام کے یہودی،نصرانی بحقیقت، دہریے اس میں داخل نہیں'': ۲/۴۰۰، ۴۰۱، مکتبه دارالعلوم)

(۲) ''رینٹ: ناک کا سفید لیس دار مادہ، ناک کی غلاظت''۔(فیروز اللغات، ص: ۷۳۵، فیروز سنز، لاهور)

(۳) قال العلامة القرطبی رحمه الله تعالیٰ: ﴿وطعام الذین أوتوا الکتٰب حل لکم﴾ یعنی ذبیحة الیهود والنصاریٰ". (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی، (سورة المائد، الجزء السادس: ۵): ۳/۳۶، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

"عن علی بن أبی طلحة عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: ﴿وطعام الذین أوتوا الکتٰب﴾. قال: ذبائحهم". (إعلاء السنن، کتاب الذبائح، باب ذبیحة أهل الکتاب: ۱۷/۸۹ إدارة القرآن کراچی)

"﴿وطعام الذین أوتوا الکتاب حلٌ لکم وطعامکم حل لهم﴾ قال الزهری: لابأس بذبیحة نصاریٰ العرب. وإن سمعتَه سمیّ لغیرالله، فلاتأکل. وإن لم تسمعه، فقد أحلّه الله وعلم کفرهم ....

وقال ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: "طعامهم ذبائحهم". (صحیح البخاری، باب ذبائح أهل الکتاب: ۲/۸۲۸، قدیمی)

بہر حال مقدم ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۶/۲۷ھ۔

شیعہ کا ذبیحہ

سوال[۸۳۳۳]: شیعہ اپنے کو صحیح مسلمان کہتے ہیں اور صحابہ کو برا کہتے ہیں، ان روافض کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن روافض کا عقیدہ نصوص کے خلاف ہو مثلاً: قرآن پاک میں تحریف کے قائل ہوں، یا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی آخر الزمان مانتے ہوں اور جبریل علیہ السلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ ان سے وحی پہونچانے میں غلطی ہوگئی، یا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بہتان لگاتے ہوں، وہ اسلام سے خارج ہیں(۲)،

---

(۱) "والأولی أن لایأکل ذبیحتهم ولا یتزوج منهم إلا للضرورة". (ردالمحتار، کتاب الذبائح: ۲۹۷/۶، سعید)

(۲) "الرافضی إن کان یسب الشیخین ویلعنهما، فهو کافر". (خلاصة الفتویٰ: ۳۸۱/۴، کتاب الفاظ الکفر، الفصل الأول، الکراهیة، رشیدیه)

"ثم من المعلوم ضرورةً أن قذف أم المؤمنین عائشة رضی الله عنها کفرٌ، سواء کان سراً أوجهراً". (ردالمحتار: ۴۴/۴، کتاب الحدود، باب حد القذف، سعید)

"ثم لاشک فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رضی الله عنها، أو أنکر صحبة الصدیق، أو اعتقد الألوهیة فی علیٰ رضی الله تعالیٰ عنه، أو أن جبریل غلط فی الوحی، ذلک من الکفر الصریح المخالف للقرآن". (ردالمحتار، کتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب: مهم فی حکم سب الشیخین: ۲۳۶/۴، سعید)

"ویجب إکفار الروافض فی قولهم: یرجع الأموات إلی الدنیا .... وبقولهم: إن جبریل غلط فی الوحی إلی محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم دون علیّ رضی الله عنه. وهؤلاء القوم خارجون عن الإسلام، وأحکامهم أحکام المرتدین". (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب أحکام المرتدین، فیمن یجب إکفاره من أهل البدع: ۵۳۸/۵، إدارة القرآن کراچی) .... =

ان کا ذبیحہ حلال نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند، ۲۰/ ۱۱/ ۸۸ھ۔

روافض کا ذبیحہ بمجبوری

سوال[۸۳۳۴]: علاقہ لداخ کے اندر مسلمانوں کے مقابلے میں روافض کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں، اکثر و بیشتر ہوٹل روافض کے ہیں جس کی وجہ سے ان کے ہوٹلوں پر کھانا کھانا پڑتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کے تیار کردہ گوشت کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی وہ لوگ اپنے ہاتھوں سے ذبح کرتے ہیں۔ جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر ان کے متعلق یہ تحقیق نہیں کہ ان کے عقائد قرآن کریم کے خلاف ہیں تو ان کے ہوٹل میں اور ان کا ذبیحہ کھانے کی گنجائش ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۶/ ۷/ ۱۴۰۱ھ۔

= "الرافضي إذا كان يسب الشخين ويلعنهما -والعياذ بالله- فهو كافر. .... ولو قذف عائشة رضي الله تعالىٰ عنها بالزنا، كفر بالله .... من أنكر إمامة أبي بكر الصديق رضي الله تعالىٰ عنه، فهو كافر .... ويجب إكفار الروافض في قولهم برجعة الأموات إلى الدنيا وبتناسخ الأرواح، وبانتقال روح الإله إلى الأئمة، وبقولهم في خروج إمام باطن، وبتعطيلهم الأمر والنهي إلى أن يخرج الإمام الباطن، وبقولهم: إن جبرئيل عليه السلام غلط في الوحي إلى محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم دون علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه، وهؤلاء القوم خارجون عن ملة الإسلام وأحكامهم أحكام المرتدين كذا في الظهيرية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، مطلب: موجبات الكفر أنواع منها مايتعلق بالإيمان والإسلام: ۲/۲۶۴، رشيديه)

(۱) "لاتحل ذبيحة غير كتابي من أثنيٰ ومجوسيّ مرتد". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲۹۸/۶، كتاب الذبائح، سعيد)

(۲) بغیر تحقیق کے کسی کو کافر کہنا نا جائز ہے:

"واعلم أنه لايفتيٰ بكفر مسلم أمكن حمل كلامه على محمل حسن". (الدرالمحتار مع =

غیر مسلم کا ذبیحۂ شرعیہ کو فروخت کرنا

سوال[۸۳۳۵]: مذبح سے اگر کوئی غیر مسلم گوشت خرید کر، یا مذبوحہ جانور خرید کر اپنی دوکان پر لاکر فروخت کرے تو مسلمان کو اس غیر مسلم کی دوکان سے گوشت خریدنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی غیر مسلم مذبح سے ذبیحہ خرید کر اپنی دوکان پر لاکر فروخت کرے اور اس کی اس طرح نگرانی کی جائے کہ اس میں کسی دوسرے غیر مشروع گوشت کا احتمال وخطرہ نہ ہو سکے تو اس سے خریدنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

دو شخصوں کا ذبح کرنا

سوال[۸۳۳۶]: کیا ایک جانور کو دو شخص ذبح کر سکتے ہیں یا نہیں، یعنی ایک شخص نصف ذبح کر کے چھوڑ دے اور ماباقی دوسرا شخص ذبح کرے، کیا یہ صورت شرعاً جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس جانور کو دو شخص مل کر ذبح کریں، یا کچھ حصہ ایک نے ذبح کیا پھر باقی حصہ دوسرے نے ذبح کیا

= ردالمحتار: ۲۲۹/۴، کتاب الجهاد، باب المرتد، سعید)

البتہ اگر ان کے اعتقاد نصوصِ قطعیہ کے خلاف ہوں، مثلاً: قذفِ صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، تحریفِ قرآن اور الوہیتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قائل ہوں تو وہ کافر ہیں اور ان کا ذبیحہ بھی حرام ہے، كما تقدم تخريجه تحت المسئلة السابقه، فليراجع.

(۱) "من أرسل أجيراً له مجوسياً أو خادماً فاشترى لحماً، فقال: اشتريته من يهودي أو نصراني أو مسلم، وسعه أكله". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الأول في العمل بخبر الواحد، الفصل الأول: ۳۰۸/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۳۴۴/۶، سعيد)

اور دونوں نے "بسم اللّٰہ" پڑھی ہے تو ذبح درست ہوگئی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۴/۱۳۹۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "وفيها: أراد التضحية، فوضع يده مع يد القصاب في الذبح وأعانه على الذبح، سمّى كلٌّ وجوباً". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۳۴/۶، سعيد)

"رجل أراد أن يضحي، فوضع صاحبُ الشاة يده مع يد القصاب في المذبح و أعانه على الذبح، حتى صار ذابحاً مع القصاب، قال الشيخ الإمام هذا رحمه الله تعالىٰ: يجب على كلّ واحدٍ منهما التسمية، حتى لو ترك أحدهما التسمية، لاتحل الذبيحة". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل في مسائل متفرقة: ۳۵۵/۳، رشيديه)

"أراد التضحية، فوضع يده مع يد القصاب في الذبح ليعينه يُسمّي كلٌّ وجوباً". (الدرالمنتقىٰ مع مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۶/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

الفصل الثانی فی سنن الذبح وآدابه ومکروهاته

(ذبح کی سنتیں، آداب اور مکروہات کا بیان)

قربانی کے وقت "بسم اللہ، اللہ أکبر" کہنا

سوال[۸۳۳۷]: ایک شخص کہتا ہے کہ قربانی کے لئے "بسم اللہ واللہ أکبر" کہنا چاہئے، اگر کسی نے بوقتِ قربانی "واو" نہیں کہا تو وہ قربانی نہیں ہوئی بلکہ ذبح حرام ہوگیا۔ تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ذبح کرتے وقت "بسم اللہ اللہ أکبر" یا "واللہ أکبر" کہے، دونوں طرح درست ہوجائے گا اور قربانی بھی درست ہوجائے گی، کذا فی ردالمحتار، جلد: ۵(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۲/۸۷ھ۔

---

(۱) کہنا دونوں طرح درست ہے، البتہ مستحب یہ ہے کہ "بسم اللہ، اللہ أکبر" واو کے بغیر کہے: "والمستحب أن یقول: بسم اللہ أکبر بلا واو .... والمتداول المنقول عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالواو". (ردالمحتار، کتاب الذبائح: ۶/۳۰۱ سعید)

"قال البقالی: المستحب أن یقول: بسم اللہ، اللہ أکبر، یعنی بدون الواو". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الذبائح، الباب الأول فی رکنه وشرائطه وحکمه وأنواعه: ۵/۲۸۸، رشیدیه)

"وحسن بسم اللہ اللہ أکبر ....وکذا عند الحلوانی إلا أنه کرهه مع الواو، ولکن المنقول عن الأثر بالواو فلا یکره". (مجمع الأنهر: ۴/۱۵۵، کتاب الذبائح، مکتبه غفاریه)

(وکذا فی حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق، کتاب الذبائح: ۶/۴۵۵، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الذبائح، الفصل الثانی فی التسمیة: ۶/۳۰۷، رشیدیه)

وقتِ ذبح اللہ کا کونسا نام لیا جائے؟

سوال[۸۳۳۸]: ذبح کے وقت بجائے "بسم اللہ، اللہ أکبر" کے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کہنا کیسا ہے؟ اور لفظ "رحمن" و"رحیم" سے جانور حرام یا مکروہ تو نہیں ہوتا؟ شرعی حکم سے آگاہ فرماویں۔

﴿ولاتأكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه﴾ الاية(۱)۔ کتاب الصید والذبائح، میں جہاں کہیں بھی "اسم اللہ علیہ" کے الفاظ آئے ہیں تو وہاں "اسم اللہ" سے مراد آیا اسمِ ذاتِ باری تعالیٰ میں "اللہ" مراد ہے، یا اسم اللہ کی اضافت کے مدِ نظر خدا کے ننانوے ناموں میں سے کسی ایک نام کا ذکر بوقتِ صید وذبح واکل وشرب مشروع ومباح ہوسکتا ہے؟

ترکیباً لفظ "اللہ" مضاف الیہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو اللہ کے ناموں میں سے کسی ایک نام کے ذکر کا بوقتِ ذبح ہونا ضروری ہے۔ اگر اس کا بدل ہوتو شبہ جاتا رہے، مگر ایسا نہیں ہے۔ یہ ایک خلجان ہے، اسے بالتشریح دور فرمادیں۔

الجواب حامداً و مصلياً:

اللہ پاک کے جس نام سے ذبح کردے گا، ذبیحہ درست ہوگا:

"والشرط في التسمية هو الذكر الخالص عن شوب الدعاء غيره، فلايحل بقوله: اللهم اغفرلي؛ لأنه دعاء وسوال، بخلاف الحمدُ لله أو سبحان الله مريداً به التسمية، فإنه يحل". درمختار.

"(قوله: والشرط في التسمية هو الذكر الخالص) بأيّ اسم كان، مقروناً بصفة: كألله أكبر، أو أجلّ، أو أعظم. أو لا [أي أو لم يكن مقروناً بصفة الله]: كالله أو الرحمن. وبالتهليل والتسبيح، جَهلَ التسمية أولا". شامی: ۲۱/۵ (۲)۔

---

(۱) (سورة الانعام: ۱۲۱)

(۲) (الدرالمختار، كتاب الذبائح: ۳۰۱/۶، سعيد)

"وأما ركنها فذكر اسم الله عزوجل أيّ اسم كان، لقوله تبارك وتعالىٰ: ﴿فكلوا مما ذكر اسم =

امید ہے کہ اس تصریح کے بعد خلجان نہ رہے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ جمادی الاولیٰ/۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ذبیحہ پر کسی بھی زبان میں اللہ کا نام لینا

سوال[۸۴۳۹]: ذبح کرتے وقت کونسے الفاظ کہنا ضروری ہے؟ اور کیا عربی زبان میں کہنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

"بسم اللہ" کہنا بھی کافی ہے، خواہ کسی زبان میں کہے:

قال اللہ تعالیٰ: ﴿لا تأكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه﴾ حالة الذبح، لقوله تعالیٰ: ﴿فاذكروا اسم الله عليها صواف﴾ وهي حالة النحر، ويدل عليه قوله تعالیٰ: ﴿فإذا وجبت جنوبها فكلوا منها﴾(۱)۔

"بسم اللہ، اللہ أکبر" کہنا مستحب ہے:

= الله عليه إن كنتم بآياته مؤمنين. ومالكم أن لا تأكلوا مما ذكر اسم الله﴾ من غير فصل بين اسم واسم". (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح، فصل في شرط حل الأكل في الحيوان المأكول: ۲۴۳/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

"ومنها التسمية حالة الذكاة أيّ اسم كان، وسواء قرن بالاسم الصفة بأن قال: الله أكبر، الله أعظم، الله أجل، الله الرحمن، الله الرحيم، أو نحو ذلك. أولم يقرن بأن قال: الله، أو الرحمن، أو الرحيم". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول: ۲۸۵/۵، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصيد والذبائح، باب في الذكاة: ۳۶۹/۳، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاویٰ: ۳۰۸/۴، كتاب الذبائح، رشيديه)

(۱) (تبيين الحقائق، كتاب الذبائح: ۴۵۲/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

"أن يقول: با سم الله، الله أكبر". زيلعى: ٥/٢٨٩(١) "لو أن رجلاً سمىّ علىٰ ذبيحته أوالرمية بالفارسية، وهو يحسن العربية أولا يحسنها أجزأه ذلك من التسمية". كذا فى الشلبى: ٥/٢٨٩ (٢)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا قربانی کے ہر شریک پرتکبیرواجب ہے؟

سوال[۸۳۴۰]: "الجوهرة النيرة"(٣) اور"مالا بدمنه"(٤) میں قاضی ثناءاللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریرفرماتے ہیں کہ:

"قربانی کے وقت جومعاونین اس میں شریک ہوتے ہیں سب پر بیک وقت تکبیر کہنا واجب ہے، اگرکوئی ایک بھی ترک کردے گا جانور کے پکڑنے میں تو قربانی حرام ہوجائے گی"۔

---

(١) (تبيين الحقائق، كتاب الذبائح: ٦/٤٥٥، دارالكتب العلمية بيروت)

(٢) (حاشية الشلبى على التبيين، المصدر السابق)

"وسواء كانت التسمية بالعربية أو بالفارسية أو أىّ لسان كان، وهو لا يحسن العربية أو يحسنها. كذا روى بشر عن أبى يوسف: لو أن رجلاً سمى على الذبيحة بالرومية أو الفارسية وهو يحسن العربية أو لا يحسنها، أجزأه ذلك عن التسمية". (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح و الصيد، فصل فى شرط حل الأكل فى الحيوان المأكول: ٦/٢٣٣، دارالكتب العلمية بيروت)

"وسواء كانت التسمية بالعربية أو بالفارسية أو أىّ لسان كان". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول فى ركنه وشرائطه وحكمه و أنواعه: ٥/٢٨٥، رشيديه)

"والشرط فى التسمية هو الذكر الخالص بأىّ اسم كان .... وبالتهليل والتسبيح، جَهلَ بالتسمية أولا، بالعزبية أولا". (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ٦/٣٠١، سعيد)

(٣) (لم أجده)

(٤) "اگر کسے اضحیۂ خودرا باعانتِ دیگر ذبح نماید پس واجب است تسمیہ برمعین وذابح، واگر یکے ازاں ہم ترک نماید حرام گردد۔ وكذا فى الدرالمختار وخزانة المفتيين". (مالا بدمنه فارسى، تكمله رساله مالا بدمنه دربيان أحكام اضحيّه ووجوب آں، ص: ١٥٧، مكتبه شركة علميه ملتان)

کیا یہ قول مفتی بہ ہے؟ اور ایسا کرلیا گیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ یہ ہے کہ ذابح پر "بسم اللّٰہ" پڑھنا واجب، اسی طرح معینِ ذابح پر بھی واجب ہے اور معینِ ذابح حقیقتاً وہ ہے جو چھری چلانے میں مدد دے، مثلاً: ایک شخص کمزور ہے، اس میں چھری چلانے کی پوری قوت نہیں تو دوسرا آدمی اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر قوت سے چھری چلادے تو اس پر بھی "بسم اللّٰہ" پڑھنا لازم ہے (۱)۔ اور جو آدمی جانور کے پیر وغیرہ پکڑے وہ حقیقتاً معینِ ذابح نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۸/۱۶ھ۔

معینِ ذابح پر تسمیہ

سوال [۸۳۴۱]: زید اس قدر کمزور ہے کہ قربانی کے لئے پوری طرح جانور کے گلے پر چھری نہیں چلا سکتا اور جانور کے اُٹھنے اور چلے جانے کا اندیشہ ہے، اس لئے قصاب بھی زید کے ساتھ چھری پر اپنا ہاتھ رکھتا ہے۔ اس طرح قربانی میں تو نقصان نہیں آتا ہے؟

---

(۱) "وتشترط التسمية من الذابح". (الدرالمختار، كتاب الذبائح: ۳۰۲/۶، سعيد)

"وأما شرائط الركن، فمنها: أن تكون التسمية من الذابح". (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح، والصيود، فصل في شرط حل الأكل في الحيوان المأكول: ۲۴۴/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وفيها: أراد التضحية، فوضع يده مع يد القصاب في الذبح وأعانه على الذبح، سمّٰى كلٌّ وجوباً". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۳۴/۶، سعيد)

"رجل أراد أن يضحي، فوضع صاحبُ الشاة يده مع يد القصاب في المذبح و أعانه على الذبح، حتى صار ذابحاً مع القصاب، قال الشيخ الإمام هذا رحمه الله تعالىٰ: يجب على كلّ واحدٍ منهما التسمية، حتى لو ترك أحدهما التسمية، لاتحل الذبيحة". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل في مسائل متفرقة: ۳۵۵/۳، رشيديه)

"أراد التضحية، فوضع يده مع يد القصاب في الذبح ليعينه يُسمّى كلٌّ وجوباً". (الدر المنتقىٰ مع مجمع الأنهر: ۱۷۶/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

الجواب حامداًومصلياً:

قربانی اس طرح بھی ادا ہو جاتی ہے، البتہ جس طرح زید کو "بسم اللہ" کہہ کر ذبح کرنا لازم ہے، اسی طرح اس قصاب کے ذمہ بھی چھری پر ہاتھ رکھ کر "بسم اللہ" پڑھنا ضروری ہے، شامی: ۲۱۳/۵ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ذبح کے وقت جانور کس کروٹ پر ہو؟

سوال [۸۳۴۲]: ذبیحہ جانور کو کس رخ پر لٹانا چاہئے، یعنی سر جانبِ شمال ہو یا جانب جنوب؟ چونکہ دونوں صورتوں میں جانور کا منہ قبلہ کی جانب ہوتا ہے اور اکثر جانور دونوں ہی رخوں پر ذبح کئے جاتے ہیں، ان میں سے کون سی صورت درست ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

منہ قبلہ کی جانب ہونا چاہیے، اَور کوئی تخصیص نہیں، جس طرح سہولت ہو ذبح کر دیا جائے۔ سر جنوب کی طرف ہونے سے زیادہ سہولت ہوتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱۱/۵۵ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۶/ ذی قعدہ/ ۵۵ھ۔

جانور کو ذبح کرتے وقت بائیں پہلو پر لٹانا چاہئے، کیونکہ اس صورت میں ذبح میں سہولت ہے۔ اور جب بائیں پہلو پر لٹایا جائے گا تو سر جنوب کی طرف ہوگا:

فی البذل: ۷۰/۴، فی بیان ذبح ضحیته صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: "وأخذ الكبش، فأضجعه علىٰ اليسار" وهو الظاهر؛ لأنه أيسر في الذبح" (۲)۔ فقط۔

سعید احمد غفرلہ۔

---

(۱) "وفيها: أراد التضحية فوضع يده مع يد القصاب في الذبح وأعانه على الذبح، سمىّ كلٌّ وجوباً".
(الدر المختار، كتاب الذبائح: ۳۳۴/۶، سعيد)

(۲) (بذل المجهود، كتاب الضحايا، باب ما يستحب في الضحايا: ۷۰/۵، مكتبه امدادية ملتان) =

ذبح کرتے وقت جانور کا قبلہ رو ہونا

سوال[۸۳۴۳]: جانور کو قبلہ رو کرکے ذبح کرنا ضروری ہے، کبھی جلد بازی میں اس کا خیال نہیں رہتا۔ ایسا ذبیحہ درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قبلہ رو نہ ہونے سے سنت ترک ہوتی ہے، ذبیحہ مردار نہیں ہوتا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔

= "أدب الذبح سبعة أشياء: أحدها: إضجاع الشاة بالرفق على الأرض. والثاني: إضجاعها على اليسار". (النتف في الفتاوىٰ، كتاب الذبائح والصيد، أدب الذبح، ص: ۱۴۸، سعيد)

"ويشدّ قوائمه، وليُلقِه على شقه الأيسر، وليوجّهه نحو القبلة". (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح، فصل في شرط حل الأكل في الحيوان المأكول: ۶/۲۷۰، دارالكتب العلمية بيروت)

"وأن يضجع بالرفق، وعلى اليسار، ويوجه إلى القبلة". (مجمع الأنهر: ۴/ ۱۵۹، كتاب الذبائح، مكتبه غفاريه)

"وعمل المسلمين على أن إضجاعها يكون على جانبها الأيسر؛ لأنه أسهل على الذابح في أخذ السكين باليمين وإمساك رأسها باليسار". (تكملة فتح الملهم، كتاب الأضاحي، باب استحباب الضحية وذبحها مباشرةً بلا توكيل والتسمية والتكبير: ۳/۵۶۳، مكتبه دارالعلوم كراچی)

(۱) "وإذا ذبحها بغير توجه القبلة، حلت، ولكن يكره". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول: ۵/۲۸۸، رشيديه)

"ويستحب التوجيه إلى القبلة". (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الفصل الأول في مسائله: ۶/۳۰۵، رشيديه)

"وكره ترك التوجه إلى القبلة، لمخالفته السنة". (الدرالمختار، كتاب الذبائح: ۶/۲۹۶، سعيد)

"وكذا لو ذبحها متوجهةً لغير القبلة، يكره وتؤكل؛ لأن السنة في الذبح أن يستقبل بها القبلة". (تبيين الحقائق، كتاب الذبائح: ۶/۴۶۰، دارالكتب العلمية بيروت) .... =

الذبح فوق العقدة

سوال[۸۳۴۴]: مايقول الحكماء الحنفية: رجل ذبح شاةً، فبقيت العقدة ممايلي الصدر، هل هي حلال أم حرام، أم بينهما بونٌ في نصف العقدة أو الأكثر؟ وأيضاً هل يبتدى المرئ من المعدة وينتهي إلى الرأس، أو يبتدى من المعدة و ينتهي إلى الحلق: أي العقدة؟ فإذا لم يقطع العقدة لم يقطع المرئ. وأيضاً العقدة فبقي الودجان للقطع لاغير، وهو أقل من الأكثر، بل لابد من قطع الأكثر من الأوداج في مذهب إمامنا الأعظم رحمه الله تعالى۔

۱ ......رواية المبسوط تقتضي الحل فيما إذا وقع الذبح قبل العقدة؛ لأنه بين اللبّة واللحيين(۱)۔

۲ ...... ورواية الجامع الصغير تقتضي عدمه؛ لأنه إذا وقع قبلها، لم يكن الحلق محل الذبح(۲)۔

۳ ...... وقدصرح في الذخيرة بأن الذبح إذا وقع أعلى من الحلقوم، لايحل؛ لأن المذبح هو الحلقوم(۳)۔

۴ ...... ولكن رواية الإمام الرستغفني تخالف هذه، حيث قال: "هذا قول العوام، وليس بمعتبر، فتحل، سواء بقيت العقدة ممايلي الرأس أو الصدر؛ لأن المعتبر عندنا قطع أكثر

=(وكذا في إعلاء السنن: ۱۷/ ۱۰۰، كتاب الذبائح، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "فأما في البقر أسفل الحلق، وأعلاه، فاللحم عليه سواء كما في الغنم، فالذبح فيه أيسر، والمقصود تسييل الدم،والعروق من أسفل الحلق إلى أعلاه، فالمقصود يحصل بالقطع في أي موضع كان منه، فلهذا حلّ، وهو معنى قوله عليه الصلوة والسلام:"الذكاة مابين اللبة واللحيين". ولكن ترك الأسهل مكروه في كل جنس لما فيه من زيادة إيلام غير محتاج إليه". (المبسوط للسرخسي، كتاب الذبائح: ۶/ ۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) (الجامع الصغير، كتاب الذبائح، ص: ۳۸۷، إدارة القرآن كراچی)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۶/ ۲۹۴، سعيد)

الأوداج، وقد وُجد"(١)۔

٥...... قال فی النقاية والمواهب والإصلاح: "لابد أن تكون العقدة مما یلی الرأس وإليه مال الزيلعی، .... إذا لم يبق شئٌ من العقدة، فما یلی الرأس، لم يحصل قطع واحد منهما، فلا يؤكل بالإجماع"(٢)۔

٦...... أيضاً قال الشامی: "إن كان بالذبح فوق العقدة حصل قطع ثلاثة من العروق، فالحق ماقاله الإمام الرستغفنی، وإلا فالحق خلافه. ويظهر هذا بالمشاهدة أو سؤال أهل الخبرة"(٣)۔

٧...... وأيضاً قال: "وكان شيخی يفتی برواية الإمام الرستغفنی"(٤)۔

٨...... "ذكره فی الواقعات: لو ذبح أعلیٰ من الحلقوم أو أسفل منه، يحرم؛ لأنه ذبح فی غير المذبح"(٥)۔

٩...... "يجوز الاكتفاء بثلاث من الأربع أياً كانت، ويجوز ترك الحلقوم أصلاً، فبالأولی إذا قطع من أعلاه أو أسفل، ذكره فی المنح عن البزازية، وبه جزم صاحب الدر روالملتقی والعينی وغيرهم"(٦)۔

١٠...... "فی فتاوی سمرقند: قصابٌ ذبح شاةً فی ليلة مُظلمة، فقطع أعلیٰ من الحلقوم

---

(١) (ردالمحتار، المصدر السابق)

(٢) (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ٢٩٥/٦، سعيد)

(٣) (ردالمحتار، المصدر السابق)

(۴) (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ٢٩۴/٦، سعيد)

(۵) (شرح العينی علی الكنز، كتاب الذبائح: ٣٦١/٢، إدارة القرآن كراچی)

(٦) "ويكفی قطع ثلاثة منها أياً كان، وعند محمد رحمه الله تعالیٰ لابد من قطع أكثر كل واحد منها، وهو رواية عن الإمام، وعند أبی يوسف رحمه الله تعالیٰ لابدمن قطع الحلقوم والمرئ وأحد الودجين". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الذبائح: ١٥٨/۴، مكتبہ غفاريہ كوئٹہ)

أو أسفل منه، يحرم أكلها"(۱)۔

هذا كله من ردالمحتار على الدرالمختار وكنز الدقائق من تغير وتبدل أو أدنى تقديم وتأخير، شامى: ۱۹۳/۵، وعينى على الكنز، ص:۳٤٥۔

نحن نسئلكم حلّه بدليل بيّن أو حرمته بثبوت بيّن. أم حرام للأغنياء وحلال للفقراء؟ سمعت من أستاذ الكل مولانا أنور شاه صاحب مرحوم (نور الله مرقده وجعل الجنة مثواه) من غير حوالة الكتاب: حرامٌ للأغنياء وحلالٌ للفقراء۔

هل جرّبتم بالذبح بأن ينتهى المرئ إلى الرأس أم يختم إلى العقدة؟ وأيضاً موافقاً لقول الشامى: "سؤال أهل الخبرة"؟ وأيضاً عام قوله تعالى: ﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لاتعلمون﴾ بينوا بحوالة الكتب المتداولة والمعتبرة عند الناس بالصواب، توجروا بأعلىٰ مراتب العلية۔

عبدالجليل، محلّہ میانوالی خاص شہر، مسجد میاں سیف العلی صاحب۔

الجواب حامداًومصلياً:

اختلف العلماء فى حكم المذبوح فوق العقدة، فذهب البعض إلى حلّه والبعضُ إلى عدمه. والحق أن لاخلاف فى أصل المسئلة، بل فى الرأى: أى هل يحصل قطع أكثر العروق بالذبح فوق العقدة أم لا؟ كما قال الشامى، ونقله السائل فى العبارةالسادسة(۲)۔

واختار شيخ مشائخنا شيخ الفقه والحديث مولانا خليل أحمد السهارنفورى أنه يحل؛

---

(۱) "وفى الجامع الصغير ولابأس بالذبح فى الحلق كله أسفله وأوسطه وأعلاه وفى فتاوىٰ أهل سمرقند قصاب ذبح الشاة فى ليلة مظلمة، فقطع أعلى من الحلقوم أو أسفل منه يحرم أكلها؛ لأنه ذبح فى غير المذبح وهو الحلقوم". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول: ۲۸۵/۵، رشيديه)

(وكذا فى شرح العينى على الكنز، كتاب الذبائح: ۲/۱ ۳٦، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "والتحرير للمقام أن يقال: إن كان بالذبح فوق العقدة حصل قطع ثلاثة من العروق، فالحق ماقاله شراح الهداية تبعاً للرستغفنى، وإلا فالحق خلافه إذا لم يوجد شرط الحلّ بإتفاق أهل المذهب".

(ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۲۹۵/٦، سعيد)

إذ بالذبح فوق العقدة يحصل قطعُ أكثر العروق، وقال: شاهدتُّه فوجدتُّه كذلك(۱)۔

"قال الإتقاني بعد حكاية قول الرستغفني: ويجوز أكلها، سواء بقيت العقدة ممايلى الرأس أوممايلى الصدر، وإنما المعتبر عندنا قطع أكثر الأوداج مانصه: وهذا صحيح؛ لأنه لااعتبار لكون العقدة من فوق أو من تحت، ألاترى إلى قول محمد بن الحسن رحمه الله تعالىٰ فى الجامع الصغير: لا بأس بالذبح فى الحلق كله أسفل الحلق أو وسطه أو أعلاه. فإذا ذبح فى الأعلى، لابدّأن تبقى العقدة من تحت۔

لم يُلتفت إلى العقدة لافى كلام الله ولافى كلام رسوله، بل الذكوة بين اللبّة واللحيين بالحديث، وقد حصلت، لاسيما على مذهب أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ، فإنه يكتفى بالثلاث من الأربع أىّ ثلاث كانت، ويجوز ترك الحلقوم أصلاً، فبالطريق الأولى أن يحل الذبيح إذا قطع الحلقوم وبقيت العقدة إلى أسفل الحلقوم۔

وبلَغنا أن واحداً ممن يتسمى فقيهاً فى زعم العوام، وقد كان مشتهراً بينهم، أمر برمى الذبيح إلى الكلاب حيث بقيت العقدة إلى الصدر لا إلى مايلى الرأس، فيا ليت شعرى! ممن أخذ هذا! من كتاب الله ولا أثر له فيه، أو من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولم يُسمع له فيه نبأ، أو من إجماع الأمة ولم يقل به أحدٌ من الصحابة والتابعين، أو من إمامه الذى هو أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ، ولم ينقل عنه ذلك أصلاً، بل المنقول عنه وعن أصحابه ماذكرنا. أو ارتكب الرجل هَواه فضلّ وأضلّ، قال تعالى: ﴿ولا تتبع الهوىٰ فيضلك عن سبيل

---

(۱) مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"بندہ نے اس کو تحقیق کیا ہے اور گائے مذبوح کا سر منگا کر دیکھا ہے، لہٰذا بندہ کی رائے (میں) اکثر عروق قطع ہوجاتی ہے اور مذبوح حلال ہے، اور حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ ذبح بحکمِ حدیث "مابین اللبة و اللحيين" ہے، واللہ اعلم۔

حررہ خلیل احمد عفی عنہ، ۲۴/ جمادی الثانیہ/ ۳۸ھ۔ (فتاویٰ خلیلیة، کتاب الذبائح، تحقیق و حکم ذبیحه فوق العقدة، ص: ۲۸۷، مکتبه الشیخ بهادر آباد)

اللّٰہ﷫، أو استحییٰ عن الرجوع عن الباطل إلی الحق وخجل من العوام، کی لایفسد اعتقادهم فیه إذا عمل بخلاف ماأفتی أولاً، فالرجوع إلی الحق خیرٌ من التمادی فی الباطل، انتهی. ماقاله الإتقانی، اهـ". شلبی هامش شرح الکنز: ۵/ ۲۹۰(۱)۔

"قال محمد بن زکریا: فی أقصی الفمٗ منفذان: أحدهما: منفذ النفس إلی الرئة وهو قصبتها، والثانی: منفذ الطعام والشراب إلی المعدة وهو المرئ، اهـ". طحطاوی: ۴/ ۱۵۱(۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہانپور، ۸/ شعبان/ ۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۹/ شعبان/ ۶۶ھ۔

---

(۱) (حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق، کتاب الذبائح: ۶/ ۴۵۶، دارالکتب العلمیة بیروت)

"لو ذبح وبقیت عقدة الحلقوم بمایلی الصدر، تؤکل. وکذا إذا بقیت العقدة بمایلی الرأس. والقول بالحرمة قول العوام، ولیس بمعتبر؛ لأن الشرط قطع أکثر الأوداج، وقد وُجد، ألایری .... فی الجامع الصغیر: لابأس فی الحلق کله أسفله وأعلاه وأوسطه، فإذا ذبح فی الأعلی، لابدّ أن یبقی العقدة من تحت، وکیف یصح هذا علی رأی الإمام؟ وقد قال الإمام: یکتفی بقطع الثلاث من الأربع أیّ ثلاث کان. ویجوز علی هذا ترک الحلقوم أصلاً، فبالأولی أن یحل إذا قطع الحلقوم من أعلاه". (البزاریة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الذبائح، الفصل الأول فی مسائله: ۶/ ۳۰۶، رشیدیه)

(وکذا فی اللباب فی شرح الکتاب، کتاب الذبائح: ۳/ ۹۲، قدیمی)

(۲) (حاشیه الطحطاوی علی الدرالمختار: ۴/ ۱۵۱، کتاب الذبائح، دارالمعرفة بیروت)

"والذبح بین الحلق واللبّة. وفی الجامع الصغیر: لابأس بالذبح فی الحلق کله وسطه وأعلاه وأسفله". (الهدایة: ۴/ ۴۳۵، کتاب الذبائح، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

"وذکاة الاختیار ذبحٌ بین الحلق واللبّة بالفتحِ المنحر من الصدر، وعروقه الحلقوم کله وسطه أو أعلاه أو أسفله، وهو مجر ی النفس". (الدرالمختار: ۶/ ۲۹۴، کتاب الذبائح، سعید)

"محمد عن یعقوب عن أبی حنیفة رحمهم الله تعالیٰ: "لابأس بالذبح فی الحلق کله وسطه وأعلاه وأسفله". (الجامع الصغیر، ص: ۴۷۱، کتاب الذبائح، إدارة القران کراچی) .... =

....

ترجمۂ سوال وجواب

سوال : علمائے حنفیہ کیا کہتے ہیں اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے بکری کو ذبح کیا تو عقدہ سینے کے متصل باقی رہ گیا، کیا وہ بکری حلال ہے یا حرام، یا ان دونوں میں کچھ فرق ہے نصف عقدہ یا اکثر عقدہ میں؟ اور کیا مری کی ابتداء معدہ سے ہوتی ہے اور سر پر منتھی ہوتی ہے، یا معدہ سے ابتداء ہوکر حلق یعنی عقدہ پر انتہا ہوجاتی ہے؟

پس جب کہ عقدہ نہیں کٹے گا تو مری بھی قطع نہ ہوگی؟ فقط ودجان قطع ہوئے اور وہ اکثر میں سے اقل ہیں، اور قطع کیلئے ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اکثر رگوں کا کٹنا ضروری ہے۔

۱......مبسوط کی روایت حلّت کا تقاضہ کرتی ہے اس صورت میں جبکہ ذبح عقدہ سے پہلے واقع ہوجائے، اس لئے کہ وہ "لبہ" (جائے نحر) اور دونوں جبڑوں کے درمیان ہے۔

۲......اور جامع صغیر کی روایت عدمِ حلت کا تقاضا کرتی ہے اس لئے کہ جب ذبح عقدہ سے پہلے ہوجائے گا تو حلق محلِ ذبح میں نہ ہوگا۔

۳......اور ذخیرہ میں تصریح کی ہے کہ ذبح جب حلقوم کے اوپر کی جانب ہو تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا، اس لئے کہ جائے ذبح حلقوم ہی ہے۔

۴......لیکن امام رستغفنی کی روایت اس کے خلاف ہے، اس واسطے کہ انہوں نے کہا ہے کہ یہ عوام کا قول ہے جو معتبر نہیں، پس ذبیحہ حلال ہے، خواہ عقدہ سر کی طرف سے رہے خواہ سینے کی طرف سے، اس واسطے کہ معتبر ہمارے نزدیک اکثر رگوں کا قطع ہے اور وہ پایا گیا۔

۵......نقایہ، مواہب اور اصلاح میں کہا ہے کہ عقدہ کا سر کی طرف ہونا ضروری ہے اور اسی کی طرف علامہ زیلعی کا میلان ہے، اس لئے کہ جب عقدہ سر کی طرف نہ رہا تو دونوں (حلقوم اور مری) میں سے کسی کا بھی قطع نہ ہوا، لہذا ذبیحہ بالا جماع کھایا نہ جائے گا۔

۶......نیز شامی نے کہا ہے کہ اگر ذبح فوق العقدہ سے تین رگوں کا کٹنا متحقق ہوجائے تب تو حق وہ ہے جو امام رستغفنی نے کہا ورنہ حق اس کے خلاف ہے۔ اور یہ مشاہدہ یا اہلِ تجربہ سے معلوم کرنے پر ظاہر گا۔

۷......نیز کہا ہے کہ میرے شیخ امام رستغفنی کی روایت پر فتوی دیتے تھے۔ .... =

....

۸......واقعات میں ذکر کیا ہے کہ اگر حلقوم سے اوپر یا اس سے نیچے ذبح کیا تو ذبیحہ حرام ہے اس لئے کہ وہ ذبح جائے ذبح کے غیر پر ہے۔

۹......اور چار میں سے تین (رگوں پر) اکتفاء جائز ہے خواہ وہ کوئی سی بھی تین ہوں اور حلقوم کا ترک اصل ہی سے جائز ہے، تو جبکہ اعلیٰ یا اسفل حلقوم سے قطع ہو تو بدرجۂ اُولیٰ ذبح درست ہوگا۔ اس کو منحہ میں بزازیہ سے نقل کیا ہے اور اسی پر اعتماد کیا ہے صاحبِ دُرر اور صاحب ملتقی اور عینیؒ وغیرہم نے۔

۱۰......اور فتاویٰ سمرقندی میں ہے کہ: قصاب نے تاریک رات میں بکری ذبح کی اور اعلیٰ یا اسفلِ حلقوم سے قطع کیا تو اس کا کھانا حرام ہے۔ یہ سب عبارات ردالمحتار علی الدرالمختار، ص: ۱۹۳، عینی شرح کنز، ص: ۳۴۵، سے ماخوذ ہیں۔

ہم آپ سے اس کی حلت واضح دلیل کے ساتھ، یا حرمت واضح ثبوت کے ساتھ، یا حرمت للاغنیاء، حلت للفقراء کو پوچھتے ہیں، میں نے اپنے استاذ الکل مولانا انور شاہ صاحب **نوّر اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ** کو بغیر حوالہ کتب کے یہ کہتے ہوئے سنا کہ اغنیاء کے لئے ایسا ذبیحہ حرام ہے، فقراء کے لئے حلال ہے۔ کیا آپ نے ذبح پر اس بات کا تجربہ کیا ہے۔ کہ مری رأس تک منتہی ہوتی ہے، یا عقدہ پر ختم ہوجاتی ہے؟ نیز شامی کے قول "باخبر لوگوں سے سوال کرنا" کے موافق ہے، نیز حق تعالیٰ: **﴿فاسئلو أهل الذكر إن كنتم لاتعلمون﴾** عام ہے۔ متداول اور معتبر عندالناس کتب کے حوالہ سے صحیح جواب دیجئے تاکہ مراتب علیّہ کے ساتھ ماجور ہوں۔

عبدالجلیل، محلّہ میانوالی خاص شہر، مسجد میاں سیف العلی صاحب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذبوح فوق العقدہ کے حکم میں اختلاف ہے، بعض اس کی حلت کے قائل ہیں اور بعض اس کے عدم جواز کی اور حق بات یہ ہے کہ اصل مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں، بلکہ رائے میں ہے، یعنی اکثر رگوں کا قطع ذبح فوق العقدہ سے حاصل ہوجاتا ہے یا نہیں، جیسا کہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا اور سائل نے اس کو عبارت نمبر: ۶ میں نقل کیا ہے۔

اور ہمارے مشائخ کے شیخ، شیخ الفقہ والحدیث مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ وہ حلال ہے، اس لئے کہ ذبح فوق العقدۃ سے اکثر رگوں کا قطع حاصل ہوجاتا ہے اور فرمایا ہے کہ میں نے خود اس کا مشاہدہ کیا تو ایسا ہی پایا۔ ....

....

اور اتقانی نے رستغفنی کا قول نقل کرنے کے بعد کہا ہے: اور جائز ہے اور اس کا کھانا برابر ہے کہ عقدہ باقی ہو سر کی طرف یا سینہ کی طرف سے، اور ہمارے یہاں صرف اکثر رگوں کا قطع ہے جس کی تصریح موجود ہے۔

اور یہ صحیح ہے اس لئے کہ عقدہ کے فوق یا تحت میں ہونے کا اعتبار نہیں ہے، کیا امام محمد بن الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نہیں دیکھا جو جامع صغیر میں مذکور ہے کہ پورے حلق میں ذبح کرنے میں کچھ حرج نہیں، خواہ اسفلِ حلق میں ہو، خواہ اوسطِ حلق میں، خواہ اَعلائے حلق میں۔ پس جبکہ ذبح اَعلائے حلق میں ہوگا تو عقدہ کا تحت میں باقی رہنا ضروری ہے۔

اور عقدہ کی طرف التفات نہیں کیا گیا، نہ کلام اللہ میں، نہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں، بلکہ ذبح سینہ اور دونوں جبڑوں کے درمیان حدیث سے ثابت ہے اور وہ حاصل ہو چکا۔ خصوصاً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک پر چار (رگوں) میں سے تین پر اکتفاء درست ہے، خواہ کوئی سی بھی تین ہوں اور حلقوم کا ترک بالکل جائز ہے تو ذبیحہ بطریقِ اَولیٰ حلال ہوگا جبکہ حلقوم کٹ جائے اور عقدہ اسفلِ حلقوم کی طرف رہ جائے۔

اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک مشہور فقیہ عندالعوام نے ایسے ذبیحہ کو کتوں کی طرف پھینک دینے کا حکم دیا، اس واسطے کہ عقدہ سینہ کی طرف باقی رہ گیا تھا نہ کہ سر کی طرف، پس کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ انہوں نے یہ کہاں سے لیا۔ آیا کتاب اللہ سے حالانکہ اس میں اس کے متعلق کچھ نہیں، یا حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حالانکہ آپ سے اس سلسلے میں کوئی خبر نہیں سنی گئی، یا اجماعِ امت سے حالانکہ صحابہ وتابعین میں سے کوئی اس کا قائل نہیں، یا اپنے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے حالانکہ یہ ان سے بالکل منقول نہیں، بلکہ آپ سے اور آپ کے اصحاب سے وہ منقول ہے جو ہم نے ذکر کیا، یا پھر وہ شخص اپنی خواہشِ نفس کا مرتکب ہوا، پس خود بھی گمراہ ہوا دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا ہے: ’’اور تُو خواہشِ نفس کی اتباع نہ کر، ورنہ وہ تجھ کو اللہ کے راستے سے گمراہ کردے گی‘‘۔

یا اس نے باطل سے حق کی طرف رجوع کرنے سے حیا کی اور عوام سے شرمندہ ہوا تا کہ ان کا اعتقاد اس کے بارے میں خراب نہ ہو، جبکہ وہ اپنے سابق فتوی کے خلاف عمل کرے، پس حق کی

گردن کی طرف سے ذبح کرنا

سوال[۸۳۴۵]: زید نے ایک ہرن کا شکار کیا اور بالمصلحت بجائے حلق کے پاس سے ذبح کرنے کے گردن کے آخری حصے جو کہ سینے اور دست کی طرف ہے، ذبح کیا اور جو شرائط ذبح کے ہیں ان کی باقاعدہ ادائیگی کی گئی۔ وہ جانور از روئے شرع حلال ہے یا حرام؟

مجیب الرحمٰن۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عروقِ ذبح چار ہیں: حلقوم، مری، وَدَجان، اگر اس طرح ذبح کرنے سے چاروں عرق قطع ہوگئی ہیں تو ذبح درست ہوگیا(۱)، جیسا کہ جامع صغیر (۲)، فتاوی بزازیہ (۳) شامی (۴) وغیرہ سے معلوم ہے(۵) مگر

= طرف رجوع کرنا باطل میں جمے رہنے سے بہتر ہے، جیسا کہ اتقان نے کہا کہ شلبی حاشیہ شرح کنز (زیلعی: ۵/۲۹۰)۔

محمد بن زکریا نے کہا ہے کہ: منہ کے اخیر حصہ میں دوسوراخ ہیں: ایک سانس لینے کا جو پھیپھڑوں تک ہے، دوسرا کھانے اور پانی کا جو معدہ تک ہے اور وہ مری ہے، طحطاوی: ۴/۱۵۱۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

(۱) اس طرح اگر تین عروق قطع ہوگئی تب بھی ذبح درست ہوگیا: "وحل المذبوح بقطع أيّ ثلاث منها".
(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۶/۲۹۵، سعيد)

"إذا قطع أكثر الأوداج وهو ثلاثة منها أيّ ثلاث كانت وترك واحداً، يحل". (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح والصيود، فصل في شرط حل الأكل في الحيوان المأكول: ۶/۲۰۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وإن قطع أكثر من النصف من الأوداج والحلقوم قبل أن تموت، أكلت". (الجامع الصغير، ص: ۳۷۸، كتاب الذبائح، إدارة القران كراچي)

(۳) "وقد قال الأمام: يكتفى بقطع الثلاث من الأربع أيّ ثلاث كان". (الفتاویٰ البزازيه على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، ۶/۳۰۶، رشيديه) =

فتاوی عالمگیری میں فتاوی اہل سمرقند سے نقل کیا ہے کہ اس طرح ذبح درست نہیں ہوتا:

"وفی الجامع الصغیر: ولابأس بالذبح فی الحلق کله أسفله وأوسطه وأعلاه. وفی فتاویٰ أهل سمرقند: قصابٌ ذبح الشاة فی لیلة مظلمة، فقطع أعلیٰ من الحلقوم أو أسفل منه، یحرم أکلها؛ لأنه ذبح فی غیر المذبح والحلقوم، اه". فتاوی عالمگیری (۱)۔

بعض علماء حضرات نے مشاہدہ اور تجربہ کے بعد بتایا کہ اس طرح عروقِ ذبح قطع نہیں ہوتیں، اس بناء پر عدمِ جواز کو ترجیح دی ہے، امداد الفتاوی (۲) فتاوی دار العلوم (۳) تذکرۃ الخلیل میں اس پر بحث موجود ہے۔

---

(۴) "وحل المذبوح بقطع أیّ ثلاث منها". (ردالمحتار، کتاب الذبائح: ۲۹۵/۶، سعید)

(۵) "وإن قطع أکثرها، یعنی: ثلاثة منها أیّ ثلاثة کانت، فکذلک: أی حل الأکل". (اللباب فی شرح الکتاب: ۹۳/۲، قدیمی)

(۱) "فإن قطع کل الأربعة، حلت الذبیحة، وإن قطع أکثرها، فکذلک عند أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الذبائح، الباب الأول فی رکنه وشرائطه وحکمه وأنواعه: ۲۸۷/۵، رشیدیه)

لیکن احناف کے نزدیک مفتی بہ قول یہی ہے کہ مذبوحہ فوق العقدہ حلال ہے:

"قال الحنفیة وبعض المالکیه: تؤکل؛ لأنه لایشترط قطع الحلقوم ذاته، فإن قطع فوق الجوزة، جاز؛ لأنه یشترط فقط قطع أکثر الأوداج، وقد وُجد". (الفقه الإسلامی وأدلته: ۲۷۶۶/۴، المطلب الثانی: موضع القطع، رشیدیه)

(۲) حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

سوال: "مذبوحہ فوق العقدہ کا کیا حکم ہے، حلال یا حرام یا مکروہ؟

الجواب: "مذبوحہ فوق العقدہ میں فقہاء کا اختلاف ہے: بعض کے نزدیک مطلقاً حرام ہے اور بعض کے نزدیک مطلقاً حلال ہے، چنانچہ طحطاوی نے یہ سب اختلاف نقل کئے ہیں، اور جانبین کے دلائل ذکر کئے ہیں، لیکن ترجیح حرمت کو دی ہے اور کہا ہے کہ احتیاط متفق علیہ میں ہے، یعنی مذبوحہ تحت العقدہ بالاتفاق حلال ہے، اسی کو حلال کہنا چاہیے، اور مختلف فیہ سے احتراز واجب ہے:

"قال صاحب المواهب: یتعین الذبح بین الحلق واللبة تحت العقدة.

وقیل: مطلقاً. وکذا قال ابن کمال باشا لم یجز فوق العقدة. وأفتی بعضهم بالجواز.

ومال الزیلعی إلی تعین الذبح تحتها، وکذلک الشمنی، وذکر نحوه ملا علی،

وذکره الشرنبلالی عن الزیلعی، وأقره، وقال الاتقانی عن الرستغفنی: ویجوز أکلها، ....=

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

سواء بقيت العقدة مما يلي الراس أوممايلي الصدر. وشنع علي من أفتى بالحرمة في ذلك. والذي ظهر لي أن الحق قول الزيلعي ومن معه، وعلى كلٍّ فالاحتياط في المتفق عليه". طحطاوي: ۴/۱۵۰. واللہ اعلم"۔(إمداد الفتاویٰ، كتاب الذبائح والأضحية والصيد والعقيقة، عنوان مسئله: حکم ذبح فوق العقدہ:۳/۵۳۷، مكتبه دارالعلوم كراچی)

(۳) "ذبح کا مدار شرعاً اکثر عروق کے قطع ہوجانے پر -یعنی منجملہ چار عروق کے حلقوم، مری، ودجین کے تین عروق قطع ہوجائیں- متحقق ہوجائے گا، خواہ کسی طریقہ پر قطع کیا جائے: فوق العقدہ یا تحت العقدہ، بلکہ حلق کی جانب سے ہو، یا گدی کی جانب سے ہو، البتہ جس صورت میں جانور کو تکلیف زیادہ ہو اس کا اختیار کرنا دوسری حیثیت سے ممنوع ومکروہ ہے، لیکن حلتِ ذبیحہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اب یہ بات تجربہ کے متعلق رہ گئی کہ فوق العقدہ ذبح کرنے سے عروقِ ثلاثہ قطع ہوجاتی ہیں یا نہیں، اگر ہوجاتی ہیں تو ذبیحہ درست ہے ورنہ نہیں، لیکن اکثر اہل تجربہ کے بیان سے قطع ہوجانے کی تصدیق ہوئی ہے:

وهذا محصل مااختاره مشايخنا في هذا الباب، وهذا هو الذي ختم الشامي كلامه عليه بعد تحقيق حقيق، وتفتيش أنيق ولفظه أقول:

"والتحرير للمقام أن يقال: إن كان بالذبح فوق العقدة حصل قطع ثلاثة من العروق، فالحق ماقال شراح الهداية تبعاً للرستغفني، وإلا فالحق خلافه؛ إذ لم يوجد شرط الحل باتفاق أهل المذهب، ويظهر ذلك بالمشاهدة أو سؤال أهل الخبرة. فاغتنم هذا المقال، ودع عنك الجدال". (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۲۹۵/۶)

"ويؤيده مافي الخلاصة والدرالمختار وغيره: ذبحها من قفاها إن بقيت حيةً حتى تقطع العروق، وإلا لم تحل لموتها بلاذكاة". از شامي: ۲۰۵/۵.

فقد دلت هذه العبارة على أن مدار الذبح إنما هو قطع العروق بأى طريق كان. واللہ تعالیٰ اعلم"۔ (فتاوى دارالعلوم ديوبند للمفتي محمد شفيع، كتاب الصيدو الذبائح، ذبح فوق العقدہ کا حکم، ص: ۷۷۹، دارالإشاعت كراچي)

ذبیحہ کی گردن جدا ہو جانا

سوال[۸۳۴۶]: زید نے قربانی کا جانور اس طرح ذبح کیا کہ تمام گردن جدا ہوگئی، اس سے قربانی حلال ہوگئی یا حرام رہی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قربانی تو حرام نہیں ہوئی حلال ہی رہی ہے، البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے، شامی: ۱۸۸/۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بکری کو ذبح کرتے وقت خون کو وہیں بند کر دینا

سوال[۸۳۴۷]: قصاب بکری اور خصی ذبح کرتے وقت خون باہر نکلنے نہیں دیتا، بلکہ اس کے اندر پیوست کر دیتا ہے۔ اور دبلے جانور کو گاہک کو فربہ دکھانے کے لئے اس جانور کی نالیوں میں انجکشن کے ذریعہ ایسی دوا بھر دیتا ہے جس سے جانور فربہ دکھائی دے۔ اس کا گوشت کھانا کیسا ہے؟ اور قصاب کا ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے وہ سب گوشت نجس ہو جائے گا جس میں دمِ مسفوح پیوست ہو جائے گا(۲)۔ دبلے جانور

---

(۱) "وکره کل تعذیب بلافائدة، مثل قطع الرأس والسلخ قبل أن تبرد". (ردالمحتار: ۲۹۶/۶، کتاب الذبائح، سعید)

"ومن بلغ بالسکین النخاعَ أوقطع الرأس، کره له ذلک، وتؤکل ذبیحته". (مختصر القدری، کتاب الصید والذبائح، ص: ۱۹۹، قدیمی)

"ویکره أن یبلغ بالسکین النخاع أو یقطع الرأس، وتؤکل". (المحتار: ۴۶۵/۲، مکتبه حقانیه پشاور)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الذبائح: ۳۱۳/۸، رشیدیه)

(وکذا فی ملتقی الأبحر، کتاب الذبائح: ۱۵۹/۴، مکتبه غفاریه)

(۲) اگر ذبح کرتے وقت خون اس طرح بند کر دیتے ہیں کہ خون رگوں سے باہر آتا ہی نہیں، بلکہ رگوں کے اندر ہی منجمد ہو جاتا ہے تو اس سے گوشت نجس نہیں ہوتا، اس کی مثال فقہ کی کتابوں میں موجود ہے کہ: اگر کسی ایسے بیمار جانور کو ذبح کیا جائے کہ اس سے خون =

....

= بالکل نہ نکلے تو وہ جانور حلال ہے، حالانکہ اس کی رگوں میں خون رہ جاتا ہے۔ لیکن اگر رگوں سے خون خارج ہوکر کسی طریقہ سے گوشت کے اندر جذب ہوجائے تو اس سے سارا گوشت نجس ہوجاتا ہے:

سوال: ''اگر بکری کو ذبح کیا اور ذبح کرتے وقت وہ معلوم الحیوۃ تھی مگر ذبح کے بعد رگوں سے خون نہیں بہا یا خون بہا مگر بکری نے نہ حرکت کی نہ تڑپی تو مذبوح حلال ہے یا حرام؟

جواب: ''حلال ہے سراجیہ میں ہے:

''شاة ذبحت وعلم حياتها وقت الذبح ولم يخرج منها دم حلّت، حيوان ذبح وخرج منه دم مسفوح ولم يتحرك فإنه يحل وإن لم يخرج منه دم مسفوح ولم يتحرك أيضا، فإن حياته حل''.

ایک بکری کی ذبح کی گئی وقت ذبح اس کی حیات کا علم تھا لیکن ذبح کے بعد خون نہیں نکلا تو وہ حلال ہے، ایک جانور ذبح کیا گیا اور اس سے دم مسفوح نکلا لیکن جانور نے حرکت نہیں کی تو وہ حلال ہے اور اگر دم مسفوح بھی نہ نکلا اور اس جانور نے حرکت بھی نہ کی تو اگر اس کی حیات کا علم تھا تو وہ حلال ہے۔ واللہ اعلم۔ (مجموعة الفتاویٰ، کتاب الأضحية: ۲۲۷/۳، سعید)

سوال: ''بوقت ذبح جانور نے خون نہ دیا تو حلال ہے یا نہیں؟

الجواب: ''جانور وقت ذبح کے اگر کانپا یا آواز کی اگر چہ اس وقت خون نہ دیا حلال ہے: ''ذبح شاة مريضة، فتحركت، أو خرج الدم حلت الخ. درمختار. والله تعالیٰ اعلم''. (عزیز الفتاویٰ، کتاب الصید والذبائح، جو جانور بوقت ذبح آواز کرے، یا حرکت کرلے حلال ہے، اگرچہ خون نہ نکلے: ۶۷۰/۱، دار الإشاعت)

'' ولو ذبح شاةً فتحركت أو خرج الدم، حل، وإلا لا إن لم يدر حياته، وإن علم، حل وإن لم يتحرك ولم يخرج الدم''. (تبيين الحقائق، كتاب الذبائح: ۴۷/۶، دار الكتب العلمية بيروت)

''ذبح شاةً فتحركت أو خرج الدم، حلت، وإلا لا إن لم تُدر حياته. وإن علم، حلت مطلقاً وإن لم تتحرك ولم يخرج الدم. وهذا يتأتى فى منخنقة ومتردية ونطيحة''. (الدر المختار، كتاب الذبائح: ۳۰۸/۶، سعيد)

''مالزق من الدم السائل باللحم فهو نجس، وما بقى فى اللحم والعروق من الدم الغير السائل فليس بنجس. والأصل أن النجس من الدم ما كان مسفوحاً''. (الحلبى الكبير، كتاب الطهارة، ص: ۱۹۵، سهيل اكيڈمى لاهور)

کو اس طرح فربہ دکھانا دھوکہ ہے، حدیث میں ہے: "من غشنا، فلیس منا". الحدیث (۱) ۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۹۱/۳/۲۸ھ۔

ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح کرنا

سوال[۸۳۴۸]: قربانی کرتے وقت ایک جانور کو ذبح کیا جاتا ہے اور دوسرا جانور قریب بندھا رہتا ہے، ذبح ہوتے ہوئے دیکھتا ہے۔ایسا کرنے میں کوئی حرج یا برائی تو نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسا کرنا منع ہے، ایک جانور کو دوسرے کے سامنے ذبح نہ کیا جائے، حدیث شریف میں اس کی ممانعت ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من حمل علينا السلاح فليس منا، ومن غشّنا فليس منّا". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من غشنا فليس منا": ۱/۷۰، قديمي)

(وفيض القدير: ۱۱/۵۹۲۴، مكة المكرمة)

(۲) "عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: أمر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن تحدّ الشفار وأن توارى عن البهائم". (سنن ابن ماجة، كتاب الذبائح،باب إذا ذبحتم فأحسنوا الذبح، ص: ۲۲۵، قديمي)

(وكذا في السنن الكبرىٰ: ۹/۲۸۰، اداره تاليفات اشرفية ملتان)

"ويستحب ألا يذبح شاة وأخرى تنظر إليه، لماروى ابن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله صلىٰ الله عليه وسلم أمر أن تحد الشفار وأن توارى عن البهائم". (الفقة الإسلامي وأدلته، المبحث الثاني، الذبح أو التذكية، المطلب السابع: سنن التذكية: ۲۷۷۳/۴، رشيديه)

"وكل طريق أدّى الحيوان إلى تعذيب أكثر من اللازم لإزهاق روحه، فهو داخل في النهي .... مثل أن يحدّ الشفرة بحضرة الحيوان أو يذبحه بمرآى حيوان آخر". (تكملة فتح الملهم، باب الأمر بإحسان الذبح والقتل الخ: ۵۴۰/۳، مكتبه دارالعلوم كراچى) .... =

ذبح سے قبل بجلی کا شاٹ لگانا

سوال[۸۳۴۹]: بمبئی میں بکرے اور بھیڑ کو ذبح کرنے سے پہلے بجلی کا شاٹ لگایا جاتا ہے، شاٹ لگتے ہی جانور بے ہوش ہو کر گر جاتا ہے، اس کے ہاتھ پیر بیٹھ جاتے ہیں، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ جانور زندہ ہے یا مرگیا۔ جانور کے گرتے ہی فوراً ذبح کردیا جاتا ہے، بعض جانور ذبح ہونے سے پہلے تڑپتے ہیں اور بعض بالکل نہیں۔ ذبح کرنے کے فوری بعد اس کو بغیر ٹھنڈا کئے کرین پر ٹانگ دیا جاتا ہے(۱) اور کھال اتارنے کا کام شروع کردیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس تدبیر کے ذریعہ سے جانور کو موت سے پہلے ہی موت کے گھاٹ اتار دینا ہے جس سے اس کا خون بھی بڑی مقدار میں خشک ہوجاتا ہے، گوشت بھی لذیذ نہیں رہتا، گوشت کی قوت بھی ختم ہوجاتی ہے، یہ طریقہ سنتِ متوارثہ اور طریقۂ شرع کے خلاف ہے، مکروہ تحریمی ہے، جانور کو ایسی اذیت دینے کی اجازت نہیں (۲)۔ تاہم اگر جانور میں زندگی باقی تھی، ایسی حالت میں اس کو ذبح کیا گیا جس سے خون جوش کے ساتھ نکلا، جانور تڑپا

= "ویکره أن يذبح شاة والأخرىٰ تنظر إليه". (إعلاء السنن: ۱۳۷/۱۷، كتاب الذبائح، باب الأمور التي يستحب مراعاتها عند الذبح وإراحة الذبيحة، إدارة القرآن كراچی)

"وعن صفوان بن سليم قال: كان عمر بن الخطاب رضی الله تعالىٰ عنه ينهى أن تذبح الشاة عند الشاة". (کنز العمال: ۲۴۳/۳)

(وكذا في شرح السنة: ۲۴۰/۶، دار المعرفة بيروت)

(۱) "ٹانگ دینا: لٹکا دینا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۴۱۰، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "وكره كل تعذيب بلافائدة". (الدر المختار: ۲۹۶/۶، كتاب الذبائح، سعيد)

"مكروهات التذكية التعذيب أوزيادة الألم بلافائدة". (الفقة الإسلامی وأدلته، المبحث الثاني: الذبح أو التذكية، المطلب: الثامن مكروهات التذكية: ۲۷۴۴/۴، رشيديه)

"والحاصل أن كل مافيه زيادة ألم لايحتاج إليه في الذكاة مكروة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول: ۲۸۸/۵، رشيديه)

تو وہ گوشت حرام نہیں ہوگا، ورنہ وہ ذبیحہ حرام ومردار ہو جائے گا(۱)۔ ٹھنڈا ہونے سے پہلے کھال نہ کھینچیں (۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۶/۹۴ھ۔

متوحش جانور کو ذبح کرنے کے لئے سر پر لوہا مارنا

سوال[۸۳۵۰]: ایک مذبح میں بہت سے بیل ہیں، سب کو ذبح کرنا ہے، بعض بیل وحشی کے حکم میں داخل ہیں، کسی کو قریب نہیں ہونے دیتے۔ اور بہت سے ایسے ہیں کہ وحشی نہیں ہیں بلکہ سیدھے ہیں، ان کو آسانی سے ذبح کر دیا جاتا ہے، لیکن جو متوحش ہیں، کسی کو قریب پھٹکنے نہیں دیتے، لوگ مجبور ہو کر ان کے ساتھ یہ معاملہ کرتے ہیں۔ ذابحین میں سے ایک آدمی چند انچ کا لمبا لوہا لیکر کسی حکمت سے اس کے سر پر مارتا ہے تاکہ وہ اپنی اس تکلیف میں پریشان ہو کر غافل ہو جائے - اور وہ چوٹ ایسی نہیں ہوتی کہ وہ جانور مر جائے، بلکہ اتنا ہوتا ہے کہ وہ اپنے درد میں غافل ہو جاتا ہے- اور ذابحین اس کی ٹانگ میں رسی وغیرہ لگا کر گرا دیتے ہیں، پھر اس کو باقاعدہ ذبح کر دیتے ہیں۔

---

(۱) "المتردية والمنخنقة والموقوذة والشاة المريضة والنطيحة ومشقوقة البطن إذا ذبحت، ينظر: إن فيها حياة مستقرة، حلت بالذبح بالإجماع وإن لم تكن الحياة فيها مستقرةً، تحل بالذبح، سواء عاش أو لا يعيش عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وهو الصحيح، وعليه الفتوى". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول: ۲۸۶/۵، رشيديه)

ذبح سے پہلے جانور میں حیات یقینی ہو، یا ذبح کے بعد جانور سے خون بھی بہہ جائے اور ذبح کے بعد جانور کوئی حرکت کرے، اگر ان تین حالات میں سے ایک حالت پائی جائے تو مذبوحہ جانور حلال ہے:

"ذبح شاةً مريضةً فتحركت أو خرج الدم، حلت، وإلا لا إن لم يدر حياته عند الذبح. وإن علم حياته، حلّت مطلقاً وإن لم تتحركت أولم يخرج الدم. وهذا يتأتى فى منخنقة ومتردية ونطيحة".

(ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۲۹۶/۶، سعيد)

(وكذا فى ملتقى الأبحر، كتاب الذبائح: ۱۵۹/۴، مكتبه غفاريه)

(۲) "وكره كل تعذيب بلافائدة، مثل قطع الرأس والسلخ قبل أن تبرد". (الدرالمختار، كتاب الذبائح: ۲۹۶/۶، سعيد)

یہ صورت مسئولہ ہے، اس پر کئی سوال ہیں جو ذیل میں مذکور ہوتے ہیں:

۱......مذکورہ متوحش بیل کو اس خاص ضرورت کی وجہ سے لوہا مارنا محض غافل کرنے کیلئے تعذیبِ حیوان میں داخل ہے یا نہیں، اگر تعذیب نہیں تو اس کی کیا دلیل، اور اگر ہے تو اس کی کیا دلیل ہے؟

۲......لوہا مارنے کی دلیلِ جواز ابوداؤد شریف: ۲/۳۳، کی حدیث پیش کی جاسکتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"إن لهذه الهائم أوَابِدَ كأوابد الوحش، وما فعل منها هذا، فافعلوا به مثل هذا"(۱)۔

اور حدیث باقی صحاح ستہ میں بھی ہے(۲) اور ترمذی شریف ج ص: ۱۸۰، کے حاشیہ میں طیبی کے کلام سے جواز نکل سکتا ہے یا نہیں (۳)؟

---

(۱) "عن عباية بن رفاعة عن أبيه عن جدّه رافع بن خديج رضی الله تعالىٰ عنه قال: أتيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقلت: ياسول الله! إنا نلقى العدوّ غداً وليس معنا مدى، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أرن أو أعجل ما أنهر الدم وذكر اسم الله، فكلوا مالم يكن سِنّ أو ظفر، وسأحدثكم عن ذلك: أما السن فعظم، وأما الظفر فمدى الحبشة". وتقدم به سرعانٌ من الناس، فتعجلوا فأصابوا من الغنائم ورسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فی اٰخر الناس، فنصبوا قدورا فمرّ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالقدور، فأمر بها فأكفئت وقسم بينهم، فعدل بعيراً بعشر شياه. وندّ بعير من إبل القوم ولم يكن معهم خيل، فرماه رجل بسهم فحبسه الله. فقال النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن لهذه البهائم أوَابدَ كأوابد الوحش، ومافعل منها هذا فافعلوا به مثل هذا". (سنن أبی داؤد، كتاب الضحايا، باب الذبيحة بالمروة: ۲/ ۴۱-۴۲، مكتبه رحمانيه)

(۲) (صحيح البخاری، والصيد والتسمية، باب ماند من البهائم فهو بمنزلة الوحش: ۲/۸۲۸، قديمی)

(وسنن النسائی، كتاب الصيد والذبائح، الإنسية تستوحش: ۲/۱۹۵، قديمی)

(وسنن أبی داؤد، كتاب الضحايا، باب الذبيحة بالمروة: ۲/۴۱، مكتبه رحمانيه)

(وسنن ترمذی، أبواب الصيد، باب فی الذكاة بالقصب وغيره: ۱/۲۷۵، سعيد)

(۳) "أوابد جمع آبدة، وهی التی تندت: أی توحشت، فيه دليل على أن الحيوان الانسی إذا توحش ونفر، فلم يقرر على قطع مزبحه، يصير جميع بدنه كالمذبح، طيبی". (حاشية سنن الترمذی، أبواب الصيد، باب فی الذكاة بالقصب وغيره: ۱/۲۷۵، سعيد)

۳..... کیا امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ اونٹ، گائے، بھینس جو شہر میں یا صحراء میں ہوں اور اپنے نفس سے روکتے ہوں جب وحشی ہو جائیں تو ان کو شکار کی طرح زخمی کیا جائے، کیا ردالمحتار، ص ۱۹۹، میں یہ عبارت ہے(۱)۔

۴..... صورتِ مذکورہ میں عجزِ حقیقی ذبح اختیاری سے متحقق ہے یا نہیں؟ ھدایہ، کتاب الذبائح: ۳/۳۷۲ کی عبارت: "والصیّال کالند"(۲) سے عجز ثابت کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس طرح: "البقر والبعير؛ لأنهما يدفعان عن نفسهما، فلا يقدر على أخذهما وإن ندّا في المصر فيتحقق العجز"(۳) کی عبارت سے عجز ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں؟

۵..... صورتِ مذکورہ میں متوحش بیل کسی حکمت سے مکان میں لایا جائے رسہ وغیرہ ڈال کر، مگر پھر بھی نہ آسکے یہ عجزِ حقیقی ہے یا نہیں؟

۶..... "زيادة الألم من غير حاجة". هدايه كتاب الذبائح، ص: ۳۷۲(٤)، سے اس خاص صورت میں مفہوم مخالف لے سکتے ہیں یا نہیں؟

۷..... حقیقت عجز ذبح اختیاری یہ بھی کچھ ہے کہ صورت مذکورہ میں خاص بیل روکتا ہوا اور اپنے اوپر قابو نہ دے، یا یہ حقیقت عجز خاص صورت میں نہیں ہے؟

۸..... کسی حاجت کی وجہ سے ایلام درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حاشیہ مسلم: ۲/۱۵۳(۵)، سے صورتِ مذکورہ پر استدلال کرتے ہوئے اس خاص بیل کو لوہا مارنا ذبح سے پہلے

---

(۱) "والمصر وغيره سواء في البقر والبعير؛ لأنهما نرفعان عن أنفسهما، فلا يقدر على أخذهما وإن ندا في المصر". (الدرالمختار، كتاب الذبائح: ۶/۳۰۳، سعيد)

(۲) (هدايه، كتاب الذبائح: ۴/۴۳۷، مكتبه امداديه ملتان)

(۳) (الهداية، المصدر السابق)

(۴) (الهداية، المصدر السابق)

(۵) "إن كان فيه مصلحة أو حاجة في قتال العدو أو تحصيل الصيد، فهو جائز، ومن ذلك رمي الطيور الكبار بالبندق إذا كان لايقتلها غالباً بل تدرك حية فتذكى، فهو جائز". (الصحيح لمسلم، كتاب الصيد والذبائح، باب إباحة مايستعان به على الاصطياد: ۲/۱۵۲، قديمى)

درست ہے یا نہیں؟

۹......اگر حاجت کے ماتحت اِیلام یا بلا حاجت اِیلام دے کر ذبح کریں تو اس کا اثر گوشت کی حلّت، یا حرمت پر پڑتا ہے یا نہیں؟

۱۰......صورت مذکورہ میں خاص بیل جب کہ قابو نہ دے تو اس کو "صیــــد" کے حکم میں قرار دے سکتے ہیں یا نہیں؟

"والصيد وهو الممتنع المتوحش في أصل الخلقة". هدايه، كتاب الحج: ۲/۷۵۷(۱)۔

بخاری شریف: ۲/۸۲۸:

"ما أعجزك من البهائم ممافي يديك، فهو كالصيد .... فذكه من حيث قدرت عليه"(۲) سے استدلال کر کے حکماً صید بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

۱۱......اگر مذکورہ بیل بہت سے ہوں اور اپنے اوپر قابو نہ دیں تو سب کو فرداً فرداً لوہا مار سکتے ہیں یا نہیں؟

۱۲......مذکورہ خاص بیل کے لئے یہ اضطراری چوٹ لوہے کی خاص موقع محل کے لئے دستور بن سکتی ہے یا نہیں؟

۱۳......اگر کوئی شخص اس خاص بیل کو لوہا مارنے کی اجازت کی وجہ سے متوحش، غیر متوحش، سب کو مارنے لگے تو کیا اس ناجائز فعل کی وجہ سے ﴿غير باغ ولا عاد﴾(۳) کے تحت میں اس شخص سے متوحش بیل کی اجازت بھی از روئے شرع سلب ہو سکتی ہے یا نہیں اور استدلال درست ہے یا نہیں؟

۱۴......صیال یا بھاگنے والے جانور حیوان متوحش کو پہلے زمانہ میں تیر مارا کرتے تھے، اب اس زمانہ

---

(۱) (الهداية، كتاب الحج، باب الجنايات: ۱/۲۷۷، شركة علميه)

(۲) (صحيح البخاری، كتاب الذبائح والصيد والتسمية، باب ماند من البهائم فهو بمنزلة الوحش: ۲/۸۲۸، قديمی)

(۳) (سورة البقرة: ۱۷۳)

میں تیر مارنے کا رواج نہیں رہا تو کوئی لوہا یا ڈنڈا یا گولی مار سکتے ہیں، اس غرض سے کہ وہ قابو میں آجائے یا نہیں، اگر نہیں تو کیا صورت ہو؟

۱۵......سینگ میں یا گلے میں رسہ یا کسی طرف گھیر کر ٹھہرایا ہو، لیکن پھر بھی متوحش بیل اپنے نزدیک نہیں آنے دیتا تو کیا اس وقت عجز متحقق ہے؟ اور ابوداؤد: ۲/۱۴، کے حاشیہ میں: "وإن تحقق العجز فی الحال جاز رمیه"(١). سے عجز حقیقی کا استدلال درست ہے یا نہیں؟

۱۶......"لاتتخذوا شیئاً فیه الروحُ غرضاً"(٢) والی حدیث صحاح ستہ کے تمام مقامات سے تلاش کرکے اور سب کو سامنے رکھ کر یہ مطلب نکالنا درست ہے کہ مرغی یا پرندہ وغیرہ اَور کوئی جانور ایک جگہ باندھ لیا جائے، پھر تیر اندازی شروع کردی جائے حتی کہ وہ مرجائے اور مرجانے کے بعد کھالی جائے یا نہ، ایسا کرنے والے پر لعنت ہے۔

اس مطلب کی صحت کا استدلال، ترمذی: ۲/۱۷۸: "تنتصب وترمی حتی تقتل"(٣)۔

اورأبوداؤدشریف، حاشیه: ۲/۳٤: "یمسك الحیوان، ویجعل هدفاً، ویرمی إلیه حتی یموت"(٤) ان ہر دو حوالوں سے کرنا درست ہے یا نہیں؟

۱۷......صورتِ مذکورہ اس حدیث کی زد میں آتی ہے جبکہ صورت مذکورہ میں ان باتوں کا اہتمام کیا جاتا ہے:

۱-رسہ سے متعارف طریقہ سے نہیں باندھا جاتا کہ نشانہ لگایا جائے۔

---

(۱) (حاشیة سنن أبی داؤد، کتاب الضحایا، باب ماجاء فی الذبیحة بالمتردية: ۲/۳۹۰، مکتبه رحمانیه)

(۲) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "لاتتخذوا شیئاً فیه الروح غرضاً". (الصحیح لمسلم، کتاب الصید والذبائح ومایؤکل من الحیوان، باب النهی عن صبر البهائم: ۲/۱۵۳، سعید)

(۳) (حاشیة سنن الترمذی، أبواب الصید، باب ماجاء فی کراهبة أکل المبصورة: ۱/۲۷۲، سعید)

(۴) (حاشیة سنن أبی داؤد، کتاب الضحایا، باب فی النهی أن تصبر البهائم والرفق بالذبیحة: ۲/۴۱، مکتبه رحمانیه)

۲-اس پر تیراندازی سے یا کسی اَور چیز سے بہت نشانے نہیں لگائے جائے۔
۳-نشانہ کی غرض سے نہیں روکا جاتا۔
۴-نشانے اس قدر نہیں لگائے جاتے کہ وہ مر جائے۔
۵-تفریح طبع کے لئے نہیں مارا جاتا۔
۶-مارنے والا ایک ہی ہوتا ہے۔
۷-اس مار سے فقط اس کو کمزور کرنا ہے نہ کہ جان سے مار دینا ہے۔
۸-ذبح اختیاری کے لئے اس چوٹ کو سبب بنایا جاتا ہے۔
۹-ضرورت پوری ہونے کے بعد فوراً ہی ذبح کر دیا جاتا ہے۔
۱۰-بلاضرورت چوٹ نہیں لگائی جاتی۔
۱۱-حتی الوسع اس چوٹ لگانے سے بچا جاتا ہے۔
۱۲-خاص متوحش بیل کو مارا جاتا ہے۔
۱۳-جانور بہر صورت صیال ہی رہتا ہے۔
۱۴- جانور مکان کے اندر ہونے کی حالت میں بھی متوحش ہونے کی وجہ سے ذبح اختیاری نہیں کر سکتے۔

۱۵-لوہا مارنے والوں کا خیال جانور کو ایذاء بلاضرورت دینے کا قطعاً نہیں ہے، اس لئے ہر بیل کو ایسی چوٹ نہیں لگاتے، ان باتوں کا اہتمام کرتے ہوئے پھر بھی اس حدیث کی زد میں لوہا مارنے والے آتے ہیں یا نہیں؟

۱۸......خاص مذکورہ صورت میں لوہا مارنے کا جواز مسلمانوں کو کفر تک پہنچاتا ہے یا نہیں؟

۱۹......خاص مذکورہ صورت جواز ضربِ حدید کا حکم دینا شارع صلی اللہ علیہ وسلم کو کمزور سمجھنے کے مترادف ہے یا نہیں؟

۲۰......خاص صورت مذکورہ میں لوہے مارنے سے کسی نص کے خلاف ہوتا ہے؟

۲۱......خاص صورت مذکورہ میں متوحش بیل کی طاقت اس طرح کمزور کریں کہ بلا اکل وشرب کسی مکان

میں کسی حکمت سے روک رکھیں اور پھر جب کمزور ہو جائیں تو ذبح کریں یا ایسا نہ کریں اور ذبح سے پہلے ثقل یا جرح یا عقر کریں، کونسی بات پر عمل کریں، ذبح اختیاری تو ممکن نہیں؟

۲۲...... مدارِ حلّتِ گوشت جو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ دو چیزیں ہیں: ۱: خون نجس نکالنا۔ ۲: اللہ تعالیٰ کا نام لینا۔ کیا یہ قانون مذکورہ صورت میں ٹوٹ جاتا ہے اور گوشت حرام ہو جاتا ہے جبکہ ان دو چیزوں کو بھی سرانجام کیا جائے۔

۲۳...... "ماتوحش من النعم، فذكاته العقر والجرح". کتاب الذبائح (۱) سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ متوحش بیل کو عقر کیا جائے یا جرح، لیکن ذبح اختیاری حاصل کرنے کے لئے لوہا مار سکتے ہیں تاکہ قابو میں آجائے پھر ذبح کیا جائے۔

۲۴...... قوی، جسیم، متوحش بیل کسی حکمت سے مذبح میں لائے جائیں اور پھر بھی اپنے قریب نہ ہونے دیں تو کیا متوحش ہو جاتے ہیں؟

۲۵...... اگر لوہا مارنے کو اس خاص مذکورہ صورت کے اندر جائز قرار دیا جائے تو یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ شارع علیہ السلام کو معلوماتِ ذبح نہ تھیں اور اس جائز قرار دینے والے کو ہیں۔

۲۶...... کیا لوہا مارنے کو اس خاص مذکورہ صورت کے اندر جائز قرار دینے والا شارع علیہ السلام سے مفتی کو زیادہ عقل ہے؟

۲۷...... ایسی کوئی دلیل ہے جس سے "إيلام بالحاجة حرام" ہو یعنی وہ ایلام جو محتاج الیہ ہے اور خاص طاقتور بیل کو دی جارہی ہے، یہ کسی دلیل شرعی سے حرام ہے۔

۲۸...... ﴿يخلق الله مايشاء﴾ (۲) کے تحت یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ خاص مذکورہ صورت میں جن بیلوں کا ذکر ہے، وہ ان بیلوں سے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تھے بڑے ہوں، اگر یہ کہہ دیں تو شرعی نقصان تو کوئی نہیں؟

۲۹...... حیوان انسی متوحش ہوں۔ مثلاً: صورت مذکورہ میں خاص بیل ہیں۔ ان کو کس طرح ذبح کیا

---

(۱) (الهداية، كتاب الذبائح: ۴/۴۳۹، شركت علميه ملتان)

(۲) (سورة النور: ۴۵)

جائے، ذبح اختیاری تو ہو نہیں سکتا تو کیا اختیاری کے لئے کوئی تدبیر ہے؟ جانور کی طاقت کو کم کرنے کے لئے لوہا وغیرہ؟

۳۰......متوحش اور صیال وہ جانور ہو سکتا ہے جو مذبح میں بھی کسی کو قریب آنے نہ دے یا نہیں؟

۳۱......متوحش جانور کو ذبح کرنے سے پہلے جو چوٹ لگائی جاتی ہے اس سے دمِ مسفوح کے نکلنے میں کوئی شرعی نقصان ہے، کیا اس چوٹ کے لگنے سے دم مسفوح اندر رہ جاتا ہے، کیا چوٹ لگتے وقت جو دم جانور کے اندر یا چوٹ لگنے کے بعد اندر رہے یہ دمِ مسفوح کہلاتا ہے، یا اس وقت یہ دم مسفوح کہلاتا ہے جس وقت ذبح کیا جائے اور جو خون نکلے وہ دم مسفوح ہوتا ہے؟

۳۲......اضطراری حالت کی کیا یہی تعریف ہے کہ اختیاری حالت پر پوری قدرت نہ ہو یا اَور کوئی؟

۳۳......اضطراری حالت کا حکم صرف اسی اضطراری حالت کے لئے ہے یا عام ہے، دوسری بار بھی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

۳۴......متوحش بیل کو لوہا مارنے کے بعد ذبح کر کے جب تولا جاوے تو غیر متوحش کے وزن سے کم نکلے تو یہ کم ہونا کچھ شرعی نقصان ہے؟

۳۵......متوحش جانور کو لوہا مارنے والا غیر مسلم یا اہل کتاب ہے اور ذبح اختیاری چوٹ کے بعد ہوتی ہے، یہ ذبح کرنے والا مسلم ہے تو اس ضاربِ حدید کا غیر مسلم یا اہل کتاب ہونا شرعاً کچھ حرج ہے یا نہیں؟

۳۶......"الضروراة تبیح المحظورات"(۱) شرعی مسئلہ ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ محلِ ضرورت کس کس سبب سے متحقق ہوتا ہے، کیا جان و مال ووقت، تجارتی کاروبار، یا اَور قسم کے نقصانات بھی اسبابِ ضرورت بن سکتے ہیں یا نہیں؟

۳۷......متوحش بیل کو مارنے والے کے لئے ذبح سے پہلے تکبیر پڑھنا ضروری ہے؟

۳۸......صورتِ مذکورہ میں اضطرار شرعی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس چیز کو اس جانور کو کمزور کرنے کا سبب بنایا جائے، جرح کو یا عقر کو یا ثقل کو؟

۳۹......لوہا مارنا ذبح سے پہلے صرف متوحش بیل کو اگر فی نفسہ حرام نہیں ہے تو کیا لغیرہ حرام ہے یا

---

(۱) (قواعد الفقہ (رقم القاعدة: ۱۷۰)، ص: ۸۹، الصدف پبلشرز)

نہیں؟ (لغیرہ کا یہ مطلب کہ اس کی اجازت کی وجہ سے غیر متوحش کو بھی مارنے لگیں)۔

۴۰...... متوحش صیال بیل کسی حکمت سے رَسے کی لپیٹ وغیرہ میں لادیں پھر بھی قابو نہ دیوے، تو ایسی حالت میں کمزور کرنے کیلئے لوہا سر میں مارنا جائز ہے یا نہیں؟

۴۱...... متوحش کی تعریف یہ صحیح ہے کہ کسی کو قریب نہ آنے دے چاہے بھاگے یا نہیں، اگر یہ تعریف صحیح نہیں تو پھر کیا تعریف ہے؟ صیال کی تعریف یہ صحیح ہے کہ ٹانگوں سینگوں سے قریب نہ آنے دے، حملہ کرے، خواہ کسی مکان میں ہو یا باہر، اگر یہ تعریف نہیں تو کیا پھر کیا ہے؟

۴۲...... جس بیل کی ٹانگیں اور سینگ آزاد ہوں اور رسہ بدن کے کسی حصہ پر ٹھہرا ہو وہ جانور اپنے اعضاء سے حملہ آور ہو، حکماً وحشی کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

۴۳...... حلال گوشت کی فروختگی بڑھانے کے لئے، یا اس کا سبب بنانے کے لئے خنزیر کا گوشت بھی ساتھ فروخت کیا جائے اور حساب علیحدہ رکھا جائے، کیا جائز ہے؟ تو ایسے شخص کی دعوت کسی کو قبول کرنا کیسا ہے جبکہ وہ کہے کہ میرا حساب خنزیر اور شراب کا علیحدہ ہے؟ بینوا توجروا۔

بندہ: محمد حسین۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حنفی مقلد کے لئے جبکہ جزئیہ صریحہ فقہ میں موجود ہے کسی حدیث سے از خود مسائل کا استنباط کرنا خلافِ منصبِ تقلید ہے، مقلد کا منصب یہ ہے کہ اس کے امام نے قرآن وحدیث کو سامنے رکھ کر، یا اجماع وقیاس سے جو کچھ مسائل تخریج کئے ہیں اور اپنا مذہب مدوّن کر دیا اور اس پر عمل کرلے خود تخریج واستنباط کی جرأت نہ کرے، ورنہ وہ مقلد نہ رہے گا، اجتہاد کا مدعی ہوگا اور پھر اس کو ہر مسئلہ کے لئے آیتِ قرآنی یا حدیثِ نبوی یا اجماعِ امت یا قیاس سے خود ہی استنباط کرنا ہوگا، کسی اَور سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور اس امر کا متعسّر بلکہ متعذّر رہونا ظاہر بلکہ اظہر ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ رسالہ ''اصولِ مذہب حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ'' میں فرماتے ہیں:

''السابعة: قال بعض أصحاب الفتاوى: إذا كان في المسئلة قولٌ لأبي حنيفة وصاحبيه

رحمهم الله تعالیٰ وحديث يحكمون بصحته، وجب اتباع قولهم دون الحديث"(۱)۔

اس مختصری تمہید کے بعد سنئے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب الآثار میں وہ روایت جس کو آپ نے سوال نمبر:۲، میں ابوداؤد شریف سے نقل کیا ہے لکھ کر فرماتے ہیں: "به نأخذ وهو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، اھ"(۲)۔

اس تصریح کے بعد کسی اَور دلیل کی ضرورت نہیں، ہر چند کہ تمام سوالات کا جواب نمبروار ضروری نہیں، کیونکہ تمہیدِ مذکور سے بہت سوالات حل ہوگئے، تاہم ترتیبِ استفتاء کی رعایت سے نمبروار جوابات بھی درج ہیں:

۱...... یہ تعذیب ممنوع نہیں کیونکہ ایسا جانور شکار کے حکم میں ہے اور شکار کی حلّت منصوص ہے، ابوبکر رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احکام القرآن: ۲/۳۷۹، سورۂ مائدہ میں ایسے جانور کو شکار کا حکم دینے کے لئے روایت مذکورہ فی السوال (۳) سے استدلال کیا ہے (۴)۔

---

(۱) لم أظفر على هذا الكتاب

(۲) "عن عباية بن رفاعة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم: أن بعيراً من إبل الصدقة ندّ فطلبوه، فلما أعياهم أن يأخذوه، رماه رجلٌ بسهم، فأصاب مقتله فقتله، فسأل النبي صلى الله عليه وسلم عن أكله، فقال: "إن لها أوَابِدَ كأوَابِد الوحش، فإذا أحسستم منها شيئاً من هذا، فاصنعوا به كما صنعتم بهذا، ثم كلوه". قال محمد: وبه نأخذ، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ". (كتاب الأثار، باب الذبائح، ص: ۱۳۷، مكتبه اهل السنة والجماعة، كراچی)

(۳) "عن جده رافع بن خديجه رضي الله تعالىٰ عنه قال: أتيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: .... وندّ بعير عن إبل القوم ولم يكن معهم خيل، فرماه رجل بسهم فحبسه الله، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن لهذه البهائم أوَابِدَ كأوَابِد الوحش ومافعل منها هذه، فافعلوا به مثل هذا". (سنن أبي داؤد: ۲/۳۹۰، دار الحديث ملتان)

(۴) "وأما البعير ونحوه إذا توحش أو تردّى في بئر، فإن الذي يدل على أنه بمنزلة الصيد في ذكاته .... عن رافع ابن خديج رضي الله تعالىٰ عنه قال: ند علينا بعير، فرميناه بالنبل، ثم سألنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال: "إن لهذا الإبل أوَابِدَ كأوابد الوحش، فإذا ندّمنها شئ، فاصنعوا به ذلك وكلوه". وقال سفيان: وزاد "إسماعيل بن مسلم: "فرميناه بالنبل حتى رهصناه". فهذا يدل على إباحة أكله إذا قتله النبل لإباحة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من غير شرط ذكاة غيره". (أحكام =

بذل المجهود: ۲/۸۰، شرح أبی داؤد میں روایت مذکورہ کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"فافعلوا به مثل هذا": أی الجرح والقتل، والظاهر أن السهم أصاب المقتل، فمعنی حبسه: أی قتله. ویحتمل أنه لم یصب المقتل، فحنیئذ معنی قوله: حبسه کفه عن الشرود، فحینئذ ذبحوه بعد الأخذ؛ لأنه لم یبق حینئذ فی حکم الصید، فإن المتوحش إذا ندّ یکون فی حکم الصید، فإذا أخذ وفیه الحیاة المستقرة، لم یبق فی حکم الصید، فلایحل بالذکوة الاضطراریة، بل یلزم ذبحه، وإلاحرم أکله، اھ"(۱)۔

۲......مجتہدین نے اس روایت سے استدلال کیا ہے، کذا فی أحکام القرآن(۲)۔

۳......صاحب ردالمحتار وغیرہ نے ایسا ہی نقل کیا ہے(۳)۔

۴......صورتِ مسئولہ میں عجز ہے، عبارتِ مسئولہ سے استدلال درست ہے(۴)۔

۵......درست ہوسکتا ہے(۵)۔

= القرآن، سورة المائدة، باب فی شرط الذکوة، فصل: ۲/۳۰۹، دارالکتاب العربی بیروت)

(۱) (بذل المجهود، کتاب الضحایا، باب الذبیحه بالمروة: ۵/۸۰، مکتبه امدادیه ملتان)

(وکذا فی سنن النسائی: ۲/۱۹۵، کتاب الصید والذبائح، الانسیة تسوّحش، قدیمی)

"قال ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: ما أعجزک من البهائم ممافی یدیک، فهو کالصید".

(صحیح البخاری، کتاب الصید، باب ما ندّ من البهائم: ۲/۸۲۸، قدیمی)

(۲) "إن لهذه الإبل أوَابِد کأوابد الوحش، فإذا ندّ منها شئ، فاصنعوا به ذلک". وأیضاً قال: قال صلی الله علیه وسلم: "لو طعنت فی فخذها لأجزأ منک". وهذا علی الحال التی لابقدرفیها علی ذبحها، إذ لاخلاف أن المقدور علی ذبحه لایکون ذلک ذکاته". (أحکام القرآن للجصاص: ۲/۳۰۹، (سورة المائدة)، باب فی شرط الزکاة، فصل، دارالکتب العربی بیروت)

(۳) "وعن محمد رحمه الله تعالیٰ: ....والمصر وغیره سواء فی البقر والبعیر؛ لأنهما یدفعان عن أنفسهما، فلایقدر علی أخذهما وإن ندّا فی المصر". (ردالمحتار، کتاب الذبائح: ۶/۳۰۳، سعید)

(۴) "أو تعذر ذبحه کأن تردی فی بئر أو ندّا أو صال، حتی لو قتله المصول علیه مریداً ذکاته، حل".

(الدرالمختار، کتاب الذبائح: ۶/۳۰۳، سعید)

(۵) (راجع الحاشیة المتقدمة)

۶...... مفہوم مخالف لے سکتے ہیں، مگر اس کی ضرورت کیا ہے جبکہ مفہومِ موافق سے استدلال درست ہے(۱)۔

۷...... ہے(۲)۔

۸...... محض ایلام بلاوجہ تو جائز نہیں (۳)، البتہ اگر کسی غرضِ مشروع کی تحصیل ایلام پر موقوف ہو تو اس کے لئے بقدرِ حاجت ایلام جائز ہے، مثلاً: شکار کرنا، ذبح کرنا، خصی کرنا شرعاً درست ہے، بلاوجہ جانور کو ستانا نشانہ بنانا درست نہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ شافعی المذہب ہیں ان کی عبارت سے مسائلِ فقہیہ جزئیہ میں حنفی المذہب کو استدلال کرنے کی کیا ضرورت ہے، وہ تو ہر مسئلہ میں اپنے مذہب کو مبرہن کریں گے خواہ اس سے حنفیہ کی موافقت ہو یا مخالفت، گو اس خاص مسئلہ میں مخالف نہیں بلکہ موافق ہیں (۴)۔

۹...... نفسِ ذبح خود ایلام ہے مگر حاجت کے تحت ہے، اس لئے اس میں تو اشکال ہے ہی نہیں، اسی

---

(۱) "والمفاهيم: جمع مفهوم، وهو دلالة اللفظ على شئ مسكوت عنه، وهو قسمان: مفهوم الموافقة، وهو أن يكون المسكوت عنه: أى غير المذكور موافقاً للمنطوق: أى المذكورة فى الحكم كدلالة النهى عن التأفيف على حرمه الضرب، وهذا يسمى عندنا دلالة النص، وهو معتبر اتفاقاً". (ردالمحتار على الدرالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب فى دلالة المفهوم: ۱/۱۱۰، سعيد)

(۲) لیکن سوال میں ھدایہ کی مذکور عبارت "الألم من غير حاجة". هدايه: ۴/۴۳۷ کا تعلق متوحش جانور کے ساتھ نہیں، بلکہ ذبح کے وقت جو امور مکروہ ہیں ان کے ساتھ ہے۔

(۳) "وكره كل تعذيب بلافائدة". (الدرالمختار: ۶/۲۹۶، سعيد)

(۴) "(قوله: خلافاً لمالک) فإن عنده تعتد زوجة المفقود عدة الوفاة بعد مضى أربع سنين .... لو أفتى به فى موضع الضرورة، لابأس به على ماأظن .... قلت: ونظيره هذه المسألة عدة ممتدة الطهر التى بلغت برؤية الدم ثلاثة أيام، ثم امتدّ طهرها، فإنها تبقى فى العدة إلى أن تحيض ثلاث حيض. وعند مالک رحمه الله تعالىٰ تنقضى عدتها بتسعة أشهر. وقد قال فى البزازية: الفتوىٰ فى زماننا على قول مالک، وقال الزاهدى: كان بعض أصحابنا يفتون به للضرورة". (ردالمحتار، كتاب المفقود، مطلب فى الإفتاء بمذهب مالک: ۴/۲۹۵، سعيد)

طرح جس قدر ایلام بضرورت ہو، لیکن ایلام بلا حاجت گو ممنوع ہے تاہم اس سے گوشت حرام نہیں ہوتا ہے:

"وحل الذبح بكل ماأفرى الأوداج وأنهر الدم ولو بليطة أو مروة إلاسناً وظفراً قائمين. ولو كان منزوعين، حل مع الكراهة، لمافيه من الضرر بالحيون كذبحه بشفرة كليلة.......... وكره كل تعذيب بلافائده، ١ه.......... (قوله: مع الكراهة): أى كراهة الذبح بها، وأما أكل الذبيح بها، لابأس، ١ه". درمختار وشامی مختصر:(١)۔

١٠......وہ صید کے حکم میں ہے، كذافى الدرالمختار(٢)۔ روایتِ بخاری سے بھی تائید ہوتی ہے(٣)۔ هدایه، كتاب الحج میں محظورات الإحرام والحرم کا ذکر اور سوال میں طریق ذبح کا استفسار ہے(۴)۔

---

(١) (ردالمحتار: ٦/٢٩٥، ٢٩٦، كتاب الذبائح، سعيد)

(٢) "وكفى جرح نعم كبقروغنم توحش فيجرح كصيد". (الدرالمختار، كتاب الذبائح: ٦/٣٠٣، سعيد)

(٣) "قال ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما: "ماأعجزك من البهائم مما فى يديك، فهو كالصيد. وفى بعير تردّى فى بئر، فذكّه من حيث قدرت عليه. ور آى ذلك علىٌ وابن عمر وعائشة رضى الله تعالىٰ عنهم .... عن رافع بن خديج رضى الله تعالىٰ عنه، قال: قلت: يارسول الله! .... فندّ منها بعير فرماه رجل: سهم، فحبسه، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن لهذه الإبل أوابد كأوابد الوحش، فإذا غلبكم منها شئ، فافعلوا به هكذا". (صحيح البخارى، كتاب الصيد، باب ماندّ من البهائم: ٢/٨٢٨، قديمى)

(۴) العبارة بتمامها: "الحمام متوحش بأصل الخلقة ممتنع بطيرانه وإن كان بطئ النهوض، والاستيناس عارض فلم يعتبر". (الهداية، كتاب الحج، باب الجنايات: ١/٢٨٣، مكتبه شركة علميه، ملتان)

"وما استأنس من الصيد، فذكاته الذبح. وماتوحش من النعم، فذكاته العقر والجرح؛ لأن زكاة الاضطرار إنما يصار إليه عند العجز عن زكاة الاختيار .... أن الشاة إذا ندّت فى الصحراء فذكاتها العقر، وإن ندّت فى المصر لاتحل بالعقر؛ لأنها لاتدفع عن نفسها، فيمكن أخذها فى المصر، فلا عجز. والمصر وغيره سواء فى البقر والبعير؛ لأنهما يدفعان عن أنفسهما، فلا يقدر على أخذهما، وإن ندّا فى=

۱۱......مار سکتے ہیں۔

۱۲......بن سکتی ہے۔

۱۳......بلاضرورت ایلام ممنوع ہے، کما مر، لیکن اس جرم کی سزا میں بضرورت ایلام کی اجازت سلب نہ ہوگی۔ اور آیت مذکورہ سے استدلال درست نہیں، کیونکہ اس میں بصورتِ تعدی اصل اجازت کو سلب نہیں کیا گیا، بلکہ صرف تعدی کی ممانعت کی گئی ہے(۱)۔

۱۴......ایسی ضرورت کے وقت ان چیزوں کا مارنا درست ہے (اس جانور کو قابو میں لانے کے لئے)۔

۱۵......یہ عجز کی صورت ہے، کما مر۔

۱۶......یہ صورت ناجائز ہے اور "لا تتخذوا" کی ممانعت میں داخل ہے۔

۱۷......ا تا ۱۵-نہیں۔

۱۸......لوہا مارنا صورت مسئولہ میں درست ہے، گناہ بھی نہیں ہے۔

۱۹......نہیں۔

۲۰......نہیں۔

۲۱......دوسری بات اختیار کرلیں، عقر و جرح روایات سے بھی ثابت ہے(۲)۔

= المصر فيتحقق العجز. والصيال كالندّ إذا كان لايقدر على أخذه، حتى لوقتله المصول عليه، وهو يريد الذكاة، حلّ أكله". (الهداية، كتاب الذبائح: ۴/ ۴۳۹، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۱) ﴿غير باغ ولا عادٍ﴾ کا تعلق اُکل سے ہے کہ حالتِ اضطراری میں تم کھا سکتے ہو، اس کا تعلق اس سے ہرگز نہیں کہ متوحش اور غیر متوحش سب جانوروں کو مارا جائے:

﴿ولا عاد﴾: أى متجاوز مايسد الرمق، والجوع، وهو ظاهر في تحريم الشبع، وهو مذهب الأكثرين، فعن الإمام أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ .... ويحتاج حكم الرخصة على هذا: أى التقييد بأن لايكون زائداً على قدر الضرورة من خارج، واستدل بعموم الأية على جواز أكل المضطر ميتة الخنزير والأدمى، خلافاً لمن منع ذلك". (روح المعاني، (سورة البقرة: ۱۷۳): ۲/ ۴۲، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "أجاز عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه كون حكم ماندّ من البهائم كحكم الحيوان =

۲۲......ایسی صورت میں یہ قانون نہیں ٹوٹتا۔

۲۳......لوہا اگر دھاردار ہے تو اس کا مارنا جرح ہے، بندوق سے شکار جائز ہے تاکہ اس کو کمزور کر کے ذبح کیا جائے۔

۲۴......ایسے بیل متوحش کے حکم میں ہیں۔

۲۵...... یہ کیسے سمجھا جاسکتا ہے کیونکہ اس کی ممانعت نہیں کی، بلکہ دوسرے طرق ذکر کئے ہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس طریق کا علم نہ تھا۔ دوسرے آپ نے ایسے طرق عموماً فرمائے ہیں کہ وہ خود ذبح کے حکم میں آتا ہے اور سوال صرف کمزور کرنے سے ہے۔ اگر کوئی سمجھ بھی لے تو آپ کے کمالات میں اس سے کیا نقصان لازم آتا ہے، کیونکہ دنیوی حرفت وصنعت اور پیشوں کا علم آپ کے لئے باعثِ کمال نہیں، بلکہ ذات وصفاتِ خداوندی اور شریعت کے ظاہری و باطنی کا علم آپ کے لئے باعثِ کمال ہے، اس علم میں کوئی شخص بلکہ تمام عالم بھی ملکر آپ کے برابر نہیں ہوسکتا ہے۔

۲۶...... یہ سمجھنا ایسے سمجھنے والے کی بے عقلی ہے۔

۲۷......نہیں، بلکہ یہ حلال ہے، دیکھئے جواب نمبر: ۹،۸۔

۲۸......اس میں کیا نقصان ہے ایسا ہونا ممکن ہے، بلکہ ہوتا ہے کہ کسی جگہ کے بیل بڑے ہیں کسی جگہ چھوٹے۔

۲۹...... تیر یا دھاردار لوہا مار کر زخمی کرلیں۔

۳۰......ہوسکتا ہے۔

= الوحشي في العقر كيف ماكان، وأخرج ابن أبي شيبة عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه ما يؤدي هذا المعنى. قال حدثني وكيع .... عن علقمة أن حماراً لأهل عبدالله ضرب رجل عنقه بالسيف، فسئل عبدالله، فقال: كلوه فإنما هو صيد".

وقال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: ماأعجزك من البهائم مما في يديك فهو كالصيد. وفي بعير تردّى في بئر من حيث قدرت عليه، فذكه". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب الذبائح، باب ماندّ من البهائم فهو بمزلة الوحش: ۲۱/۱۷۷، ۱۷۸، دارالكتب العلمية بيروت)

۳۱......نہیں، بلکہ اگر تکبیر پڑھ کر دھاردار لوہا مار کر دمِ مسفوح نکالا اور وہ فوراً ذبح کرنے والے کے وہاں پہونچنے سے پہلے مرگیا تو حلال ہے۔

۳۲......یہی ہے(۱)۔

۳۳......پہلی بار کی خصوصیت نہیں حدیث شریف میں عام اجازت ہے(۲)۔

۳۴......نہیں۔

۳۵......نہیں۔

۳۶......کس شئی کی ضرورت کا سوال ہے، خاص ذبح کی، یا عام ہر شئی کی اول کے متعلق عباراتِ فقہ وحدیث، سوال وجواب میں آچکیں۔ ثانی کے متعلق یہ ہے کہ اشخاص واوقات واحوال کے اعتبار سے ضرورت متفاوت ہوتی ہے، اشباہ وغیرہ میں جزئیات بالتفصیل موجود ہیں (۳) کلیہ بیان کرنا جو ہر شخص کے لئے ہر زبان

---

(۱) "لأن ذكاة الاضطرار إنما يصار إليها عند العجز عن ذكاة الاختيار". (الدرالمختار، كتاب الذبائح: ۳۰۳/۶، سعيد)

(۲) "عن عباية بن رفاعة، عن رافع خديج رضى الله تعالىٰ عنه قال: بينما نحن مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذ ندّ بعير وليس فى القوم إلا خيلٌ يسيرة، فطلبوه فأعياهم، فرماه رجل بسهم، فحبسه الله، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن لهذه البهائم أوَابدَ كأوابد الوحش، فما غلبكم منها، فاصنعوا به هكذا". (سنن النسائى، كتاب الصيد والذبائح، باب مانّد من البهائم: ۸۲۸/۲، قديمى)

(وكذا فى أحكام القرآن، سورة المائدة، باب فى شرط الذكاة، فصل: ۳۰۹/۲، دارالكتاب العربى بيروت)

(۳) "الثانية: ما أبيح للضرورة يقدر بقدرها، ولذا قال فى أيمان الظهيرية: إن اليمين الكاذبة لاتباح للضرورة، وإنما يباح التعريض (انتهى) يعنى لاندفاعها بالتعريض. ومن فروعه: المضطر لايأكل من الميتة إلا قدر سد الرمق. والطعام فى دارالحرب يؤخذ على سبيل الحاجة؛ لأنه إنما أبيح للضرورة".

(الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر يزال: ۲۷۶/۱، ۲۷۷، إدارة القرآن كراچى)

"قاعدة: (الضرورات تبيح المحظورات) من ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة والتلفظ بكلمة الكفر عند الإكراه". .... =

میں ہر حال میں ہر امر میں جاری ہو، دشوار ہے۔

۳۷...... محض کمزور کرنے کیلئے ضروری نہیں، ذبح کرنے کے لئے ضروری ہے اور اس کا مسلم ہونا بھی ضروری ہے۔

۳۸...... یہ اضطرار ہے، جرح یا عقر سبب بنالیا جائے۔

۳۹...... متوحش کا مارنا جائز ہے، غیر متوحش کے لئے ذریعہ بنانا اور مارنا نا جائز ہے۔

۴۰...... مار سکتے ہیں۔

۴۱...... ایسے جانور کا حکم بھی اس جانور کا ہے جو بھڑک جائے، کما هو مصرح فی الدر المختار (۱)۔

۴۲...... کہہ سکتے ہیں۔

۴۳...... خنزیر اور شراب کی بیع حرام ہے، حلال گوشت کی فروختگی بڑھانے کا ذریعہ بنانا بھی ہے اس کو جائز نہیں۔ خنزیر اور شراب کی بیع سے جو مال حاصل ہوا ہے وہ بھی حرام ہے، اس کی دعوت قبول کرنا جائز نہیں۔ اس کے حلال مال سے دعوت قبول کرنا درست ہے، مگر علماء کے لئے اس سے بھی اجتناب واحتیاط چاہیئے کہ عوام کے لئے مظنۂ تہمت ہے:

"أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال، فلابأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لايقبل الهدية، ولايأكل الطعام، إلا أن يخبر بأنه حلال ورثه أو استقرض من رجل". هدايه: ٤/٣٤١ (٢)۔

البتہ دار الحرب میں مسلم مستامن کو کفار کے ہاتھ شراب کی بیع کرنا درست ہے، كذا في ردالمحتار،

= "قاعده: (الضرورات تقدر بقدرها) فلا يأكل من الميتة إلا قدر سدّ الرمق، ومن ثم اليمين الكاذبة لاتباح للضرورة، إنما يباح التورية والتعريض". (قواعد الفقه، (رقم القاعده: ۱۷۰، ۱۷۱)، ص: ۸۹، الصدف پبلشرز کراچی)

(۱) "أو تعذر ذبحه كأن تردّىٰ في بئر أو ندّ أو صال، حتى لو قتله المصول عليه مريداً ذكاته، حل". (الدر المختار: ۶/۳۰۳، سعید)

(۲) (الهداية، كتاب الكراهية الباب الثاني عشر: ۵/۳۴۲، رشيديه)

جلد: رابع، آخر باب الربوا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اُتم واُحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۳/ ۷/ ۵۸ھ۔

سائل کی تسلی اور اطمینان کے لئے مفتی صاحب نے جو کچھ جوابات تحریر فرمائے ہیں، اس کے بیان کردہ سوالات اور حالات کے پیش نظر کافی ہیں، لیکن چونکہ یہ سوال قانون بنانے کا ہے اور حکومت اس کو عام طور پر لازم کرنا چاہتی ہے، اس لئے جب تک قانون کے الفاظ نہ دیکھے جائیں، سائل کو ان جوابات سے اس قانون کے جواز پر استدلال کرنا جائز نہیں، مناسب یہ تھا کہ قانون کی نقل بھیجی جاتی۔ ذکوٰۃ اضطراری کے لئے کسی خاص محل کی شرعاً تعیین نہیں اس لئے نمبر: ۱۲، کا جواب بلا قانون کے الفاظ دیکھے نہیں دیا جاسکتا۔

دوسری بات یہ قابلِ لحاظ ہے کہ تضعیفِ حیوان للذبح اور ذکوۃ اضطراری کے فرق کو ملحوظ رکھا جائے، دونوں کے احکام علیحدہ علیحدہ ہیں، جواب نمبر: ۳۵، ۳۷ کا مدار اسی پر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ۔

ذبح کے وقت علاماتِ حیات

سوال [۸۳۵۱]: ۱...... کسی جانور کا شکار کرنے کے بعد علاماتِ حیات (مثلاً آنکھوں کا پھڑکنا یا

---

(۱) "(ولا بين حربي ومسلم) مستأمن ولو بعقد فاسد أو قمار (ثمة)؛ لأن ماله ثمة مباح، فيحل برضاه مطلقاً بلا عذر .... (و) حكم (من أسلم في دار الحرب ولم يهاجر كحربي) فللمسلم الربا معه، خلافاً لها؛ لأن ماله غير معصوم، فلو هاجر إلينا ثم عاد إليهم، فلا ربا اتفاقاً". (الدر المختار). وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "والذي رأيته في المجتبى هكذا: مستأمن من أهل دارنا مسلماً كان أو ذمياً في دارهم، أو من أسلم هناك، باشر معهم من العقود التي لاتجوز .... وهي عبارة صحيحة، فما في البحر تحريف، فتنبه .... قلت: ويدل على ذلك مافي السير الكبير وشرحه حيث قال: وإذا دخل المسلم دار الحرب بأمان، فلا بأس بأن يأخذ منهم أموالهم بطيب أنفسهم بأي وجه كان؛ لأنه أخذ المباح على وجه عري عن الغدر، فيكون ذلك طيباً له، والأسير والمستأمن سواء، حتى لوباعهم درهماً بدرهمين، أو باعهم ميتة بدراهم، أو أخذ مالاً منهم بطريق القمار، فذلك كله طيب له .... ملخصاً". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الربا، مطلب في استقراض الدراهم عدداً: ۵/۱۸۶، سعيد)

سانس چلنا یا جسم کا کوئی حصہ حرکت کرنا) کی حالت میں ذبح کیا گیا لیکن خون نہیں نکلا، لہذا یہ جانور حلال ہے، کیونکہ بعض امرض ایسے ہیں جن میں خون پانی ہو جاتا ہے یا خشک ہو جاتا ہے مثلِ صدمہ وغیرہ اس لئے ایسی حالت میں تو حیات کے باوجود خون نہیں نکلے گا۔

۲......دوسرے صاحب کہتے ہیں کہ اگر بظاہر کوئی علامتِ حیات موجود نہ ہو، لیکن ذبح کرنے میں شہ رگ سے اگر اتنا خون نکلے کہ چھری تر ہو جائے تو حلال ہے ورنہ نہیں، بعض مذکورہ بالا علامات جسم کا پھڑکنا یا آنکھیں پھڑکنے کے باوجود خون نکلنا شرط ہے، کیونکہ بعض امراض ایسے ہیں کہ جن کی وجہ سے جسم اور آنکھیں پھڑکنے لگتی ہے، حالانکہ روح پرواز کر چکی ہوتی ہے اور روح کی موجودگی میں شہ رگ کے اندر اتنا خون رہتا ہے کہ جس سے چھری تر ہو جائے۔ اگر اتنا بھی خون نہیں ہے جس سے کم از کم چھری تر ہو جائے تو یہ اس کے مردہ ہونے کی علامت ہے جیسا کہ سکتہ میں ہوتا ہے کہ بظاہر کوئی علامت موجود نہیں ہوتی۔

الجواب حامداًومصلياً:

۱، ۲......جس جانور کی حیات کا علم نہ ہو اور وہ ذبح کرنے سے متحرک ہو، یا اس سے خون نکلے تو حلال ہے:

"ولو ذبح شاةً لم تعلم حياتها فتحركت أو خرج منها دمٌ، حلّت؛ لأنه دليل الحياة، وإلا فلاتحل، اهـ". الدر المنتقیٰ: ۵۱۵/۲ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴۰۶/۱۱/۲۶ھ۔

---

(۱) (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الذبائح، فصل: ۱۶۴/۴، مكتبه غفاريه)

"ولو ذبح شاةً لم تعلم حياتها فتحركت أو خرج منها دم، حلت وإلا فلا. وإن علمت، حلت مطلقاً". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الذبائح، فصل: ۱۶۴/۴، مكتبه غفاريه)

"ذبح شاةً مريضةً فتحركت أو خرج الدم، حلت، وإلا لا إن لم تُدر حياتها عند الذبح. وإن علم حياته، حلت مطلقاً وإن لم تتحرك ولم يخرج الدم". (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۳۰۸/۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الذبائح: ۲۷۱/۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الذبائح: ۳۱۵/۸، رشيديه) ....

ذبح سے پہلے جانوروں کو بھوکا رکھنا

سوال[۸۳۵۲] : اکثر قصاب بھینس وغیرہ خریدتے ہیں اور سات دن تک بھوکا پیاسا باندھتے ہیں، کھانے والوں کو اس کا علم بھی ہے، یہ بے رحمی ہے۔ ایسوں کو عذاب ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ بے رحمی اور ظلم ہے، اس سے جہنم کا عذاب ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الأول في مسائله: ۳۰۵/٦، رشيديه)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "عُذِّبَتْ امرأةٌ في هرة لم تطعمها ولم تسقها ولم تتركها تأكل من خشاش الأرض".

قال الإمام النووي: "وفيه وجوب نفقة الحيوان على مالكه". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي: ۲۳٦/۲ كتاب قتل الحيات، قديمي)

"وجاز ركوب الثور .... بلاجهد وضرب؛ إذ ظلم الدابة أشد من الذمي". (الدرالمختار).

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "لأنه لا ناصرله إلا الله تعالىٰ". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٤٠١/٦، ٤٠٢، سعيد)

"ويؤمر بالإنفاق على بهائمه ديانةً .... للنهي عن تعذيب الحيوان". (الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب النفقة: ٦٣٨/٣، سعيد)

الفصل الثالث فی مایصح ذبحہ ومالایصح

(ذبحِ صحیح اور غیر صحیح کا بیان)

مرنے کے بعد چھری پھیرنے سے مرغ حلال نہیں ہوتا

سوال[۸۳۵۳]: موضع شہرواسہ میں ایک شخص (مسلمان) کے یہاں مرغیاں پلی ہیں، ابھی چند دن ہوئے ایک کتے نے اس شخص کے ایک مرغ کو پکڑ لیا، اس شخص نے بڑی جدوجہد کے بعد مرغے کو مردہ حالت میں چھڑایا، دیکھنے والوں نے دیکھا کہ مرغا مر چکا تھا، مگر شخص مذکور نے مرغے پر چھری پھیر دی، اور کہتا رہا کہ مرغا پھڑک رہا تھا، مگر جب لوگوں نے اس کو مردہ قرار دیا تو مان گیا۔ ساتھ ہی اسے وہ مرغا کھانے کو منع کیا گیا۔ اس شخص نے مرغا پکوا کر کھالیا۔

ازروئے شریعت ارشاد فرمائیں کہ مسلمانانِ موضع ایسے شخص کو کیا سزا دے سکتے ہیں، یا اس کے خلاف کیا عمل کیا جائے جس سے دوسرے مسلمان بھی عبرت حاصل کریں اور حرام غذا سے گریز کریں؟ شخص مذکور نے جان بوجھ کر مردہ مرغا کھایا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جو مرغ مر چکا ہو، جان نکل گئی ہو(۱)، اس پر چھری پھیرنے سے وہ حلال نہیں ہوگا بلکہ وہ مردار ہی رہے گا، اس کا کھانا بالکل حرام ہے، جس نے اس کو کھایا اس نے قرآن کریم کے خلاف کیا، جس سے سخت گنہگار ہوا(۲)،

---

(۱) "والذبح إتلاف الحیوان بإزهاق روحه للانتفاع به بعد ذلک". (البحر الرائق، کتاب الذبائح: ۳۰۵/۸، رشیدیه)

(۲) قال الله تعالی: ﴿إنما حرم علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما أهل به لغیر الله﴾ (سورة البقرة: ۱۷۳)

وقال الله تعالیٰ: ﴿حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما أهل لغیر الله به﴾ (سورة المائدة: ۳) =

اس کو اپنی غلطی پر نادم ہوکر توبہ واستغفار لازم ہے(۱)۔اور وہ مردار کھانے کا عادی ہو تو مسلمانوں کو اس سے اور اس کے گھر کا کھانا کھانے سے پورا پرہیز لازم ہے(۲)،کیا بعید ہے کہ وہ حرام چیز دوسروں کو بھی کھلا دے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۹۱ھ۔

جس جانور کے دو ٹکڑے ہوجائیں اس کا ذبح کرنا

سوال[۸۳۵۴]: اگر کوئی جانور ریل میں کٹ جائے، یا مثلاً کوئی دھاردار چیز پھینک کر مارنے میں مرغ کی گردن کٹ جائے، یا ہرن کٹ کر دو ٹکڑے ہوجائے اور دونوں ٹکڑے تڑپتے ہوں تو یہ ذبح

= وقال الله تعالى: ﴿إلا أن يكون ميتةً أو دماً مسفوحاً أو لحم خنزير، فإنه رجس﴾ (سورة الأنعام: ۱۴۵)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾ (سورة التحريم: ۸)

"إن كانت المعصية في خالص حق الله تعالىٰ، فقد يكفي الندم كما في ارتكاب الفرار ....

وعبارة المازري: اتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لا يجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (روح المعاني، (سورة التحريم: ۸) : ۱۵۸/۲۸، ۱۵۹، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"والمراد بالتوبة هنا الرجوع عن الذنب .... إن لها ثلاثة أركان: الإقلاع، و الندم على فعل تلك المعصية، والعزم على أن لايعود إليها أبداً. فإن كانت المعصية لحق آدمي، فلها ركن رابع، وهو التحلل من صاحب ذلك الحق. وأصلها الندم، وهو ركنها الأعظم. واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً. والتوبة من مهمات الإسلام". (الصحيح لمسلم مع شرحه للإمام النووي، كتاب التوبة، ص: ۳۵۴، قديمي)

(۲) "آكل الرباء وكاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه وغالب ماله حرام، لايقبل، ولايأكل مالم يخبره أن ذلك المال أصله حلالٌ ورثه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر: ۳۴۳/۵، رشيديه)

ہوسکتا ہے یا نہیں، اگر ذبح ہو تو کس طریق پر؟ دونوں حصے حلال ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کسی جانور کے ریل سے دو ٹکڑے ہو جائیں تو سر والے ٹکڑے کو گردن پر طریق معروفہ سے ذبح کرلیا جاوے، وہ حلال ہوگا اور دوسرا حصہ حرام ہوا (۱)۔ اگر دھاردار چیز کے ذریعہ سے مرغ، ہرن وغیرہ کی ذبح کی گئی رگیں کٹیں اور ساتھ گردن بھی تمام کٹ گئی تو اس کا کھانا درست ہے (۲) اگر چہ اس طرح کاٹنا مکروہ ہے (۳):

---

(۱) "ولو انتزع الذئب رأس الشاة وهی حية تحل بالذبح بين اللبّة واللحيين. قطع الذنب من ألية الشاة قطعة، لايؤكل المبان". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الثانی فی المتفرقات: ۲۹۱/۵، رشيديه)

"ولو بقر الذئب بطنها وهی حية تذكی، لبقاء محل الذبح، فيحل لو ذبحت. ولوانتزع الذئب رأس الشاة وبقيت حيةً، تحل بالذبح بين اللبة واللحيين. قطع ذنب من ألية الشاه قطعة، لايؤكل المبان".

(البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الثانی فی التسمية: ۳۰۸/۶، رشيديه)

(وكذا فی ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۳۰۸/۶، سعيد)

(۲) بشرطیکہ تسمیہ قصداً ترک نہ کیا ہو:

"والحمامة إذا طارت من صاحبها فرماها صاحبها، أو غيره، قالوا .... وإن كانت تهتدی إلى المنزل، فإن أصاب السهم المذبح، حل". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الثالث: ۳۹۱/۵، رشيديه)

"والحمامة إذاكانت تهتدی إلى منزلها، فرماها إنسان، لايحل، إلا إذا أصاب المذبح".

(الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، الثالث فی الرمی : ۳۰۰/۶، رشيديه)

"ولو ضرب عنق جزور أو بقرة أو شاة وأبانها وسمی، فإن ضربها من قبل الحلقوم، تؤكل، وقد أساء". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح. الباب الأول: ۲۸۸/۵، رشيديه)

(۳) "ولايباين الرأس، ولو فعل يكره". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول فی ركنه وشرائطه: ۲۸۴/۵، رشيديه)

"ومن بلغ بالسكين الرأس، كره ذلك، وتؤكل ذبيحته". هدايه: ٤/٤٣٦(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

جس بکرے پر بجلی گر جائے اس کو ذبح کر کے کھانا

سوال[۸۳۵۵]: اگر بیل یا بکرے پر آسمانی بجلی گر جاوے تو اس کو جلد ہی ذبح کر دینے سے کھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس میں حیات باقی تھی اور اسی حالت میں ذبح کر لیا تو اس کا کھانا شرعاً درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۹/۱۱/۶۰ھ۔

بندوق سے چڑیا کی گردن اُڑ گئی اس کو ذبح کیا گیا

سوال[۸۳۵۶]: چڑیا کو گولی کی ضرب ایسی پڑی کہ گردن ہی اُڑ گئی، سر کا نام ونشان نہیں رہا، گردن کے حصہ میں ذبح کیا، اس سے کچھ خون برآمد ہوا۔ شرعاً یہ ذبح درست ہوا یا نہیں؟

---

(۱) (الهداية، كتاب الذبائح: ۴/۴۳۶، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "ولو ذبح شاةً لم تعلم حياتها فتحركت، أو خرج منها الدم من غير تحرك، حل أكلها؛ لأن الحركة وخروج الدم لايكونان إلا من الحيّ، وذكر محمد بن مقاتل: إن خرج الدم ولم يتحرك، لايحل، وإلا: أي إن لم يتحرك أو لم يخرج الدم، فلا تحل إن لم تعلم حياته وقت الذبح. وإن علمت حياتها وقت الذبح، حلت مطلقاً: أي على كل حالٍ". (مجمع الأنهر، كتاب الذبائح، فصل: ۴/۱۶۴، غفاريه كوئٹه)

"(قوله: أو خرج الدم): أي كما يخرج من الحي. قال في البزازية: في شرح الطحاوي خروج الدم لايدل على الحياة، إلا إذا كان يخرج كما يخرج من الحي عند الإمام، وهو ظاهر الرواية" (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۶/۳۰۸، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر رَگہائے مذکورہ بالا باقی تھیں یعنی گردن کا اتنا حصہ باقی تھا جس میں یہ رگیں ہوتی ہیں اور پھر ذبح کردیا گیا تو درست ہوگیا اگرچہ سر باقی نہیں رہا تھا۔ اگر یہ رگیں باقی نہیں رہی تھیں، یعنی گردن کا اتنا حصہ بھی نہیں رہا تھا جس میں یہ رگیں ہوتی ہیں تو ذبح درست نہیں ہوا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔

کتے نے مرغی کو پکڑلیا اس کو ذبح کرکے کھانا

سوال[۸۳۵۷] : ایک کتے نے مرغی کو پکڑلیا، اس کے دانت کے نشانات بھی ظاہر ہیں اور اس جگہ سے خون بھی نکل آیا ہے۔ تو اس مرغی کو ذبح کرکے کھانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

درست ہے، وهذا ظاهر لا خفاء فيه(۲)۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۸/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۸/۶۱ھ۔

بیمار گائے ذبح کی اور خون آہستہ آہستہ نکلا، حرکت کچھ نہیں کی

سوال[۸۳۵۸] : ایک گائے بیمار رہتی ہے بمرضِ مرگی، یا کوئی اَور مرض، ہیچو قسم گائے گرکر مرنے لگی، ذبح کرنے والے نے اس کے سر کو ذبح کرنے کے لئے سیدھا کیا، اس وقت گائے کے کان میں جنبش ہوئی یعنی آنکھ کھلی اور بند ہوئی، اس کے علاوہ اَور کوئی نشانی زندگی کی ظاہر نہ ہوئی۔ گائے ذبح کردی گئی، خون شرناٹے سے

---

(۱) "ولو انتزع الذئب رأس الشاة وبقيت حيةً، تحل بالذبح بين اللبة واللحيين". (الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الذكاة، باب التسمية: ۳۰۸/۶، رشيديه)

"وفيها: شاة قطع الذئب أوداجها وهي حية، لاتذكى، لفوات محل الذبح. ولو انتزع رأسها وهي حية، تحل بالذبح بين اللبة واللحيين". (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۳۰۸/۶، سعيد)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "بندوق سے چڑیا کی گردن اڑگئی، تو اس کو ذبح کیا گیا"۔)

نہ نکلا آہستہ آہستہ پانی کی طرح بہتا رہا، زمین پر پانچ فٹ ایک انچ لمبائی اور ایک فٹ سات انچ چوڑائی تک خون گیا ذبح ہو چکنے کے بعد، اور کوئی علامت زندگی کی ظاہر نہ ہوئی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ گائے حلال ہے یا حرام؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

"ولو ذبح شاةً لم تعلم حياتها فتحركت أو خرج منها الدم من غير تحرك، حلت أكلها؛ لأن الحركة وخروج الدم لا يكونان إلا من الحيّ. وذكر محمد بن مقاتل: إن خرج الدم ولم يتحرك، لا يحل، وإلا: أى وإن لم يتحرك أولم يخرج الدم، فلا تحل إن لم تعلم حياته وقت الذبح. وإن علمت حياتها وقت الذبح، حلت مطلقاً: أى على كل حال". مجمع الأنهر، ص: ۵۱۵(۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر جانور کی وقتِ ذبح حیات متیقن تھی تو بلاشبہ وہ جائز ہے، اگر اس کی حیات کا علم نہ تھا تب بھی چونکہ خون نکلا ہے اس لئے وہ جائز ہے، کیونکہ ایسے جانور کے متعلق دو چیزوں میں سے ایک کا پایا جانا ضروری ہے: یا حرکت کرے یا خون نکلے، اگر دونوں میں سے کوئی بھی نہ ہو تو جائز نہیں، یہاں ایک چیز موجود ہے پس وہ حلال ہے (یہ متن کا حاصل ہے)۔

اور اس کے مقابل محمد ابن مقاتل کا قول نقل کیا ہے کہ محض خون کا نکلنا بغیر حرکت کے معتبر نہیں۔ صراحتاً دونوں قولوں میں سے کسی کی ترجیح بیان نہیں کی، لیکن ایک قول کا متن میں ذکر کرنا یہ تصحیح التزامی ہے (۲)۔ نیز قولِ متن کی شارح نے علت بھی بیان کی اور اس کے مقابل کی علت بیان نہیں کی، یہ بھی موجب

(۱) (مجمع الأنهر: ۱۶۴/۴، کتاب الذبائح، فصل، مکتبہ غفاریہ)

(۲) "إذا تعارض ما فى المتون والفتاوىٰ، فالمعتمد ما فى المتون". (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۳۸۲/۶، سعید)

"وكل قول فى المتون أثبتا فعذلك ترجيح له ضمناً أتى
فرجحت على الشروح والشروحُ على الفتاوىٰ القدم من ذات رجوح
ما لم يكن سواه لفظاً صححا فالأرجح الذى به قد صرحاً"

(شرح عقود رسم المفتى، أبيات، ص: ۲۸، دارالاشاعت كراچى)

ترجیح قول متن ہے(۱)۔

سکب الأنهر میں دوسرے قول کو ذکر بھی نہیں کیا۔ متنِ تنویر میں بھی قولِ ثانی مذکور نہیں، مگر شامی نے نقل کیا ہے کہ خون اس طرح نکلے جس طرح زندہ جانور سے نکلتا ہے:

"(قوله: أو خرج الدم): أي كما يخرج من الحيّ. قال في البزازية: وفي شرح الطحاوي: خروج الدم لا يدل على الحياة، إلا إذا كان يخرج كما يخرج من الحيّ عند الإمام، وهو ظاهر الرواية". ۵/۲۱۷(۲)۔

اور ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد ذبح کرنے سے اس قدر خون نہیں نکلتا، بلکہ اولاً اس میں قطعاً خون نہیں رہتا، اگر رہتا بھی ہے تو معمولی سا۔ اور شرناٹے سے نہ نکلنا بلکہ آہستہ آہستہ نکلنا، بہت ممکن ہے کہ کسی بیماری اور ضعف کی وجہ سے ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبد اللطیف، ۲۶/ ربیع الآخر/ ۵۸ھ۔

ایک جانور کو ذبح کیا وہ جا کر پانی میں ڈوب گیا اس کا کھانا

سوال[۸۳۵۹]: نیل گائے کو ذبح کیا جارہا تھا، ابھی مکمل نہیں ہوا تھا اس میں جان کی رمق باقی تھی کہ بدن جھاڑ کر بھاگ کھڑا ہوا اور ندی میں جا کر ڈوب مرا، پھر دوبارہ اس کو ذبح نہیں کیا جا سکا۔ شرعاً اس کا کھانا حلال ہوگا یا نہیں؟ کتنا ذبح کرنے کو ذبح شرعی (جو جانور حلال کردے) سمجھا جائے گا؟

---

(۱) "كذا إذا ما واحداً قد عللوا له وتعليل سواه أهملوا".

(شرح عقود رسم المفتی، ص: ۳۱، دارالإشاعت کراچی)

(۲) (ردالمحتار، کتاب الذبائح: ۶/۳۰۸، سعید)

"وفيه أيضاً: وإن ذبح شاةً أو بقرةً، فخرج منها دمٌ ولم تتحرك ومثل ما يخرج من الحي، أكلت عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول في ركنه وشرائطه: ۵/۲۸۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، نوع آخر: ۶/۳۰۵، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

حلقوم، مری، وَدَجان اگر یہ رگیں کٹ چکی ہیں (جن کے بعد زندگی باقی نہیں رہتی) مگر وہ تڑپتا ہوا اٹھ کر قریب ہی کسی پانی میں جا گرا اور مر گیا تو وہ حلال ہے، اس کی موت ذبح کی وجہ سے ہوئی ہے جیسے مرغ کو ذبح کر دیا جائے وہ تڑپتا اچھلتا ہوا پانی میں جا گرے(۱)۔ اگر یہ رگیں پوری نہیں کٹی تھیں اور اس کی زندگی متوقع تھی اور پانی میں ڈوب جانے کی وجہ سے موت واقع ہوئی ہے تو وہ مردار ہے اس کا کھانا درست نہیں ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔

کارآمد جانور کو تجارت کے لئے ذبح کرنا

سوال[۸۳۶۰]: کوئی بیل کا جھوٹا یا گائے (باربردار) ہل میں چلنے والا اور ٹھیلہ کھینچنے والا کارآمد جانور کو بہ نیتِ تجارت ذبح کرنا اور اس کا گوشت بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "وإن ذبح الشاة، فاضطربت فوقعت فی ماء، أو تردت فی موضع، لم یضرها شیء؛ لأن فعل الذكوة قد استقر فيها، فإنما انزهق حياتها به، ولا معتبر باضطرابها بعد استقرار الذكاة، فهذا لحم وقع فی ماء أو سقط من مو ضع". (المبسوط للسرخسی، كتاب الذبائح: ۶/۵، غفاریه كوئٹه)

"وإن ذبح الشاة، فاضطربت فوقعت فی ماء، أوتردّت من موضع، لم يضرها شیء؛ لأن فعل الذكاة قد استقر فيها، فإنما انزهق حياتها به، ولا معتبر باضطرابها بعد استقرار الذكاة، فهذا لحم وقع فی ماء". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الثالث فی المتفرقات: ۵/۲۹۰ رشيديه)

(وكذا فی ردالمحتار: ۶/۴۶۹، كتاب الصيد، سعيد)

(وكذا فی تبيين الحقائق، كتاب الذبائح: ۷/۱۱۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الصيد: ۸/۴۱۲، رشيديه)

(۲) "وذكاة الاختيار ذبح بين الحلق واللبة، وعروقه الحلقوم والمرئ والوَدَ، جان، وحل المذبوح بقطع أیّ ثلاث مَنها". (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۶/۲۹۴، سعيد)

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسے کارآمد جانور کو ذبح کرکے محض اس کا گوشت، کھال فروخت کرکے پیسے کمانا مناسب نہیں (۱)، لیکن وہ پیسہ بھی حرام نہیں ہوگا، بالکل جائز ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۵/ ۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۵/ ۹۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) جس طرح حاملہ جانور کا ذبح کرنا مکروہ ہے، اس لئے کہ اس میں بچہ ضائع ہوجاتا ہے اسی طرح کارآمد جانور کے ذبح کرنے سے جو منفعت حاصل ہوتی ہیں وہ فوت ہوجاتی ہیں: ''شاة أو بقرة أشرفت على الولادة، قالوا: يكره ذبحها؛ لأن فيه تضييع الولد، وهذا قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ''. (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول في ركنه وشرائطه وحكمه وأنواعه: ۲۸۷/۵، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصيد والذبائح، باب في الذكوة: ۳۶۶/۳، رشيديه)

(۲) اس لئے کہ حلال جانور کا گوشت اور کھال فروخت کرنا جائز ہے۔

قال الله تعالیٰ: ﴿أحل الله البيع﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

الفصل الرابع فی مایصح أکله من اللحوم ومالا یصح

(حلال اور حرام گوشت کا بیان)

عرب ممالک میں ڈبہ بند گوشت کا حکم

سوال[۸۳۶۱]: خلیج کے عرب ملکوں میں یورپ، آسٹریلیا اور امریکہ جیسے ملکوں سے مکبوں اور ڈبوں میں بند ثلاجوں (۱) میں فریز کیا ہوا گوشت اور مرغیاں ملتی ہیں جس کے بکسوں پر "مذبوح علی الطریقة الإسلامیة" لکھا ہوا ہوتا ہے۔ کیا یہ مرغیاں اور گوشت کھانا شرعی طور پر جائز ہے؟ یاد رہے کہ یہ چیزیں کفار اور نصاریٰ کے ملکوں سے آتی ہیں اور "کسی مسلمان کے فارم کی ہے یا غیر مسلموں کے فارم کی ہے" یہ کچھ لکھا ہوا نہیں ہوتا، پہلے پرہیز کرتا رہا، مگر اب کھانا کمپنی کی طرف سے ملتا ہے، اس لئے مجبوراً کھاتا ہوں مگر دل نہیں مانتا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ اس سے پرہیز کیجئے تو اعلیٰ بات ہے اس لئے کہ غیر مسلموں کے ہاتھوں میں یہ چیز پہونچتی ہے جن کی خبر دیانات میں قبول نہیں (۲)، مگر بلا تحقیق کے حرام کہنا بھی دشوار ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۴/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "ثلاجہ: فریز"۔ (القاموس الجدید: ۷۵۷، إدارۂ إسلامیات)

(۲) "ولایقبل قول الکافر فی الدیانات، إلا إذا کان قبول قول الکافر فی المعاملات یتضمن قبوله فی الدیانات فی ضمن المعاملات، فیقبل قوله فیها ضرورةً". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الأول: ۳۰۸/۵، رشیدیه)

"وأصله أن خبر الکافر مقبول بالإجماع فی المعاملات لا فی الدیانات". (الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة: ۳۴۵/۶، سعید)

(۳) "من اشتریٰ لحماً، فعلم أنه مجوسیّ وأراد الرد، فقال: ذبحه مسلم، یکره أکله". (ردالمحتار،=

چمڑا کھانا

سوال[۸۳۶۲]: چمڑا کھانا کیسا ہے؟ منڈی میں چمڑا لگا ہوا ہوتا ہے، اس کو بعض لوگ بال جلا کر اور بال صاف کر کے چمڑے کے ساتھ بوٹی کاٹ کر کھاتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس جانور کا گوشت کھانا جائز ہے اس کا چمڑا بھی گوشت کے ساتھ کھالیا جائے تو مضائقہ نہیں درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۰/۲۵ھ۔

= کتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۴۴، سعید)

ایسے گوشت کے بارے میں اگر غالب گمان یہ ہو کہ اس کے ذابحین مسلمان ہیں اور انہوں نے اسلامی طریقہ سے ذبح کیا ہے تو فتویٰ کی رو سے اس کا استعمال کرنا درست ہے، مگر تقویٰ کی رو سے اس سلسلہ میں عصرِ حاضر کی دیگر بے احتیاطیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے استعمال سے پرہیز ہی کرنا چاہیے:

"لما قال العلامة التمرتاشي رحمه الله تعالىٰ: "وذكوة الاختيار ذبح بين الحلق واللبة .... والمرى والودجان .... وشرط كون الذابح مسلماً حلالاً خارج الحرم .... والشرط في التسمية هو الذكر الخاص عن شوب الدعاء". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/۲۹۶، كتاب الذبائح، سعيد)

(وكذا في فتاویٰ حقانيه، كتاب الذبائح، یورپ کے ذبح شدہ جانوروں کے گوشت کا حکم: ۶/۴۵۱، جامعه دارالعلوم حقانيه اكوڑه خٹک)

(۱) "وذكر بكر رحمه الله تعالىٰ أن الجلد كاللحم". (الفتاوىٰ البزازية على الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، السادس في الانتفاع: ۶/۲۹۴، رشيديه)

"واللحم بمنزلة الجلد". (البحر الرائق، كتاب الأضحية، السادس في الانتفاع: ۸/۳۲۶، رشيديه)

"ما يحرم من أجزاء الحيوان المأكول سبعةٌ: الدم والذكر والأنثيان والقبل والغدة والمثانة والمرارة". (ردالمحتار: ۶/۷۴۹، كتاب الخنثىٰ، مسائل شتىٰ، سعيد) ....=

حلال جانور کا چمڑا کھانا

سوال[۸۳۶۳]: چمڑا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

جس جانور کا گوشت کھانا جائز ہے اس کا چمڑا کھانا بھی درست ہے، مثلاً: پرندوں: کبوتر، مرغ وغیرہ، یا گائے اور بکری کے تازہ بچہ کی کھال۔ اگر گائے اور بکری کی کھال کو کھانے کے قابل بنالیا جائے تو اس میں مضائقہ نہیں یعنی شرعاً ممنوع نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۰/۳/۱۳۹۲ھ۔

قربانی کی کھال کا کھانا

سوال[۸۳۶۴]: قربانی بیل وغیرہ کا چمڑہ پکا کر کھانا جائز ہے یا نہ؟ یہ جو مشہور ہے کہ ''سرِ گوسفند مع پوست بریاں کردہ شدہ یا تیار کردہ میخورد''. درست ہے یا نہ؟

از ملک برما۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قربانی کا گوشت، سر، چمڑہ سب ایک حکم میں ہے سب کا کھانا درست ہے، نیز دوسرے کو دینا بھی جائز ہے، البتہ سات چیزوں کا کھانا درست نہیں:

''ما يحرم من أجزاء الحيوان المأكول سبعة: الدم المسفوح، والذكر، والأنثيان، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة، بدائع''. شامی: ۲۱۹/۵(۲)۔

= ''عن واصل بن أبی جميل عن مجاهد رحمه الله تعالىٰ قال: كره رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم من الشاة سبعاً: المرارة، والمثانة، والغدة، والحيا والذكر، والأنثيين، والدم. وكان رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم يحب من الشاة مقدمها''. (كتاب الأثار، باب مايكره من الشاة والدم وغيره، ص: ۱۳۸، مكتبه أهل السنة والجماعة كراچی)

(۱) (تقدم تحت عنوان: ''چمڑا کھانا''۔)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۷۴۹/۶، سعيد) =

سراج وہاج کی عبارت سے بھی جلد شاۃ مذکاۃ کا کھانا جائز معلوم ہوتا ہے، البتہ مدبوغ میں اختلاف ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۲/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۵/ ذی الحجہ/۵۳ھ۔

اوجھڑی اور آنتیں کھانا

سوال[۸۳۶۵]: حلال جانوروں کی اوجھڑی اور آنتیں کھانا جائز ہے یا نہیں؟ ماہنامہ ''فیض الرسول'' جولائی ۶۵ء کے، ص:۳۲ پر آخر میں جلال الدین احمد الامجدی من اساتذہ دارالعلوم اہل سنت برداں شریف ضلع بستی نے اسی سوال کے جواب میں تحریر کیا ہے کہ:

''اوجھڑی اور آنتیں کھانا مکروہ تحریمی، ناجائز اور گناہ ہے''۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"كره تحريماً، وقيل: تنزيهاً —والأوّل أوجه— من الشاة سبع: الحياء، والخصية، والغدة، والمثانة، والمرارة، والدم المسفوح، والذكر، للأثر الوارد في كراهية ذلك". درمختار على ردالمحتار: ٥/٦٥٤(٢)۔

= (وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۴/۴۸۹، المكتبة الغفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۴/۴۸۹، غفاريه كوئٹه)

(۱) لم أظفر على هذا الكتاب

(۲) (رد المحتار، كتاب الخنثیٰ، مسائل شتیٰ: ۶/۷۴۹، سعيد)

"وأما بيان مايحرم أكله من أجزاء الحيوان المأكول، فالذي يحرم أكله منه سبعةٌ: الدم المسفوح، والذكر، والأنثيان، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة، لقوله عزوجل: ﴿ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث﴾. وهذه الأشياء السبعة مما تستخبثه الطبائع السليمة، فكانت محرمةً". (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح، فصل فيما يحرم أكله من أجزاء الحيوان: ۶/۲۷۲، دارالكتب العلمية بيروت)

فقہاء نے ان سات چیزوں کو منع فرمایا ہے، بعض نے "نخاع" کا بھی اضافہ کیا ہے، کذا فی الطحطاوی (۱)، آنتیں اور اوجھڑی کو ان میں شمار نہیں کیا۔ جنھوں نے منع کیا ہے ان سے کتب فقہ کا حوالہ مع نقل عبارت طلب کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۵ھ۔

اوجھڑی کھانا کیسا ہے؟

سوال [۸۳۶۶]: پچونی اور لاد کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پچونی اور لاد (انتڑی اور اوجھڑی) کھانا شرعاً درست ہے، خوب پاک صاف کر کے کھائیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۰/۸۵ھ۔

= "إذا ماذكيت شاةً، فكلها سوىٰ سبع ففيهن الوبال

فحاء ثم خاء ثم غين وذال ثم ميمان ودال".

(تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الذبائح: ۲۳۲/۲، مكتبه ميمنيه مصر)

اوجھڑی کی حلت اس لئے ہے کہ اس میں کوئی وجہ حرمت کی نہیں، فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اشیائے حرام کو شمار کر دیا ہے، یہ ان کے علاوہ ہے، یہ شمار درمختار کے مسائل شتی میں مذکور ہے: "والغدة، والخصية، والمثانة، والمرارة، والدم المسفوح، والذكر، اهـ". (إمداد الفتاویٰ، کھانے پینے کی حلال وحرام، مکروہ ومباح چیزوں کا بیان، عنوان: اوجھڑی کی حلت اور گولر کے بھنگے کی حرمت: ۱۰۴/۴، مكتبه دارالعلوم كراچی)

(وكذا في بهشتی زيور، حصه سوم، ص: ۲۵۱، دارالإشاعت كراچی)

(۱) "وزِيدَ نخاع الصلب". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۳۶۰/۴، دارالمعرفة بيروت)

(۲) (تقدم تحت عنوان: "اوجھڑی اور آنتیں کھانا"۔)

اوجھڑی، آنتوں اور گدھی اور سُوّر کے دودھ کا حکم

سوال[۸۳۶۷]: زید ایک پرچہ لایا ہے جس کا نام ''الحامدہ'' تھا جو سنبھل سے ماہنامہ نکلتا ہے۔ یہ پرچہ ماہ دسمبر ۱۹۷۰ء کا ہے جو جلد نمبر:۱، شمارہ نمبر:۱۹، ہے اس پرچہ کا مدیر اعزازی مولوی محمد حسن اشرفی صاحب، اس فتوے کا لکھنے والا قاضی محمد عبد الرحیم بستوی رضوی ہے (دار الافتاء بریلی)۔ اور مولوی محمد حسن اشرفی نے بھی لکھا ہے ص:۲۲، پر کہ:

''اوجھڑی آنتیں کھانا مکروہ تحریمی ہے'' اور چند سطروں کے بعد لکھتا ہے کہ ''سور اور گدھا کھانا حرام اور اس کا دودھ حلال ہے''۔ پھر ص ۳۰/ پر لکھتے ہیں کہ ''وہ لوگ جو اوجھڑی کھاتے ہیں وہ حرام خور ہیں، اوجھڑی، آنتیں مکروہ تحریمی ہیں''۔

تو عرض یہ ہے کہ ہم لوگ عرصہ دراز سے گائے، بکری، بھینس، کی اوجھڑی کھاتے ہیں اور کسی نے ان چیزوں کو روکا نہیں، مگر زید پرچہ ماہنامہ ''الحامدہ'' لیکر اعلان کرتا ہے کہ گائے اور بکری بھینس کی اوجھڑی کھانا مکروہ تحریمی ہے۔

لہذا مدلل جواب دیا جائے کہ جب سور اور گدھا حرام ہیں تو دودھ کیسے حلال ہے؟ پھر اوجھڑی کے بارے میں تفصیل کہ اس کا کھانا کہاں تک درست ہے؟

الجوب حامداً ومصلیاً:

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد رد المحتار: ۵/۴۷۷، میں نقل کیا ہے کہ: ''بکری کا بہتا خون تو حرام ہے اور چھ چیزیں مکروہ تحریمی ہیں''۔ حدیث پاک بھی اس سلسلہ میں نقل کی ہے(۱)۔ ان چھ میں

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "كره تحريماً، وقيل: تنزيهاً –والأول أوجه– من الشاة سبع: الحياء، والخصية، والغدة، والمثانة، والمرارة، والدم المسفوح، والذكر، للأثر الوارد في كراهة ذلک. وجمعها بعضهم في بيت واحد فقال: ذكر والأنثيان مثانة كذلک دم ثم المرارة والغد

وقال غيره:

إذاما ذكيت شاةً فكلها   سوى سبع ففيهن الوبال

فحاء ثم خاء ثم غين   ودال ثم ميمان وذال

(الدر المختار)

قال الشامي رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: كره تحريماً) لِمَا روى الأوزاعي عن واصل بن أبي =

اوجھڑی اور آنت کا ذکر نہیں ہے۔ گائے، بھینس وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔

جن صاحب نے اوجھڑی اور آنت کو مکروہ تحریمی لکھا ہے، جوابی خط بھیج کر ان سے دریافت کرلیا جائے کہ یہ مسئلہ فقہ کی کونسی مستند کتاب میں ہے؟ اسی طرح سوّر کے دودھ کو حلال کس دلیل اور حوالہ سے لکھا ہے، حالانکہ وہ نجس العین ہے(۱)؟ گدھی کے دودھ کے متعلق بھی دریافت کریں، پھر ایک خط سے یہاں بھی اطلاع کردیں تو احسان ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= جميلة عن مجاهد قال: كره رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الشاة الذكرَ، والأنثيين، والقبل، والغدة، والمرارة، والمثانة، والدم. قال أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ: الدم حرام وأكره الستة، وذلك لقوله عزوجل: ﴿حرمت عليكم الميتة والدم﴾ (الاية) فلما تناوله النص، قطع بتحريمه، وكره ما سواه؛ لأنه مما تستخبثه الأنفس وتكرهه. وهذا المعنىٰ سبب الكراهية، لقوله تعالىٰ: ﴿ويحرم عليهم الخبائث﴾. زيلعى.

وقال فى البدائع آخر كتاب الذبائح: وما روى عن مجاهد، فالمراد منه كراهة التحريم بدليل أنه جمع بين الستة وبين الدم فى الكراهة، والدم المسفوح محرم. والمروى عن أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه قال: الدم حرام وأكره الستة. فأطلق الحرام على الدم، وسمى ما سواه مكروهاً؛ لأن الحرام المطلق ما ثبت حرمته بدليل مقطوع به، وهو المفسر من الكتاب قال الله تعالىٰ: ﴿أو دماً مسفوحاً﴾، وانعقد الإجماع على حرمته. وأما حرمة ما سواه من الستة، فما ثبت بدليل مقطوع به بل بالاجتهاد أو بظاهر الكتاب المحتمل للتأويل أو الحديث، فلذا فصل، فسمىٰ الدم حراماً وذا مكروهاً.......... اهـ".

(ردالمحتار: ٦/٧٤٩، كتاب الخنثىٰ، مسائل شتىٰ، سعيد)

(وكذا فى بدائع الصنائع، كتاب الذبائح، فصل فيما يحرم أكله من أجزاء الحيوان: ٦/٢٧٢، دارالكتب العلمية)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح الباب الثالث فى المتفرقات: ٥/٢٩٠، رشيديه)

(١) "وشعر الخنزير لنجاسة عينه". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "عين الخنزير: أى بجميع أجزاءه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فى التداوى بلبن البنت للرمد قولان: ٥/٧١، سعيد)

غدود کیا ہے اور اس کا حکم کیا ہے؟

سوال[۸۳۶۸] : ایک مسئلہ تذکرۃ الرشید، ص:۱۷۴ میں ہے کہ:''حلال جانور میں سے سات چیزیں کھانا منع ہے''ان سات چیزوں میں سے ایک ''غدود'' بھی ہے(۱)۔آپ واضح فرمائیں کہ غدود کیا ہے؟ عام طور غدود نلی میں سے یا پاؤں میں سے نکلتا ہے، اسے کہتے ہیں، عام طور پر لوگ اس کو بہت شوق سے کھاتے ہیں۔آپ بتائیں کہ یہ کھانا حلال ہے یا حرام ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خون جم کر گھٹلی کی صورت ہو جاتی ہے، اس کو''غدہ'' کہتے ہیں (۲) وہی اردو میں''غدود'' کہلاتا ہے(۳)۔ پائے اور دوسری ہڈی سے جو چیز نکلتی ہے اس کو''گلی'' اور''گودہ'' اور''گوذ'' کہتے ہیں، اس کا کھانا درست ہے(۴)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲/۴/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) **سوال:** ''جانور حلال مثل بکری وگاؤ وطیور وغیرہ میں کون کون چیز حلال ہے؟اور کون کون حرام ہے؟''۔

جواب: ''سات چیزیں حلال جانور کی کھانی منع ہیں۔ذکر،فرج مادہ،مثانہ،غدود،حرام مغز جو پشت کے مہرہ میں ہوتا ہے،خصیہ،پتہ یعنی مرارہ جو کلیجہ میں تلخ پانی کا ظرف ہے اور خون سائل قطعی حرام ہے باقی سب اشیاء کو حلال لکھا ہے،مگر بعض روایات میں گردہ کی کراہت لکھتے ہیں اور کراہت تنزیہ پر حمل کرتے ہیں''۔(**تذکرة الرشید، شبهات فقهیه ومسائل مختلف فیها**، عنوان مسئلہ:حیوانات میں سات چیزیں کھانا حرام ہے،ص: **۱۷۵، اداره اسلامیات لاهور)**

(۲) **"(قوله: الغدة) بضم الغين المجمعة كل عقدة في الجسد أطاف بها شحم، وكل قطعة صلبة بين العصب". (ردالمحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ٦/ ٧٤٩، سعيد)**

"الغدة ....كل عقدة في الجسم أطاف بها شحم، وأيضاً كل قطعة لحم صلبة تحدث عن داء بين اللحم والجلد". (قواعدالفقه، ص: ٣٩٨، الغين، الصدف پبليشرز)

(۳) ''غدود:جسم کے اندر کی گانٹھ،گلٹی،عربی میں غدہ''۔(**فیروز اللغات، ص: ۹۱۱، فیروز سنز، لاهور)**

(۴) ''گودہ:گرد:مغز،بھیجا،گری،اندرونی حصہ،ہڈی کے اندر کی نرم چیز،مغز،استخوان''۔(**فیروز اللغات، ص: ۱۱۱۲، فیروز سنز لاهور)**

حرام مغز

سوال[۸۳۶۹]: حرام مغز کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

منع ہے، طحطاوی: ۴/ ۳۶۰(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

بکرے کے کپورے کا حکم

سوال[۸۳۷۰]: بعض آدمی قربانی کے بکرے کے کپورے (خصیے) بھی پکا کر کھاتے ہیں۔ کیا ان کا کھانا جائز ہے؟

---

(۱) "(قوله: والدم المسفوح)، وزِيدَ نخاع الصلب". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۴/ ۳۶۰، كتاب الخنثىٰ، مسائل شتىٰ، دار المعرفة بيروت)

"وكره من الشاة الحياء والخصية والغدة ....ونخاع الصلب". (كنز الدقائق، مسائل شتىٰ، ص: ۴۳۲)

سات چیزیں حلال جانور کی کھانی منع ہیں: ذَکر، فرجِ مادہ، مثانہ، غدود، حرام مغز جو پشت کے مہرہ میں ہوتا ہے، خصیہ، پتہ مرارہ جو کلیجی میں تلخ پانی کا ظرف ہے اور خونِ سائل قطعی حرام ہے۔ باقی سب اشیاء کو حلال لکھا ہے، مگر بعض روایات میں گردہ کی کراہت لکھتے ہیں اور کراہت تنزیہیہ پر حمل کرتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حلال جانور کا شرعی طریقہ سے ذبح ہونے کے باوجود اس کے سات مندرجہ ذیل اعضاء کا کھانا حرام ہے: ۱- پتا، ۲- مثانہ، ۳- غدود، ۴- فرج، ۵- ذکر، ۶- خصیتین، ۷- دم مسفوح۔

لما قال العلامة محمد بن حسن الشيباني رحمه الله تعالىٰ: "عن مجاهد قال: كره رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الشاة سبعاً: "المرارة والمثانة، والغدة، والحياء، والذكر، والأنثيين، والدم". (كتاب الأثار، باب مايكره من الشاة الدم وغيره، ص: ۱۷۹)

راجع: (فتاویٰ حقانیہ، کتاب الذبائح، حلال جانور کے حرام اجزاء: ۶/ ۴۵۳، حقانیہ اکوڑہ خٹک)

(وتالیفات رشیدیۃ، شکار اور ذبح کے مسائل، حلال جانور کی حرام اشیاء، ص: ۴۵۱، ادارہ اسلامیات لاہور)

الجواب حامداًومصلیاً:

ان کا کھانا منع ہے، شامی: ۵/۱۹۷(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کپورے کے متعلق حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ

سوال[۸۳۷۱]: بعض لوگ کہتے ہیں کہ کپورے کے متعلق مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ "بکرے کے خصیہ کھانا شرعاً جائز ہے"۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت مولانا گنگوہی کی اس کی طرف نسبت صحیح نہیں، بلکہ ان پر بہتان ہے، انھوں نے بکرے کے خصیہ کو منع لکھا ہے، دیکھو فتاویٰ رشیدیہ، مطبوعہ خواجہ برقی پریس دہلی، ۱۳۵۲ھ، جلد دوم (۲)۔ اور

---

(۱) "وكره تحريماً من الشاة سبع: الحياء، والخصية، والغدة، والمثانة، والمرارة، والدم المسفوح، والذكر". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الخنثى، مسائل شتىٰ: ۶/۷۴۹، سعيد)

"كره رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الشاة سبعاً: المرارة، والمثانة، والغدة، والحياء، والذكر، والأنثيين، والدم". (كتاب الآثار، ص: ۱۷۹، إدارة القرآن كراچى)

"فالذى يحرم أكله منه سبعة: الدم المسفوح، والذكر، والأنثيان، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة، لقوله تعالىٰ: ﴿ويحرم عليهم الخبائث﴾. وهذه السبعة مما تستخبثه الطبائع السليمة، فكانت محرمةً". (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح، فصل: فيما يحرم أكله من أجزاء الحيوان: ۶/۲۷۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۴/۴۸۹، كتاب الخنثىٰ، مسائل شتىٰ، مكتبه غفاريه)

(وكذا فى إعلاء السنن، كتاب الذبائح، فصل: فيما يحرم أكله من أجزاء الحيوان: ۱۷/۱۳۰، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۶/۴۶۳، كتاب الخنثىٰ، مسائل شتىٰ، سعيد)

(۲) "سات چیزیں حلال جانور کی کھانی منع ہیں: ذَکر، فرجِ مادہ، مثانہ، غدود، حرام مغز جو پشت کے مہرہ میں ہوتا ہے، خصیہ، پتہ، مرارہ جو کلیجی میں تلخ پانی کا ظرف ہے اور خونِ سائل قطعی حرام ہے۔ باقی سب اشیاء کو حلال لکھا ہے، مگر بعض روایات میں گردہ کی =

تذکرۃ الرشید، حصۂ أول، ص: ۱۷٤(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

خصیہ کا کھانا

سوال[۸۳۷۲]: حلال جانوروں کے خصیتین کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکروہ تحریمی ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

حلال جانور کے حلال اجزاء

سوال[۸۳۷۳]: اگر گائے، بکری، بھینس وغیرہ ذبح کرے تو اس میں کن چیزوں کا کھانا حرام ہے اور کن چیزوں کا کھانا مکروہ ہے، یعنی کس قسم کی مکروہ ہے: تحریمی ہے یا تنزیہی ہے؟ اور پیٹھ میں جو بڑی ہڈی ہوتی ہے جس کو ''صلب'' کہتے ہیں اس کے اندر جو سفید رگ ہوتی ہے، اس کا کھانا حرام ہے یا مکروہ، اگر مکروہ ہے تو تحریمی ہے یا تنزیہی ہے؟ اگر کوئی شخص گوشت کے ساتھ اس کو پکالے تو یہ سالن کھانا کیسا ہے؟ اگر کسی کو کھلا دے تو کھلانے والا گنہگار ہوگا یا نہیں؟ اور گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ؟ اب حضرت والا سے گذارش ہے کہ مسائلِ مذکورہ کو

= کراہت لکھتے ہیں اور کراہت تنزیہیہ پر حمل کرتے ہیں۔فقط واللہ اعلم۔(فتاویٰ رشیدیہ، باب شکار اور ذبح کے مسائل، عنوان مسئلہ: حلال جانور کی حرام اشیاء، ص: ۲۴۶، سعید)

(۱) (تذکرۃ الرشید: ۱/۱۷۴، ادارۃ اسلامیات لاھور)

جانور میں سات چیزیں حرام ہیں: خون جاری، ذکر، خصیے، شرمگاہ، غدود، پھکنا، پتہ:

''وأما بیان مایحرم أکلہ من أجزاء الحیوان سبعۃ: الدم المسفوح، والذکر، والأنثیان، والقبل، والغدۃ، والمثانۃ، والمرارۃ، کذا فی البدائع''. عالمگیری، جلد: ۴، واللہ أعلم''. (إمداد الفتاویٰ، کھانے پینے کی حلال وحرام، مکروہ ومباح چیزوں کا بیان، عنوان: اجزائے حرام حیوانِ حلال: ۴/۱۱۸، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۲) (تقدم تحت عنوان: ''بکرے کے کپورے کا حکم''۔)

موافقِ شریعت مدلل مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

"ویکرہ تحریماً -علی الأوجہ- من الشاۃ سبع أشیاء معلومۃ، وھو: الفرج، والخصیۃ، والمثانۃ، والذکر، والغدۃ، والمرارۃ، والدم المسفوح، للأثر الوارد فی کراھۃ ذلک، لکن فی عدّ الدم من المکروہ تسامح". مجمع الأنھر:۲/۷۴۳(۱)۔

"وزید نخاع الصلب". طحطاوی: ۴/۳۶۰(۲)۔

"قال أبوحنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: الدم حرام، وأکرہ الستۃ. وذلک لقولہ عزوجل: ﴿حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر﴾(الایۃ) فلما تناولہ النص، قطع بتحریمہ، وکرہ ماسواہ". زیلعی:۶/۶۶(۳)۔

عباراتِ بالا سے معلوم ہوا کہ آٹھ چیزیں ممنوع ہیں، ایک حرام ہے اور باقی مکروہِ تحریمی ہے، ان سب کا کھانا اور کھلانا ناجائز اور گناہ ہے۔ اور جس سالن کے ساتھ ناجائز عضو کو ملا کر پکایا ہے، وہ سالن بھی ناپاک ہوگیا (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۶۱/۲/۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۶۱/۲/۸ھ۔

---

(۱) (مجمع الأنھر: ۴/۴۸۹، کتاب الخنثیٰ، مسائل شتیٰ، مکتبہ غفاریہ)

(۲) (حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار، کتاب الخنثیٰ، مسائل شتیٰ: ۴/۳۶۰، دارالمعرفۃ بیروت)

(۳) (تبیین الحقائق: ۷/۴۶۴، کتاب الخنثیٰ، مسائل شتیٰ، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

"کرہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من الشاۃ الذکر، والأنثیین، والقبل، والغدۃ، والمرارۃ، والمثانۃ، والدم. فالمراد منہ کراھۃ التحریم بدلیل أنہ جمع بین الأشیاء الستۃ وبین الدم فی الکراھۃ والدم المسفوح محرمٌ". (بدائع الصنائع، کتاب الذبائح، فصل فیما یحرم أکلہ من أجزاء الحیوان: ۶/۲۷۲، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(۴) "سالن ناپاک نہیں ہوگا، البتہ اگر مذکورہ اعضاء کے اجزاء سالن میں خلط ملط ہوجائیں تو سالن کا کھانا مکروہ ہوگا: =

گوشت کے ساتھ لگا ہوا خون پاک ہے، ذبح بھی دباغت ہے

سوال[۸۳۷۴]: حلال جانوروں کا دمِ مسفوح نکل جانے کے بعد جو خون گوشت میں باقی رہ جاتا ہے وہ پاک ہے یا ناپاک؟ اگر مصلیوں کی کپڑے یا جسم میں لگ جائے تو اس سے نماز صحیح بھی ہو جائے گی یا نہیں، کوئی کراہت وغیرہ تو نہیں؟ غیر ماکول اللحم جانوروں کو اگر تسمیہ کے ساتھ ذبح کیا جائے تو اس کا گوشت اور جو خون گوشت میں رہ جاتا ہے وہ بھی پاک ہے یا نہیں؟

کیا مذبوحہ جانوروں کے چمڑے پر قبل دباغت نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ آیا ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم جانوروں کے چمڑہ میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

بعد ذبح جو خون گوشت سے چپکا ہوا رہ جاتا ہے وہ نجس ہے جبکہ وہ سائل ہو، اور جو خون رگوں میں رہ

= ''فلو تفتت فيه نحو ضفدع، جاز الوضوء به لاشربُه، لحرمة لحمه''. (الدرالمختار). ''قال العلامة الشامي: ''لأنه قد صارت أجزاء ه في الماء، فيكره الشرب تحريماً''. (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في مسئلة الوضوء من الفساقي: ۱/۱۸۵، سعيد)

''دود لحم وقع في مرقة، لا ينجس، لايؤكل المرقة إن تفسخ الدود فيها: أي لأنه ميتة وإن كان طاهراً. قلت: وبه يعلم حكم الدود في الفواكه والثمار''. (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، فصل الاستنجاء، مطلب في الفرق بين الاستبراء، والإستنقاء والاستنجاء: ۱/۳۴۹، سعيد)

''ما يعيش في الماء مما لا يؤكل لحمه إذا مات في الماء وتفتت، فإنه يكره شرب الماء، وهو مروي عن محمد رحمه الله تعالىٰ، لاختلاط الأجزاء المحرمة كلها بالماء، فربما ابتلعت بشربه مع أنها حرام، وما يحتمل فيه تناول الحرام، يكره تناوله، ويجب التحرز عنه؛ لأنه رعي حول الحمى''. (الحلبي الكبير، كتاب الطهارة، فصل في البئر قبيل فصل في الأسار، ص: ۱۶۶، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في البحرالرائق: ۱/۱۶۲، كتاب الطهارة، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الحادي عشر في الكراهة في الأكل ومايتصل به: ۵/۳۳۹، رشيديه)

جاتا ہے وہ نجس نہیں جب کہ وہ سائل نہ ہو:

"ما لزق من الدم السائل باللحم فهو نجس، ومابقى فى اللحم والعروق من الدم الغير السائل فليس بنجس". كبيرى، ص:۱۹۳(۱)۔

"والدم المسفوح: أى السائل من أىّ حيوان .... والمراد أن يكون من شانه السيلان، فلو جمد المسفوح ولو على اللحم، فهو نجس، كما فى منية المصلى. وكذا مابقى فى المذبح؛ لأنه دم مسفوح، كما فى ابن أميرحاج. لاالباقى فى اللحم؛ لأنه ليس بمسفوح لمشقة الاحتراز عنه". طحطاوى، ص:۸۳(۲)۔

اگر معمولی اثر کپڑے یا بدن پر آئے گا تو وہ معاف ہے، اگر نمایاں طور پر لگ جائے تو پاک نہیں:

"يفسد الثوب إذا فحش". شامى: ۱/۲۹٤(۳)۔

---

(۱) (الحلبى الكبير، ص: ۱۹۵، فصل فى الأسار، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۲) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، ص: ۱۵۳، قديمى)

"(قوله: ودم مسفوح): أى ذاته فلو جمد المسفوح ولو على اللحم بقى نجساً". (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۴/۱۲۰، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب السابع فى النجاسة، الفصل الثانى، الأعيان النجسة: ۱/۴۵، رشيديه)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، فصل فى النجاسة: ۱/۱۹، رشيديه)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۱۹، سعيد)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مبحث فى بول الفأرة وبعرها وبول الهرة: ۱/۳۱۹، سعيد)

لیکن راجح یہ ہے کہ رگوں اور گوشت میں جو خون ہے وہ پاک ہے اگر چہ زیادہ ہو:

"وما يبقى من الدم فى عروق المذكاة بعد الذبح لايفسد الثوب وإن فحش، وعن أبى يوسف رحمه الله تعالىٰ: يفسد الثوب إن فحش". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، فصل فى الاسار: ۱/۱۹، رشيديه) .... =

ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم دونوں کا اس مسئلہ میں ایک ہی حکم ہے جبکہ تسمیہ کے ساتھ ذبح کیا جائے، ذکوۃ شرعیہ سے چمڑا پاک ہوجاتا ہے، اس پر نماز بغیر دباغت کے بھی درست ہے، ماکول اللحم کا چمڑا ہو یا غیر ماکول اللحم کا:

"سوى الخنزير والأدمي، وما: أى إهاب طهر به بدباغ، طهر بذكاة على المذهب. لايطهر لحمه على قول الأكثر إن كان غير مأكول. هذا أصح ما يفتىٰ به وإن قال في الفيض: الفتوىٰ علىٰ طهارته. وهل يشترط لطهارة جلده كون ذكاته شرعيةً بأن تكون من الأهل في المحل بالتسمية؟ قيل: نعم، وقيل: لا، والأول أظهر؛ لأن ذبح المجوسى وتارك التسمية عمداً كلا ذبح وإن صحح الثاني". الدر المختار: ١٨٩/١(١)۔

"والحاصل أن ذكوٰة الحيوان مطهرة لجلده ولحمه إن كان الحيوان مأكولاً، وإلا فإن كان نجس العين فلاتطهر شيئاً منه، وإلا فإن كان جلده لا يحتمل الدباغة فكذلك؛ لأن جلده حينئذيكون بمنزلة اللحم، وإلافيطهر جلده فقط. والآدمى كالخنزير فيما ذُكر تعظيماً له". شامى(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ۱۷/ ذی قعدہ/ ۶۷ھ۔

= "وما يبقى من الدم في عروق المذكاة بعد الذبح لايفسد الثوب وإن فحش". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ٤٦/١، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة، الفصل الثاني، الأعيان النجسة، رشيديه)

(وكذا في البزازية علىٰ هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، السابع في النجس: ٢١/٤، رشيديه)

(١) (الدر المختار، كتاب الطهارة، باب المياه: ٢٠٤/١، ٢٠٥، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل: يطهر جلد الميتة، ص: ١٦٩، قديمى)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الطهارة: ٣٢/١، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(٢) (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في أحكام الدباغة: ٢٠٥/١، سعيد)۔

گھومنے اور پھرنے والی مرغی کو فوراً ذبح کر کے کھانا

سوال[۸۳۷۵]: وہ مرغیاں کھلی ہوئی ادھر ادھر پھرتی ہیں، اس کو پکڑ کر فوراً ذبح کر کے کھانا کیسا ہے، یعنی مکروہ ہے یا نہیں؟ اگر مکروہ ہے تو تنزیہی ہے یا تحریمی؟ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ تحریمی ہے اور اس کے دفعیہ کے لئے تین روز باندھنا چاہئے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ امید ہے کہ مدلل و مفصل تحریر فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مرغی اس قدر غلاظت کھاتی ہو کہ اس میں بدبو پیدا ہوگئی ہے، اس کو اتنی مدت تک محبوس رکھا جائے کہ بدبو ختم ہو جائے اس سے پہلے یعنی فوراً پکڑ کر ذبح کر کے پکا لینا مکروہ تحریمی ہے۔ جو مرغی غلاظت نہیں کھاتی، یا اتفاقیہ کبھی کھالے اس کو فوراً ذبح کر کے کھالینا درست ہے، اس کو محبوس رکھنا محض تنزیہاً ہے:

"وفی التجنیس: إذا کان علفها نجاسة، تحبس الدجاجة ثلاثة أیام. وقال السرخسی: الأصح عدم التقدیر، وتحبس حتیٰ تزول الرائحة المنتنة. وفی المنتقیٰ: المکروه الجلالة التی إذا قربت وُجد منها رائحةٌ، فلا توکل. وفی مختصر المحیط: ولاتکره الدجاجة المخلاة إن أکلت النجاسة یعنی إذا لم تنتن بها، لما تقدم أنها إذا تخلط ولایتغیر لحمها، وحبسها أیاماً تنزیه".

شامی مختصراً: ۵/۱۹۵، کتاب الذبائح(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۱/۹۰ھ۔

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الذبائح: ۶/۳۰۶، سعید)

"ویکره أکل لحوم الإبل الجلالة وهی التی الأغلب من أکلها النجاسة؛ لأنه إذا کان غالب أکلها النجاسة، یتغیر لحمها وینتن، فیکره أکله کالطعام فی المنتن .... انه لا یحل الانتفاع بها من العمل وغیره، إلا أن تحبس أیاماً وتعلف، فحینئذ یحل .... هذا إذا کانت لاتخلط ولا تأکل إلا العذرة غالباً .... ولایکره أکله الدجاج المخلی وإن کان یتناول النجاسة؛ لأنه لا یغلب علیه أکل النجاسة، بل یخلطها بغیرها وهوالحب". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الذبائح، الباب الثانی فی بیان مایؤکل من الحیوان ومالایؤکل: ۵/۲۹۰، وشیدیه) .... =

کافر کے سرکاری سانڈ کوذبح کرکے کھانا

سوال[۸۳۷۶]: زیداس سانڈ کوذبح کرکے کھالیتا ہے جس کوکسی کافرنے چھوڑا ہے، یا سرکاری طور پر چھوڑا گیا ہے، کیا شرعاً اس کو چوری چھپے ذبح کرکے اس کو کھالینا جائز ہے؟ واضح رہے کہ لوگوں کے زبانی معلوم ہوا ہے کہ کافر اکثر وبیشتر اپنے کسی بڑے آدمی یا بت وغیرہ کے نام پر سانڈ وغیرہ چھوڑتا ہے، اس صورت میں یہ سانڈ "ما أهل به لغير الله" کے تحت داخل ہوگا یانہیں؟ اگر داخل ہے تو پھراس سے مسلمانوں کو اپنے جانوروں سے جفتی کرانا شرعاً کیسا ہے؟ لوگ کہتے ہیں کہ سرکاری مال میں تو سب کا حق ہے اس لئے سرکاری سانڈ کو کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ مزعومہ کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

ایسے سانڈ کوذبح کرکے چوری چھپے سے بھی کھالینا جائز نہیں (۱)، یہ تصرف فی ملک الغیر ہے۔ اگر وہ

= "ولا تؤكل الجلالة ولايشرب لبنها، والجلالة هي التي تعتاد أكل الجيف والنجاسات ولاتختلط، فيتغير لحمها، فيكون منتناً. وأما ما يختلط فيتناول النجاسة والجيف ويتناول غيرها على وجه ولا يظهر أثر ذلك في لحمه، لابأس بأكله........... اهـ". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصيد والذبائح: ۳۵۹/۳ رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقره: ۱۸۸)

وقال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة النساء: ۲۹)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كل المسلم على المسلم حرام: ماله وعرضه ودمه، حسب امرئ من الشر أن يحقر أخاه المسلم". (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في الغيبة: ۳۲۱/۲، مكتبه إمداديه ملتان)

(والصحيح لمسلم، كتاب القسامة، باب تغليظ الدماء والأعراض والأموال: ۶۰/۲، قديمي)

"كل المسلم على المسلم حرام: ماله وعرضه ودمه، حسب امرئ من الشر أن يحقر أخاه المسلم". (فيض القدير: ۴۴۵۳/۹، (رقم الحديث: ۶۲۲۷)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوٰة المصابيح، كتاب البيوع، =

غیر اللہ کے نام کا ہے تو "ما أهل به لغير الله" میں بھی داخل ہے(۱)۔ وہ کسی مسلمان کی گائے سے جفتی کرے تو اس جفتی کو یا اس سے پیدا ہونے والے بچے کو ناجائز نہیں کہا جائے گا(۲)۔ سرکار نے اپنے مال کے کھانے کی سب کو اجازت نہیں دی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

گابھن بھیڑ کو ذبح کر کے فروخت کرنا اور اس کے بچے کا حکم

سوال[۸۳۷۷]: بھیڑ گابھن ہے اس کو ذبح کیا جاتا ہے، بچہ کبھی مر بھی جاتا ہے کبھی زندہ رہتا ہے، آیا اس بھیڑ کا ذبیحہ جائز ہوگا یا نہیں؟ اور یہ روزانہ دوکانداری کا معمول ہے اور بھیڑ کے بچہ ہونے میں ایک دو دن باقی رہتا ہے اس اندازہ سے ذبح کرتے ہیں۔ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے جانور کو ذبح کرنا مکروہ ہے(۳) اگرچہ ذبیحہ حلال ہوگا۔ جو بچہ مردہ نکلے اس کا کھانا درست نہیں

= باب الغصب والعارية، الفصل: ۲/۲۵۵، قديمی)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل لغير الله به﴾ (سورة المائدة:۳)

وقال الله تعالىٰ: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل لغير الله به﴾ (سورة النحل: ۱۱۵)

(۲) قال العلامة الحصكفی رحمه الله تعالىٰ:

"وان ينزكلب فوق عنز فجاءها نتاج له رأس ككلب فينظر
فإن أكل لحماً فكلب جميعها وإن أكلت تبناً فذا الرأس يبتر".

(الدرالمختار، كتاب الذبائح: ۳۱۱/۶، سعيد)

(۳) "شاة أو بقرة أشرفت على الولادة، قالوا: يكره ذبحها؛ لأن فيه تضييع الولد، وهذا قول عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ؛ لأن عنده الجنين لايتذكى بذكاة الأم". (الفتاویٰ العالمكيرية ، كتاب الذبائح، الباب الأول: ۲۸۷/۵ ، رشيديه) .... =

ہے، جو بچہ زندہ نکلے اس کو ذبح کرلیا جائے، وہ حلال ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۹۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "بقرة أو شاة أشرفت على الولادة، قالوا: يكره ذبحها؛ لأن فيه تضييع الولد". (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار: ۱۵۵/۴، بيروت)

"شاة أوبقرة أشرفت على الولادة، قالوا: يكره ذبحها؛ لأن فيه تضييع الولد". (فتاوى قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصيد والذبائح، باب الذكاة: ۳۶۷/۳، رشيديه)

"إن تقاربت الولادة، يكره ذبحها". (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۳۰۴/۶، سعيد)

(۱) "إن الجنين وهو الولد فى البطن إن ذكى على حدة، حل، وإلا لا، ولا يتبع أمه فى تذكيتها لوخرج ميتاً". (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۳۰۴/۶، سعيد)

"وجنين الناقة إذاخرج ميتاً بعد ذبحها حرامٌ". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصيد والذبائح: ۳۵۹/۳، رشيديه)

كتاب الأضحية

باب من يجب عليه الأضحية ومن لايجب

(قربانی کے وجوب وعدم وجوب کا بیان)

قربانی کس پرواجب ہے؟ کیا قیمت کا صدقہ کرنا کافی ہے؟

سوال[۸۳۷۸]: قربانی کس پرواجب ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ قربانی کے جانور کی قیمت کسی غریب کو دیدی جائے، یا قربانی کرنی ضروری ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جس کی ملک میں ساڑھے باون تولہ چاندی، یا اتنی قیمت کی کوئی اَور چیز حاجتِ اصلیہ سے زائد ہو، اس پرقربانی واجب ہے(۱)۔قربانی کے ایام میں قربانی واجب ہے، قیمت دینا کافی نہیں (۲)۔اگرکسی عارض کی وجہ

---

(۱) "وفي أجناس الناطفي: قال أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ: الموسر الذي له مأتا درهم أو عرض يساوي مأتي درهم سوى المسكن والخادم والثياب التي يلبس، ومتاع البيت الذي يحتاج إليه". (خلاصة الفتاوىٰ، الفصل الثاني نصاب الأضحية: ۳۰۹/۴، امجد اکیڈمی لاہور)

"أما شرائط الوجوب، منها: اليسار وهو ما يتعلق به و جوب صدقة الفطر دون ما يتعلق به وجوب الزكوة........ والموسر في ظاهر الرواية: من له مأتا درهم، أو عشرون ديناراً، أو شيء يبلغ ذلك سوى مسكنه و متاع مسكنه و مركوبه، وخادمه في حاجته التي لا يستغني عنها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۹۲/۵، الباب الأول، كتاب الأضحية، رشيديه)

(۲) "ومنها: أن لا يقوم غيرها مقامها، حتى لو تصدق بعين الشاة أو قيمتها في الوقت، لا يجزيه عن الأضحية؛ لأن الوجوب تعلق بالإراقة". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل: وأما كيفية الوجوب: =

سے قربانی نہیں کرسکا اور دن گزر گئے تو پھر قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۳/۴/۸۹ھ۔

قربانی کس پر واجب ہے؟

سوال[۸۴۷۹]: قربانی کے متعلق ایک کتاب میری نظر سے گزری، اس میں مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ:

’’قربانی ہر مقیم، آزاد، مسلمان عاقل، بالغ، مالکِ نصاب پر واجب ہے۔

مالکِ نصاب وہ شخص ہے جس کے پاس اسبابِ خانہ داری کے سوا ساڑھے سات تولہ سونا، یا ساڑھے باون تولہ چاندی، یا چھتیس روپے موجود ہوں، یہاں پر ایک سال کا گزرنا شرط نہیں۔

جو شخص مالکِ نصاب نہ ہو تو اس پر قربانی واجب نہیں، البتہ مستحب ہے۔ بچے کی طرف سے بھی قربانی کرنا واجب ہے۔ کنز الدقائق (۲)، ابوداؤد‘‘(۳)۔

الجواب حامداًومصلياً:

چھتیس روپیہ کو نصاب قرار دینا تو غلط ہے، ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت جتنے روپیہ ہوں گے ان

= ۲۹۱/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۵۱۶/۲، كتاب الأضحية، دارإحيا التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۱۸/۸، كتاب الأضحية، رشيديه)

(۱) "ولو تركت التضحية و مضت أيامها، تصدق به حيةً ناذرٌ .... و تصدق بقيمتها غنيٌّ، شراها أولا". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۲۱/۶، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۵۱۹/۳، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب الأضحية: ۴۴۴/۴، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "تجب على حر مسلم موسر عن نفسه لاعن طفله". (كنز الدقائق، كتاب الأضحية، ص: ۴۲۰، مكتبه إمداديه ملتان)

(۳) لم أجده

کونصاب کہا جائے گا(۱)۔ بچے کی طرف سے قربانی مفتیٰ بہ قول ہے کہ واجب نہیں ہے۔ بقیہ مضمون صحیح ہے:

"فتجب التضحية عن نفسه، لا عن طفله على الظاهر. اهـ". درمختار۔ قال الشامي بعد نقل رواية زفر رحمه الله تعالىٰ: "والفتوىٰ على ظاهر الرواية. اهـ". ردالمحتار: ۵/۲۰۰(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۲/۲۸ھ۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ، ۸۵/۱۲/۳۰ھ۔

کیا گھر کے سب آدمیوں کی طرف سے قربانی لازم ہے؟

سوال[۸۳۸۰]: گھر میں چند عورتیں و مرد ہیں، مثلاً: بیوی، ماں، بھائی، باپ، بہن، بچے، خواہ زندہ ہوں خواہ ان میں سے کچھ مردہ ہوں، اور زید کئی آدمیوں کے نام کی قربانی بوجۂ عسرت نہیں کرسکتا تو ایسی حالت میں ہر سال ایک ایک عزیز و قریب، مثلاً: بالا رشتہ خواہ زندہ ہوں خواہ مردہ، ان کے نام ایک ایک سال کرتا جائے جس کے ذمہ زکوٰۃ واجب ہے بیوی یا شوہر پر کسی پر زکوۃ زیادہ واجب ہے، اس کے نام کی قربانی ہر سال کرے اور بقیہ کی طرف سے کبھی کبھی کرتا رہے خواہ زندہ ہوں خواہ مردہ، یا ہر سال سب کے نام کی قربانی کرے خواہ تنگی ہو، اور قرضہ لے کر کرے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جس کے ذمہ قربانی واجب ہے اس کو ہر سال قربانی کرنا ضروری ہے(۳)، جس کے ذمہ واجب نہیں

---

(۱) "وفي أجناس الناطفي: قال أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ: الموسر الذي له مأتا درهم أو عرض يساوي مأتي درهم سوى المسكن والخادم، والثياب التي يلبس، ومتاع البيت الذي يحتاج إليه". (خلاصة الفتاوىٰ، الفصل الثاني نصاب الأضحية: ۴/۳۰۹، امجد اکیڈمی لاهور)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۱۵، سعيد)

"وفي الولد الصغير عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ روايتان، في ظاهر الرواية يستحب، ولا يجب". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۳۴۵، فصل في صفة الأضحية، رشيديه)

(۳) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "فتجب التضحية على حرّ مسلم مقيم موسر". =

اس کی طرف سے اختیار ہے خواہ کرے یا نہ کرے، کرنے کی صورت میں ثواب ملے گا، نہ کرنے کی صورت میں گناہ نہیں ہوگا (۱)، مگر قرض لیکر درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۳/۱۱/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۳/ ذی قعدہ/۶۱ھ۔

سب گھر کی طرف سے ایک بکرے کی قربانی

سوال [۸۳۸۱]: قربانی کا جانور کس کے نام سے ذبح کیا جائے؟ کیا زندہ مردہ جس کے نام بھی ذبح کردیا جائے، اہل خانہ کے ذمہ سے اس کا وجوب ساقط ہوجائے گا، یا ہر سال گھر کا مالک اپنے نام سے کردے؟ جو بھی ہو کتبِ حدیث کا حوالہ ضرور تحریر فرمائیں۔

الجوب حامداً ومصلیاً:

جس کے ذمہ قربانی واجب ہے پہلے وہ اپنی طرف سے قربانی کرے، اس کے بعد کسی حی یا میت کی طرف سے حسبِ توفیق کردے۔ یہ سمجھنا کہ ایک بکرا قربانی کردینے سے تمام اہل خانہ کا واجب ادا ہوجائے گا درست نہیں:

"فتجب الأضحیة علیٰ حرٍ مسلمٍ مقیمٍ موسرٍ عن نفسه، لاعن طفله شاةً أو بدنةً".

در مختار (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۳/۱/۸۸ھ۔

= (الدر المختار: ۳۱۳/۶، کتاب الأضحیة، سعید)

(۱) "وأما التطوع، فأضحیة المسافر والفقیر الذی لم یوجد منه النذر بالتضحیة و لا شراء الأضحیة، لعدم سبب الوجوب و شرطه". (الفتاوىٰ العالمکیریة: ۲۹۱/۵، الباب الأول، رشیدیه)

(۲) "عند اجتماع الحقوق یبدأ بالأهم .... و قضاء الدین أهم من الغزو بمنزلة من خرج للحج و لم یدَعْ لعیاله ما تکفیهم، فإن ذلک مکروه". (قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۱۸۷)، ص: ۹۲، الصدف پبلشرز)

(۳) (الدر المختار، کتاب الأضحیة: ۳۱۳/۶، سعید) .... =

مشترکہ کاروبار والے جب انفراداً صاحبِ نصاب نہ ہوں تو قربانی واجب نہیں

سوال[۸۳۸۲] : ۱...... چند بھائی مل کرکوئی کام گزران کے لئے کرر ہے ہیں اوران سب کا کھانا پینا ایک ہی جگہ ہے، اگر فرداً فرداً ایک کے کام کو دیکھتے ہیں تو کسی پر بھی قربانی واجب نہیں ہوتی ؛ کیونکہ کوئی بھی صاحبِ نصاب نہیں بنتا۔ اگر شمولاً دیکھتے ہیں تو اچھے کھاتے پیتے نظر آتے ہیں اور نصاب بھی پورا ہوجاتا ہے۔ ایسی صورت میں ان کواشتراکاً قربانی واجب ہے یا نہیں؟

۲...... اگر اشتراکاً قربانی واجب ہے تو کس کی طرف سے ادا ہوگی؟

الجواب حامداًومصلياً:

۱...... اس صورت میں ان میں سے کسی پر قربانی واجب نہیں (۱)۔

۲...... اشتراکا بھی واجب نہیں۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

صغیراولاد کی طرف سے قربانی ہدایہ کی عبارت

سوال[۸۳۸۳] : صاحب ہدایہ نے متن دیا ہے:

= "فالحق هو ما ذهب إليه أبو حنيفة وأصحابه رحمهم الله تعالىٰ أنه لا تجوز الشاة الواحدة إلا عن واحدة، وهو القياس". (إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب التضحية بالشاة.......... اهـ: ۲۱۲/۱۷، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱٦٨/۴، الغفاريه)

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "فتجب التضحية على حر مسلم مقيم موسر". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۱۲/٦، سعيد)

"وأما شرائط الوجوب: منها اليسار، هو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما يتعلق به وجوب الزكوة......... والموسر في ظاهر الرواية مَن له مأتا درهم أو عشرون ديناراً، أو شيء يبلغ ذلك مسكنه و متاع مسكنه و مركوبه و خادمه في حاجته التي لا يستغني عنها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الأول : ۲۹۲/۵ ، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۱۸/۸ رشيديه)

"الأضحية واجبة علىٰ كل مسلم مقيم موسر فى يوم الأضحىٰ عن نفسه و عن وُلده الصغار، الخ"(۱)۔

اس عبارت میں "عن وُلده الصغار" کا جملہ آیا ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ وَلدِ صغیر کی طرف سے جب والد پر قربانی واجب ہوئی -اگر چہ ولد صغیر کے مال ہی میں سے ہو- تو زکوۃ مفروضہ کا کیا حکم ہے، زکوۃ دی جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

یہ روایت امام صاحب سے حضرت حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کی ہے جو کہ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے، ظاہر الروایۃ میں اولادِ صغیر کی طرف سے قربانی واجب نہیں:

"و تجب عن نفسه؛ لأنه أصل فى الوجوب عليه علىٰ ما بيناه، و عن ولده الصغير؛ لأنه فى معنى نفسه، فيلحق به كما فى صدقة الفطر. و هذه رواية الحسن عن أبى حنيفة رحمهما الله تعالىٰ، و روى عنه أنه لا يجب عن ولده، وهو ظاهر الرواية"(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کچھ سونا اور کچھ چاندی دونوں پر قربانی

سوال[۸۳۸۴]: ایک شخص کے پاس ایک تولہ سونا ہے جس کی قیمت ۱۴۵/ روپیہ اور ایک روپیہ کا نوٹ ہے، آیا اس پر قربانی واجب ہوگی کہ نہیں؟ اور اس وقت چاندی کا بھاؤ تقریباً سوا دو روپیہ تولہ ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس شرح نرخ کے اعتبار سے اتنی مالیت پر قربانی واجب ہے جب کہ یہ مال اس کی حاجت اصلیہ

---

(۱) (الهداية، كتاب الأضحية: ۴۴۲/۴، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وقوله: (عن نفسه)؛ لأنه أصل فى الوجوب. وقوله: (لا عن طفله) يعنى لا يجب عليه عن أولاده الصغار؛ لأنها عبادة محضة". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۱۹/۸، رشيديه)

(وكذا فى اللباب فى شرح الكتاب، كتاب الأضحية: ۹۸/۳، قديمى)

(۲) (الهداية، المصدر السابق)

سے زائد ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

جانور خریدنے سے قربانی کا وجوب

سوال[۸۳۸۵]: جو شخص غریب ہے، کیا صرف جانور خریدنے سے اس کے ذمہ قربانی واجب ہوجاتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ قربانی کے دنوں میں قربانی کی نیت سے جانور خریدے گا، تب اس کے ذمہ قربانی واجب ہوگی، شامی ۲۰٤/٥(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "أما شرائط الوجوب، منها: اليسار، وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر .... والموسر في ظاهر الرواية: مَن له مأتا درهم، أو عشرون ديناراً، أو شيء يبلغ ذلك مسكنه و متاع مسكنه ومركوبه وخادمه في حاجته التي لا يستغني عنها. فأما ما عدا ذلك من سائمة أو رقيق أو خيل أو متاع لتجارة أو غير، فإنه يعتد به من يساره". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الأول: ۲۹۲/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۱۲/٦، سعيد)

"وفي أجناس الناطفي: قال أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ: الموسر الذي له مأتا درهم أو عرض يساوي مأتي درهم سوى المسكن والخادم والثياب التي يلبس، ومتاع البيت الذي يحتاج إليه".

(خلاصة الفتاویٰ، كتاب الأضحية، الفصل الثاني: نصاب الأضحية: ۳۰۹/۴، امجد اکیڈمی لاهور)

(۲) "وفقير شراها لها، لوجوبها عليه بذلك، حتى يمتنع عليه بيعها". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۱/٦، سعيد)

"وأما الذي يجب على الفقير دون الغني، فالمشتری للأضحية إذا كان المشتري فقيراً: بأن اشترى فقير شاةً ينوي أن يضحي بها". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۹۱/۵، كتاب الأضحية، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۴۴۵/۴، مكتبه شركت علميه ملتان)

قربانی کا دوسرا جانور خریدنے پر پہلا گم شدہ مل گیا

سوال[۸۳۸۶]: زید نے قربانی کے لئے ایک جانور خریدا جو کہ قربانی سے پہلے کھو گیا، اس نے دوسرا خرید لیا پھر پہلا بھی مل گیا تو اس پر دونوں کی قربانی واجب ہے یا ایک کی، یا اس میں امیر غریب کا کچھ فرق ہے، جیسا کہ اشتہار میں چھپتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید مالدار ہے کہ اس پر قربانی واجب ہے تو ایسی صورت میں اس پر ایک کی قربانی واجب ہے۔ اگر وہ غریب ہے تو اس پر دونوں کی قربانی واجب ہوگی (۱)۔ ہاں! اگر اس نے دوسرا جانور خریدتے وقت یہ نیت کی ہے کہ پہلا جانور جو گم ہو گیا اس کی جگہ پر خریدتا ہوں تو اس پر ایک ہی کی قربانی واجب ہوگی، سکب الأنهر: ۲/ ۵۲۰ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قربانی کا جانور مرنے سے کیا واجب ساقط ہو جاتا ہے؟

سوال[۸۳۸۷]: زید نے قربانی کے لئے ایک جانور خریدا اور وہ قربانی سے پہلے مر گیا تو زید کو دوسرا جانور خریدنا ہوگا، یا اس کے ذمہ سے واجب ساقط ہو جائے گا؟

---

(۱) "لو ضلّت أو سرقت، فشرى أخرى، فظهرت، فعلى الغنى إحداهما، وعلى الفقير كلاهما".
(الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۲۶/۶، سعيد)

"الفقير إذا اشترى شاةً للأضحية، فسرقت فاشترى مكانها، ثم وجد الأولى، فعليه أن يضحّى بهما". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۰/۸، رشيديه)

(وكذا فى مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۵۲۰/۲، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۹۴/۵، كتاب الأضحية، الباب الثانى، رشيديه)

(۲) "وإن سرقت أو ضلت، فشرى أخرى، ثم وجدها فى أيام النحر، ذبح إحداهما لو غنياً. وكلاهما لو فقيراً، لا إذا نواها عن الأولى، لعدم تعدد الالتزام بالشراء حينئذٍ". (الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۵۲۰/۲، دارإحياء التراث العربى بيروت)

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر زید مالدار ہے تب تو اس کو دوسرا جانور خریدنا ہوگا اور اس کی قربانی لازم ہوگی۔ اگر وہ غریب ہے تو اس کے ذمہ دوسرا جانور خرید کر قربانی کرنا لازم نہیں، مجمع الأنهر: ۲/۵۲۰ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قربانی کے لئے جانور خرید کر فقیر ہوگیا

سوال[۸۳۸۸]: ایک شخص نے مالدار ہونے کے وقت ایک بڑا بکرا قربانی کی نیت سے خریدا، لیکن قربانی کے دن آنے سے پیشتر غریب ہوگیا۔ اب وہ شخص اس بکرے کو بیچ کر اس کی قیمت اپنے کام میں لاسکتا ہے یا نہیں؟ یا اس بکرے کی قربانی اس پر واجب ہے، مطابق شرع شریف کیا حکم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر قربانی کے اخیر دن تک وہ صاحب نصاب نہ ہو تو اس کے ذمہ قربانی واجب نہیں، اس بکرے کو فروخت کر کے قیمت اپنے کام میں خرچ کرنا درست ہے۔ اور اگر قربانی کے اخیر دن میں بھی وہ صاحبِ نصاب ہوجائے گا تو اس پر قربانی واجب ہوگی خواہ اس بکرے کی کرے یا اَور کی:

"ولا يشترط أن يكون غنياً في جميع الوقت، حتى لو كان فقيراً في أول الوقت، ثم أيسر في آخره، تجب عليه .... ولو اشترى الموسر شاةً للأضحية، فضاعت حتى انتقص نصابه وصار فقيراً، فجاء ت أيام النحر، فليس عليه أن يشتري شاةً أخرى. فلو أنه وجدها، وهو معسر و ذلك أيام النحر، فليس عليه أن يضحي بها. ولو ضاعت، ثم اشترى أخرى وهو موسر

---

(۱) "إذا ماتت المشتراة للتضحية على موسر، تجب مكانها أخرى، ولا شيء على الفقير". (مجمع الأنهر: ۲/۵۲۰، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"وكذا لوماتت، فعلى الغني غيرها لا الفقير". (الدرالمختار: ۶/۳۲۵، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۸۲، دارالكتب العلمية بيروت)

فضحیٰ، ثم وجد الأولی، وهو معسر، لم یکن علیه أن یتصدق بشیء، کذا فی البدائع. اهـ".

عالمگیری: ٦/١٩٦(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ ہذا، ۵۷/۴/۲۸ھ۔

ہدیہ کئے ہوئے جانور میں قربانی کی نیت

سوال[۸۳۸۹]: جس پر قربانی واجب نہیں غربت کی وجہ سے، وہ اگر قربانی کے لئے جانور خرید لیتا ہے تو اس پر قربانی واجب ہوجاتی ہے۔ اسی طرح اگر بغیر خریدے اس کو کسی نے ہدیہ یا صدقہ کے طور پر جانور دیدیا اور اس نے دل میں اس کی قربانی کی نیت کرلی تو کیا پھر بھی اس پر قربانی واجب ہوجاتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح اس پر قربانی واجب نہیں ہوتی، شلبی: ٦/٥(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

---

(١) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، الباب الأول: ٥/٢٩٢، الباب الأول، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، فصل: فی کیفیة الوجوب: ٦/٢٨٨، ٢٨٩، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الأضحیة: ٦/٣١٩، سعید)

(وکذا مجمع الأنهر، کتاب الأضحیة: ٤/١٧٠، المکتبة الغفاریة)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الأضحیة: ٨/٣١٨ رشیدیه)

(٢) "ولو ملک إنسان شاةً، فنوی أن یضحیّ بها أواشتری و لم ینو الأضحیة وقت الشراء، ثم نوی بعد ذلک أن یضحیّ، لا یجب علیه، سواء کان غنیاً أو فقیراً". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة: ٥/٢٩١، الباب الاول، رشیدیه)

"فإن وهب له أو تصدق علیه فنوی بقلبه، لا تصیر أضحیةً بالإجماع؛ لأن العقد لا یصلح للتعیین فی الإیجاب، وکذا لو کانت الشاة فعنده، فأثمر بقلبه الأضحیة، لا تصیر أضحیةً بالإجماع".

(حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق، کتاب التضحیة: ٦/٤٧٩، دارالکتب العلمیة بیروت)

گابھن گائے کی قربانی

سوال[۸۳۹۰]: ایک شخص نے ایک گائے کی قربانی کی نیت کی تھی، اتفاق سے وہ گائے گابھن ہوگئی۔ اب اس حاملہ کو قربانی کردیا جائے یا نہیں، یا بچہ پیدا ہونے کے بعد کیا جائے، یا آئندہ سال کیا جائے، یا صدقہ کردیا جائے؟

الجوب حامداً ومصلیاً:

اگر محض نیت کی تھی، نذر نہیں مانی تھی تو اس سے اس پر اس مخصوص گائے کی قربانی لازم نہیں ہوئی، اس کو اختیار ہے چاہے قربانی کرے یا نہ کرے اور اب کرے، یا پھر بعد میں کرے، یا بعد قربانی صدقہ کردے، یا جو دل چاہے کرے:

"إذا اشترى شاةً بغير نية الأضحية، ثم نوى الأضحية بعد الشراء، لم يذكر هذا في ظاهر الرواية، و روى الحسن عن أبي حنيفة رحمهما الله تعالىٰ أنها لا تصير أضحيةً، حتى لو باعها يجوز بيعها، و به نأخذ، الخ". فتاویٰ عالم گیری: ٤/٧٨(١)۔

جو جانور قریب الولادة ہو کہ ذبح کرنے سے بچہ مرجانے کا اندیشہ ہو اس کا ذبح کرنا مکروہ ہے:

"إن تقاربت الولادة، يكره ذبحها. الخ". شامی: ٥/١٩٣ (٢)۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۸۹ھ۔

دوسرے کی طرف سے قربانی کرنا

سوال[۸۳۹۱]: کیا غائب کی طرف سے کوئی شخص قربانی کرسکتا ہے بغیر اس کی اجازت کے؟

---

(١) (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثاني: ۵/۲۹۴، رشیدیه)

"ولو ملك إنسان شاةً فنوى أن يضحيّ بها، أو اشترى شاةً ولم ينوي الأضحية وقت الشراء، ثم نوى بعد ذلك أن يضحيّ بها، لا تجب عليه، سواء كان غنياً أو فقيراً". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، الباب الأول: ۵/۲۹۱، رشیدیه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۸/۳۲۰، رشيديه)

(٢) (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۰۴، سعيد)

عالمگیری: ۵/ ٤٥٨، باب الأضحية عن الغير میں ہے:

"إذا ضحى بشاة نفسه عن غيره بأمر ذلك الغير أو بغير أمره، لا تجوز"(۱)۔

اس کا کیا مطلب ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غائب کی طرف سے قربانی اس کے حکم سے بھی جائز نہیں، حالانکہ آپ حضرات کا عمل بھی اس کے خلاف ہے، اس کا صحیح مطلب تحریر فرماویں۔

السائل: افتخار الحسن، محلّہ مولویان کاندھلہ، ۱۵/ محرم/ ۶۷ھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

قربانی کا جانور غائب کی ملک ہو، اس کی طرف سے اس کی قربانی اس کے امر سے بلا تردّد درست ہے، بغیر امر کے بھی استحساناً درست ہے، چنانچہ عالمگیریہ کے اسی باب میں مذکور ہے:

"ولو ذبح أضحية غيره عن المالك بغير أمره صريحاً، يقع عن المالك، ولا ضمان على الذابح استحساناً .... رجل ذبح أضحية غيره عن نفسه بغير أمره، فإن ضمنه المالك قيمتها، يجوز عن الذابح دون المالك؛ لأنه ظهر أن الإراقة حصلت على ملكه. وإن أخذها مذبوحةً تجزئ عن المالك؛ لأنه قد نواها، فليس يضره ذبح غيره لها. كذا في محيط السرخسي، اهـ"(۲)۔

لیکن اگر کوئی شخص اپنا جانور کسی دوسرے کی طرف سے قربانی کردے بغیر حصولِ ملک بذریعۂ ہبہ وبیع وغیرہ تو اس سے قربانی اس کی ادا نہیں ہوگی، یہی محمل ہے عبارتِ منقولہ فی السوال کا۔ پوری عبارت پر غور کیجئے:

" ذكر في فتاوى أبي الليثؒ: إذا ضحى بشاة نفسه (سوال میں "نفسه" کا لفظ نقل نہیں کیا گیا) عن غيره بأمر ذلك الغير أو بغير أمره، لا تجوز"۔

اس کی علت خود بیان کرتے ہیں:

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب السابع في التضحية عن الغير: ۵/ ۳۰۲، رشيديه)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب السابع في التضحية عن الغير: ۵/ ۳۰۲، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ۳/ ۳۵۲، رشيديه)

”لأنه لا يمكن تجويز التضحية عن الغير إلا بإثبات الملك لذلك الغير فى الشاة، و لن يثبت الملك له فى الشاة إلا بالقبض و لم يوجد قبض الآمر ههنا لا بنفسه ولا بنائبه. كذا فى الذخيرة، اهـ“(۱)۔

مدرسہ میں جو شخص قربانی کے لئے قیمت بھیجتا ہے، کارکنانِ مدرسہ اس کی طرف سے وکیل اور نائب ہو کر جانور خریدتے اور قبضہ کرتے ہیں جس سے وہ جانور اس کی ملک میں آجاتا ہے(۲)، پھر اس کی قربانی کردی جاتی ہے، اس میں کوئی اشکال نہیں۔

یہ تفصیل اس کی قربانی میں ہے جس پر قربانی واجب ہے۔ اگر محض ثواب پہونچانا مقصود ہو تو ہر شخص اپنا جانور قربان کر کے جس کو چاہے ثواب پہونچا سکتا ہے، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو مینڈھوں کی قربانی فرمائی، ایک کی اپنی طرف سے ایک کی پوری امت کی طرف سے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۳/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۳/ ۶۷ھ۔

کسی کی طرف سے بلا اذن قربانی کرنا

سوال[۸۳۹۲]: زید سفر میں تھا، اس کے والد نے اس کی طرف سے بغیر اس کی اجازت کے قربانی

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب السابع فى التضحية عن الغير: ۵/ ۳۰۲، رشيديه)

(۲) ”لا يشترط إضافة العقد إلى المؤكل فى البيع والشراء والإجارة والصلح عن إقرار، فإن لم يضفه الوكيل إلى مؤكله واكتفى بإضافته إلى نفسه، صحّ أيضاً. وعلى كلتا الصورتين لا تثبت الملكية إلا لمؤكله“. (شرح المجلة، ص: ۷۸۱، (رقم المادة: ۱۴۶۱) ، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) ”عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان إذا أراد أن يضحى، اشترى كبشين عظيمين سمينين أقرنين أملحين موجوئين، فذبح أحدهما عن أمته لمن شهد لله بالتوحيد و شهد له بالبلاغ، وذبح الأخر عن محمد و عن ال محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم“. (سنن ابن ماجة، أبواب الأضاحى، باب أضاحى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، ص: ۲۳۲، مير محمد كتب خانه)

کی، اس خیال سے کہ جب وہ سفر سے واپس آئے گا تو اس سے قربانی کے پیسے لے لوں گا۔ جب وہ سفر سے واپس آیا تو والد نے لڑکے سے کہا کہ میں نے تیری طرف سے قربانی کردی تھی۔ اس نے کہا کہ اچھا کیا اور اس نے باپ کو قربانی کی قیمت دیدی۔ باپ اور بیٹا دونوں علیحدہ علیحدہ رہتے تھے۔ تو اس لڑکے کی قربانی درست ہوئی یا نہیں؟ نیز دوسروں کی قربانی میں کوئی نقص تو نہیں آیا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کہ بیٹے کی طرف سے پہلے سے اجازت نہیں تھی، خود ہی قربانی کردی اس اعتماد پر کہ بعد میں پیسہ لے لوں گا تو اس کی طرف سے قربانی صحیح نہیں ہوئی اگر چہ پھر اس نے پیسے دے دیئے ہوں (۱)۔ اگر بڑے جانور میں اس کی طرف سے حصہ لیا تھا تو کسی شریک کی بھی قربانی ادا نہیں ہوئی، سب کے ذمہ لازم ہے کہ اپنی قربانی کی قیمت صدقہ کریں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۲/۱۷ھ۔

---

(۱) "رجل ضحى بشاة نفسه عن غيره، لا يجوز ذلك، سواء كان بأمره أو بغير أمره؛ لأنه لا وجه لتصحيح الأضحية عن الآمر بدون ملك الآمر، والملك للآمر لا يثبت إلا بالقبض، ولم يوجد القبض لا من الآمر و لا من نائبه". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالا يجوز: ۳/۳۵۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع عن التضحية عن الغير: ۵/۳۰۲، رشيديه)

(۲) "ولو ضحى غني بدنةً عن نفسه و عن ستة من أولاده، ليس هذا في ظاهر الرواية .... وإن كانوا كباراً إن فعل بأمرهم، جاز عن الكل في قول أبي حنيفة و أبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ. وإن فعل بغير أمرهم أو بغير أمر بعضهم، لا يجوز لا عنه و لا عنهم في قولهم جميعاً؛ لأن نصيب من لم يأمر صار لحماً، فكان الكل لحماً". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ۳/۳۵۰، رشيديه)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۰۲، كتاب الأضحية، الباب السابع في التضحية عن الغير، رشيديه)

مسافر بیٹے کی طرف بغیر اس کی اجازت کے قربانی کرنا

سوال [۸۳۹۳]: ایک شخص تبلیغ میں جارہا تھا وہ مسافر تھا، اس کے ذمہ قربانی واجب نہیں تھی، مگر بقر عید کے موقع پر اس کے باپ نے اس کی طرف سے قربانی کردی۔ گھر واپس آنے کے بعد اس شخص نے اس کو منظور کرلیا اور روپیہ بھی دیدیا۔ تو اب اس کی قربانی صحیح ہوگئی یا نہیں؟ اور جو چھ آدمی شریک تھے ان کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

والد نے جو اس کی طرف سے قربانی کردی ہے تو یہ والد کی طرف سے تبرع اور احسان ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ قربانی کا ثواب اس کو بخش دیا (۱)، ثواب زندوں کو بھی بخشا جاسکتا ہے (۲)، اب اس سے روپیہ لینا درست نہیں، روپے واپس کردیئے جائیں۔ قربانی سب کی ادا ہوگئی۔ جو مسافر تھا اس کے ذمہ قربانی واجب نہیں تھی، اب اس کو قربانی کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب نہیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "إن كان أولاده صغاراً، جاز عنه وعنهم جميعاً في قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ. وإن كانوا كباراً، إن فعل بأمرهم، جاز عن الكل في قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ. وإن فعل بغير أمرهم أو بغير أمر بعضهم، لايجوز عنه ولا عنهم في قولهم جميعاً". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز من الضحايا ومالايجوز: ۳/۳۵۰، رشيديه)

(۲) "من صام أو صلى أو تصدق، و جعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء، جاز". (رد المحتار: ۲/۲۴۳، باب صلوة الجنائز، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له، سعيد)

(۳) "(مقيم) فلا تجب على المسافر، لقول علي رضي الله تعالىٰ عنه: "ليس على مسافر جمعة ولا أضحية". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/۱۶۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وإنما لاتجب على المسافر؛ لأن أداءها يختص بأسباب تشق على المسافر". (تبيين الحقائق، كتاب التضحية: ۶/۴۷۴، دارالكتب العلمية بيروت) .... =

باپ کی طرف سے قربانی

سوال[۸۴۹۴]: ایک شخص صاحبِ نصاب ہوتے ہوئے قربانی نہیں کرتا، اس کے لڑکے نے اس سے یوں کہہ دیا: والد صاحب! میں اپنی طرف سے آپ کی قربانی کردوں، والد نے جواب دیا: ہاں کردو بشرطیکہ میں تم کو ایک پیسہ بھی نہ دوں گا۔ اس صورت میں قربانی اس کے والد کی طرف سے ہوگی یا نہیں اور اس کو ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ درست نہیں، اس سے قربانی درست نہ ہوگی۔ جب والد نے قیمت دینے سے انکار کردیا تو یہ اذن کالعدم ہے:

"ولو ضحى غنيٌّ بدنته عن نفسه، وعن ستة من أولاده، ليس هذا في ظاهر الرواية، وقال الحسن بن زياد رحمه الله تعالىٰ في كتاب الأضحية له: إن كان أولاده صغاراً، جاز عنه وعنهم جميعاً في قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ. وإن كانوا كباراً إن فعل بأمرهم، جاز عن الكل في قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ. وإن فعل بغير أمرهم أو بغير أمر بعضهم، لا يجوز، لا عنه ولا عنهم في قولهم جميعاً؛ لأن نصيب من لم يأمر صارلحماً، فصار الكل لحماً. اهـ". فتاوى قاضي خان: ٤/٢٩٨ (١)۔

= "ومنها: الإقامة، فلا تجب على المسافر؛ لأنها لاتتأدى بكل مال، ولا في كل زمان، بل بحيوان مخصوص في وقت مخصوص، والمسافر لايظفر به في كل مكان في وقت الأضحية، الخ".

(بدائع الصنائع، كتاب الأضحية، فصل في شرائط الوجوب: ٢٨٢/٢، دارالكتب العلمية بيروت)

(١) (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل: فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ٣٥٠/٣، رشيديه)

"رجل ضحى بشاة بنفسه عن غيره، لا يجوز ذلك، سواء كان بأمره أو بغير أمره؛ لأنه لا وجه لتصحيح الأضحية عن الآمر بدون ملك الآمر، والملك للآمر لا يثبت إلا بالقبض و لم يوجد القبض، لا من الآمر و لا من نائبه". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ٣٥٢/٣، رشيديه) .... =

جزئیہ مسئولہ صراحۃً نہیں ملا، دوسری جزئیات متعارض سی ہیں، بعض سے جواز معلوم ہوتا ہے بعض سے عدمِ جواز۔ فقہاء عباداتِ مالیہ میں جوازِ نیابت کے لئے صرف امر کی شرط تحریر فرماتے ہیں، لہذا صورت مسئولہ میں امر متحقق ہونے کی بناء پر قواعد کا تقاضہ یہ ہے کہ قربانی باپ کی طرف سے درست ہوجائے، البتہ باپ کے ذمہ قربانی کا ثمن لازم ہوگا بشرطیکہ بیٹے نے سکوت نہ کیا ہو، یعنی اگر باپ کے شرط لگانے پر خاموش ہوگیا تو کہا جائے گا کہ ثمن کا ارادہ کرلیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱۲/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف ناظم مدرسہ ہذا۔

میت کی طرف سے قربانی

سوال [۸۳۹۵]: اگر زندہ آدمی اپنا حصہ تو نہ لے اور میت کی طرف سے لے تو ایسا کرنا درست ہے، یا اپنا حصہ بھی لے اور میت کی طرف سے بھی لے تب کرنا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زندہ آدمی صاحب نصاب ہے تو اس کو اپنا حصہ لینا واجب ہے (۱)، اگر نہیں لے گا تو گنہگار ہوگا۔ اور پھر اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا (۲)، تاہم اگر میت کی طرف سے لیکر قربانی کردے گا تو اس کا ثواب

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۰۲/۵، رشيديه)

"ولو أوصى بأن يضحى عنه و لم يسم شاةً ولا بقرةً ولا غير ذلك، ولم يبين الثمن أيضاً، جاز، وتقع على الشاة، بخلاف ما إذا وكّل رجلاً بأن يضحى عنه و لم يسم شيئاً ولا ثمناً، فإنه لايجوز". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الرابع: ۲۹۷/۵، رشيديه)

"التبرع لا يتم إلا بالقبض، فإذا وهب أحد لآخر شيئاً، لاتتم هبته إلا بقبضه". (شرح المجلة: ۴۲/۱، (رقم المادة: ۵۷)، دار الكتب العلمية بيروت)

"وتنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض". (شرح المجلة: ۴۶۲/۱، (رقم المادة: ۸۳۷)، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "تجب على حر مسلم موسر مقيم عن نفسه". (البحر الرائق: ۱۳۸/۸، كتاب الأضحية، رشيديه)

(۲) "ولو تركت التضحية و مضت أيامها، تصدق بها حيةً ناذرٌ و فقيرٌ، وبقيمتها غنيٌّ، شراها أولا". =

میت کو پہونچ جائے گا۔ اگر میت نے وصیت کی ہے تو ایک تہائی ترکہ سے حصہ لیکر قربانی کرنا واجب ہوگا (۱)، اگر وصیت نہیں کی تو واجب نہیں۔ اگر کوئی وارث بالغ ہو اور اپنے روپے سے حصہ لے کر میت کو ثواب پہونچادے تو شرعاً درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

میت کی طرف سے قربانی بلا وصیت

سوال [۸۳۹۶]: میرے والد مرحوم کا گذشتہ سال جولائی میں انتقال ہو چکا، مرحوم نے کچھ بکریاں پال رکھی تھیں، اس میں ان کا ایک بکرا ہے۔ مرحوم کا ارادہ اس سال اس بکرے کو قربانی کا تھا، مگر وہ اس سے قبل ہی انتقال کر گئے، اب وہ بکرا موجود ہے اور میرے ذمہ ہے۔ اب مجھ کو اس کے بارے میں کیا کرنا چاہئے؟ کیا اس بکرے کو ان کے نام سے قربانی کر دینا ضروری ہے یا نہیں؟ یا میرے نام سے قربانی کی جائے؟ واضح ہو کہ مرحوم کا صرف ارادہ تھا، کوئی وصیت وغیرہ نہیں کی تھی۔ میرا بھی ارادہ اس بکرے کی قربانی کرنے کا ہے۔ براہ کرم قربانی کی مختصر دعاء بھی تحریر فرمائیں۔

= (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۲۰، سعید)

(۱) "و تنفذ و صایاه من ثلث ما بقی بعد الدین". (مقدمة السراجی، ص: ۳)

"ولو مات و علیه صلوات فائتة، و أوصی بالکفارة، یعطی لکل صلاة نصف صاع من بر .... وإنما یعطی من ثلث ماله". (الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۲، سعید)

(۲) "تبرع بالأضحیة عن میت، جاز له الأکلُ منها والهدیةُ والصدقةُ؛ لأن الأجر للمیت والملک للمضحی، و هو المختار، بخلاف ما لو کان بأمر المیت، حیث لا یأکل فی المختار". (فتح المعین، کتاب الأضحیة: ۳/۳۸۲، سعید)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۳۵، ۳۳۶، سعید)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، فصل فیما یجوز فی الضحایا ومالایجوز: ۳/۳۵۲، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ بکرا آپ کے والد صاحب کا ترکہ ہے، اس میں سب ورثہ شریک ہیں (۱)، ان کی طرف سے قربانی واجب نہیں (۲)۔ آپ اگر ان کے تنہا وارث ہیں تو آپ کو اختیار ہے کہ اس کی قربانی ان کی طرف سے کردیں، اگر کچھ اَور وارث ہوں تو ان سب کی رضامندی سے ان کی طرف سے قربانی درست ہے بشرطیکہ ورثہ میں کوئی نابالغ نہ ہو (۳)۔

جانور کو بائیں پہلو پر (۴) لٹا کر "بسم الله، الله أكبر" پڑھ کر ذبح کیا جائے (۵)۔

"﴿إنی وجهت وجهی للذی فطر السموات والأرض حنیفاً وما أنا من المشركين، إن صلوتی و نسكی و محیای و مماتی لله رب العالمين، لا شريك له و بذلك أمرت و أنا من المسلمين﴾" کا پڑھنا بھی ثابت ہے (۶)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۱/۸۹ھ۔

---

(۱) "رجل اشترى أضحيةً وأوجبها على نفسه بلسانه، ثم مات قبل أن يضحي بها، كان ميراثاً عنه في قول أبي حنفية و محمد رحمهما الله تعالىٰ". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل في صفة الأضحية ووقت وجوبها، ومن تجب عليه: ۳/۳۴۷، رشيديه)

(۲) "ولو مات الموسر في أيام النحر قبل أن يضحي، سقطت عنه الأضحية". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الأول: ۵/۲۹۳، رشيديه)

(۳) "وإن مات أحد السبعة، وقال الورثة: اذبحوا عنه وعنكم، صح". (الدرالمختار). "(قوله: قال الورثة): أي الكبار منهم". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۶، سعيد)

(۴) "أدب الذبح أحدهما: إضجاع الشاة على الأرض بالرفق. والثاني: إضجاعها على اليسار. والثالث: إقبال وجهها إلى القبلة". (النتف في الفتاوى، كتاب الذبائح، أدب الذبح، ص: ۱۴۸، سعيد) (وكذا في فتح المعين، كتاب الذبائح: ۳/۳۷۲، سعيد)

(۵) "والمستحب أن يقول: بسم الله، الله أكبر بلا واو". (الدرالمختار، كتاب الذبائح: ۶/۳۰۱، سعيد)

(۶) "وفي حديث عمران بن الحصين رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يافاطمة! قوم فاشهدی، فإنه يغفرلک بأوّل قطرة تقطر من دمها كل ذنب عملتيه، وقولي: إن =

اپنی قربانی نہ کرنا، میت کی طرف سے قربانی کرنا

سوال[۸۳۹۷]: ایک شخص ایسا غریب ہے جس پر قربانی واجب نہیں، اگر اس نے اپنا حصہ نہ لیا ہو اور اپنے کسی میت کی طرف سے قربانی کی تو کیا قربانی جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے، جیسا کہ ایک شخص بھوکا ہو اور وہ کھانا خود نہ کھائے بلکہ صبر کرکے کسی دوسرے کو دیدے یہ جائز ہے، لیکن اگر میت نے وصیت نہیں کی تو یہ قربانی اسی زندہ شخص کی طرف سے ادا ہوئی، ثواب میت کو بھی ہوگیا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

= صلاتي ونسكي ومحياى ومماتي لله رب العالمين لاشريك له". وأن يدعو، فيقول: اللهمّ هذا منك، ولك. إن صلاتي ونسكي ومحياى ومماتي لله رب العالمين، لاشريك له، وبذلك أمرت وأنا من المسلمين، لما روينا، وأن يقول: ذلك قبل التسمية أو بعدها، لما روى عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه قال: ضحّى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بكبشين، فقال حين وجههما: "وجهت وجهى للذى فطر السموات والأرض حنيفاً مسلماً، اللهم منك، ولك عن محمد وأمته بسم الله، والله أكبر". (بدائع الصنائع، كتاب الأضحية، فصل فيما يستحب قبل الأضحية وعندها وبعدها، ومايكره: ۳۲۰/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "وإن تبرع بها عنه، له الأكل؛ لأنه يقع على ملك الذابح، والثواب للميت، ولهذا لو كان على الذابح واحدة، سقطت عنه أضحية". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۳۵/۶، سعيد)

"تبرع بالأضحية عن ميت، جاز له الأكلُ منها والهديةُ والصدقةُ؛ لأن الأجر للميت والملك للمضحى". (فتح المعين: ۲۷۲/۳، سعيد)

"وإذا ضحى رجل عن أبويه بغير أمرهما وتصدق به، جاز؛ لأن اللحم ملكه، وإنما للميت ثواب الذبح". (فتاویٰ قاضی خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ۳۵۲/۳، رشيديه)

(وكذا فى ردالمحتار: ۳۲۶/۶، كتاب الأضحية، سعيد)

میت کی طرف سے قربانی کے ذریعہ ادائے واجب

سوال[۸۳۹۸]: ۱......زید پر شرائط صحیحہ شرعیہ قربانی واجب ہے، مگر وہ کسی مردہ خویش یا ولی یا نبی سے قربانی ایک بکری یا دنبہ دے دیوے تو حدیث: "على أهل كل بيت في كل عام أضحية" (۱) سے بری الذمہ ہو جاتا ہے، یا اس کو اپنے وجوب کے لئے علیحدہ قربانی دینی چاہئے؟

۲......جو قربانی میت کی طرف سے دی جاوے اس کا سالم گوشت تصدق کرنا چاہئے یا نہیں:

"اگر قربانی کرے میت کی طرف سے تو نہ کھاوے اس میں سے کچھ اور للہ دے بالکل"۔ مظاہر حق ص: ۴۷۸ (۲)۔

---

(۱) "عن عامر أبي رملة قال: أنبأنا مخنف بن سُلَيم رضي الله تعالىٰ عنه، ونحن وقوف مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعرفاتٍ قال: قال: "يأيها الناس! إن على أهل كل بيت في كل عام أضحيةً وعتيرةً أتدرون ماالعتيرة هذه؟ التي يقول الناس: الرجبيّة". (سنن أبي داؤد، كتاب الضحايا: ۲/۲۹، مكتبه إمداديه ملتان)

(وسنن ابن ماجه، أبواب الأضاحي، باب الأضاحي واجبة هي أم لا، ص: ۲۲۶، قديمي)

(وجامع الترمذي، أبواب الأضاحي، باب بلا ترجمة، قبيل: باب الأذان في أذن المولود: ۱/۲۷۸، سعيد)

"روى عنه عليه الصلوة والسلام أنه قال: "على أهل كل بيت في كل عام أضحاة وعتيرة". و"على" كلمة إيجاب، ثم نسخت العتيرة، فثبت الأضحاة". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية: ۶/۲۷۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وعن حنش قال: رأيت عليًّا رضي الله تعالىٰ عنه يضحي بكبشين، فقلت له: ماهذا؟ فقال: إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أوصاني أن أضحّي عنه فأنا أضحّي عنه" .... یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے اگر چہ بعض علماء نے اسے جائز نہیں کہا ہے۔ ابن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول یہ ہے کہ "میں اسے پسند کرتا ہوں کہ میت کی طرف سے اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے، اس کی طرف سے قربانی نہ کی جائے، ہاں اگر میت کی طرف سے قربانی کی ہی جائے تو اس کا گوشت بالکل نہ کھایا جائے، بلکہ سب کا سب اللہ تعالیٰ کے نام پر تقسیم کر دیا جائے"۔ (مظاهر حق، كتاب الصلوة، باب الأضحية، الفصل الثاني، عنوان: میت کی طرف سے قربانی جائز ہے: ۱/۹۲۲، دار الاشاعت کراچی)

۳...... جب انبیاء علیہم السلام کی طرف سے قربانی دینے کا ارادہ ہو تو باوجود اعتقادِ جواز جملہ انبیاء علیہم السلام حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے دینا احق واعلیٰ وافضل ہے جو اپنی امت کی طرف سے قربانی دیتے تھے اور شافع روز جزا ہوں گے، یا دیگر انبیاء علیہم السلام سے؟

۴...... کسی نبی نے یا صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام نے امت محمدیہ کی طرف سے کبھی قربانی دی ہے، یا اس امت کے کفارہ گناہ کے واسطے ذبح ہوا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱...... اگر قربانی اپنی طرف سے کر رہا ہے اور میت کو محض ثواب پہونچانا مقصود ہے تو فریضہ اس سے ساقط ہو جاوے گا دوسری قربانی کی ضرورت نہیں، بشرطیکہ نفل کی نیت نہ ہو:

"وإن تبرع بها عنه، له الأكل؛ لأنه يقع على ملك الذابح، والثواب للميت، ولهذا لو كان على الذابح واحدة، سقطت عنه أضحية"، شامی: ۳۲۸/۵(۱)۔

اور اگر قربانی اپنی طرف سے نہیں کر رہا ہے بلکہ میت کی طرف سے ہی نفلاً کر رہا ہے تو دوسری قربانی کرنا ہوگی، کیونکہ ایک قربانی دو کی طرف سے کافی نہیں ہوگی:

"يجب أن يعلم أن الشاة لا تجزى إلا عن واحد، وإن كانت عظيمةً. الخ". عالمگیری: ۴۶۰/۵ (۲)۔

۲...... اگر میت نے قربانی کی وصیت کی تھی تو صدقہ کر دیا جاوے اور مظاہر حق کی عبارت کا محمل بھی یہی ہے، ورنہ خود بھی تصرف میں لانا جائز ہے:

"من ضحى عن الميت، يصنع كما يصنع في أضحية نفسه من التصدق والأكل، والأجر للميت، والملك للذابح. قال الصدر: والمختار أنه إن يأمر الميت، لا يأكل منها، وإلا يأكل، بزازيه". شامی: ۳۲۸/۵(۳)۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۳۵/۶، سعيد)

(۲) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۹۷/۵، كتاب الأضحية، الباب الخامس، رشيديه)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۳۵/۶، سعيد) .... =

۳......رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حقوق چونکہ ہم پر بہت زائد ہیں، اس لئے آپ بہر حال احق ہیں(۱)، تاہم دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرف سے قربانی کرانا بھی ثواب سے خالی نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امت کو ثواب پہونچانے کے لئے قربانی فرمائی ہے(۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

صحیح: عبدالرحمٰن، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۵۲/۲/۲۶ھ۔

= "وقال الصدر: المختار أنه إن ضحى بأمر الميت، لا يأكل منها، وإن بغيرها يأكل". (الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۹۵/۶، كتاب الأضحية، السابع في التضحية عن الغير، رشيديه)

(۱) "قلت: وقول علماء نا: "له أن يجعل ثواب عمله لغيره" يدخل فيه النبی صلی اللہ تعالیٰ عليه وسلم؛ فإنه أحق بذلک حيث أنقذنا من الضلالة، ففي ذلک نوع شكر وإسداء جميل له". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب: في إهداء ثواب القراءة للنبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: ۲۴۴/۲، سعيد)

(۲) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها أن رسول الله صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم: أمر بكبش أقرن يطأ في سواد، وينظر في سواد ويبرک في سواد، فأتي به، فضحّى به، فقال: "ياعائشة! هلمی المدية" ثم قال: "أشحذيها بحجر". ففعلت، فأخذها، وأخذ الكبش، فأضجعه، فذبحه وقال: "بسم الله، اللهم تقبل من محمد، وآل محمد ومن أمة محمد" ثم ضحّى به". (سنن أبی داؤد، كتاب الضحايا، بابٌ: ما يستحب من الضحايا: ۳۰/۲، مكتبه امداديه ملتان)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الأضاحی، باب أضاحی رسول الله صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم، ص: ۲۳۲، قديمی)

(وشرح معانی الأثار للطحاویؒ، كتاب الصيد والذبائح والأضاحی، باب الشاة من كم تجزی أن يضحی بها: ۳۳۲/۲، سعيد)

"وقد صح أن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم ضحی بكبشين: أحدهما عن نفسه والآخر عمن لم يذبح من أمته، وإن كان منهم من قد مات قبل أن يذبح". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۶/۶، سعيد)

اپنی قربانی میں زیادہ ثواب ہے، یا والدہ، یا رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے؟

سوال[۸۳۹۹]: زید پر قربانی فرض نہیں، اس کی والدہ ہندہ پر کچھ عرصہ پیشتر فرض تھی جب کہ ہندہ مالکِ نصاب تھی، مسئلہ کا علم نہ ہونے سے وہ قربانی نہ کرتی تھی۔ اب زید اپنی طرف سے قربانی کرے یا اپنی والدہ کی طرف سے یا رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے، کس میں زیادہ ثواب ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

زید اگر صاحبِ نصاب ہے تو اس کو اپنی طرف سے قربانی کرنا واجب ہے اس کے ترک کی گنجائش نہیں۔ جتنے برس واجب ہونے کے باوجود والدہ نے قربانی نہیں کی اتنے برس کی قربانی کا صدقہ کرنا واجب ہے(۱)، والدہ کی اجازت سے زید بھی ان کی طرف سے صدقہ کرسکتا ہے، اس سے والدہ کا ذمہ بری ہوکر آخرت کی پکڑ سے بچ جائے گی، اس میں بہت بڑا اجر ہے۔ گنجائش ہو تو حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے بھی قربانی کردیں، ورنہ دیگر حسنات کا ثواب پہونچادیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "و لو تركت التضحية و مضت أيامها، تصدق بها حيةً ناذرٌ .... و تصدق بقيمتها غنيٌّ، شراها أولا". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۲۱/۶، سعيد)

"و كذا ماشراها فقير للتضحية، والغني يتصدق بقيمتها، شراها أولا". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۱/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(و كذا في الهداية، كتاب الأضحية: ۴۴۴/۴، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "وختم ابن السراج عنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أكثر من عشرة آلاف ختمة، وضحى عنه مثل ذلك .... قلت: وقول علمائنا: "له أن يجعل ثواب عمله لغيره" يدخل فيه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فإنه أحق بذلك". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في إهداء ثواب القراءة للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲۴۴/۲، سعيد)

"ولما ثبت أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أوصى علياً رضي الله تعالىٰ عنه بأن يضحيّ عنه، -وذلك دليل حبه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم التضحية عنه- فينبغي لمن وجد سعةً أن يضحيّ عن حبيبه ونبيه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كل عام ولو بشاة أو بسبع بقرة". (إعلاء السنن: ۲۷۲/۱۷، كتاب الأضاحي، باب التضحية عن الميت، إدارة القرآن كراچی)

بابٌ فی أفضل الضحایا وفیما یجوز منہا ومالا یجوز

(قربانی کے لئے افضل اور جائز وناجائز جانور کا بیان)

کس جانور کی قربانی افضل ہے؟

سوال[۸۴۰۰]: ا......صاحب نصاب مسلمان کے لئے قربانی اونٹ، بھینس، گائے، دنبہ، بکرا، یا بھیڑ میں یا ان کے نر و مادہ میں ثواب کا کچھ فرق ہے یا سب کی قربانی یکساں جائز ہے کہ خواہ ان میں سے کسی جانور کی قربانی کرے، ثواب یا ادائے قربانی میں کوئی فرق نقص یا حرج نہ ہوگا؟

کسی کی دلجوئی کے لئے گائے کی قربانی کو ترک کر کے بکرا قربان کرنا

سوال[۸۴۰۱]: ۲......اگر کوئی فرد یا عامۃ المسلمین- جو صاحب نصاب ہوں- موجودہ وقتی ضرورت ملحوظ رکھتے ہوئے (برادرانِ وطن یا ہمسایہ اقوام سے مرعوب یا خائف ہو کر نہیں) بلکہ ان کی دلجوئی، تعلقات، ہمسائیگی خوشگواری پیدا کرنے، رفعِ شر یا دفعِ مضرت کے خیال سے امسال بجائے گائے کے بکرے یا بھیڑ وغیرہ کی قربانی کرلیں تو شرعی یا دینی نقطۂ نظر سے کوئی حرج یا مضائقہ تو نہیں، یا صرف گائے ہی کی قربانی ضروری ہے، یا مصلحتِ وقت کے اعتبار سے بکرا وغیرہ کی قربانی افضل ومناسب سمجھی جائے گی؟ فقط والسلام۔

احقر: سید معصوم علی سبزواری، اشرف منزل، باغپت دروازہ، میرٹھ شہر۔

۲۰/ستمبر ۱۹۴۷ء، مطابق ۴/ ذیقعدہ/ ۶۶ھ، یوم شنبہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا......جس جانور کی قربانی محض ایک آدمی کی طرف سے ادا ہوتی ہے اور اس میں شرکت نہیں ہوتی، اس کی قربانی افضل ہے بشرطیکہ اس کا گوشت اور قیمت شرکت کرنے والے جانور سے گھٹیا اور کم نہ ہو، ورنہ شرکت والے جانور کا ساتواں حصہ افضل ہوگا، بکرا، دنبہ وغیرہ اگر خصی ہو تو وہ مادہ سے افضل ہے، ورنہ مادہ افضل ہے، ادا

بہرصورت ہوجاتی ہے:

"الشاة أفضل من سبع البقرة إذا استويا فى القيمة واللحم. والكبش أفضل من النعجة إذا استويا فيهما. والأنثىٰ من المعز أفضل من التيس إذا استويا قيمةً. والأنثىٰ من الإبل والبقر أفضل، حاوى. وفى الوهبانية: أنِ الأنثىٰ من المعز أفضل من الذكر إذا ستويا قيمةً. والله أعلم". درمختار: ۲/۲۳۳۔

"(قوله: أفضل من سبع البقرة، الخ) وكذا من تمام البقرة. قال فى التاتارخانية: وفى العتابية: وكان الأستاذ يقول: بأن الشاة العظيمة السمينة التى تساوى البقرة قيمةً و لحماً أفضل من البقرة؛ لأن جميع الشاة تقع فرضاً بلا خلاف. واختلفوا فى البقرة، قال بعض العلماء: يقع سبعها فرضاً والباقى تطوع. اهـ. (قوله: إذا استويا، الخ) فإن كان سبع البقرة أكثر لحماً، فهو أفضل، والأصل فى هذا إذا استويا فى اللحم والقيمة فأطيبهما لحماً أفضل، وإذا اختلفا فيهما فالفاضل أولىٰ، تتارخانية.

(قوله: والأنثى من المعز أفضل) مخالف كما فى الخانية وغيرها، وقال: ومشى ابن وهبان على أن الذكر فى الضأن والمعز أفضل، لكنه مقيدٌ بما إذا كان مرجوءاً: أى مرضوض الأنثيين: أى مدقوقها. قال العلامة عبد البر: ومفهومه أنه إذا لم يكن موجوءاً، لا يكون أفضل، اهـ". ردالمحتار: ۹/۲۸۱(۱)۔

لیکن ہندوستان میں ذبحِ بقر کو عموماً اور قربانی بقر کو خصوصاً شعارِ اسلام کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح کی ہے(۲) اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۲، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس فى بيان محل إقامة الواجب: ۵/۲۹۹، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوى السراجية، باب المتفرقات، ص: ۹۰)

(۲) قال العلامة الشيخ أحمد سرهندى المعروف حضرت مجدد ألف ثانى قدس سره "ذبح بقره درهندوستان از اعظم شعار اسلام است، كفار بجزيه دادن شايد راضى شوند، أما بذبح بقره هرگز =

تعالیٰ کے فتاویٰ سے بھی مستفاد ہوتا ہے، اس لئے دوسرے جانوروں کا درجہ اس خصوصیت میں گائے سے کم ہے(۱)۔

= راضی نخواهند شد. درابتداء پادشاهت اگر مسلمانی رواج یافت ومسلمانان اعتبار پیدا کردند فبها، واگر عیاذاً بالله سبحانه درتقف افتاد کار برمسلمانان بسیار مشکل خواهد شد -الغیاث الغیاث ثم الغیاث الغیاث- تاکدام صاحب دولت بایں سعادت مستعد گردد، وکدام شاهباز بایں دولت دست برد نماید". (مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ، مکتوبه هشتاد ویکم، ذبح بقره درهندوستان از اعظم شعار اسلام است، حصه دوم دفتر اول: ۱۰/۷۵، ۷۶، گارڈن ویسٹ کراچی)

(۱) مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''مسلمانوں کا کفار کے ساتھ کسی ایسی بات میں متفق الرائے ہونا، جس میں شعار اسلام کی ہتک اور بے حرمتی ہوتی ہونا جائز وحرام ہے، کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ ہندوؤں کے ساتھ اس قسم کا اتفاق کرے جس کی وجہ سے گائے کی قربانی کا شرعی اختیار مسلمانوں سے سلب ہوجائے، کیونکہ اس میں اسلام کی ہتک ہوتی ہے۔ کیا وہ شخص مسلمان رہ سکتا ہے جو اسلام کی ہتک میں کفار کے ساتھ خود شریک ہو۔

قربانی ایک بڑا اسلامی عمل ہے، اگر آج گائے کی قربانی بند کردی جائے تو بہت سے غریب مسلمان ایسے بھی ہیں جو بالکل قربانی ہی نہ کرسکیں گے، کیونکہ گائے کا ساتواں حصہ دوڈیڑھ روپے میں حاصل ہوسکتا ہے، بخلاف بکرے بھیڑ کے کہ اس میں چار پانچ روپے خرچ کرنے پڑتے ہیں، پھران کے اس امرشرعی کوادانہ کرسکنے کا عذاب کس کی گردن پر ہوگا۔

اس میں شک نہیں کہ بالخصوص گائے کی قربانی کرنا کوئی فرض واجب نہیں ہے، لیکن اس موقع پر جب کہ ہندو تعصباً گائے کی قربانی سے مانع ہوں ان کے اس کہنے کو نہ ماننا اور گائے کی قربانی کرتے رہنا واجب ہے، نہ اس وجہ سے کہ گائے کی قربانی واجب ہے بلکہ اس وجہ سے کہ ہندوؤں کے کہنے سے کسی مباح شرعی کو چھوڑ دینا ناجائز ہے، جب کہ اس کے ترک میں ہتک اسلام بھی ہوتی ہو۔ جولوگ ہندوؤں کے ساتھ ان کے اس قسم کے مشورے میں شریک ہوں، وہ گنہگار رہوں گے، ان لوگوں کو توبہ کرنی چاہیے اوراپنے اس خیال سے باز آنا چاہیے، ان لوگوں کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی۔

کسی جگہ اور خصوصاً مکہ معظمہ میں اس قسم کے قانون جاری ہونے کا ہمیں علم نہیں اور اگر جاری بھی ہوا، تاہم خلاف شرع ہونے کی وجہ سے ناقابل حجت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب''۔ (كفاية المفتي، كتاب الأضحية والذبيحة: ۱۸۸/۸، دارالاشاعت كراچی)

(وكذا في إمداد الأحكام: ۱۹۱/۴، دارالعلوم كراچی)

۲.....کسی کی دلجوئی کی خاطر شعائرِ اسلام کو ترک کرنا ہرگز جائز نہیں، لہذا جب تک قدرت ہو تو ترک کرنا ممنوع ہوگا۔ دنیوی امور میں دلجوئی کی جاسکتی ہے، دینی امور میں اس کی گنجائش نہیں، خاص کر جب کہ آئندہ کو بالکل بند ہونے کا قوی خطرہ ہو، اب اگر یہ دلجوئی کی گئی تو آئندہ اذان، جمعہ، عید وغیرہ سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۳۰/۱۱/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۱۱/۶۶ھ۔

ایک فربہ بکرے کی قربانی بہتر ہے، یا اس سے قیمت میں برابر دو بکروں کی؟

سوال [۸۴۰۲]: سو روپے میں اگر ایک ہی بکرا ذبح کیا جائے جو خوب موٹا تازہ ہو تو یہ بہتر ہے، یا سو روپے میں دو عدد ذبح کیا جائے جو کہ مناسب بدن کے ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سو روپے میں اگر دو مناسب بکرے ملیں جن سے دو واجب ادا ہو سکیں تو یہ بہتر ہے کہ اس سے اتنی ہی قیمت میں ایک بکرا بہت موٹا ذبح کیا جائے جس سے ایک ہی واجب ادا ہو (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۸۸ھ۔

---

(۱) قال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالیٰ تحت قوله تعالیٰ: "﴿ولا تسبوا الذین یدعون من دون الله﴾ الآیة. [سورة الأنعام: ۱۰۸]: "مایؤدی إلی الشرّ شرٌّ". (روح المعانی: ۷/۲۵۲، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) "وشراء شاتین بثلاثین أفضل من شراء شاة بثلاثین". (الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، الفصل الرابع فیما یجوز من الأضحیة: ۶/۲۹۰، رشیدیه)

"رجل اشتری للأضحیة شاتین بثلاثین درهماً، کان ذلک أفضل من شاة واحدة بثلاثین".

(فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، فصل فیما یجوز فی الضحایا ومالایجوز: ۳/۳۴۹، رشیدیه)

نوٹ: دو بکرے ذبح کرنا افضل ہے، لیکن ایک واجب اور دوسرا تطوع ہوگا: "غنیٌّ ضحی شاتین کانت الزیادة علی الواحدة تطوعاً عند عامة العلماء". (فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، =

ہندو کی دل آزاری کے خیال سے قربانی کے لئے خریدی ہوئی گائے کو واپس کرنا

سوال[۸۴۰۳]: ایک گائے ایک شخص نے بہ نیتِ قربانی ایک ہندو عورت سے خرید کی اور یہ بات اس عورت سے ظاہر نہیں کی کہ میں قربانی کروں گا۔ اور دل میں یہ خیال کیا کہ اگر کوئی دوسرا حصہ دار مل گیا تو شامل کرلوں گا، چنانچہ سات حصہ دار مکمل ہوگئے۔ پانچویں دن کے بعد ہندوؤں کو معلوم ہوا فلانی عورت نے گائے مسلمانوں کے ہاتھ بیچ دی ہے تو انہوں نے اس عورت کو دھمکایا کہ تو نے گائے قربانی کے لئے مسلمانوں کو کیوں دی ہے، اگر واپس نہ کرے گی تو تم کو برادری سے الگ کردیا جائے گا اور کھانا پینا تمہارے ساتھ بند کردیا جائے گا۔

تو اس عورت نے مسلمانوں کے پاس آکر شور مچایا کہ گائے مجھے واپس دو نہیں تو میں برادری سے الگ کردی جاؤں گی۔ تو اس پر مسلمانوں نے دو تین دن انکار کیا۔

ان حصہ داروں میں ایک حصہ دار امامِ مسجد بھی تھا جو پورا عالم نہیں، اردو انگریزی پڑھا ہوا ہے، فارسی باقاعدہ نہیں پڑھی، صرف ترجمہ دیکھ کر وعظ وغیرہ کہہ لیتا ہے۔ باقی چھ حصہ داروں نے اس امام سے دریافت کیا کہ اگر گائے واپس کردی جائے تو شریعت میں کس طرح ہے تو امام صاحب نے فرمایا کہ شریعت میں واپس کرنا جائز ہے، کیونکہ اگر واپس نہ کی جائے تو ہندو اس کا کھانا پینا بند کردیں گے اور یہ اس عورت پر ظلم ہے اور ہندوؤں کی دل آزاری ہے۔

تو پھر اس ہندو عورت سے پانچ یوم کی خوراک کا ایک روپیہ لیا اور دس روپے اصل قیمت اور دس روپے منافع، کل اکیس روپے لیکر گائے واپس کردی گئی ہے اور گیارہ روپے جو منافع لیا گیا تھا اس میں تین روپے زائد ملا کر دوسری گائے خرید کرلی اور قربانی کی۔ تو کیا شرعاً اس نیت سے واپس کرنا کہ ہندوؤں کی دل آزاری ہوگی جائز ہے یا نہیں؟

= كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا: ۳۴۹/۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۳/۶، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

خیال مذکور سے گائے کوواپس کرنا ناجائز ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفا اللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۱۷/۱۲/۵۵ھ۔

الجواب صحیح:سعیداحمدغفرلہ، صحیح:عبداللطیف،۱۸/ ذیقعدہ/۵۵ھ۔

---

(۱)ہندوستان میں گائے کی قربانی اسلامی شعار ہے،اس لئے اگر جان، مال اورعزت کوخطرہ نہ ہوتو کسی ہندوکی دلجوئی کے لئے گائے کی قربانی نہ کرنااوراس کواپس کرنا ناجائز ہے:

قال اللہ تعالی: ﴿والبدن جعلنٰها لکم من شعائر اللہ، لکم فیها خیر﴾ (سورة الحج : ۳۷)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿ومن یعظم شعائر اللہ، فإنها من تقوی القلوب﴾ (سورة الحج : ۳۲)

''ذبیحۂ گائے ہندوستان میں یقیناً اسلامی شعار ہے،چندوجوہ سے:

۱-ہندوستان میں مسلمانوں کے آنے سے پہلے گائے کی ہندو بہت عظمت کرتے اوراس کو اپنا دیوتا سمجھتے تھے جیسا کہ اب بھی ان کا یہی عقیدہ ہے۔اس مشرکانہ اعتقاد کے ساتھ جب تک ہندوؤں کی سلطنت ہندوستان میں رہی،کسی کی یہ طاقت نہ تھی کہ یہاں کوئی شخص گائے کوذبح کرسکے۔

مسلمانوں نے ہندوستان کی سلطنت جب اپنے قبضہ میں لی تو جیسا کہ انہوں نے دیگرعقائد مشرکت کو پامال کیا،اسی طرح گائے کی عظمت کوبھی پامال کیااوراس کوذبح کرکے اس کا دیوتانہ ہونااور محض عاجز ولاچار ہونا ظاہرکردیا۔پس ذبیحۂ گائے چونکہ ہندوستان میں مسلمانوں کے آنے سے شروع ہوااوراس کا ذبح ہونا اسلامی اثر کا نتیجہ تھا،اس لئے یہ ذبیحہ اسلامی شعار ہے۔

۲-کلمۂ توحید''لا إلٰہ إلا اللہ محمد رسول اللہ'' باتفاق شعارِاسلام ہے،لیکن ہندوکسی خوف وتقیہ کی وجہ سے اس کلمہ کوزبان سے کہہ سکتے ہیں،چنانچہ اس وقت ہندو ومسلم کی اتحاد کی گرماگرمی میں سنا گیا ہے کہ بعض ہندوؤں نے''اللہ أکبر'' اور''لا إلٰہ إلا اللہ'' کےنعرے لگائے ہیں،لیکن اس کے باوجودوہ اپنے آپ کو ہندوہی سمجھتے ہیں مسلمان نہیں سمجھتے،لیکن گائے کا ذبح کرنا، یااس کا گوشت اعلانیہ طور پرکھانا، یہ کوئی ہندواس وقت تک نہیں کرسکتا جب تک وہ اپنے کومسلمان ظاہرنہ کردے۔

یہ صاف اس بات کی علامت ہے کہ ذبیحۂ گائے اوراس کا گوشت کھانا ہندوستان میں اسلام کا بڑا شعار ہے، یہی وجہ ہے کہ جب کوئی ہندو مسلمان ہوتا ہے تو اہل اسلام اس کو پہلے گائے کا گوشت کھلاتے ہیں،اگراس نے اس سے نفرت نہ کی تواس وقت اس کے سچے مسلمان ہونے کا یقین ہوجاتا ہے۔

....

= ۳- کفار سے جزیہ یقیناً اسلام کی بڑی علامت ہے، لیکن واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی سلطنت کے زمانہ میں ہندو جزیہ دینے کی ذلت کو گوارہ کرتے تھے، مگر گائے کے ذبح ہونے کو گوارہ نہ کرتے تھے، بلکہ اس پر ہمیشہ کشت وخون کی نوبت آتی تھی، لیکن مسلمانوں نے اپنی بہت سی قیمتی جانوں کا خون کرکے ذبیحۂ گائے کو بھی ہندوستان میں جاری کیا۔

ذبیحہ گائے ہندوستان میں غلبۂ اسلام کی اتنی بڑی علامت ہے کہ جزیہ لینا بھی علامت میں اس سے کم تر ہے، اس لئے اس میں کچھ شک نہیں کہ ذبیحہ وقربانی گائے ہندوستان میں اسلام کا بہت بڑا شعار ہے۔

۴- قرآن شریف میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: ﴿والبدن جعلنها لکم من شعائر الله﴾ اور ''بدنہ کو ہم نے تمہارے لئے خداوندی شعار بنایا ہے''۔

''بدن'' جمع ہے ''بدنۃ'' کی، جس کا اطلاق لغۃً اونٹ اور گائے پر ہوتا ہے۔

قال فی القاموس: "والبدنة محركة من الإبل والبقر كالأضحية من الغنم، تهدى إلى مكة للذكر والأنثى". ۲/۸۶۳.

پس جس طرح اونٹ کی قربانی شعارِ اسلام ہے، اسی طرح گائے کی قربانی بھی شعارِ اسلام ہے۔

۵- صحیح بخاری میں ہے: ''عن أنس رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من صلی صلوتنا واستقبل قبلتنا، وأكل ذبیحتنا، فذلك المسلم الذی له ذمة الله ورسوله، فلا تحقروه فی ذمته". رواه البخاری. (مشکوة)

''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جو شخص ہماری نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرنے لگے اور ہمارا ذبیحہ کھائے، پس یہی وہ مسلمان ہے جس کے لئے خدا اور مسلمانوں کی پناہ ہے، پس خدا تعالیٰ کی پناہ کو مت توڑو''۔

اس حدیث میں جس طرح نماز اور استقبال قبلہ کو آپ نے شعار اسلام فرمایا ہے، اسی طرح اسلامی ذبیحہ کھانے کو بھی شعائر اسلام میں داخل فرمایا ہے اور اسلامی ذبیحہ وہی ہوگا جو ذبیحۂ کفار سے پوری طرح ممتاز ہو اور ایسا ذبیحۂ گائے کے سوا =

نراور مادہ میں کس کی قربانی افضل ہے؟

سوال[۸۴۰۴]: نرکی قربانی افضل ہے یامادہ کی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر دونوں قیمت اور گوشت میں برابر ہوں تو مادہ کی قربانی افضل ہے، شامی: ۲۰۵/۵(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ۔

خصی جانور کی قربانی کا حکم

سوال[۸۴۰۵]: بھینسہ بکرا وغیرہ جانوروں کوخصی کرنا جائز ہے یا نہیں اور خصی کرنے کی اجرت لینا درست ہے یا نہیں؟ اور خصی کئے ہوئے جانور کی قربانی کرنا کیسا ہے؟ مدلل جواب سے ممنون فرمائیں۔

قاضی جمیل احمد کانپوری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضرورت کے لئے ان جانوروں کوخصی کرنا بھی جائز ہے اور خصی کرنے کی اجرت بھی درست ہے اور خصی جانور کی قربانی بھی درست ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسی قربانی ثابت ہے:

"عن أبی رافع رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: ضحّیٰ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم بکبشین أملحین موجوئین خصیین. اھ". زیلعی: ۲۰۶/۴(۲)۔

= ہندوستان میں کوئی نہیں، کیونکہ اس کے ذبح اور تناول پرکوئی ہندو کبھی پیش قدمی نہیں کرتا، پس ہندوستان میں گائے کا ذبیحہ اور اس کا گوشت کھانا بہت بڑا اسلامی شعار ہے"۔ (امداد الأحکام، کتاب الصید والذبائح والأضحیۃ، عنوان: گائے کا ذبیحہ ہندوستان میں اسلامی شعار ہے: ۱۹۱/۴-۱۹۳، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۱) "والأنثی من المعز أفضل من التیس إذا استویا قیمةً، والأنثی من الإبل والبقر أفضل". (الدرالمختار، کتاب الأضحیة: ۳۲۲/۶، سعید)

(۲) (تبیین الحقائق، کتاب الأضحیة: ۴۷۷/۶، دارالکتب العلمیة بیروت)

= "عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ذبح النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم الذبح کبشین =

"وجاز خصاء البهائم .... وقیدوه بالمنفعة وهی إرادة سمنها و منعها عن العض".

درمختار، شامی: ٥/٩٤٩ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

خصی کی قربانی

سوال[۸۴۰۶]: بعض لوگ بکرے کو خصی کردیتے ہیں تو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے، بلکہ افضل ہے، شامی: ٥/٢٠٥ (٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

ساتواں حصہ افضل ہے یا بکرا

سوال[۸۴۰۷]: گائے بھینس اونٹ میں ساتواں حصہ لے کر قربانی کرنا بہتر ہے یا بکرے کی

= أقرنين أملحين موجوئين". (مشكوة المصابيح، ص: ۱۲۸، باب الأضحية، الفصل الثانی، قدیمی)

(وسنن ابن ماجة، ص: ۲۲۵، باب أضاحی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، قدیمی)

(وكذا فی إعلاء السنن: ۲۵۴/۱۷، باب التضحية بالخصی، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۳/۸، رشیدیه)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۳۸۸/۶، سعید)

(۲) "و یضحی بالجماء والخصی والثولاء". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۲۳/۶، سعید)

(وأيضاً راجع عنوان: "خصی جانور کی قربانی کا حکم"۔)

"والخصی أفضل من الفحل؛ لأنه أطیب لحما، كذا فی المحیط". (الفتاویٰ العالمكیریة، كتاب الأضحية، الباب الخامس فی بیان محل إقامة الواجب: ۲۹۹/۵، رشیدیه)

"والذكر منه أفضل إذا كان خصیاً". (الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمكیریة، كتاب الأضحية، الفصل الرابع فیما یجوز من الأضحية: ۲۸۹/۶، رشیدیه)

"وعن الإمام أن الخصی أولی؛ لأن لحمه ألذوأ طیب". (مجمع الأنهر شرح ملتقی الأبحر، كتاب الأضحية: ۱۷۱/۴، غفاریه)

قربانی بہتر ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مستقل بکرے کی قربانی افضل ہے جب کہ اس کی قیمت گائے وغیرہ کے ساتویں حصہ کے برابر ہو، یا زیادہ ہو، درمختار: ۲۰۵/۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

گائے اور بکری کی قربانی کی افضلیت سے متعلق قاضی خان کی عبارت پر اشکال

سوال[۸۴۰۸]: جمہور علمائے اسلام کا فتوی ہے کہ بکری کی قربانی گائے سے افضل ہے، مگر حنفی معتبر کتاب "فتاوی قاضی خان" میں ہے: "والبقر أفضل من الذكر والمعز"(۲)۔

بلکہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "والبقر أفضل من ست شياه"(۳)۔

---

(۱) "الشاة أفضل من سبع البقرة إذا استويا في القيمة واللحم". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۲۲/۶، سعيد)

"الشاة أفضل من سبع البقرة إذا استويا في القيمة واللحم؛ لأن لحم الشاة أطيب". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: ۲۹۹/۵، رشيديه)

"والشاة أفضل من سبع البقرة إذا استويا في القيمة واللحم؛ لأن لحم الشاة أطيب". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ۳۴۹/۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأصحية، الفصل الرابع فيما يجوز في الأصحية: ۲۹۰/۶، رشيديه)

(۲) (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ۳۴۸/۳، رشيديه)

(۳) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب: ۲۹۹/۵، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ جمہور علمائے اسلام کا فتویٰ کہاں منقول ہے، حوالہ کی ضرورت ہے، مشتہر نے پوری بات تو سمجھی نہیں، یا قصداً نقل نہیں کی۔ یہ مسئلہ نہ بالاتفاق ہے، نہ علی الاطلاق۔ پوری عبارت یہ ہے:

”واختلف المشايخ أن البدنة أفضل أو الشاة الواحدة؟ قال بعضهم: إذا كان قيمة الشاة أكثر من قيمة البدنة، فالشاة أفضل؛ لأن الشاة كلها تكون فرضاً، والبدنة سبعها يكون فرضاً والباقی يكون نفلاً. وما كان كلها فرضاً، كان أفضل. وقال الشيخ الإمام الجليل أبو بكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالىٰ: البدنة تكون أفضل؛ لأنها أكثر لحماً من الشاة، وماقالوا: بأن البدنة يكون بعضها نفلاً، فليس كذلك، بل إذا ذبحت عن واحد كان كلها فرضاً. وشبّه هذا بالقرأة فی الصلوٰة: لو اقتصر على ما تجوز به الصلوة، جازت، ولو زاد عليها يكون الكل فرضاً.

وقال الشيخ الإمام أبو حفص الكبير رحمه الله تعالىٰ: إذا كانت قيمة الشاة والبدنة سواءً، كانت الشاة أفضل؛ لأن لحمها أطيب. وقال بعضهم: البقرة أفضل؛ لأنها أكثر لحماً. والشاة أفضل من سبع البقرة إذا استويا فی القيمة واللحم؛ لأن لحم الشاة أطيب، فإن كان سبع البقرة أكثر لحماً فسبع البقرة أفضل۔

فالحاصل أنهما إذا استويا فی القيمة واللحم، فأطيبها لحماً أفضل، وإن اختلفا فی القيمة واللحم فالفاضل منهما أولىٰ. والفحل الذی يساوی عشرين أفضل من خصی بخمسة عشر، وإن استويا فی القيمة والفحل أكثرهما لحماً فالفحل أفضل. والأنثىٰ من البقر أفضل من الذكر إذا استويا؛ لأن لحم الأنثى أطيب. والبقرة أفضل من ست شياه إذا استويا، وسبع شياه أفضل من بقرة“. فتاویٰ قاضی خان برحاشیہ عالمگیری مصری:۳۴۸/۳(۱)۔

---

(۱) (فتاوی قاضی خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز فی الضحايا ومالايجوز: ۳۴۸/۳، رشيديه)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس فی بيان محل إقامة الواجب: ۲۹۹/۵، رشيديه)

وہ مسئلہ جوکہ مشتہر نے خلافِ جمہور سمجھ کر شائع کیا ہے، عبارتِ مذکور میں تفصیل سے آ گیا ہے۔ اور جو عبارت قاضی خان کی مشتہر نے نقل کی ہے اس میں یہ مسئلہ نہیں، بلکہ دوسرا مسئلہ ہے اور وہ یہ ہے کہ مذکر کی قربانی افضل ہے یا مؤنث کی؟ اس میں گائے اور بکری کا مقابلہ نہیں، چنانچہ ملاحظہ ہو:

"والأنثى من الإبل والبقر أفضل من الذكر. والذكر من المعز أفضل، وكذا الذكر من الضأن إذا كان موجواً: أي خصياً، اهـ". فتاوى قاضي خان: ۳۴۸/۳(۱)۔

یعنی ابل اور بقر کی انثیٰ کی قربانی افضل ہے باعتبار مذکر کے اور معز کے مذکر کی قربانی افضل ہے، اور ضأن کے مذکر کی قربانی افضل ہے جب کہ وہ خصی ہے۔ اس عبارت سے یہ سمجھنا کہ "گائے کی قربانی افضل ہے جب کہ وہ خصی ہو" اعلیٰ درجہ کی خوش فہمی ہے۔

عالمگیری کی جو عبارت ہے وہ اپنی پوری تفصیل کے ساتھ فتاویٰ قاضی خان میں بھی موجود ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

گائے کی قربانی کا ثبوت

سوال [۸۴۰۹]: گائے کی قربانی کا حکم کلام پاک میں کسی جگہ درج ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ذبح گائے کا ذکر پارۂ الٓمّ میں (۲)، اور اس کی حلت اور جواز پارہ "ولو أننا" میں بصراحت مذکور ہے (۳) حدیث شریف میں ہے:

---

(۱) (فتاویٰ قاضی خان، المصدر السابق)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وإذ قال موسیٰ لقومه إن الله يأمركم أن تذبحوا بقرة﴾ (سورة البقرة: ٦٧)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿و من الإبل اثنين ومن البقر اثنين﴾ (سورة الأنعام: ۱۴۴)

"عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما قال: كنا مع رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم في سفر، فحضر الأضحیٰ، فاشتركنا في البقرة سبعةً، و في البعير سبعةً".

"و عن جابر رضي الله تعالیٰ عنه قال: "نحرنا مع رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم بالحديبية =

"عن جابر رضی اللّٰه تعالیٰ عنه نحر رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم عن نسائه فی حجة بقرةً"(۱) وفی روایة: "نحر عن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها بقرةً یوم النحر". مسلم، اهـ". جمع الفوائد: ۱/۲۰۳(۲)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۸/۴/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، یکم/ جمادی الاولی/ ۵۷ھ۔

قانوناً ممنوع ہونے کے باوجود گائے کی قربانی کرنا

سوال[۸۴۱۰]: ۱..... حکومت کی طرف سے گائے کی قربانی قانوناً ممنوع ہے۔ اب اگر زید پوشیدہ طور پر گائے کی قربانی کرتا ہے تو قربانی شرعاً ہو جائے گی یا نہیں؟ اور شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بیل بھینس کی قربانی قانوناً جائز ہے یا نہیں؟

سوال[۸۴۱۱]: ۲..... بیل، بھینس کی قربانی موجودہ دور میں از روئے قانون جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اگر جان، مال، عزت کی قربانی کا داعیہ ہو اور اخلاص سے قربانی کرے تو ان شاء اللہ قبول ہوگی، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی (۳)، یعنی یہاں بھی نتیجہ بھگتنے کے لئے پوری قوت کے ساتھ تیار رہیں اور آخرت

= البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة".

"عن علی رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: البقرة عن سبعة .... اهـ". (سنن الترمذی: ۱/۲۷۶، باب ما جاء فی الاشتراک فی الأضحیة، سعید)

(وصحیح البخاری: ۲/۸۳۲، باب الأضحیة للمسافر والنساء، قدیمی)

(وکذا فی إعلاء السنن، کتاب الأضاحی: ۱۷/۲۰۵، بابٌ: أن البدنة عن سبعة، إدارة القرآن کراچی)

(۱) (الصحیح لمسلم، کتاب الحج، باب جواز الاشتراک فی الهدی وأجزاء البدنة و البقرة: ۱/۴۲۴، قدیمی)

(۲) (جمع الفوائد، کتاب الحج، الهدی، (رقم الحدیث: ۳۵۴۵): ۲/۴۹۸، إدارة القرآن کراچی)

(۳) "گائے کی قربانی شعائرِ اسلام میں سے ہے، تو اگر جان عزت اور مال کو خطرہ نہ ہو تو گائے کی قربانی کی جائے۔ =

....

= ''خلافِ شرع قانون کا کوئی اعتبار نہیں قرآن کریم کا ارشاد ہے:﴿والبدن جعلناها لکم من شعائر اللّٰه﴾ اِمام المفسرین حضرت عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے لفظ ''بُدن'' کی تفسیر میں فرمایا: ''البقرة والبعیر''. یعنی قربانی کے گائے اور اونٹ کو ہم نے تمہارے لئے شعائر اللہ بنایا ہے۔ اور یہی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور سعید بن میبّب اور حسن بصری رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی منقول ہے۔

ابن کثیر اور ابن جریر نے یہ سب روایتیں نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ:''واختلفوا فی صحة إطلاق البدنة علی البقرة علی قولین أصحهما أنه یطلق علیهما ذلک شرعاً کما صح الحدیث''. اور یہ مضمون تفسیر فتح القدیر اور ابن مسعود وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔

آیتِ مذکورہ بالا اور اس کی تفسیر میں روایاتِ منقولہ سے ثابت ہوا کہ گائے کی قربانی شعائر اللہ میں سے ہے۔

اور بعض ناواقف لوگوں کو جو اس جگہ شبہ ہو جاتا ہے کہ گائے کی قربانی شریعت میں متعین نہیں، بلکہ اختیاری ہے کہ اونٹ، گائے، بیل، بھینس، بکرا، مینڈھا وغیرہ جو چاہے کرے، ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس اختیار کی بناء پر اشیائے مذکورہ سبھی افراد واجب کے ہیں، اس میں سے کسی ایک کو منع کرنا، ایک واجب شرعی کو منع کرنا ہے اور یہ کھلی مداخلت فی الدین ہے۔

اصطلاحِ فقہاء میں ایسے واجب کو واجبِ مخیّر کہتے ہیں، اس کا ہر فرد واجب ہی ہوتا ہے، گو تعین کا اختیار کرنے والے کو ہے، لیکن اس اختیار کی بناء پر اس کے کسی ایک فرد کو اجتماعی طور پر متروک کر دینا، یا اس پر کوئی قانونی پابندی تا حد قبول کرنا بلاشبہ حکم شرعی میں ترمیم اور مداخلت فی المذہب ہے، جو کسی کے نزدیک جائز نہیں۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ اوقاتِ نماز کئی کئی گھنٹے تک وسیع ہوتے ہیں، جس جز میں چاہیں نماز پڑھ لینے کا اختیار ہے، لیکن اگر اس کے کسی خاص جز کو اجتماعی صورت سے متروک یا قانونی صورت سے ممنوع قرار دیا جائے تو یہ قانونِ شرعی کی ترمیم وتنسیخ اور مداخلت فی المذہب ہے جو کسی طرح جائز نہیں۔ اسی نماز میں پورے قرآن میں سے تین آیتیں کسی جگہ سے پڑھ لینا ادائے فرض کے لئے کافی ہے اور تعین کا پڑھنے والے کو اختیار ہے، لیکن اجتماعی صورت سے کسی خاص جزو قرآن کو متروک وممنوع قرار دینا کسی حال میں جائز نہیں، ان میں سے کسی ایک کو منع کرنا کھلی مداخلت فی الدین ہے۔

وجہ وہی ہے کہ اس تخییر واختیار کے باوجود واجب وفرض کے تمام افراد واجب وفرض ہی رہتے =

....

ہیں۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ نے اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا ہے کہ: مطلق اضحیہ واجب اور بکرا اور سبع بقر و ابل، پھر فرمایا: وغیرہا جزئیات ہیں جس میں فرد کا آتی ہوا آتی فرض ہی ہوگا، مباح کوئی بھی نہیں، سب فرض ہیں، مگر ایک کے اتیان سے سب سے بری ہوجاتا ہے"۔ (مکتوب مطبوعہ المفتی ذیقعدہ، ذی الحجہ/۶۰ھ)

کتبِ اصول میں اس کی تصریحات موجود ہیں: توضیح تلویح مصری بحث وجوب الأداء یثبت فی اٰخر الوقت، ص: ۲۰۸، مستصفیٰ للغزالي: ۱/۴۴، باب الواجب ینقسم إلی مضیف وموسع، وشرح منتھی لأصول لابن الحاجب: ۱/۳۲.

مذکورہ بالا تحریر سے واضح ہوگیا کہ قربانی گاؤ واجب اور شعائر اسلام ہے، اس کو اجتماعی طور پر متروک کردینا، یا اس پر تاحدِ اختیار کوئی قانونی پابندی قبول کرنا جائز نہیں۔ اور "تاحد اختیار" کے لفظ سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ اگر کسی جگہ مسلمان مقاومت کی قدرت نہ رکھیں تو ان کو چاہیے کہ حکومت سے اپنے تحفظ کا پورا انتظام اور اطمینان کئے بغیر اس پر اقدام نہ کریں اور اپنی جانوں کو خطرے میں نہ ڈالیں۔

"وذلک لأن تعین أحد الأصناف مباح لارخصة؛ لأن الرخصة مقابلة العزیمة، وھھنا لیس بعض الأصناف عزیمة وبعضها رخصة کماھو ظاھر من سیاق الاٰیات والروایات وإذا أکرہ علی ترک المباح یصیر بترکه اٰثماً". وتفصیله فی إکراہ الھندیة، وردالمحتار. واللہ سبحانه تعالیٰ اعلم". (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، یعنی إمداد المفتین، کتاب الأضحیة، مسلمانوں کا اجتماعی طور پر گائے کی قربانی بند کردینا، ص: ۷۹۹، ۸۰۰، دارالإشاعت کراچی)

(وکذا فی کفایة المفتی: ۸/۱۸۸)

(وکذا فی إمداد الأحکام، کتاب الصیدوالذبائح والأضحیة، عنوان: گائے کا ذبیحہ ہندوستان میں اسلامی شعار ہے: ۴/۱۹۲، دارالعلوم کراچی)

قال اللہ تعالیٰ: ﴿والبدن جعلناھا لکم من شعائر اللہ، لکم فیھا خیرٌ﴾ (سورة الحج: ۳۶)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿و من یعظم شعائر اللہ، فإنھا من تقوی القلوب﴾ (سورة الحج: ۳۲)

"طاعة الإمام حق علی المرء المسلم ما لم یأمر بمعصیة اللہ، فإذا أمر بمعصیة اللہ فلا طاعة له".

(فیض القدیر: ۷/۳۸۵۴، (رقم الحدیث: ۵۲۴۶)، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

میں ثواب کی امید رکھیں۔

۲......اس کا تعلق آج کل کے قانون جاننے والوں سے ہے وہی جانتے ہیں، ہم کو آج کل کا قانون معلوم نہیں، شرعی قانون دریافت کریں تو جواب حاضر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۲/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۲/ ۸۵ھ۔

اس بھینس کی قربانی جو موٹی ہو مگر دوسال سے کم ہو

سوال[۸۴۱۲]: ۱......ایک جانور مثال کے طور پر بکرا یا گائے بھینس کی جس کی عمر ۲۰/ ماہ ہے، مگر دوسال سے بھی زیادہ کا معلوم ہوتا ہے، خوب موٹا تازہ اور فربہ ہے۔ تو کیا اس جانور کی قربانی ہو جائے گی؟ اس جانور میں کمی کسی قسم کی بھی نہیں ہے۔ مفصل لکھیں۔

ایضاً

سوال[۸۴۱۳]: ۲......ایک جانور ہے جس کی عمر ۲۰/ ماہ کی ہے اور گھر کا پلا ہوا ہے، دوسال کا معلوم ہوتا ہے، سوال :۱، میں جو مذکور ہے وہی سوال :۲، میں ہے، مگر فرق یہ ہے کہ ہمارے پاس جانور ایک ہی ہے اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی جانور نہیں ہے۔ تو کیا اس جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً مصلیاً:

۱......اس میں کمی یہی ہے کہ پورے دوسال کا نہیں اگر چہ فربہ ہونے کی وجہ سے دوسال کا معلوم ہوتا ہے۔ دنبہ اگر سال بھر سے کچھ کم کا ہو اور فربہ ہونے کی وجہ سے سال بھر کے دنبوں میں چھوڑ دینے سے فرق معلوم نہ ہوتا ہو تو اس کی قربانی کی اجازت ہے، بھیڑ بھی اسی کے حکم میں ہے، لیکن دوسرے جانوروں بکری، گائے، بھینس، اونٹ کی عمر کی کمی کا بدل اس کا موٹا ہونا نہیں ہوسکتا (۱)۔

---

(۱) "فلا یجوز من الإبل والبقر والمعز إلا الثنيّ. والثنی من الإبل ما أتی علیه خمس سنین، وطعن فی السنة السادسة .... والثنی من البقر ما أتی علیه سنتان، وطعن فی الثالثة. والثنی من الغنم والمعز ما تمت له سنة، وطعن فی الثانیة". (فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، فصل فیما یجوز فی الضحایا ومالایجوز: ۳۴۸/۳، رشیدیه) .... =

۲......اس کی بھی قربانی جائز نہیں، اگر صاحب نصاب بھی ہیں تو پوری عمر کا جانور خریدیں، اور اس کی قربانی کریں تب واجب ادا ہوگا۔ اگر صاحب نصاب نہیں تو آپ پر قربانی واجب نہیں، نہ پوری عمر والے کی اور نہ کم عمر والے کی، نہ دبلے کی، نہ موٹے کی، نہ گھر کے پلے ہوئے کی نہ دوسرے سے لے کر، اگر اس کو ذبح بھی کر دیں گے تو وہ گوشت کھانے کے لئے ہو جائے گا، شرعی قربانی نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

بھینس کی قربانی

سوال [۸۴۱۴]: بھینس کی قربانی شرعاً جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو اس میں کتنے حصہ دار شریک ہو سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے، اس میں سات حصہ دار شریک ہو سکتے ہیں، اس کا حال گائے کی طرح ہے (۲) زیلعی (۳)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الرابع فيما يجوز من الأضحية: ۲۸۹/۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى السراجية، ص: ۸۹، سعيد)

(۱) "وشرائطها: الإسلام والإقامة واليسار الذي يتعلق به وجوب صدقة الفطر". (الدرالمختار).

"(قوله: واليسار، الخ) بأن ملك مأتي درهم أو عرضاً يساويها غير مسكنه وثياب اللبس أو متاع يحتاجه إلى أن يذبح الأضحية". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۱۲/۶، سعيد)

(۲) "الأضحية تجوز من أربع من الحيوان.......... وكذلك الجاموس؛ لأنه نوع من البقر الأهلي". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأصحية، فصل فيما يجوز في الضحايا: ۳۴۸/۳، رشيديه)

(۳) "والجاموس يجوز فيها". (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، =

بھینس کی قربانی کا حکم

سوال[۸۴۱۵]: کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ بھینس کی قربانی جائز ہے یا نہیں اور اگر جائز ہے تو کس حدیث سے ثابت ہے جس طرح گائے، اونٹ، بھیڑ اور بکری کے لئے صاف طور پر حکم ہے اسی طرح بھینس کا حکم کسی حدیث میں صاف طور پر ہے اور وہ حدیث سنداً کیسی ہے اور کس کتاب میں ہے؟ یا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھینس کی قربانی کی ہے، یا اس کی قربانی کا حکم دیا ہے تو ان کا قول مع حوالہ کتاب درج فرمائیں اہل لغت یا کسی عالم کے قول کی ضرورت نہیں۔ اگر حدیث یا قول امام میں نہیں ہے تو تحریر فرمائیں کہ کسی میں نہیں ہے۔

نیز ہرن، نیل گائے اور گھوڑے کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ فقط جزاکم اللہ۔

المستفتی: محمد بشیر، منیجر مدرسہ خیر العلوم ٹانڈہ، ضلع فیض آباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کیا کسی حدیث میں صاف صاف اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری کے الفاظ موجود ہیں جن کی قربانی کا حکم دیا گیا ہو، اگر ایسا ہو تو وہ حدیث نقل کیجئے۔ اہل لغت کا قول کافی نہیں ہوگا، کبھی ابل، بقر، غنم، معز لکھ کر آپ کہہ دیں کہ لغت میں اس لفظ کے یہ معنی ہیں اور اس لفظ کے یہ معنی ہیں۔

جب آپ اس دعوی کو ثابت کر دیں تب بھینس کے متعلق صاف حدیث کا مطالبہ کیجئے۔ کیا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اونٹ وغیرہ الفاظ مذکورہ بولے یا تحریر کئے۔ جب آپ حیواناتِ اربعہ مذکورہ کی قربانی کا حکم اپنے مطلوبہ طریق کے مطابق مدلل تحریر فرمادیں گے تب آپ کو ایک جانور بھینس کی قربانی کی دلیل بھی طلب

= الرابع فیما یجوز من الأضحیة: ۲۸۹/۶، رشیدیه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۲/۶، سعيد)

"ويجوز بالجاموس؛ لأنه نوع من البقر بخلاف بقر الوحشي حيث لايجوز التضحية به؛ لأن جوازها عرف بالشرع في البقر الأهلي دون الوحشي والقياس ممتنع". (تبيين الحقائق، كتاب التضحية: ۴۸۳/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: ۲۹۷/۵، رشيديه)

کرنے کا حق ہوگا۔

گھوڑے، ہرن، نیل گائے کی قربانی درست نہیں، کتب فقہ میں ایسا ہی مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ ذی الحجہ/ ۶۹ھ۔

قیمتی بکرا پالا، پھر اس کے عوض گائے خرید کر قربانی کرنا

سوال[۸۴۱۶]: ایک شخص نے خصی بکرے کو قربانی کی نیت سے پالا جب وہ خوب فربہ ہوگیا کہ جس کی قیمت سے گائے خریدی جاسکے، تو اس نے خیال کیا کہ اس کی قیمت سے گائے خرید لی جائے کہ اس میں سات آدمی شریک ہوسکیں گے اور سات آدمیوں کی قربانی ہوجائے گی۔ کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر اپنے ذمہ اس کو نذر مان کر واجب نہیں کیا تو محض قربانی کی نیت سے پالنے کی وجہ سے اس کی قربانی متعین طور پر واجب نہیں ہوئی بلکہ اس کا وہ مالک ہے، اس کے لئے جائز ہے کہ اس کو فروخت کر کے عمدہ بڑا جانور خرید لے جس میں سات آدمی شریک ہوکر اپنا واجب ادا کرسکیں، کذا فی الفتاوی الهندیه (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/ ۸۷ھ۔

---

(۱) "ولا یجوز فی الأضاحی شیء من الوحشی". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، الباب الخامس: ۲۹۷/۵، رشیدیه)

"بخلاف البقر الوحشی، حیث لا تجوز التضحیة". (تبیین الحقائق، کتاب التضحیة: ۴۸۳/۶، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۳۲۲/۶، سعید)

(۲) "لو ملک إنسان شاةً فنوی أن یضحی بها، أو اشتری شاةً ولم ینو الأضحیة وقت الشراء، ثم نوی بعد ذلک أن یضحی بها، لایجب علیه، سواء کان غنیاً أو فقیراً". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، الباب الأول: ۲۹۱/۵، رشیدیه) ....=

کانجی ہاؤس سے نیلام جانور کی قربانی

سوال[۸۴۱۷]: جو جانور کانجی ہاؤس میں نیلام کیا جائے اس کو خریدنا اور اس کی قربانی کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں، کیونکہ وہ خدا جانے کیسا جانور ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

إمداد الفتاوی: ۳/۱۱۳، میں اس کے خریدنے اور اس کی قربانی کرنے کو جائز لکھا ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

= "وبالشراء بنية الأضحية إن كان المشتری غنياً، لا يجب عليه باتفاق الروايات، حتى لو باعها واشترى بثمنها أخرى والثانيةُ دون الأولى، جاز، ولا يجب عليه شيء". (خلاصة الفتاوى، كتاب الأضحية، الفصل الرابع فيما يجوز من الأضحية وفيما لايجوز: ۳۱۸/۴، امجد اکیڈمی لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۰/۸، رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، فوائد شتى تتعلق بكتاب الأضاحي: ۲۸۳/۱۷، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "وإن غلبوا على أموالنا وأحرزوها بدراهم ملوكها". اور عملہ کانجی ہاؤس نائب ہیں مستولین کے، پس اس استیلاء تملکاً سے وہ جانور ملک سرکار کی ہو جائے گا، لہذا بیع کے وقت اس کو خریدنا جائز ہے اور جب یہ بیع صحیح سے ملک میں داخل ہو گیا تو قربانی بھی اس کی درست ہے۔ البتہ عرفاً بدنامی کا موجب ہے، اس لئے بلاضرورت بدنام ہونا بالخصوص مقتدا کے لئے زیبا نہیں۔

اور کانجی ہاؤس میں جانور کو داخل کرنا اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی جانور کھیت میں گھس گیا ہے، اس کا داخل کرنا تو بالکل جائز نہیں کیونکہ اس میں مالک پر ضمان نہیں تو اس سے کچھ لینا یا لینے میں اعانت کرنا ظلم ہے۔ اور اگر کسی نے قصداً جانور کو کھیت وغیرہ میں داخل کر دیا ہے تو اس پر بقدرِ اتلاف ضمان ہے اس مقدار تک اگر کانجی ہاؤس میں، یا ویسے ہی اس سے وصول کیا ہے تو جائز ہے اور اس سے زائد بطورِ جرمانہ کے ناجائز ہے، کیونکہ یہ تعزیر بالمال ہے اور حنفیہ کے نزدیک منسوخ ہے"۔

كما صرحوا به في الدر المختار آخر باب جناية البهيمة: "أدخل غنماً أو ثوراً أوفرساً أوحماراً في زرع أو كرم إن سائقاً، ضمن ماأتلف، وإلا لا. وقيل: يضمن". وقال الشامي مرجحاً للقول الثاني: "أقول: ويظهر أرجحية هذا القول، لموافقته لما مر أول الباب من أنه يضمن ماأحدثته الدابة مطلقاً إذا =

ایک فوطہ والے جانور کی قربانی

سوال[۸۴۱۸] :ایک فوطہ والے جانور کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس کی بھی قربانی درست ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۴/۱۱/۸۸ھ۔

گابھن جانور کی قربانی

سوال[۸۴۱۹]: اگر جانور قربانی کی نیت سے خریدا گیا اور خریداری کے وقت اس کے گابھن ہونے کی تحقیق نہ ہو، کچھ روز بعد اس کے صحیح آثار وعلامات معلوم ہونے لگیں تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

گابھن جانور کی قربانی جائز ہے،لیکن اگر ولادت کا زمانہ بالکل قریب ہوتو مکروہ ہے:

"شاة أو بقرة أشرفت على الولادة، قالو: يكره ذبحها؛ لأن فيه تضييع الولد، هذا قول أبي حنيفة رحمه الله تعالیٰ؛ لأن عنده جنين لا يتذكى بذكاة الأم". عالمگیری:٦/٢٩٢(٢)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ۔

= أدخلها في ملك غيره بلاإذنه لتعدية. وأما لولم يدخلها ففي الهداية: ولوأرسل بهيمةً فأفسدت ذرعاً على فورها، ضمن المرسل. وإن مالت يميناً أو شمالاً، وله طريق الأخر لايضمن، لما مر، اهـ".

(إمدادالفتاوى، كتاب الذبائح والأضحية والصيد والعقيقة، عنوان مسئله: قربانی جانور خریدکردہ از نیلام کانجی ہاؤس وحکم ادخال جانوردراں: ٣/٥٤١، مكتبه دار العلوم كراچی)

(١) "و يضحى بالجمّاء والخصى والثولاء". (الدر المختار، كتاب الأضحية: ٦/٣٢٣، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ٨/٣٢٣، رشيديه)

(و كذا في اللباب: ٣/١٠٠، كتاب الأضحية، قديمی)

(٢) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول في ركنه و شرائطه: ٥/٢٨٧، رشيديه) =

حاملہ منذور جانور کی قربانی

سوال[۸۴۲۰]: ایک جانور مرض میں مبتلا ہوگیا، مالک نے منت کرلی کہ اگر خدا اس کو بچائے تو راہِ خدا میں اس کی قربانی دے دوں گا، اب بوقتِ قربانی وہ جانور تین ماہ کے حمل سے ہے۔ اس صورت میں اس کی قربانی کی جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے جانور کی قربانی شرعاً درست ہے، جو جانور بالکل قریب الولادت ہو اور بچہ کے مرنے کا اندیشہ ہو تو اس کو ذبح کرنا مکروہ ہے(۱)، تاہم قربانی ادا ہو جائے گی۔ پھر اگر بچہ زندہ ہو تو اس کو بھی ذبح کرلیا جائے، کذا

= "إن تقاربت الولادة، یکره ذبحها". (ردالمحتار، کتاب الذبائح: ۳۰۴/۶، سعید)

"رجل له شاة حامل أراد ذبحها، إن تقاربت الولادة، یکره الذبح". (خلاصة الفتاوی: ۳۰۷/۴، کتاب الذبائح، الفصل الأول، امجد اکیڈمی لاهور)

(وکذا فی فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصید والذبائح، باب فی الذکاة: ۳۶۷/۵، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی السراجیة، باب المتفرقات، ص: ۹۰، سعید)

(۱) "إن تقاربت الولادة، یکره ذبحها". (ردالمحتار، کتاب الذبائح: ۳۰۴/۶ سعید)

"شاة أو بقرة أشرفت علی الولادة، قالو: یکره ذبحها؛ لأن فیه تضییع الولد، هذا قول أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ؛ لأن عنده جنین لا یتذکی بذکاة الأم". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الذبائح، الباب الأول فی رکنه و شرائطه: ۲۸۷/۵، رشیدیه)

"رجل له شاة حامل أراد ذبحها، إن تقاربت الولادة، یکره الذبح". (خلاصة الفتاوی: ۳۰۷/۴، کتاب الذبائح، الفصل الأول، امجد اکیڈمی لاهور)

(وکذا فی فتاوی قاضی خن علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصید والذبائح، باب فی الذکاة: ۳۶۷/۵، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی السراجیة، باب المتفرقات، ص: ۹۰، سعید)

فی ردالمحتار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/محرم/ ۶۸ھ۔

سستی قیمت کا جانور خرید کر قربانی کرنا

سوال[۸۴۲۱]: میں قربانی اپنے وطن میں اس وجہ سے کرتا ہوں کہ وہاں پر بکرے کی قربانی ہوتی ہے اور حصہ سستا پڑتا ہے، یہاں پر بکرا، ۹۰، ۱۰۰/ روپے، ہر ملازم پیشہ لوگوں میں اس کی ہمت نہیں ہے۔ تو اس طرح قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس طرح قربانی جائز ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند ۱۳/۱۲/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۲/ ۸۵ھ۔

---

(۱) "ولدت الأضحية ولداً قبل الذبح، يذبح الولد معها". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۲۲/۶، سعيد)

"فإن ولدت ولداً، ذبحها و ولدها معها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب السادس: ۳۰۱/۵، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل: في الانتفاع بالأضحية: ۳۵۴/۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، السادس في الانتفاع: ۲۹۴/۶، رشيديه)

(۲) سستے جانور سے قربانی کرنا تو درست ہے البتہ قیمتی جانور سے قربانی کرنا زیادہ افضل ہے:

"سبعة من الرجال اشتروا بقرة بخمسين درهماً للأضحية، وسبعة آخرون اشتروا سبع شياه بمأة درهم، تكلموا أن الأفضل هو الأول أو الثاني، والمختار أن الأفضل هو الثاني، كذا في الفتاوىٰ الكبرىٰ".

(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب: ۲۹۹/۵، رشيديه) =

جنگلی جانور کی قربانی

سوال[۸۴۲۲]: اگر کوئی شخص ہرن یا نیل گائے وغیرہ جنگلی جانوروں کے بچے خرید لے اس قیمت پر جس پر بکری وغیرہ کے مل جاتے ہیں اور اس کو خوب شوق سے پالے تو اس کی قربانی عیدالاضحیٰ کے موقع پر جائز ہے یا نہیں، یعنی اس کی قربانی کرنے سے واجب قربانی ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی قربانی درست نہیں، اس سے واجب قربانی ادا نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

ہرن اور بکری سے پیدا شدہ کی قربانی

سوال[۸۴۲۳]: زید نے ایک ہرن پالا اور ایک بکری بھی پال رکھی تھی، ہرن نے بکری سے جفتی کی، اس سے بکرا (بچہ) پیدا ہوا اور سال بھر کا ہوگیا۔ اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

= "سبعة اشتروا بقرة بخمسين درهماً، وسبعة آخرون اشتروا سبعة شياه بمأة درهم، تكلموا في الأفضلية، والصحيح أن الثاني أفضل؛ لأنه أكثر ثمناً وأظهر نفعاً للفقراء". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا، مالايجوز: ۳۴۹/۳، ۳۵۰، رشيديه)

"فإن كانت النعجة أكثر قيمة أو لحماً، فهي أفضل، ذخيرة". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۲/۶، سعيد)

(۱) "ولا يجوز في الأضاحي شيء من الوحشيّ". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: ۲۹۷/۵، رشيديه)

"التضحية بهذه الأشياء عرف شرعاً بالنص على خلاف القياس .... بخلاف البقر الوحش حيث لايجوز التضحية به". (تبيين الحقائق، كتاب التضحية: ۴۸۳/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۴/۸، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۲/۶، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

جو بچہ بکرا ہرن اور بکری سے پیدا ہوا ہے اس کی قربانی درست ہے، یہ بچہ ماں کے حکم میں ہے اور ماں بکری ہے، شلبی: ۷/۶(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

پالتو ہرن کی قربانی

سوال[۸۴۲۴]: ایک ہرنی کا بچہ شیر خوار ہی سے پندرہ روپیہ میں قیمتاً خریدا اور پھر اس کو اپنے گھر دودھ پلا کر پرورش کیا اور تقریباً ایک سال اس کی پرورش کی۔ اس کی قربانی کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہرن کے بچہ کو اگر چہ دودھ گھر پلا کر پرورش کیا ہو تب بھی اس کی قربانی درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ولو نزا ظبیٌ علی شاة، قال عامة المشایخ: یجوز". (حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق، کتاب التضحیة: ۴۸۳/۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

"والمتولد بین الأهلی والوحشیّ یتبع الأم". (الدرالمختار، کتاب الأضحیة: ۳۲۲/۲، سعید)

"فإن متولداً من الوحشی والإنسی، فالعبرة للأم، فإن کانت أهلیةً تجوز". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، الباب الخامس: ۲۹۷/۵، رشیدیه)

(۲) "ولا یجوز فی الأضاحی شیء من الوحشیّ". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، الباب الخامس: ۲۹۷/۵، رشیدیه)

"وتجوز بالجاموس؛ لأنه نوع من البقر، بخلاف بقر الوحش حیث لا یجوز الأضحیة به؛ لأن جوازها عرف بالشرع فی البقر الأهلی دون الوحشی، والقیاس ممتنع". (البحر الرائق، کتاب الأضحیة: ۳۲۴/۸، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب التضحیة: ۴۸۳/۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۳۲۲/۲، سعید)

مرغ کی قربانی

سوال[۸۴۲۵]: جس کے پاس اتنی وسعت نہ ہوگائے یا بکری خرید کر قربانی کر سکے اور اس وجہ سے مرغ کی قربانی کردے۔ یہ شرعاً کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مکروہ ہے، کیونکہ یہ مجوس کا طریقہ ہے، عالمگیری: ۱۰۵/٤(۱)۔ جب کہ اس کے ذمہ قربانی واجب نہیں تو اس تکلف کی کیا ضرورت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "والتضحية بالديك والدجاجة فی أيام الأضحية ممن لا أضحية عليه لإعساره تشبيهاً بالمضحّين مكروه؛ لأنه من رسوم المجوس". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: ۳۰۰/۵، رشيديه)

"فيكره ذبح دجاجة و ديك؛ لأنه تشبه بالمجوس". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۱۳/٦، سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ البزازية علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية: ۲۹۰/٦، رشيديه)

فصلٌ فی سِنّ الأضحیة

(قربانی کے جانور کی عمر کا بیان)

سال بھر سے کم دنبہ کی قربانی

سوال[۸۴۲۶]: سنا ہے کہ دنبہ سال بھر سے کم کا بھی جائز ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دنبہ اس قدر فربہ اور بڑا ہو کہ سال کے دنبوں میں چھوڑ دیا جائے تو وہ بھی سال بھر کا معلوم ہوتا ہو، چھوٹا نہ معلوم ہوتا ہو تو ایسا دنبہ سال بھر سے کم آٹھ نو مہینہ کا بھی درست ہے، زیلعی: ٦/٧(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

سال بھر سے کم بھیڑ کی قربانی

سوال[۸۴۲۷]: ''بھیڑ، ایک سال سے کم کا اگر موٹا تازہ ہو، اس کی قربانی جائز نہیں''۔ یہ آپ ہی

---

(١) ''عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ''لا تذبحوا إلا مسنةً، إلا أن یعسر علیکم فتذبحوا جذعةً من الضأن''. (مشکوة المصابیح، باب فی الأضحیة، الفصل الأول: ١/١٢٧، قدیمی)

(وجامع الترمذی، أبواب الأضاحی، باب فی الجذع من الضأن: ١/٢٧٦، سعید)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الأضاحی، باب مایجزئ من الأضاحی: ٢٢٧، قدیمی)

(وإعلاء السنن، کتاب الأضاحی، باب مایجوز فی الضحایا من السن: ١٧/٢٤٦، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الأضحیة: ٦/٣٢١، سعید)

''وجاز الثنیّ من الکل، والجذع من الضأن، وقالوا: هذا إذا کان الجذع عظیماً بحیث لو خلط بالثنیات یشبه علی الناظر من بعدٍ''. (تبیین الحقائق، کتاب الأضحیة: ٦/٤٨٤، دارالکتب العلمیة بیروت)

کی تحقیق سے معلوم ہوا اور اب آپ کے بقرہ عید والے اشتہار سے معلوم ہوا کہ: ''ایسے بھیڑ کی قربانی جائز ہے جو سال سے کم کا ہو، چھ ماہ کا ہو، مگر سال بھر کا معلوم ہوتا ہو'' یہ کہاں تک صحیح ہے؟ اور آپ کے اشتہار میں غلط شائع ہوا، یا اب یہی مسئلہ ہو گیا؟ مدلل لکھئے تاکہ علم میں اضافہ ہو۔

محمد احمد صدیقی، پرتاب گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

''بھیڑ کی قربانی جب کہ اس کی عمر سال بھر سے کم ہو'' ناجائز ہونا میری کس عبارت سے معلوم ہوا، اس کو بھیجئے۔ بہشتی زیور، اختری، ص:۴۲/۳، میں ایسے دنبہ اور بھیڑ کی قربانی کو جائز لکھا ہے(۱)، مگر حاشیہ میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے:

> ''بعض علماء کا اس پر فتویٰ ہے، لیکن مجھ کو ''درمختار'' کے اس جزئیہ ''و لا التی لا إلیة لها'' سے اس میں شبہ ہو گیا، ناظرین بطورِ خود علماء سے تحقیق کر لیں''۔

میں ایسے بکرے کی قربانی کو ناجائز لکھتا ہوں (۲) اور ایسے دنبہ کی قربانی کو جائز لکھتا ہوں (۳)۔ اور

---

(۱) بکری سال بھر سے کم کی درست نہیں، جب پورے سال بھر کی ہو تب قربانی درست ہے۔ اور گائے بھینس دو برس سے کم کی درست نہیں، پورے دو برس ہو چکیں تب قربانی درست ہے اور اونٹ پانچ برس سے کم کا درست نہیں ہے اور دنبہ یا بھیڑ اگر اتنا موٹا تازہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہوتا ہے اور سال بھر والے بھیڑ دنبوں میں اگر چھوڑ دو تو کچھ فرق نہ معلوم ہوتا ہو تو ایسے وقت چھ مہینے کے دنبہ اور بھیڑ کی بھی قربانی درست ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو سال بھر کا ہونا چاہیے۔ (بہشتی زیور، باب: قربانی کا بیان، (مسئلہ: ۸) : ۲۳۲/۳، دارالإشاعت کراچی)

(۲) ''عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: ضحی خالی -یقال له: أبو بردة- قبل الصلوة، فقال له رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: ''شاتک شاة لحم''. فقال: یا رسول اللہ! إن عندی داجناً جذعة من المعز قال: ''اذبحها و لا تصلح لغیرک''. رواہ البخاری''. (إعلاء السنن: ۲۵۱/۱۷، باب عدم جواز التضحیة، بالجذعة من المعز، إدارة القرآن کراچی)

(۳) ''عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: ''لا تذبحوا إلا مسنةً، إلا أن یعسر علیکم فتذبحوا جذعةً من الضأن''. (مشکوة المصابیح، باب فی الأضحیة، الفصل الأول: ۱۲۷/۱، قدیمی) .... =

ایسے بھیڑ کی قربانی کی حتماً منع نہیں کرتا۔ علامہ شامی کی کتاب الأضحیۃ کی عبارت سے اجازت معلوم نہیں ہوتی، کتاب الزکوۃ کی عبارت سے اجازت معلوم ہوتی ہے، چنانچہ کتاب الأضحیۃ میں ہے:

"وصح الجذع ذو ستة أشهر من الضأن إن كان بحيث لو خلط بالثنايا لا يمكن التمييز، اهـ". درمختار. قال الشامي: "(قوله: من الضأن) هو ماله ألية، منح. قيد به؛ لأنه لا يجوز الجذع من المعز و غيره بلا خلاف، كمافي المبسوط، اهـ"(۱)۔

یہ عبارت صریح ہے کہ ایسی بھیڑ کی قربانی جائز نہیں۔

"الضأن ما كان من ذوات الصوف، اهـ". شامی (۲)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضأن ذوات الصوف کو کہتے ہیں، خواہ ذوات الالیۃ ہو خواہ نہ ہو، جو اپنے عموم کی وجہ سے دنبہ اور بھیڑ دونوں کو شامل ہے، اسی وجہ سے مجھے قطعی طور پر منع کرنا محفوظ نہیں"۔

آپ میری عبارت ارسال کریں اور مجھے مسئلہ بدلنے کا حق نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

سال بھر سے کم بھیڑ کی قربانی

سوال[۸۴۲۸]: ہم لوگ قربانی کے لئے بھیڑ خریدنا چاہتے ہیں وہاں دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک بھیڑ کی ٹولی بالکل علیحدہ ہوتی ہے جو کہ پندرہ بیس کی ہوتی ہے ان سب کی عمر پورے سال سے لیکر قریب دو سال تک ہوتی ہے، ان کو یہاں (Ship) شِپ کہا جاتا ہے۔ اور ایک دوسری ٹولی ہوتی ہے، وہ بھی پندرہ بیس کی ہوتی ہے۔ ان سب کی عمر سال کے اندر ہوتی ہے، مگر دیکھنے میں دو سال کی معلوم ہوتی ہے اور ان پر فربہی بھی ہوتی ہے بنسبت پورے ایک سال سے لے کر دو سال کی بھیڑ سے۔

= (وجامع الترمذي، أبواب الأضاحي، باب في الجذع من الضأن: ۱/۲۷۶، سعيد)

(وإعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب ما يجوز في الضحايا من السنن: ۱۷/۲۴۶، إدارة القرآن كراچي)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۱، سعيد)

(۲) "ويؤخذ في زكاتها: أي الغنم الثني من الضأن والمعز وهو ماتمت له سنة، لا الجذع إلا بالقيمة وهو ماأتى عليه أكثرها على الظاهر". (ردالمحتار، باب زكوة الغنم: ۲/۲۸۱، سعيد)

اوراگران دونوں ٹولی کو ملایا جائے تو سال کے اندر کی بھیڑ زیادہ عمر میں بڑی دکھلائے گی۔تو ہم کوعلم ہونے کے باوجود سال کے اندر کی بھیڑ کو قربانی کے لئے خرید کر قربانی کریں تو ایسا کرنا ہمارے لئے درست ہوگا یا نہیں؟ خیال رہے کہ سال کے اندر کے بھیڑ کی قیمت زیادہ ہوتی ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اعلیٰ بات تو یہی ہے کہ جس کی عمر سال بھر کی ہوچکی ہے اس کی قربانی کی جائے،اگر چہ سال کے اندر والی بھیڑ زیادہ موٹی معلوم ہو،تاہم جائز اس کی بھی ہوجائے گی جس کی عمر سال بھر سے کچھ کم ہے اور دیکھنے میں سال بھروالی بھیڑ کے برابر یا زیادہ ہو(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۰/۹/۸۹ھ۔

سال بھر سے کم بکری کی قربانی

سوال[۸۴۲۹]: ایک بکری ایک سال سے کچھ ہی یعنی چند روز کم ہے،مگر دیکھنے میں پوری سال بھر کی معلوم ہوتی ہے تو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسی بکری کی قربانی درست نہیں جب تک وہ پوری سال بھر کی نہ ہوجائے،شامی:۲۰۵/۵(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (راجع لتخریج المسئلة المتقدمة آنفاً)

(۲) "صحّ الجذع من الضأن، هو ماله ألية، منح. قيّد به؛ لأنه لا يجوز الجذع من المعز و غيره بلا خلاف". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۱/۶، سعيد)

"عن البراء بن عازب رضي الله تعالىٰ عنه قال: ضحى خالي –يقال له: أبو بردة– قبل الصلوة، فقال له رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "شاتک شاة لحم" فقال: يا رسول الله! إن عندي داجناً جذعة من المعز. قال: "اذبحها، ولا تصلح لغيرک". رواه البخاري". (إعلاء السنن، باب عدم جواز التضحيه بالجذعة من المعز: ۲۵۱/۱۷، إدارة القرآن كراچي) .... =

سال بھر سے چندروز کم بکرے کی قربانی

سوال[۸۴۳۰]: قربانی کے لئے زید نے ایک بکرا خریدا جس کی عمر سال بھر میں صرف ۱۸/ دن کم ہے، مگر دیکھنے میں فربہ ہونے کی وجہ سے سال بھر کا معلوم ہوتا ہے۔ ایسے بکرے کی قربانی درست ہوگی یا نہیں؟ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''مالابد منہ'' میں لکھا ہے کہ ''اَولیٰ یہ ہے کہ سال بھر کا ہو'' جس سے اشتباہ ہوتا ہے کہ اگر سال بھر سے کچھ کم دن کا ہو تب بھی قربانی درست ہو جائے گی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

''مالابد منہ'' میں مجھے یہ مسئلہ نہیں ملا، اس کی پوری عبارت لکھئے۔ عامۂ کتبِ فقہ میں یہ لکھا ہے کہ قربانی ایسے بکرے کی درست ہے جس کا ایک سال پورا ہو کر دوسرا سال شروع ہو جائے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم کی درست نہیں، اسی کی شامی نے ردالمحتار: ۵/۲۰۴، میں تصریح کی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قربانی کے لئے دودانت کا لزوم

سوال[۸۴۳۱]: سورت سے ایک گجراتی اخبار بنام ''مسلم گجرات'' شائع ہوتا ہے اس کا مضمون جس کی سرخی یہ ہے: ''**قربانی کے جانور کے دودانت چاہئے**'' شائع ہوا ہے جس کا مضمون حسبِ ذیل ہے:

= (وصحيح البخاري، كتاب الأضاحي، باب سنة الأضحية: ۸۳۲/۲، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: ۲۹۷/۵، رشيديه)

(وكذا في حاشية الشيخ الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۸۴/۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "(قوله: وصح الجذع .... وقيد بقوله: "شرعاً"؛ لأنه في اللغة ماتمّت له سنة، نهاية".

(ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۱/۶، سعيد)

"وتقدير هذه الأسنان بما قلنا يمنع النقصان و لا يمنع الزيادة، حتى لوضحى بأقل من ذلك شيئاً، لايجوز". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس في إقامة الواجب: ۲۹۷/۵، رشيديه)

(وكذا في إمداد الفتاوى: ۵۶۸/۳، دارالعلوم كراچي)

''مثنی اور مسنہ دونوں کا ترجمہ دودانت والا ہوتا ہے، جس میں ہر ایک قسم کے جانور آ گئے اور پہچان بھی ایسی واضح ہوگئی کہ ہر ایک شخص اسے دیکھ اور پہچان سکتا ہے یعنی خلاصہ یہ ہے کہ کوئی بھی جانور، مثلاً: بکرا، گائے، اونٹ وغیرہ جب تک دودانت والے نہ ہو جائیں اس وقت تک قربانی کے لئے جائز نہیں''۔

یہ گجراتی مضمون کا اردو میں لفظ بلفظ ترجمہ ہے۔تو عرض ہے کہ کیا جناب نے ایسا فتویٰ دیا ہے، یا کسی نے حاصل کیا ہے، یا کسی نے اس قسم کے فتویٰ پر دستخط فرمائے ہیں؟ کیونکہ یہاں اس مضمون سے ایک پہچان شروع ہوگئی ہے، کیونکہ لوگ عام طور پر ''مثنی'' کے سلسلہ میں بجائے دانت کے یوں تذکرہ کرتے ہیں:

''الثنيّ هو ابن خمس من الإبل، وحولين من البقر والجاموس، وحول من الشاة والمعز، الخ''.

امید قوی ہے کہ مفصل جواب سے مطلع فرما کر شکر گزار فرمائیں گے تا کہ اس اخبار میں جناب کا تفصیلی تردیدی بیان شائع ہو جائے، کیونکہ بکری بکرے دودانت نہیں ہوں گے جب تک دوسال ہو کر تیسرا شروع نہ ہو، جو شوافع کا مذہب ہے۔

اسماعیل بن محمد بسم اللہ، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل۔

برادر سلمہ! السلام عليكم و رحمة الله و بركاته!

''یہ فتوی لکھنا مجھے تو یاد نہیں ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ آپ نے جواب کا یہ پورا مضمون نقل کیا ہے، یا اس میں سے مختصر کر کے لکھا ہے۔اور یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ اس میں اشکال کیا ہے؟ براہِ کرم پورا جواب جو اخبار میں شائع ہوا وہ نقل کر کے بھیجیں اور اس میں جو اشکال یا غلطی ہو اس کی بھی پوری تصریح فرمائیں۔امید کہ مزاج بعافیت ہوں گے''۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

هو الموفق:

''یہ فتوی جو میں نے دیا ہے، یا میری طرف منسوب ہے صحیح ہے۔ جانوروں کی عمریں پہچاننے کا عام اور صحیح طریقہ یہی ہے کہ ان کے دانتوں سے ان کی پہچان ہوتی ہے،

دو دانت والا بکرا یا بکری یا مینڈھا سال سے کم کا نہیں ہوسکتا، ہاں! یہ ممکن ہے کہ سال بھر کا ہوجائے، لیکن دانت دو نہ نکلے ہوں۔ فقہاء نے یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا ہے کہ اس میں عمر پوری ہونی ضروری ہے اور عام طور پر یہی طریقہ اسلم ہے۔ ہاں! اگر کسی کے گھر کا بکرا بکری ہو اور اسے اس کی پیدائش کی تاریخ معلوم ہو اور یاد ہو اور وہ سال بھر کا ہوجائے، مگر دانت نہ نکلے ہوں تو وہ اس کی قربانی کرسکتا ہے، مگر ایسا حکم دینا غلطی میں مبتلا کرسکتا ہے کہ لوگ اور فروخت کرنے والے بے دانت کے بکرے یا بھیڑ کو سال بھر کا بتلادیں گے اور لوگ خرید کر قربانی کرلیں گے تو بکرے کی قربانی جائز نہ ہوگی، کیونکہ اس کا سال بھر کا ہونا یقینی نہیں ہے۔

عام طور پر بکرے بھیڑ کے دو دانت سال بھر میں ہوجاتے ہیں، بعض کے نہیں ہوتے، مگر دو دانت کا حکم ایسا ہے کہ اس میں غلطی نہیں ہوسکتی یعنی دو دانت کا بکرا سال بھر یا سال سے زائد کا ہوگا، سال سے کم کا نہ ہوگا۔ دنبہ، بھیڑ، مینڈھا سال بھر سے کم کا بھی جائز ہے، صرف بکرے کے لئے سال بھر کا ہونا شرط ہے۔ تو اگر بکرا گھر کا پیدا شدہ ہو اور یقینی سال بھر کا ہو تو اگرچہ اس کے دانت نہ ہوں اس کی قربانی جائز ہے"(۱)۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

مہر مدرسہ امینیہ دارالافتاء دہلی۔

---

(۱) مذکورہ عبارت کفایت المفتی میں باوجود تتبع وتلاش کے نہ ملی، البتہ اسی معنی پر یہ عبارت ملی:

"قربانی کے لئے جانوروں کی عمریں متعین ہیں، بکری، بکرا ایک سال کا ہو اور گائے دو سال کی۔ چونکہ اکثری حالات میں جانوروں کی صحیح عمر معلوم نہیں ہوتی، اس لئے ان کے دانتوں کو عمر معلوم کرنے کا اور اس پر عمل کرنے کا احتیاطاً حکم دیا گیا ہے۔ دانتوں کی علامت ایسی ہے کہ اس میں کم عمر کا جانور نہیں آسکتا، ہاں زیادہ عمر کا جانور آجائے تو ممکن ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پس اگر کسی شخص کے گھر بکرا ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کو پیدا ہوا اور اسی کے گھر پرورش پاتا رہا تو آئندہ ذی الحجہ کی دس تاریخ کو وہ ایک سال نو دن کا ہوگا، اب اگر اس کے پکے دانت نہ نکلے ہوں تب بھی وہ اس کی قربانی کرسکتا ہے، کیونکہ اس کی عمر یقیناً ایک سال کی پوری ہوکر آٹھ نو روز زائد کی ہوچکی =

....

= ہے، لیکن وہ یہ حکم نہیں دے سکتا کہ بے دانت کا ہر بکرا قربانی کیا جاسکتا ہے خواہ اس کی عمر یک سالہ ہونے کا یقین ہو یا نہ ہو بس میرے خیال میں یہ بات صحیح ہے۔

مسنۃ کے معنی دانت والے اور سال بھر والے دونوں ہو سکتے ہیں، لیکن سال بھر کا ہونا کسی بکرے کا جس کی تاریخ پیدائش معلوم نہ ہو، مشتبہ ہو، بغیر دو دانتوں کے معلوم نہیں ہوسکتا، اس لئے عام حکم یہی دینا مناسب تھا اور وہی دیا گیا۔ واللہ اعلم''۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

(كفايت المفتى، كتاب الأضحية، فصل دهم: قربانی کے جانوروں کی عمریں: ٢١٧/٨، دارالإشاعت كراچى)

اور فتاویٰ رحیمیہ میں ہے کہ:

''اور شرط ہے کہ گائے بھینس دو سال سے کم کی نہ ہو، اور اونٹ پانچ سال سے کم نہ ہو، اور بھیڑ بکری ایک سال سے کم کی نہ ہو، اور چھ ماہ کا دنبہ جس کا ساتواں مہینہ شروع ہوا ہو وہ جائز ہے۔

حدیث شریف میں لفظ ''مسنۃ'' آیا ہے، جس کے دو معنی ہیں: ١-سن رسیدہ جانور، دانت والا جانور۔ فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے عمر کا اعتبار کیا اور دانت کو اس کی علامت قرار دیا ہے، قربانی کا جانور ''مسنہ'' ہو یعنی سن رسیدہ ہو تو اس کی قربانی درست ہے، دانت کی علامت ہو تو بہتر ہے۔ دانت کی علامت پر مدار نہیں، دانت سن رسید گی علامت ہے۔

مثال کے طور پر لڑکا، لڑکی سن رسیدگی سے بالغ ہوجاتے ہیں اور شرعی احکام کے مکلّف ہوجاتے ہیں اور شادی کے قابل ہوجاتے ہیں، بلوغ کی علامت حیض اور احتلام ظاہر ہو یا نہ ہو۔ اگر کسی لڑکی کو سن رسیدگی کے بعد بھی حیض نہ آئے تب بھی وہ بالغہ ہے، اسی طرح قربانی کے جانور سن رسیدہ ہو تو قربانی درست ہے، دانت کی علامت ہو یا نہ ہو، سن رسیدگی کا یقین ہونا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب''۔ (فتاویٰ رحيميه، كتاب الأضحية، باب من الأضحية: ٤٨/١٠، دارالإشاعت كراچى)

نیز امداد الفتاویٰ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ رقمطراز ہیں: =

الجواب حامداًومصلیاً:

اتنی بات تو دونوں فتووں میں متفقہ ہے کہ اصل مدار عمر پر ہے(۱)، دہلی کے فتویٰ میں دو دانت کو عمر کے لئے یقینی علامت قرار دیا ہے اور یہ بات درحقیقت فقہ سے متعلق نہیں، اہلِ بصیرت و تجربہ کی رائے سے متعلق ہے، مگر حضرت مفتی صاحب مدت فیوضہم نے اس کو فقہاء کی طرف منسوب فرمایا ہے، باوجود تتبع کے کتبِ فقہ حنفی میں مجھے اس کی تصریح نہیں ملی، فقہ شافعی و مالکی میں بھی تلاش کیا، البتہ فقہ حنبلی کی متن المقنع کی شرح کبیر:۳/ ۳۷، میں ہے:

"وثنی الإبل ما کمل له خمس سنین، ومن البقر ماله سَنتان، ومن المعز ماله سنة. قال الأصمعی و أبو زیاد وأبو زید الأنصاری: إذا مضت السَّنة الخامسة علی الإبل و دخل فی السادسة وألقی ثنیته، فهو حینئذٍ ثنی، ویروی أنه یسمی ثنیاً؛ لأنه ألقی ثنیة. وأما البقرة فهی التی

= "مسنہ کی تفسیر میں بعض دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ دانت نکالنا ضروری ہے، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر خاص کافی ہے.......... مگر چونکہ اس عمر خاص میں اکثر دانت بھی طلوع ہوجاتے ہیں، اس لئے اہل لغت طلوع سن سے تفسیر کردیتے ہیں ورنہ دانت نکلنے پر مدار حکم نہیں ہے..........اور اس سے یہ جائے کہ سن بعمر لیا گیا ہے۔

سن بمعنی دندان ہے، لیکن طلوع دندان چونکہ عادۃً اس عمر میں ہوتا ہے، اس لئے عمر کے ساتھ تفسیر کردی خواہ دانت طلوع ہوں یا نہ ہوں۔ اور جب کہ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ تصریح کرتے ہیں کہ اکثر دانتوں کا ہونا، یا اتنے دانتوں کا ہونا جس سے گھاس کھاسکے جواز تضحیہ کے لئے کافی ہے تو کسی خاص دانت کے نکلنے پر کیسے مدار ہوگا..........الخ"۔(إمداد الفتاویٰ، کتاب الذبائح والأضحیة، رفع بعض شبهات متعلقة بعمر ضحایا: ۳/ ۶۱۲، ۶۱۳، مکتبه دارالعلوم کراچی)

(۱) "ثم بعد الاتفاق علی هذا القدر اختلفوا فی تقدیر الجذع والثنیّ علی أقوال، والمعتمد عند معشر الحنفیة أن الجذع من الضأن ابن ستة أشهر، والثنی منها و من المعز ما تمّ له سنة و دخل فی الثانیة، ومن البقر ما تم له سنتان ودخل فی الثالثة، ومن الإبل ما تمّ له خمس سنین و دخل فی السادسة". (إعلاء السنن: ۷/ ۲۴۵، کتاب الأضاحی، باب ما یجوز فی الضحایا من السن ، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الفتاوی السراجیة، ص: ۸۹، سعید)

لها سنتان، وقد قال النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: "لا تذبحوا إلا مسنةً". ومسنة البقر التی لها سنتان"(۱)۔ "علیٰ ما ذكر فی الزكوة، و ثنی المعز ما له سنة. وقال ابن أبی موسیٰ: فیه أقوال: إن ثنی البقر ما دخل فی السنة الرابعة، والأول المشهور فی المذهب، اهـ"۔

اس کو حنفیہ پر حجت قرار نہیں دیا جاسکتا اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے بھی اس کو حجتِ لازمہ قرار نہیں دیا، چنانچہ آخرِ فتویٰ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

''بکرا گھر کا پیدا شدہ ہو اور یقینی سال بھر کا ہو تو اگر چہ اس کے دانت نہ ہوں، اس کی قربانی جائز ہے''۔

جس طرح سال بھر کا ہونے کے باوجود دو دانت ہونا لازم نہیں، اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ سال بھر سے پہلے ہی دانت ہو جائیں، کیونکہ علامات سے ان کے متعلقات کا تخلف کچھ محال نہیں، چنانچہ شیخ المحققین ابن الہمام نے فتح القدیر، کتاب الصوم، باب ما یوجب القضاء والکفارة میں تحریر فرمایا ہے:

"فإن المراد بالدلیل الأمارة، وهی مماقد یجزم بتخلف متعلقها مع قیامها کوقوف بغلة القاضی علی بابه مع العلم بأنه لیس فی داره، اهـ"(۲)۔

لہٰذا دو دانت ہونے پر بھی ایک سال کی عمر کا حکم لگانا قطعی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۷/صفر/ ۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۳۰/صفر/ ۶۸ھ۔

---

(۱) (المغنی لابن قدامة الحنبلی، کتاب الأضاحی، باب لایجزئ إلا الجذع من الضأن والثنی من غیره: ۱۰۱/۱۱، دارالفکر بیروت)

"فالثنی من الإبل: ماستکمل خمس سنین، ودخل فی السادسة، .... وأما الثنی من البقر فهو: ماستکمل سنتین ودخل فی الثالثة .... وأما الثنی من المعز، فهو ماستکمل سنةً ودخل فی الثانیة .... وأما الجذع من الضأن والمعز، فهو ماستکمل ستة أشهر، ودخل فی الشهر السابع .... وروی جابر رضی اللّٰه تعالیٰ عنه أن النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم قال: "لاتذبحوا إلا مسنةً، إلا أن تعسر علیکم فتذبحوا جذعةً من الضان". (الحاوی الکبیر، کتاب الضحایا، فصل: فإذا تقرر ماذکر فی أسنان الضحایا: ۹۲/۱۹، ۹۳، دارالفکر بیروت)

(۲) (فتح القدیر، کتاب الصوم، باب مایوجب القضاء والکفارة: ۲۲۷/۲، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

جنین کی قربانی

سوال[۸۴۳۲]: زید نے گائے کی قربانی کی جب اس کا پیٹ چاک کیا گیا تو ایک بچہ بھی نکلا، کیونکہ گائے حاملہ تھی اور وہ بچہ زندہ نکلا تو اب اس کا کیا کیا جائے، آیا اس کی بھی قربانی کردی جائے یا اس کو پال لیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی بھی قربانی کردی جائے اور جو تصرف اصل قربانی کے گوشت میں کیا جائے، وہی اس کے بچے کے گوشت میں کیا جائے، شامی: ۵/۲۰۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

لفظ "جذعہ" کی تشریح

سوال[۸۴۳۳]: زبان عربی کے اندر "جذعة" کا معروف معنیٰ "بکری کا ایک سالہ بچہ ہے" چنانچہ مولانا گنگوہی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"قال أهل اللغة وغيرهم: الجذع التي تمت لها سنة ركوب"(۲)۔

---

(۱) "ولدت الأضحية ولداً قبل الذبح، يذبح الولد معها". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۲، سعيد)

"فإن ولدت الأضحية ولداً، يذبح ولدها مع الأم". (بدائع الصنائع، فصل فيما يستحب قبل الأضحية وعندها، وبعدها: ۶/۳۲۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، السادس في الانتفاع: ۶/۲۹۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب السادس: ۵/۳۰۰، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل في العيوب مايمنع الأضحية: ۳/۳۵۹، رشيديه)

(۲) (الكوكب الدرى، أبواب الأضاحى، باب في الجذع من الضأن: ۱/۴۰۹، المكتبة اليحيوية هند)

اور مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ محدث سہارنپوری نے لکھا ہے: "الجذع في اللغة ما تمت له سنة". بذل: ٤/٧١(١)۔

اور جب "جذعة" کے معنی عربی زبان میں "یک سالہ" ہے تو شارع عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد: "فتذبحوا جذعةً من الضأن"(٢) کے اندر بھی "جذعة" سے مراد یک سالہ ہی ہوگا، نہ اَور کچھ، مگر ہمارے فقہاء تو جذعة کے معنی یہ بیان کرتے ہیں: "الجذعة ما تمت له ستة أشهر"(٣)۔

سوال یہ ہے کہ وہ کونسا شرعی قرینہ ہے جس کی بناء پر معروف عندالعرب معنی کو چھوڑ کر ایک مخصوص معنی مراد لیا جارہا ہے اور اس کو شرعی معنی قرار دیا جاتا ہے، بعینہ یہی سوال لفظ "مسنہ" کے متعلق بھی ہے کہ اس کا معروف عندالعرب معنی تو یہ ہے: "الذی ألقی ثنیة" (**دندانِ پیشش افگندہ**)، پھر وہ کونسا قرینہ ہے جس کی بنا پر معروف عندالعرب معنی سے گریز کر کے ایک مخصوص معنی مراد لیا جاتا ہے: "والمسنة ما أتت علیه سنةٌ".

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرح علمِ حدیث مستقل فن ہے، اس کی مخصوص اصطلاحات ہیں، ضروری نہیں کہ ان اصطلاحات کو لغوی معنی ہی میں استعمال کیا جائے، بلکہ وہ منقول ہیں جیسے: معضل، شاذ، منکر، غریب، محدث، حافظ، حجۃ، حاکم، صحیح، حسن، غریب وغیرہ۔ اگر لغوی ہی معنی میں ان کو لیا جائے گا تو مطلب خبط ہو جائے گا۔

اسی طرح فقہ بھی مستقل فن ہے اس کی بھی مخصوص اصطلاحات ہیں، لازم نہیں کہ ان کو لغوی ہی معنی میں استعمال کیا جائے۔ صلوۃ، زکوۃ، حج، جہاد، نکاح، طلاق، خلع، عبادات کو جن معانی میں استعمال کیا جاتا ہے وہ

---

(١) (بذل المجهود، كتاب الضحايا، باب مايجوز من الضحايا من السن: ٧١/٤، معهد الخليل الإسلامي كراچی)

(٢) (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الضحايا، باب لايجزى الجذع إلا من الضأن وحدها، (رقم الحديث: ١٩٠٧٢)، دارالكتب العلمية بيروت)

(٣) (بذل المجهود، كتاب الضحايا، باب مايجوز من الضحايا من السن: ٧١/٤، معهد الخليل الإسلامي كراچی)

منقول ہیں محض لغوی معنی مرادنہیں۔

ائمۂ لغت کے "جذعہ" کی تشریح میں دوقول ہیں: چنانچہ المغرب:۱/۷۸میں:

"وعن الزهری رحمه الله تعالیٰ: الجذع من المعز سنة، و من الضأن ثمانية أشهر"(۱)۔

مجمع الأبحار: ۱/۱۸۱ میں ہے:"ما تمت له سنة، وقيل: أقل منها، اهـ"(۲)۔

ایسا ہی نہایہ ابن اثیر: ۱/۱۷۷ میں ہے۔

حضرت وکیع رحمہ اللہ تعالیٰ جلیل القدر محدث ہیں، ان کا قول امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جامع: ۱/۱۸۱، میں نقل کیا ہے:

" قال وكيع: الجذع مايكون ابن سبعة أو ستة أشهر"(۳)۔

معلوم ہوا کہ محدثین کے نزدیک بھی فقہاء کا قول اجنبی اور قابلِ رد نہیں، بلکہ ان کے کلام میں بھی تشریح موجود ہے۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو نیل الاوطار:۳/۳۴۵ میں اس کو نقل کیا ہے اور دوسرے اقوال بھی نقل کئے ہیں(۴)۔ "خطابی شرح ابوداود" میں بھی یہ موجود ہے۔

اگر "جذعہ" سے مراد "ما تمت له سنة" ہو تو اس کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں "ما تمت له سنة" تو بکری بھی کافی ہے۔

---

(۱) (المغرب، ص: ۱۳۶، الجيم مع الذال، إدارة القرآن كراچی)

(۲) (مجمع بحار الأنوار: ۱/۳۳۵، باب الجيم مع الذال، مجلس دائرة المعارف العثمانيه بحيدر آباد الدكن الهند)

(۳) (جامع الترمذی: ۱/۲۷۶، باب فی الجذع من الضأن فی الأضاحی، سعيد)

(۴) "الجذع من الضأن ماله سنة تامّة، هذا هو الأشهر عن أهل اللغة وجمهور أهل العلم من غيرهم. وقيل: ماله ستة أشهر. وقيل: سبعة. وقيل: ثمانية. وقيل: عشرة. وقيل: إن كان متولداً بين شاتين فستة أشهر، وإن كان بين هرمين فثمانية". (نيل الأوطار: ۵/۲۰۲، باب السن الذی يجزئ فی الأضحية، دار الباز للنشر والتوزيع، مكة المكرمة)

پھر بعض صحابہ کا قبل الصلوۃ مخصوص طور پر ''جذع'' کے متعلق سوال کرنا اور جواب میں ارشاد فرمانا کہ ''تم اسی جذع کی قربانی کردو'' یہ کس لئے ہے اور بعض روایات میں یہ بھی اضافہ ہے کہ کسی اَور کو اس کی اجازت نہیں۔ اور بعض روایات میں ''معز'' کی تخصیص بعض میں ''ضأن'' کی تخصیص ہے، یہ سب قرائنِ قویہ ہیں کہ قربانی کے لئے جو عمر معروف ہے "جذعة" اس عمر کو نہیں پہونچا، بلکہ اس سے کم ہے۔

امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے باب منعقد کیا ہے:

"باب قول النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم لأبی بردہ: "ضحّ بالجذع من المعز و لا تجزئ من أحد بعدك".

اس کے تحت حدیث بیان کی ہے:

"عن البراء بن عازب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه: ضحی خالی -یقال له: أبو بردة- قبل الصلوة، فقال له رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: "شاتك شاة لحم". فقال: یا رسول اللّٰہ! إن عندی داجناً جزعة من المعز قال: "اذبحها، و لا تصلح لغیرك"(۱)۔

اس کے متابعات کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ذبح أبوبردة قبل الصلوة، فقال له النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: "أبدلها". قال: لیس عندی إلاجذعة. قال شعبة: وأحبه قال: "هی خیرٌ من مسنة" قال: "اجعلها مکانها و لن تجزئ عن أحد بعدك، اھ"۔

مسلم شریف کی روایت میں ہے:

"هی خیرٌ من مسنة و لم یشك، اھ"(۲) فتح الباری، ج: ۱۰، میں مذکور ہے(۳)۔

---

(۱) (صحیح البخاری: ۸۳۳/۲، ۸۳۴، کتاب الأضاحی، باب قول النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم لأبی بردہ: "ضحّ" اھ، قدیمی)

(۲) (الصحیح لمسلم، کتاب الأضاحی، باب وقتها: ۱۵۴/۲، قدیمی)

(۳) "وحکی الترمذی عن وکیع أنه ابن ستة أشهر أو سبعة أشهر". (فتح الباری، کتاب الأضاحی، باب قسمة الإمام الأضاحی بین الناس: ۵/۱۰، دار الفکر بیروت)

حنفیہ کے دلائل، اعلاء السنن، ج: ۱۷، میں ہیں(۱)۔ جانوروں کی عمروں کو عامۃً دانتوں سے پہچانا جاتا ہے اس لئے بکری، گائے، اونٹ، کی عمر کے لئے وقت خاص پر "مسنة" کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "أقول: مجموع ماذکر یدل علی جواز التضحیة بالجذع ومن الضأن دون غیرها من المعز والبقر والإبل یجوز منها هو المسنة: أی الثنی. بقی أن جواز الجذع من الضأن، هل هو مطلق أو مقید بعدم یتسر المسنة؟ فالجواب أن أحادیث غیر جابر رضی الله تعالیٰ عنه مطلقة من هذا القید، وحدیث جابر لیس نصاً فی التقید؛ لأنه یحتمل أن یکون قوله: "ولا تذبحوا إلا مسنة". الندب إلی الأولی والأفضل دون الإیجاب والاشتراط، فیحمل علیه، ویقال: إن معنی الحدیث: أن الأعلیٰ والأفضل هو التضحیة بالمسنة فلا تترکوها، إلا أن یعسر علیکم فاذبحوا جذعة من الضأن؛ لأنه أدنی مایجوز فی التضحیة. والدلیل علی ماقلنا أن التضحیة بالأدنیٰ جائزة مع وجود الأعلیٰ کالتضحیة بالشاة مع وجود البقر والتضحیة بالمهزول مع وجود السمین، فکیف لایجوز التضحیة بالجذع مع الضأن مع وجود المسنة. فإن قلت: الشاة والمهزول من حیوانات التضحیة، فیجوز التضحیة بها مع وجود البقر، والسمین، بخلاف الجذع فإنه لیس من حیوانات التضحیة بل أجیز التصحیة بها للضرورة عند تعذر حیوانات التضحیة؟ قلت: إنما ذلک هو مفهوم حدیث جابر بلفظ: "إلا أن یعسر علیکم". ولاحجة فی المفهوم عندنا، لاسیما وحدیث أبی هریرة بلفظ: "نعمت الأضحیة الجذع من الضأن" صریح فی کون الجذع عن حیوان الأضاحی، وکذا حدیث مجاشع کما لایخفی". (إعلاء السنن، کتاب الأضاحی، باب مایجوز فی الضحایا من السن: ۱۷/۲۴۴، ۲۴۵، إدارة القرآن کراچی)

"ومن الضأن ماتمت له ستة أشهر". (بذل المجهود، کتاب الضحایا، باب مایجوز فی الضحایا من السن: ۴/۷۱، معهد الخلیل الإسلامی، کراچی)

(وکذا فی نصب الرأیة، کتاب الأضحیة: ۴/۲۱۷)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الأضحیة: ۴/۱۷۱، غفاریه کوئٹه)

"مسنّہ" کی تحقیق اوراس کی قربانی

سوال[۸۴۳۴]: صحیح مسلم کی حدیث "لا تذبحوا إلا مسنةً" میں لفظ "مسنة" کے شرعی ولغوی معنی کیا ہیں؟ بعض عالم کہتے ہیں کہ "مسنة" کے معنی دودانت والا جانور ہے، برس دوبرس کی قید نہیں۔ بعض اس کے معنی یہ کہتے ہیں کہ "جو دو برس ہوکر تیسرے میں لگا ہو" عام ازیں کہ دانت ہوں یا نہ ہوں قولِ صحیح کی ترجیح مدلل بیان کیجئے۔

اصغر علی خان نمبردار، ساکن موضع جھانسہ، ضلع کرنال۔

الجواب حامداًومصلیاً:

"سن" کے معنی لغت میں دانت اور عمر دونوں کے آتے ہیں، صراح میں ہے:

"سنّ بالکسر "داندان" أسنان ج، ویجمع الأسنان علی أسِنّةٍ مثل: قن وأقنان و أقِنّة. وفی الحدیث: "وإذا سافرتم فی الخصب، فأعطوا الرکب أسِنّتها": أی أمکنوها من المرعیٰ. وتصغیر سن سُنینة. "وسال و عمر" و قولهم: (لا اتیك سَن الحمل): أی لا اتیك أبداً؛ لأن الحمل لا تسقط له سن، ویقال: کم سنك؟ یعنی "سال نو" الخ"(۱)۔

لیکن قربانی کے لئے جانور کی عمر کا اعتبار ہوگا اور ہر جانور کی علیحدہ علیحدہ عمر معتبر ہے:

"و تخصیص هذه القربة بسنٍ دون سن أمرٌ لایعرف إلا بالتوقیف، فیتبع ذلك، وأما معانی هذه الأسماء، فقد ذکر القدوری رحمه الله تعالیٰ: أن الفقهاء قالوا: الجذع من الغنم ابن ستة أشهر، والثنی منه ابن سَنَة. الخ". بدائع: ۵/ ۷۰(۲)۔

اور دانت کا اعتبار نہیں، حتی کہ اگر کسی جانور کی عمر پوری ہو مگر دانت اس کے نہ ہوں اور باوجود دانت نہ ہونے کے اپنا چارہ کھا سکتا ہو تو اس کی قربانی درست ہے، البتہ اگر چارہ نہ کھا سکتا ہو تو اس عیب کی وجہ سے اس کی

---

(۱) (صراح، باب النون، فصل السین: ۲/ ۳۷۴، نامی مشنی نول کشور)

(۲) (بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، أما محل إقامة الواجب: ۶/ ۳۰۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

قربانی درست نہ ہوگی:

"ولا الهتماء وهی التی لا أسنان لها، إلا إذا کان تعتلف من الأعلاف، و کذا التی ذهب أسنانها، لایجوز ذلك إذا كان ذلك من الاعتلاف". الفتاوی السراجیة،ص: ۳۴۰(۱)۔

ہدایہ میں "مسنة" کی تعریف لکھی ہے:"و هی التی طعنت فی الثالثة"(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

صحیح:عبداللطیف،۵/ذی الحجہ/۵۳ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (الفتاوی السراجیة، ص: ۸۹، باب ما یجوز به التضحیة ، سعید)

"والهتماء لا تجوز، و هی التی لا أسنان لها: أی سواء اعتلفت أو لم تعتلف؛ لأن الأسنان بمنزلة الأذنین .... وفی روایة: یجوز إذا كان تعتلف، وهو الأصح؛ لأنها حینئذ صارت بمنزلة الصحیحة". (حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق : ۲۸۱/۶، دارالکتب العلمیة بیروت)

"ولا یجوز بالهتماء التی لا أسنان لها إن كانت لا تعتلف، وإن كانت تعتلف، جاز، وهو الصحیح". (البحرالرائق: ۳۲۳/۸، کتاب الأضحیة، رشیدیه)

(۲) (الهدایة: ۱۸۹/۱، کتاب الزکوة، باب صدقة السوائم ، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

باب مایکون عیباً فی الأضحیة ومالا

(قربانی میں عیب کا بیان)

لنگڑے جانور کی قربانی

سوال [۸۴۳۵]: قربانی کا جانور گھر کا پلا ہوا تھا، ایک دن صاحبِ خانہ نے غصہ میں اس کو مارا جس سے لنگڑانے لگا۔ آیا اس کی قربانی درست ہے یا اس کی جگہ پر دوسرا کرے، وہ لنگڑا پن مضر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کا وہ پیر زمین پر نہیں رکھا جاتا ہے، صرف تین پیر سے چلتا ہے تو اس کی قربانی درست نہیں، اگر وہ اس پیر کو بھی رکھ لیتا ہے اور اس سے چل لیتا ہے گو لنگڑاتا ہو تو اس کی قربانی درست ہے:

"لا بالعمیاء .... والعجفاء والعرجاء التی لا تمشی إلی المنسك" درمختار۔ "أی التی لا یمکنها المشی برجلها العرجاء، إنما تمشی بثلاث قوائم، حتی لو کانت تضع الرابعة علی الأرض وتستعین بها، جاز". شامی (۱)۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار علی الدرالمحتار، کتاب الأضحیة: ۲۲۳/۶، سعید)

"(العرجاء التی تمشی بثلاثة قوائم و تُجافِیُ الرابع عن الأرض، لاتجوز الأضحیة. وإن کانت تضع الرابع علی الأرض و تستعین به إلا أنها تتمایل مع ذلک و تضعه وضعاً خفیفاً، یجوز. وإن کانت ترفعه رفعاً أو تحمل المنکسر، لاتجوز". (البحرالرائق: ۲۲۳/۸، کتاب الأضحیة، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی: ۳۲۱/۴، کتاب الأضحیة، الباب الخامس فی العیوب، رشیدیه)

ایضاً

سوال[۸۴۳۶]: ہندہ نے ایک نذر کی تھی کہ اگر میری بکری کے پیٹ سے کوئی بکرا پیدا ہوا تو اس کی قربانی کروں گی، چنانچہ ایک بکرا پیدا ہوا جس کا ایک پاؤں لنگڑا ہے، لیکن وہ چلنے پر قادر ہے۔ اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی قربانی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

گائے کا دو تہائی سینگ ٹوٹ جائے تو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں اور ہدایہ و حجۃ اللہ البالغۃ کی عبارت میں تطبیق

سوال[۸۴۳۷]: گائے کا سینگ اگر ثلثین ۲/۳ باقی نہ رہے تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ نیچے کے دوقول کی تطبیق کیا ہے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

"ویجوز الأضحیة مکسورة القرن، لِمَا قلنا"(۲)۔ "لما قلنا" یہ کس طرف مہموز ہے؟ ہدایہ کے ماقبل باب میں یعنی "ذنب" اور "أذن" کے بیان میں "الأکثر حکم الکل" کی طرف مہموز ہے یا نہیں؟

حجۃ اللہ البالغۃ میں شاہ صاحب اضحیہ کے باب میں یہ فرماتے ہیں کہ: "وینهی عن أعضب القرن، والأذن"(۳) ان دو متضاد قول میں تطبیق کیا ہے؟ بالتفصیل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس جانور کا سینگ بالکل جڑ سے اکھڑ گیا ہو اس کی قربانی درست نہیں (۴)، جس کی جڑ باقی ہے اس کی

---

(۱) "والعرجاء: أی التی لا یمکنها المشی برجلها العرجاء، إنّما تمشی بثلاثة قوائم، حتی لو کانت تضع الرابعة علی الأرض و تستعین بها، جاز". (ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۲۳، سعید)

(۲) (الهدایة، کتاب الأضحیة: ۴/۴۴۶، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(۳) (حُجّة الله البالغة، العیدان، الأضحیة یوم العید: ۲/۸۰، قدیمی)

(۴) "(ویضحی بالجمّاء) هی التی لاقرن لها خلقةً، و کذا العظماء التی ذهب بعض قرنها بالکسر أو =

قربانی درست ہے، اگرچہ نصف سے زیادہ بقدرِ ثلثین ٹوٹ گیا ہو۔

ہدایہ:۴/۴۳۲ میں ہے:

"ویجوز أن یضحی بالجمّاء، وهی التی لا قرن لها؛ لأن القرن لا یتعلق به مقصود، وکذا مکسورة القرن لِمَا قلنا، اهـ"(۱)۔

''اُذن''اور''ذنب''پرقرن کوقیاس کرناصحیح نہیں،ان دونوں کاحکم علیحدہ مذکور ہے:

"ولا تجزئ مقطوعة الأذن والذنب و لا التی ذهب أکثر أذنها وذنبها. وإن بقی أکثر الأذن والذنب، جاز، اهـ"(۲)۔

علّت بھی صاحبِ ہدایہ نے بیان کردی ہے۔اعضب القرن وہی ہے جس کا سینگ جڑ سے اکھڑ گیا ہو، اس کی قربانی درست نہیں،جیسا کہ حجۃ اللہ البالغۃ میں ہے،پس کوئی تضاد نہیں۔

الحاصل تین چیزیں الگ الگ ہیں:۱-**جماء**:جس کے پیدائشی سینگ نہیں۔۲-**مکسورہ**:جس کا سینگ ٹوٹ گیا ہو۔۳-**اعضب**:جس کا سینگ جڑ سے اکھڑ گیا ہو۔پہلی دو کی قربانی درست ہے،اخیر کی درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۴۰۱/۴/۲ھ۔

= غیره، فإن بلغ الکسر إلی المخ، لم یجز". (ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۲۳، سعید)

"وتجزی الجماء .... و کذا مکسورة القرن .... فإن بلغ الکسر المشاش، لاتجزیه. والمشاش رؤوس العظام مثل الرکبتین والمرفقین". (بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، فصل فی شروط جواز إقامة الواجب: ۶/۳۱۶، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۱) (الهدایة، کتاب الأضحیة: ۴/۴۴۶، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

"ویضحی بالجماء التی لا قرن لها یعنی خلقةً؛ لأن القرن لا یتعلق به مقصود، وکذا مکسورة القرن بل أولی". (البحر الرائق، کتاب الأضحیة: ۸/۳۲۳، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الأضحیة: ۶/۴۷۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الأضحیة: ۴/۱۷۱، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) (مختصر القدوری، کتاب الأضحیة، ص: ۲۵۰، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الهدایة، کتاب الأضحیة: ۴/۴۴۵، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

خنثیٰ بکری کی قربانی

سوال[۸۴۳۸]: خنثیٰ بکری کی قربانی شرعاً درست ہے یانہیں؟ علامت اس کی یہ ہے کہ بکری کی علامت اس کی نہیں ہے اور پیچھے سے اس کو دیکھ کر تو بکری جیسی معلوم ہوتی ہے یعنی جس مقام پر بکری کی فرج ہوتی ہے اس مقام پر اس کی فرج نہیں ہے، جس مقام پر بکرے کے خصیے ہوتے ہیں اس جگہ پر پیشاب کرنے کا مقام ہے۔ بکرے کی علامت بھی اس میں موجود نہیں۔ دو چھوٹے چھوٹے آنچل ہیں (۱)، ان کے درمیان سے مذکورہ بکری پیشاب کرتی ہے یعنی دونوں آنچل کے درمیان میں اس کی فرج ہے اور وہ فرج بکریوں کی سی فرج نہیں، صرف تھوڑی سی علامت ہے۔

فتاویٰ دارالعلوم میں لکھا ہے کہ ''مخنث بکرے کی قربانی درست نہیں اور خصی بکرے کی قربانی درست ہے اور افضل ہے'' (۲)۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ موصوف بکرا مخنث ہے یانہیں؟ اور اس کی قربانی شرعاً درست ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جس بکری میں نر اور مادہ دونوں کی علامتیں موجود نہ ہوں، یا دونوں کی علامت ہو وہ خنثیٰ ہے، اس کی قربانی نہ کی جائے:

"ولا بالخنثیٰ؛ لأن لحمها لا ينضج. شرح وهبانيه". درمختار: ۲۰۷/۵ (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۶/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) ''آنچل: دوپٹے کا پلو، دامن کا کنارہ، پستان، چوچی''۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۲، فیروز سنز لاهور)

(۲) ''یہ راس جس کو لکھا گیا ہے کہ نہ بکرا ہے اور نہ بکری اگر خنثی ہے یعنی بکری جیسی علامتیں بھی اس میں موجود ہیں اور بکرے جیسے بھی تو اس کی قربانی جائز نہیں: "ولا الخنثى؛ لأن لحمها لاينضج، شرح وهبانية". از شامی: ۲۲۵/۵. اور اگر اس سے مراد خصی ہے تو بلاشبہ جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم''۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند یعنی إمداد المفتيين، كتاب الأضحية، عنوان: جو خنثی جانور ہو اس کی قربانی جائز نہیں: ۷۵۰/۲، مکتبه دار العلوم کراچی)

(۳) (الدر المختار، كتاب الأضحية: ۳۲۵/۶، سعيد)

قربانی کے لئے موٹاپا عیب نہیں

سوال[۸۴۳۹]: قربانی کا جانور اپنے موٹاپے کی وجہ سے چل نہ سکتا ہو، یہاں تک کہ مذبح تک بھی نہ جاسکتا ہو تو ایسے جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اتنا موٹا ہوجانا قربانی کے لئے عیب عن الاضحیۃ نہیں (۱)۔فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۹/۹۱ھ۔

دوتھن والی بھینس کی قربانی

سوال[۸۴۴۰]: زید کے پاس ایک بھینس ہے جس کے پیدائشی طور پر دولڑ ہیں (۲) جو عام بھینس کی لڑوں سے کچھ موٹی معلوم ہوتی ہیں جن سے دودھ دوہنے کے وقت دھاریں گرتی ہیں اور عملاً چار لڑوں کا کام کرتی ہیں۔ اور دودھ لڑوں میں چڑھنے کے وقت ایسا نشان ظاہر ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دولڑیں

= "ولا يضحى بالخنثى؛ لأنه لا يمكن إنضاج لحمها". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت)

"لا تجوز التضحية بالشاة الخنثى؛ لأن لحمها لا ينضج". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: ۲۹۹/۵، رشيديه)

(۱) موٹاپا قربانی کے جانور میں مرغوب فیہ وصف ہے اور افضلیت کا سبب ہے، لہٰذا جانور کا زیادہ موٹا ہونا زیادہ مرغوب ہے:

"وكان الأستاذ يقول بأن الشاة العظيمة السمينة تساوي البقرة قيمةً ولحماً أفضل من البقرة؛ لأن جميع الشاة تقع فرضاً بلا خلاف". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۲/۶، سعيد)

"وأما الذي يرجع إلى الأضحية، فالمستحب أن يكون أسمنها وأحسنها وأعظمها؛ لأنها مطية الآخرة، قال عليه الصلاة والسلام: "عظموا ضحاياكم، فإنها على الصراط مطاياكم". ومهما كانت المطية أعظم وأسمن، كانت على الجواز على الصراط أقدر". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، وأما بيان ما يستحب قبل التضحية: ۳۲۶/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "لڑ: لڑی، قطار، صف، پلہ، کنارہ، دامن، گرہ، گانٹھ"۔ (فيروز اللغات، ص: ۱۱۵۳، فيروز سنز، لاهور)

ہیں جو مل کرایک ہوگئی ہیں مگر عام حالات میں ایک ایک معلوم ہوتی ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی بھینس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

بھینس کے اگر دولڑ کسی آفت سے ضائع ہو جائیں، یا پیدائشی دو ہوں تو قربانی درست نہیں:

"وفي الشاة والمعز إذا لم تكن لهما إحدى حلمتيها خلقةً، أو ذهبت بافة و بقيت واحدة، لم تجز. و في الإبل والبقر إن ذهبت واحدة تجوز، وإن ذهبت اثنتان، لا تجوز. كذا في الخلاصة، اهـ". عالمگیری: ۲۹۹/۵(۱)۔

لیکن صورت مسئولہ میں دو سے چار دھاریں نکلتی ہیں اور جثہ بھی بڑا ہے اور درمیان میں نشان بھی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کا جسم آپس میں مل گیا ہے، جیسا کہ بعض آدمی کی دو انگلی مل جاتی ہے درمیان میں فصل نہیں رہتا ہے مگر وہ دو ہی ہوتی ہیں، اس لئے بظاہر یہ چار ہی کے حکم میں ہیں۔ ہمارے ذہن میں صریح جزئیہ تو نہیں، مگر اس سے حکم مستفاد ہوتا ہے:

"والشطور لا تجزئ، و هي من الشاة ما انقطع اللبن عن إحدى ضرعيها. ومن الإبل والبقر ما انقطع اللبن عن ضرعيهما؛ لأن لكل واحد منها أربع أضرع، كذا في التتارخانية. ومن المشايخ من يذكر لهذا الفصل أصلاً و يقول: كل عيب يزيل المنفعة على الكمال أو الجمال على الكمال، يمنع الأضحية، ومالا يكون بهذه الصفة، لايمنع، اهـ". عالمگیری: ۲۹۹/۵(۲)۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان عمل إقامة الواجب: ۲۹۹/۵، رشیدیہ)

(۲) (الفتاویٰ العالمكيرية، المصدر السابق)

نوٹ: سائل کے قول عام حالات میں ایک معلوم ہوتی ہے" سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بھینس کے پستان کے صرف دو سر ہیں، لیکن دودھ نکلنے کے لئے چار سوراخ ہیں۔ اور فقہائے کرام نے ایسی گائے کی قربانی کو ناجائز قرار دیا ہے جس کے پستان کے صرف دو سر ہوں اور فقہاء نے دودھ نکلنے کا اعتبار نہیں کیا۔

"والتي لا ينزلها لبن غير علة، والتي لها ولد، يجوز .... و في الشاة والمعز إذا لم يكن لهما =

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی بھینس کی قربانی درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۲/۱۹ھ۔

موطوءہ جانور کی قربانی

سوال[۸۴۴۱]: ایک نوجوان نے کسی قربانی کے جانور سے زنا کیا، اس صورت میں اس جانور کی قربانی جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قربانی کے جانور سے اگر وطی کر لی ہے اور وہ اپنی مِلک ہے اور یہ صاحب نصاب ہے تو اس کو بھی چاہئے کہ اس کو ذبح کرکے اس کے گوشت کو جلادے، یا زمین میں دفن کردے(۱) اور قربانی کے لئے دوسرا جانور

= أحد حلمتيها خلقةً، أو ذهبت بآفة و بقيت واحدة لم يجز. وفي الإبل و البقر إن ذهبت واحدة يجوز، وإن ذهبت اثنان لايجوز". (خلاصة الفتاوى: ۳۲۱/۴، كتاب الأضحية، الفصل الخامس في العيوب، رشيديه)

(۱) "ثم إن كانت البهيمة ملك الواطي، قيل: إنها تذبح و لا توكل، ولا رواية فيه عن أصحابنا رحمهم الله تعالىٰ، لكن روى محمد رحمه الله تعالىٰ عن سيدنا عمر رضي الله تعالىٰ عنه أنه لم يحدّ واطئ البهيمة، وأمر بالبهيمة حتى أحرقت النار". (بدائع الصنائع، كتاب الحدود، فصل في سبب وجوبها: ۱۸۶/۹، دارالكتب العلمية بيروت)

"وتذبح، ثم يحرق، ويكره الانتفاع بها حيةً وميةً". (الدرالمختار، كتاب الحدود، مطلب في وطء الدابة: ۲۶/۴، سعيد)

"ایسے جانور کا گوشت کھانا مکروہ ہے، لہٰذا اس کی قربانی بھی مکروہ ہوگی، بہتر یہ ہے کہ ایسے جانور کو مالک ذبح کرکے جلادے، تاکہ چرچا ختم ہوجائے، ورنہ جب بھی دیکھیں گے بات یاد آجائے گی"۔(فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الأضحية، عنوان: جس جانور سے بدفعلی کی گئی ہو، اس کی قربانی: ۵۰/۱۰، دا الإشاعت کراچی)

"وتذبح البهيمة وتحرق على وجه الاستحباب ولايحرم أكل لحمها". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، أبحاث الغسل: ۱۵۴/۱، سعيد)

"وتذبح ثم يحرق ويكره الانتفاع بها حيةً وميةً". (الدرمختار مع ردالمحتار، كتاب الحدود، مطلب في وطء الدابة: ۲۱۳/۳)

خرید لے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جس جانور کے سینگ نہ ہو اس کی قربانی

سوال[۸۴۴۲]: یہاں بکری، گائے وغیرہ کے پیدا ہوتے ہی سینگ نکلنے کی جگہ پر کرنٹ لگا دیتے ہیں جس کی وجہ سے سینگ نہیں نکلتے۔ تو ایسے جانوروں کی قربانی درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس جانور کے سینگ نکلتے ہی نہیں (وجہ کچھ بھی ہو) اس کی قربانی درست ہے: "و یضحیٰ بالجمّاء، هی التی لا قرن لها خلقةً، اه". شامی: ۲۰۵/۵(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۶/۸۷ھ۔

سینگ ٹوٹی ہوئی بکری کی قربانی

سوال[۸۴۴۳]: جس بکری کا سینگ ٹوٹ گیا ہو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۳۲۳/۶، سعید)

"ویضحی بالجمّاء التی لا قرن لها خلقةً؛ لأن القرن لا یتعلق به مقصود". (البحر الرائق، کتاب الأضحیة: ۳۲۳/۸، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الأضحیة: ۴۷۹/۶، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الأضحیة: ۱۷۱/۴، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، فصل: فی شروط جواز إقامة الواجب: ۳۱۶/۶، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، الباب الخامس: ۲۹۷/۵، رشیدیه)

الجواب حامداًومصلیاً:

جائز ہے،لیکن اگر جڑ سے ٹوٹ گیا ہوتو جائز نہیں،شامی: ۲۰۵/٦٥(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

سینگ ٹوٹے ہوئے جانور کی قربانی

سوال[۸۴۴۴]: ایک گائے کوقربانی کے لئے خریدا،لیکن اس کے دوسینگ میں سے ایک سینگ ٹوٹ گئی، یہاں تک کہ وہ تہائی سے تھوڑے کم موجود ہیں۔اس کی قربانی درست ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

درست ہے: "ویضحی بالجمّاء هی التی لاقرن لها خلقةً، وکذا العظماء التی ذهب بعض قرنها بالکسر أو غیره، فإن بلغ الکسر إلی المخ، لم یجز، قهستانی. وفی البدائع: إن بلغ الکسر إلی المشاش، لا یجزئ. اهـ". شامی: ۲۸۲/۵(۲)۔واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارن پور،٦/محرم/٦٧ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ،مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارن پور،۸/محرم/٦٧ھ۔

---

(۱) "ویضحی بالجمّاء هی التی لاقرن لها خلقةً، وکذا العظماء التی ذهب بعض قرنها بالکسر أو غیره، فإن بلغ الکسر إلی المخ، لم یجز، قهستانی. وفی البدائع: إن بلغ الکسر إلی المشاش، لا یجزئ. اهـ". (ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۳۲۳/٦، سعید)

"ویضحی بالجمّاء التی لا قرن لها خلقةً؛ لأن القرن لا یتعلق به مقصود، وکذا مکسورة القرن بل أولی". (البحر الرائق، کتاب الأضحیة: ۳۲۳/۸، رشیدیه)

"(وتجوز الجماء) بتشدید المیم، وهی التی لا قرن لها بالخلقة؛ إذ لا یتعلق به المقصود، وکذا مکسورة القرن". (مجمع الأنهر، کتاب الأضحیة: ۱۷۱/۴، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الأضحیة: ۴۷۹/٦، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، الباب الخامس فی بیان محل إقامة الواجب: ۲۹۷/۵، رشیدیه)

(۲) (ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۳۲۳/٦، سعید) .... =

سینگ ٹوٹے ہوئے مینڈھے کی قربانی

سوال[۸۴۴۵]: میں نے ایک مینڈھا خریدا جس کی عمر ایک سال دو ماہ اور دو دانت تھا، وہ بہت فربہ تھا، اس کے ایک انچ لمبے سینگ ہیں، اس نے دیوار میں رگڑ کر قریب آدھ انچ توڑ دیئے ہیں اور نہ سینگ کی گودی ٹوٹی اور نہ خون نکلا۔ اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس بات کی وجہ سے اس کی قربانی میں کوئی نقصان نہیں شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

آدھا سینگ شکستہ ہو تو اس کی قربانی

سوال[۸۴۴۶]: ایک گائے جس کی ایک سینگ ثابت اور دوسری آدھی ٹوٹی ہے۔ کیا یہ گائے قربانی کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایک سینگ آدھا ٹوٹا ہوا ہونے سے اس گائے کی قربانی شرعاً ناجائز نہیں ہوگی:

"ويضحى وبالجمّاء هي التي لاقرن لها خلقةً، وكذا العظماء التي ذهب بعض

= "قال رحمه الله تعالىٰ: "ويضحى بالجمّاء وهي التي لاقرن لها: لأن القرن لايتعلق به مقصود، وكذا مكسورة القرن بل أولىٰ لما قلنا". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۷۹/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۳/۸، رشيايه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب: ۲۹۷/۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۱/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) (راجع للتخريج المسئلة السابقة آنفاً)

قرنها بالكسر أو غيره، فإن بلغ الكسر إلى المخ، لم يجز، اه". شامی: ۲۸۲/۵(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ذیقعدہ/ ۵۸ھ۔

کان چرے ہوئے کی قربانی

سوال[۸۴۴۷]: اگر قربانی کے جانور کے کان تو درست ہوں لیکن کان کو چیر کر دو حصہ کر رکھے ہوں تو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۶/۱/۶۷ھ۔

---

(۱) "ويضحى بالجمّاء هي التي لاقرن لها خلقةً، وكذا العظماء التي ذهب بعض قرنها بالكسر أو غيره، فإن بلغ الكسر إلى المخ، لم يجز، قهستاني. وفي البدائع: إن بلغ الكسر إلى المشاش، لا يجزئ. اهـ". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۳/۶، سعيد)

"ويضحى بالجمّاء التي لا قرن لها خلقةً؛ لأن القرن لا يتعلق به مقصود، وكذا مكسورة القرن بل أولى". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۳/۸، رشيديه)

"(وتجوز الجماء) بتشديد الميم، وهي التي لا قرن لها بالخلقة؛ إذ لا يتعلق به المقصود، وكذا مكسورة القرن". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۱/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۷۹/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب: ۲۹۷/۵، رشيديه)

(۲) "و تجزئ الشرقاء، وهي مشقوقة الأذن طولاً، و ما روى أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نهى أن يضحى بالشرقاء والخرقاء والمقابلة والمدابرة .... فالنهي في الشرقاء والمقابلة والمدابرة =

ذبح کرنے کے لئے گرانے سے عیب پیدا ہو گیا

سوال[۸۴۴۸]: قربانی کے لئے جانور کو زمین پر گرایا گیا جس سے اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی یا آنکھ پھوٹ گئی، غرض ایسا عیب پیدا ہو گیا کہ قربانی درست نہیں رہی۔ تو اب اس جانور کو کیا جائے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس کی قربانی کردی جائے، قربانی کے لئے گرانے سے اگر ایسا عیب پیدا ہو جائے تو اس سے قربانی میں خرابی نہیں آتی، شامی: ۲۰۷/۵ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

قربانی سے پہلے جانور بیمار ہو گیا

سوال[۸۴۴۹]: زید نے ایک بکرا خریدا بنیتِ قربانی- زید صاحب نصاب ہے- لیکن چندروز کے بعد بکرا بیمار ہو گیا۔ اس بکرے کو فروخت کر کے قیمت کے داموں سے، یا اپنے دوسروں داموں سے دوسرا بکرا خرید کر کے قربانی کرسکتا ہے یا نہیں؟

= محمول على الندب، و في الخرقاء على الكثير". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، شرائط جواز إقامة الواجب: ۳۱۶/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

"قال الكرماني: وتجوز الشرقاء و هي مشقوقة الأذن طولاً، وكذا المقابلة وهي التي شقّت أذنها من قِبَل وجهها وهي متدلية، وكذا المدابرة". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۸۰/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۴/۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: ۲۹۸/۵، رشيديه)

(۱) "ولايضرّ تعيبها من اضطرابها عند الذبح". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۵/۶، سعيد)

"ولا يضرّ تعيبها من اضطرابها عند الذبح. وفي الهداية: وأضجعها فاضطربت فانكسر رجلها، فذبحها، أجزأ استحساناً". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۳/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۴/۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۸۳/۶، دارالكتب العلمية بيروت) .... =

الجواب حامداًومصلياً:

زید کے ذمہ دوسرا بکرا قربانی کرنا ضروری ہے، خواہ اسی قیمت سے خریدے یا دوسری قیمت سے، بشرطیکہ اس پہلے خریدے ہوئے بکرے میں ایسی بیماری پیدا ہوگئی ہو، یا ایسا کوئی عیب پیدا ہوگیا ہو جس کی وجہ سے اس کی قربانی درست نہ رہی ہو۔ اور اگر ایسی بیماری نہیں بلکہ معمولی کوئی تکلیف ہے کہ جس کی وجہ سے اس کی قربانی ممنوع نہیں تو اس کے ذمہ دوسرا بکرا خریدنا واجب نہیں، پہلے ہی بکرے کی قربانی کافی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قربانی کے لئے بکرا خریدا، وہ بیمار ہوگیا اب کیا کرے؟

سوال[۸۴۵۰]: ۱...... ایک صاحب کا بکرا قربانی کا ہے اور یہ مہینہ ذی قعدہ کا ہے، وہ بکرا بیمار ہوگیا، اس کے زندہ رہنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ صاحب نصاب کا خیال ہے کہ اس بیمار بکرے کو ذبح کرے، جو قیمت وصول ہو وہ اور زائد رقم اپنے پاس سے ملا کر دوسرا بکرا خرید کر قربانی کرلیں۔ ایسی صورت میں صاحب نصاب کے لئے کیا حکم ہے؟

نذرِ قربانی کا بکرا بیمار ہوجائے تو کیا ذبح کرنے سے نذر قبول ہوگی؟

سوال[۸۴۵۱]: ۲...... ایک صاحب فرماتے ہیں کہ قربانی کی نذر مانا ہوا بکرا بیمار ہو کر مرنے کے قابل ہوگیا ہو، ایسی صورت میں ذبح کر کے تقسیم کردیا جائے۔ تو کیا وہ نذر قبول ہوجائے گی؟

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ٢٩٩/٥، كتاب الأضحية، الباب الخامس، رشيديه)

(۱) "ولو اشتراها سليمةً، ثم تعيب بعيب مانع من التضحية، كان عليه أن يقيم غيره مقامها إن كان غنياً. وإن كان فقيراً، يجزءه ذلك". (تبيين الحقائق، كتاب الأصحية: ٤٨٢/٦، دارالكتب العلمية بيروت)

"ولو اشترى سليمةً، ثم تعيّبت بعيبٍ مانع -كما مرّ- فعليه إقامة غيرها مقامها إن كان غنياً".

(الدرالمختار، كتاب الأضحية: ٣٢٥/٦، سعيد)

(وكذا في اللباب في شرح الكتاب، كتاب الأضحية: ١٠٠/٣)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ٢٩٩/٥، كتاب الأضحية، الباب الخامس، رشيديه)

قربانی کا جانور بیمار ہوگیا نمازِ عید سے پہلے اس کی قربانی

سوال[۸۴۵۲]: ۳...... ایک صاحب فرماتے ہیں کہ دسویں ذی الحجہ کو نمازِ عید سے پہلے پہلے قربانی کا بکرا دفعۃً بیمار ہوگیا کہ زندہ رہنے کی کوئی صورت نہیں کہ نمازِ عید سے پہلے ذبح کردیا تو قربانی میں شمار نہ ہوگا، صاحب نصاب کو دوسرا بکرا خریدنا لازم ہوگا۔ فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

۱...... اس بکرے والے کی رائے بہت مناسب ہے(۱)۔

۲...... اگر بکرا متعین کرکے اس کی قربانی کی نذر کی ہے اور وہ وقتِ قربانی آنے سے پہلے موت کے قریب ہوگیا تو اس کو ذبح کرکے صدقہ کردیا جائے، انشاء اللہ نذر قبول ہوجائے گی، لیکن صاحبِ نصاب ہونے کی وجہ سے جو قربانی واجب ہوگی وہ اس سے ادا نہ ہوگی (۲)۔

---

(۱) "إذا ماتت المشتراة للتضحية على موسر، تجب مكانها أخرى، ولا شئ على الفقير". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۳/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الأضحية: ۳۲۵/۶، سعيد)

"لأن الموسر تجب عليه الأضحية في ذمته، وإنما أقام ما اشترى لها مقام مافي الذمة، فإذا نقصت لاتصلح أن تقام مقام ما في الذمة، فبقي ما في ذمته بحاله، وأما الفقير فلا أضحية في ذمته". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في شروط جواز إقامة الواجب: ۳۱۶/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الأضحية: ۵۱۶/۹، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "وعلى هذا الأصل إذا ماتت المشتراة للتضحية، على الموسر مكانها أخرى، ولا شيء على الفقير". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۸۲/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

"إن المنذورة لو هلكت أو ضاعت، تسقط التضحية بسبب النذر، غير أنه إن كان موسراً، تلزمه أخرى بإيجاب الشرع ابتداءً لا بالنذر. ولو معسراً، لا شيء عليه أصلاً". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۵/۶، سعيد) .... =

۳......جی ہاں! اس طرح صاحبِ نصاب کی طرف سے قربانی واجب ادانہیں ہوگی، بعد نمازِ عید اس کو قربانی کرنا لازم ہے، خواہ مستقل جانور خرید کر قربانی کرے، خواہ کسی بڑے جانور میں حصہ لے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۴/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۴/ ۸۵ھ۔

قربانی کا جانور بیمار ہوگیا

سوال[۸۴۵۳]: ایک بکرا زید نے قربانی کی نیت سے خریدا، زید صاحب نصاب ہے، لیکن چند روز کے بعد بکرا بیمار ہوگیا، اس بکرے کو فروخت کردیا ذبح کر کے۔ اب زید بکرے کی قیمت کے داموں سے دوسرا بکرا خرید کرے، یا وہ قیمت اپنے کام میں خرچ کر کے دوسرا بکرا اپنے پاس سے خرید سکتا ہے یا نہیں؟

= **نوٹ:** نذرِ قربانی کے جانور کو ایامِ قربانی سے قبل صرف اس صورت میں ذبح کرنا جائز ہے، جس میں اگر ذبح نہ کیا جائے تو وہ ضائع ہوجائے گا، کیونکہ منذورہ جانور کو قربانی کے ایام میں (ذی الحجہ کی دس تاریخ سے بارہ تک) ہی ذبح کرنا ضروری ہے:

"وإنما تعين المكان في نذر الهدي، والزمان في نذر الأضحية؛ لأن كلاً منهما اسم خاص معين". (ردالمحتار: ۷۴۱/۳، سعيد)

(۱) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم النحر: "من كان ذبح قبل الصلوة، فليعد". (سنن النسائي: ۲۰۵/۲، كتاب الضحايا، ذبح الضحية قبل الإمام، قديمي)

"حدثنا آدم قال: حدثنا شعبة قال: حدثنا الأسود بن قيس: سمعت جندب بن سفيان البجلي رضي الله تعالىٰ عنه قال: شهدت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم النحر فقال: "من ذبح قبل الصلوة، فليعد مكانها أخرى، ومن لم يذبح فليذبح". (صحيح البخاري: ۸۳۴/۲، باب من ذبح قبل الصلوة، قديمي)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب ابتداء وقت التضحية في حق أهل الأمصار: ۲۲۹/۱۷، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۶۹/۴، مكتبه غفاريه)

الجواب حامداًومصلیاً:

زید کے ذمہ دوسرا بکرا قربانی کرنا ضروری ہے (خواہ اس قیمت سے خریدے یا دوسری قیمت سے) بشرطیکہ اس سے پہلے خریدے ہوئے بکرے میں ایسی بیماری پیدا ہوگئی، یا کوئی اَور ایسا عیب ہوگیا کہ جس کی وجہ سے اس کی قربانی درست نہیں رہی اور اگر ایسی بیماری نہیں، بلکہ معمولی کوئی تکلیف ہے کہ جس کی وجہ سے اس کی قربانی ممنوع ہوئی تو اس کے ذمہ دوسرا بکرا خریدنا واجب نہیں، پہلے ہی بکرے کی قربانی کافی ہے:

”ولو اشترى رجل أضحيةً، وهي سمينة، فعجفت عنده حتى صارت بحيث لو اشتراها كهذه الحالة، لم تجزه إن كان موسراً، وإن كان معسراً أجزأه. ولو اشترىٰ أضحيةً هي صحيحة العينين، ثم اعورّت عنده و هو موسر، أوقطعت أذنها كلها أو أليتها أو ذنبها، أو انكسرت رجلها، فلم تستطع أن تمشي، لاتجزئ عنه، وعليه مكانها أخرى بخلاف الفقراء، اهـ“.

هنديه: ۲/ ۲۵۵ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ ہذا، ۲۸/۴/۵۷ھ۔

غلاظت کھانے والی بھیڑ کی قربانی

سوال[۸۴۵۴]: زید نے قربانی کے لئے ایک بھیڑ خریدی مگر وہ غلاظت کھاتی ہے۔اس کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان إقامة الواجب: ۵/ ۲۹۹، رشيديه)

”ولو اشتراها سليمةً، ثم تعيب بعيب مانع من التضحية، كان عليه أن يقيم غيره مقامها إن كان غنياً، وإن كان فقيراً يجزأه ذلك“. (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/ ۴۸۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۶/ ۳۲۵، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/ ۱۷۱، ۱۷۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

الجواب حامداًومصلیاً:

چند روز تک اس کو باندھ کر رکھا جائے اور پتے کھلائے جائیں پھر اس کی قربانی کر لی جائے، عالمگیری: ۹۸/۶(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

حرام غذا والے جانور کی قربانی

سوال[۸۴۵۵]: ایک شخص نے ایک گائے مالِ حرام سے پال رکھی ہے یعنی رات کو چوری سے لوگوں کے کھیتوں میں چھوڑ آتا ہے، جب اس کا پیٹ بھر جاتا ہے تو وہ آ جاتی ہے، یا اس کو لے آتا ہے، اسی طرح سال بھر پالتا ہے۔ایسی گائے کو قربانی میں ذبح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں نے اس گائے میں قربانی کے لئے حصے رکھے تھے، جب ان کو اس قسم کا شبہ پیدا ہوتو انہوں نے اپنے حصے چھوڑ دیئے اور بعض دیگر قربانی کنندہ گان ان حصصِ متروکہ میں شریک ہوگئے۔ان کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس شخص کا یہ فعل حرام ہے کہ وہ اپنی گائے دوسرے کے کھیت میں بلا اجازت چھوڑتا ہے، لیکن اس سے وہ گائے حرام نہیں ہوتی، اس کی قربانی درست ہے(۲)۔جن لوگوں نے حصص لیکر چھوڑ دیئے، اگر وہ غنی ہیں، ان

---

(۱) "ولا تجوز الجلالة .... فإن كانت الجلالة إبلاً تمسك أربعين يوماً حتى يطيب لحمها، والبقر يمسک عشرين يوماً، والغنم عشرة أيام". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: ۲۹۸/۵، رشيديه)

"ولا الجلالة التى تأكل العذرة و لا تأكل غيرها". (الدرالمختار). "(قوله: ولا الجلالة): أى قبل الحبس". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۵/۶، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۸۲/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "روى أن جدياً غذى بلبن الخنزير ؛لا بأس بأكله؛ لأن لحمه لا يتغير. وما غذّى به، يصير مستهلكاً لايبقى له أثر". (فتاوى قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصيد والذبائح: ۳۵۹/۳، رشيديه) .... =

پرقربانی واجب ہے تب تو دوسری گائے میں حصہ لیکر قربانی کرنے سے واجب ادا ہوگیا(۱)۔اگر وہ غنی نہیں اوران پرقربانی واجب نہیں، بلکہ ایامِ نحر میں نفلی قربانی کے لئے حصے لئے تھے تو ان کو ان حصوں کا چھوڑنا درست نہیں، بلکہ ان کے ذمہ واجب تھا کہ انہیں حصوں کی قربانی کرتے (۲)۔

تاہم اگر چھوڑ کر دوسرے حصے لئے اوران متروکہ حصوں کو دوسرے لوگوں نے خرید لیا تو ان دوسروں کوقربانی درست ہوگئی۔ اور ان چھوڑنے والوں کے ذمہ واجب ہے کہ ان متروکہ حصوں کی قیمت کو خیرات کردیں (۳)۔

یہ سب تفصیل اس وقت ہے کہ وہ گائے اس کی مملوک ہو،صرف اس کی غذا حرام ہو۔اگر وہ گائے چوری کی ہے،اس کی ملک نہیں تو اس کی قربانی کرنا اوراس میں حصہ لینا شرعاً ہرگز درست نہیں (۴)۔ جو شخص مقتدا ہو اس کوایسی گائے میں حصہ لینے سے احتیاط چاہئے جس کو مالِ غیر سے ناجائز طریق پرغذا دی گئی ہو۔

جس قدر دوسروں کا کھیت اس نے اپنی گائے کوکھلایا ہےاس کا ضمان اس کے ذمہ واجب الأ دا ہےاور ایسی حالت مین وہ مال غیر نہ رہے گا، بلکہ ادائے بدل کی وجہ سے حکماً اس کی ملک ثابت ہوجائے گی جیسا کہ عام

= "ولو سقى ما يؤكل لحمه خمراً، فذبح من ساعته، حل أكله ويكره". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة: ۳۴۱/۶، سعيد)

(۱) "لأن الوجوب على الغني بالشرع ابتداءً لا بالشراء، فلم يتعين بالشراء". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۸۲/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وفي ظاهر الرواية يتعين للأضحية بالشراء؛ لأن الشراء من الفقير بنية الأضحية بمنزلة النذر عرفاً و عادةً". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۸۳/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "رجل اشترى شاةً للأضحية وأوجبها بلسانه، ثم اشترى أخرى، جاز له بيع الأولى في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ. وإن كانت الثانية شراً من الأولى و ذبح الثانية، فإنه يتصدق بفضل ما بين القيمتين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الثاني في وجوب الأضحية بالنذر: ۲۹۴/۵، رشيديه)

(۴) "غصب شاة إنسان، فضحى بها عن نفسه، لم يجز، لعدم الملك". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۸۸/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

غصوب کا حکم ہے:

"رجل أرسل حماره، فدخل زرع إنسان وأفسده، إن أرسله وساقه إلى الزرع بأن كان خلفه كان ضامناً، اهـ". فتاوى هنديه: ٦/٥٦(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ ہذا، ۴/ ربیع الاول/ ۵۹ھ۔

سور کے دودھ سے پلے ہوئے بکری کے بچہ کی قربانی

سوال[۸۴۵۶]: ایک بھنگی نے بکری کے بچہ کو سور کا دودھ پلا کر پرورش کیا، اب وہ بچہ بڑا ہو گیا اور پتے کھاتا ہے، زید نے اس کو خرید لیا ہے زید، اس کی قربانی کرنا چاہتا ہے۔ تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی قربانی درست ہے، جو دودھ اس نے پیا تھا اتنی مدت تک پتے کھانے سے اس کا اثر ختم ہو گیا، عالمگیری: ٦/٩٨(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(١) (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثانی عشر فی جنایة البهائم والجنایة علیها: ٦/٥٢، رشیدیه)

(٢) "كما حل أكل جدي غذّي بلبن خنزير؛ لأن لحمه لا يتغير. وما غذي به، يصير مستهلكاً لا يبقى له أثر". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة: ٦/٣٤١، سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ البزازية علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصيد، الرابع فی السمک مايؤكل ومالايؤكل والجلالة: ٦/٣٠٢، رشيديه)

(وكذا فی فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصيد، الرابع فی السمک مايؤكل ومالايؤكل والجلالة: ٣/٣٥٩، رشيديه)

"ولا تجوز الجلالة .... فإن كانت الجلالة إبلاً تمسک أربعين يوماً حتى يطيب لحمها، والبقر يمسک عشرين يوماً، والغنم عشرة أيام". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: ٥/٢٩٨، رشيديه)

بکری کے جس بچہ نے کتیا کا دودھ پیا اس کی قربانی

سوال[۸۴۵۷] : ایک بکری کے بچہ نے متعدد مرتبہ کتیا کا دودھ پی لیا ہے تو اس کی قربانی کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

درمختار میں لکھا ہے کہ کتیا کا دودھ پینے کی وجہ سے اس بکرے کی قربانی ناجائز نہیں ہے، بلکہ جائز ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲/۳/۸۸ھ۔

جس بکری کے بچہ کو عورت نے دودھ پلایا ہو اس کی قربانی

سوال[۸۴۵۸] :ایک عورت نے بکری کے بچہ کو اپنا دودھ پلایا، اب اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ بچہ سال بھر کا ہو گیا تو اس کی قربانی جائز ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۱/۱/۹۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وتحبس الجلالة حتى يذهب نتن لحمها .... ولو أكلت النجاسة وغيرها بحيث لم ينتن لحمها، حلت، كما حل أكل جدي غذي بلبن خنزير؛ لأن لحمه لايتغير، وماغذي بلبن خنزير؛ لأن لحمه لايتغير، وماغذي به يصير مستهلكاً لايبقى له أثر". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۴۰، ۳۴۱، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصيد والذبائح: ۳/۳۵۹،رشيديه)

(۲) (تقدم تخريجه تحت المسئلة المتقدمة آنفاً)

باب الشرکة فی الأضحیة

(قربانی میں شرکت کا بیان)

کیا اونٹ میں دس حصے ہو سکتے ہیں؟

سوال[۸۴۵۹]: ''ایک اونٹ میں دس شریک ہو سکتے ہیں''۔نسائی(۱)۔نسائی کی حدیث کا مطلب کیا ہے؟ کیا ایک اونٹ میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں جب کہ ہم نے سنا یہی ہے کہ اونٹ میں صرف سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ روایت بعض اصحابِ ظواہر کی مستدل ہے، ائمۂ اربعہ میں سے یہ کسی کا مذہب نہیں، بلکہ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اونٹ میں بھی بس سات ہی شریک ہو سکتے ہیں، زیادہ نہیں۔امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے متعدد روایات نقل کر کے لکھا ہے:

"وأما وجه ذلك من طريق النظر، فأما تقدير اتباعهم قد أجمعوا أن البقرة لا تجزئ في الأضحية عن الأكثر من سبعة، و هي من البدن باتفاقهم، فالنظر على ذلك أن تكون الناقة مثلها، و لا تجزئ عن أكثر من سبعة، اه". طحاوی: ۲/۱ ۳۰ (۲)۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما قال: كنّا مع رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم في سفر، فحضر النحر، فاشتركنا في البعير عن عشرة، والبقرة عن سبعة". (سنن النسائي، كتاب الضحايا، باب ماتجزئ عنه البدنة في الضحايا: ۲/۲۰۴، قديمي)

(۲) (شرح معاني الآثار للطحاوي رحمه الله تعالیٰ: ۲/۳۳۰، باب البدنة عن كم تجزئ في الضحايا والهدايا، سعيد)

"عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه عن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم، أنه قال: "الجزور عن سبعة". =

آگے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ اونٹ کی قیمت زیادہ ہوتی ہے اور گائے کی کم۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بکرا، اونٹ گائے، میں شرکت کی تفصیل

سوال[۸۴۶۰]: ایک بکرا یا بھیڑ وغیرہ ایک گھر کی طرف سے کافی ہے اگر چہ ان کی تعداد زیادہ ہو، أبو داود (۱)۔

الجواب حامداًومصلیاً:

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ نقل کیا جاتا ہے کہ ایک بدنہ (بعیر یا بکرا) کی قربانی اہلِ بیتِ واحد سے کافی ہے اگر چہ وہ سات سے زیادہ ہوں اور اہل بیتین سے کافی نہیں اگر چہ وہ سات سے کم ہوں:

"ولا يجوز بعيرٌ واحدٌ ولا بقرةٌ واحدةٌ عن أكثر من سبعة، ويجوز ذلك عن سبعة أو أقل من ذلك، وهذا قول عامة العلماء .... لِمَا رُوى عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "البدنة تجزئ عن سبعة، والبقر تجزئ عن سبعة".

"وعن جابر رضى الله تعالىٰ عنه قال: "نحرنا مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم البدنة عن سبعة، والبقرة عن سبعة من غير فصل بين أهل بيت، وبيتين".

ولأن القياس يأتى جواز ها عن أكثر من واحد، لِمَا ذكرنا أن القربة فى الذبح، وأنه فعل

= (شرح معانى الآثار للطحاوى رحمه الله تعالىٰ: ۲/ ۳۳۰، سعيد)

"عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "البقرة عن سبعة، والجزور عن سبعة". (مشكوة المصابيح، باب فى الأضحية، الفصل الأول: ۱/ ۱۲۷، قديمى)

(وكذا فى بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل فى محل إقامة الواجب: ۶/ ۳۰۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى إعلاء السنن: ۱۷/ ۲۰۶، بابٌ: ان البدنة عن سبعة ، إدارة القرآن كراچى)

(۱) لم أجد فيه

واحد لا يتجزأ، لكن تركنا القياس بالخبر المقتضى للجواز عن سبعة مطلقاً، فعمل بالقياس فيما وراءه؛ لأن البقرة بمنزلة سبع شياه. ثم جازت التضحية بسبع شياه عن سبعة، سواء كانوا من أهل بيت أو بيتين، فكذا البقرة.

ومنهم من فصّل البقرة بين البعير فقال: البقرة لا تجوز عن أكثر من سبعة، فأما البعير فإنه يجوز عن عشرة. ورووا عن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم أنه قال: "البدنة تجزئ عن عشرة". و نوع من القياس يؤيده، وهو أن الإبل أكثر قيمةً من البقر، ولهذا فضلت الإبل علیٰ البقر فی باب الزكوة والديات، فتفضل فی الأضحية أيضاً، اھ"۔

آگے اس حدیث اور قیاس دونوں کا جواب دیتے ہیں:

"ولنا أن الأخبار إذا اختلفت فی الظاهر، يجب الأخذ بالاحتياط، وذلك فيما قلنا؛ لأن جوازه عن سبعة ثابت بالاتفاق، و فی الزيادة اختلاف، فكان الأخذ بالمتفق عليه أخذاً بالمتيقن. وأما ما ذكروا من القياس، فقد ذكرنا أن الاشتراك فی هذا الباب معدول به عن القياس، واستعمال القياس فيما هو معدول به عن القياس ليس من الفقه، اھ". بدائع: ۵/۷۱(۱)۔

قیاس کا یہ جواب اور ہے امام طحاوی نے دیا ہے۔ اصل روایت یہ ہے:

"عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: كنا مع النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم فی سفر، فحضر الأضحیٰ، فاشتركنا فی البقرة سبعةً، و فی الجزور عشرةً". انتهیٰ. قال الترمذی: "حديث حسن غريب. اھ"(۲)۔

بیہقی نے اس کا جواب دیا ہے:

"قال البيهقی فی المعرفة: وحديث زهير عن جابر فی اشتراكهم، وهم مع النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم خرج يريد زيارة البيت، وساق معه الهدی سبعين بدنةً عن سبعمأة رجل،

---

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل فی محل إقامة الواجب: ۳۰۴/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (نصب الراية فی تخريج أحاديث الهداية، كتاب الأضحية، الحديث الثالث: ۵۰۰/۴، مكتبه حقانيه پشاور)

كل بدنة عن عشرة. قال البيهقي: وقد رواه المعمر وسفيان بن عيينة عن الزهري بهذا الإسناد: أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خرج عام الحديبية في بضع عشرة مأة. وعلى ذلك يدل رواية جابر وسلمة بن الأكوع ومعقل بن يسار والبراء بن عازب "كل سبعة بقرة". انتهى۔

وقال الواقدي في المغازي: رواية من رووا: "البدنة عن سبعة" أثبتُ من الذين رووا "عن عشرة" وأن الهدى كان يومئذ سبعين بدنةً، والقوم كانوا ستة عشرة مأة. اهـ". نصب الراية: ٤/٢٠٩(١)۔

التعليق الممجد، ص: ٢١٧ میں عینی اور ابن حجر سے اس روایت کے متعلق نقل کیا ہے:

"محمول على اشتراك في القيمة لا في التضحية، على أن البيهقي قال: حديث جابر في اشتراكهم في الجزور سبعةً أصح، اه"(٢)۔

نیز یہ روایت ابوداؤد میں مجھے نہیں ملی، مؤطا امام مالک میں ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

"كنا نضحي بالشاة الواحدة، يذبحها الرجل عنه و عن أهل بيته، ثم تباهى الناس بعد، فصارت مباهاةً، اهـ"(٣)۔

شاہ ولی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ مصفیٰ: ١/١٨٠، میں فرماتے ہیں:

"وحنفيه در صاحبِ بيت و غير آن تفصيل نكرده اند و تاويلِ حديث نزدِ ايشان آنست كه اضحيه واجب نيست مگر بر غني، ودر آن زمانه غالباً اغنياء اهل بيوت بودند، پس نسبتِ اضحيه بنام اهلِ بيت مجاز است، بنا بر آنكه انتفاع باضحيه ومساعدت بر آن از آنها است، اهـ"(۴).

---

(١) (نصب الراية، كتاب الأضحية، الحديث الثالث: ۴/۵۰۰، حقانيه پشاور)

(٢) (التعليق الممجد على موطأ الإمام محمدؒ، كتاب الضحايا، باب مايجزئ من الضحايا عن أكثر من واحد، ص: ٢٨٣، نور محمد كارخانه)

(٣) (مؤطا الإمام مالك، كتاب الضحايا، باب الشركة في الضحايا، ص: ٤٩٧، مير محمد كارخانه)

(۴) (مصفّى، باب التضحية سنة كفاية لكل أهل بيت، ص: ١٨٣، كتب خانه رحيميه سنهرى مسجد دهلى)

ایسا ہی مسویٰ میں ہے:

"وتأويل الحديث عندهم أن الأضحية لا تجب إلا على غنيّ، ولم يكن الغنى في ذلك الزمان غالباً إلا صاحب البيت، ونسبت إلى أهل بيته على معنى أنهم يساعدونه في التضحية ويأكلون لحمها و ينتفعون بها، اهـ"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

جانور خرید کر چھ حصہ دار شریک کرنا

سوال[۸۴۶۱]: زید نے قربانی کے لئے ایسا جانور خریدا جس میں سات حصے ہو سکتے ہیں اور اس کو صرف ایک حصہ قربانی کرنا ہے۔ تو کیا اب چھ آدمیوں کو اس میں شریک کر سکتا ہے، یعنی چھ حصے فروخت کر کے قیمت وصول کر لے اس سے قربانی ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا کرنے سے بھی قربانی ادا ہو جائے گی، لیکن بہتر یہ ہے کہ جانور خریدنے سے پہلے چھ شریک اَور تلاش کر لے، جب ساتوں شریک ہو جائیں تب جانور خریدے، مجمع الأنہر: ۲/۵۱۸ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (مصفّٰی، باب التضحية سنة كفاية لكل أهل بيت، ص: ۱۸۳، كتب خانه رحيميه سنهری مسجد دهلی)

(۲) "وإذا اشترى بدنةً للأضحية، ثم اشرك فيها ستةً، جاز استحساناً. والاشتراك قبل الشراء أحب". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/۱۶۹، المكتبة الغفاريه)

"اشترى بقرةً لها، ثم أشرك ستاً، جاز استحساناً إن أصاب كلاً سبعٌ تام. وإن أصاب أحدهم أقل من سبع، لا يصحّ". (الفتاوىٰ البزازية على الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الرابع فيما يجوز من الأضحية: ۶/۲۹۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في شروط جواز إقامة الواجب: ۶/۳۰۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۷۶، دارالكتب العلمية بيروت) .... =

قربانی کے لئے جانور خرید کر اس میں دوسروں کو شریک کرنا

سوال[۸۴۶۲]: ایک شخص نے ایک جانور بنیتِ قربانی خریدا، اس کو چارہ وغیرہ کھلایا جس سے وہ فربہ ہوگیا، پھر اس کو زیادہ قیمت میں فروخت کر دیا اور ایک حصہ اپنی قربانی کا اس میں رکھا۔ تو ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

جب اس نے وہ جانور خریدا تھا، اگر اسی وقت اس کی نیت تھی کہ اس کے چھ حصے فروخت کر کے دوسروں کو شریک بنا کر ایک حصہ اپنا رکھ کر قربانی کروں گا تو اس کو ایسا کرنے کی گنجائش ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱۱/۸۹ھ۔

جانور خریدنے سے پہلے شرکاء کی تعیین ہو یا بعد میں؟

سوال[۸۴۶۳]: بھینس یا بھینسا یا اونٹ خریدنے سے قبل سات آدمیوں کی شرکت کرنا اور سب سے پہلے ہی روپیہ لے لینا ضروری ہے، یا ایک شخص خریدے اور پھر حصہ دار تلاش کرے، یا چار پانچ حصہ دار شریک ہوں اور خریدنے کے بعد دو تین شریک تلاش کر لئے جائیں، شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

سب طرح درست ہے(۲)، لیکن ساتوں شریک ہونے سے پہلے اگر خریدے تو غریب آدمی قربانی

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ٣١٩/٨، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الأضحية: ٣١٧/٦، سعيد)

(۱) نوٹ: اگر اسی وقت دوسروں کو شریک کرنے کی نیت نہیں تھی تب بھی دوسروں کو شریک کرنے کی گنجائش ہے۔ (كما تقدم تخريجه تحت المسئلة المتقدمة آنفاً)

(۲) "(وصح اشتراک ستة في بدنة شريت لأضحية): أي إن نوى وقت الشراء الاشتراک، صح استحساناً، وإلا لا (استحساناً. وذا): أي الاشتراک (قبل الشراء أحب .... الخ)". (الدرالمختار).

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: في بدنة شريت لأضحية): أي ليضحي بها عن نفسه، =

کی نیت سے نہ خریدے، بلکہ تجارت کی نیت سے خریدے، جب ساتوں شریک پورے ہوجائیں، تب قربانی کی نیت کرلیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قربانی میں شریک کے انتقال سے اس کا حصہ دوسرا آدمی خرید سکتا ہے یا نہیں؟

سوال [۸۴۶۴]: ایک شخص قربانی کی گائے میں شریک تھا اور اس پر قربانی ازروئے شریعت واجب تھی، لیکن وہ شخص جانور کے ذبح سے پہلے مرگیا۔ تو اس کے بارے میں یہ دریافت کرنا ہے کہ اس مرنے والے کی جگہ اگر کوئی شخص جس کا ارادہ قربانی کا ہو وہ اپنا حصہ لینا چاہتا ہے تو کیا اس کو شریک کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

کرسکتے ہیں، اس کے ورثہ سے وہ حصہ خرید لے اور شریک ہوجائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

= هداية وغيرها. وهذا محمول على الغني؛ لأنها لم تتعين لوجوب التضحية بها، ومع ذلك يكره لما فيه من خلف الوعد .... فأما الفقير، فلا يجوز له أن يشرك فيها؛ لأنه أوجبها على نفسه بالشراء للأضحية، فتعينت للوجوب ...... وفي الهداية: والأحسن أن يفعل ذلك قبل الشراء ليكون أبعد عن الخلاف وعن صورة الرجوع في القربة، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۱۷، سعيد)

(۱) غریب آدمی جب قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید لیتا ہے تو اس کے خریدنے سے وہ جانور قربانی کیلئے متعین ہوجاتا ہے، اس لئے اس میں کسی کو شریک کرنا درست نہیں:

"وفقيرٌ شراها لها، لوجوبها عليه بذلك، حتى يمتنع عليه بيعها". (الدرالمختار). قال العلامة الشامي رحمه الله تعالىٰ: "أي بالشراء، وهذا ظاهر الرواية؛ لأن شراءه لها يجري مجرى الإيجاب، وهو النذر بالتضحية عرفاً". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۱، سعيد)

"وفي ظاهر الرواية يتعين للأضحية بالشراء؛ لأن الشراء من الفقير بنية الأضحية بمنزلة النذر عرفاً وعادةً". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۸۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "رجل اشترى أضحيةً وأوجبها على نفسه بلسانه، ثم مات قبل أن يضحي بها، كان ميراثاً عنه في =

ایک شریک کے مرنے پراس کے حصہ کی قربانی کا حکم

سوال[۸۴۶۵]: سات شریکوں میں سے ایک کا انتقال ہوگیا اس کے ورثہ اگر اجازت دیں تو اس میت کی طرف سے قربانی درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

درست ہوگی بشرطیکہ ورثہ بالغ ہوں، مجمع الأنھر: ۲/۵۲۱(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

فقیر شریک کا قربانی ذبح سے پہلے مرجانا

سوال[۸۴۶۶]: اگر ایسا شخص کہ جس کے ذمہ پر قربانی واجب نہ تھی، گائے کی قربانی میں شریک تھا، اگر وہ ذبح سے پہلے مرجائے اور کوئی شخص اپنا حصہ کرلے تو اس کو شریک کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کرسکتے ہیں، اس کے ورثہ سے وہ حصہ خرید لے اور شریک ہوجائے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱/۶۷ھ۔

= قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل في صفة الأضحية ووقت ووجوبها ومن تجب عليها: ۳/۳۴۷، رشيديه)

(۱) "وإن مات أحد السبعة الذين شاركوا في البدنة، وقال ورثته و هم كبار: اذبحوها: أى البدنة عنكم و عنه: أى عن الميت، صح". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/۱۷۳، مكتبة غفاريه كوئٹه)

"وإن مات أحد السبعة وقال الورثة: اذبحوها عنه وعنكم، صحّ عن الكل استحساناً". (الدر المختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وقال الورثة: أى الكبار منهم". (ردالمحتار: ۶/۳۲۶، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۸۴،دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۸/۳۲۶، رشيديه)

(۲) "رجل اشترى أضحيةً وأوجبها على نفسه بلسانه، ثم مات قبل أن يضحي بها، كان ميراثاً عنه في =

قربانی میں شرکت کی اجازت دیکر پھر انکار کرنا

سوال[۸۴۶۷]: ایک شخص نے دوسرے گاؤں میں اگر کسی شخص کو کہا کہ میرا بقرعید کی قربانی کی بھینس میں حصہ لے لینا یعنی شامل کر لینا اور روپیہ کوئی نہیں دیا اور اس شخص نے اس کا حصہ شامل کر لیا اور جب قربانی ہو چکی اور اس شخص کے پاس گوشت پہنچانے کی کوشش کی اور اسی وقت اس شخص نے انکار کر دیا کہ میں حصہ نہیں لیتا، جس شخص نے حصہ شامل کیا تھا اس نے گوشت کھایا یعنی اس کے انکار کرنے سے گوشت کھایا، یعنی وہ حصہ کس کا ہوگا اور وہ روپیہ کون دے گا؟ آیا قربانی درست ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس نے قیمت وغیرہ کی اجازت دیدی تھی کہ میری طرف سے اتنی قیمت تک اختیار ہے خواہ صاف لفظوں میں اجازت دی ہو خواہ اس کے حالات یا طرز عمل سے دوسرے نے سمجھ لیا ہو کہ اس کی طرف سے یہاں تک کی اجازت ہے تو وہ حصہ اس کہنے والے کا ہے، پھر اس کو انکار کا اختیار نہیں، حصہ کی قیمت اس کے ذمہ واجب ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر العلوم سہارنپور۔

چھ شریکوں نے ایک حصہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کیا

سوال[۸۴۶۸]: اگر چند شخص مل کر ساتواں حصہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کریں تو کرنا

= قول أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ". (فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فی صفة الأضحية ووقت ووجوبها ومن تجب عليها: ۳/۳۴۷، رشيديه)

(۱) "إذا أدّى الوكيل بالشراء ثمن المبيع من ماله وقبضه، كان له حق الرجوع على الموكل يعنی أن له أن يأخذ مثل الثمن الذی أدّاه". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۸۰۴، (رقم المادة: ۱۴۹۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وإذا دفع الوكيل بالشراء الثمن من ماله من غير صريح إذن المؤكل و قبض المبيع، فله أن يرجع به على الموكل، لوجود الإذن دلالةً؛ لأن الحقوق لمّا كانت إلى العاقد و قد علمه الموكل، يكون راضياً بدفعه". (اللباب فی شرح الكتاب: ۲/۶۹، كتاب الوكالة، قديمی)

درست ہے یا نہیں، یا ایک ہی شخص اس حصہ کی قیمت ادا کرے تب درست ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ایک شخص قیمت ادا کردے تب بھی درست ہے(۱)، سب شرکاء مل کر کریں تب بھی درست ہے(۲)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

چھ آدمی ایک حصہ قربانی کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے کریں

سوال[۸۴۲۹]: قربانی کے جانور میں کتنے حصہ کر سکتے ہیں؟ قربانی کے جانور میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حصہ رکھنا کیسا ہے، واجب ہے یا سنت ہے؟ اور اس کا طریقہ کیا ہے، مثلاً جیسے کہ چھ آدمیوں نے مل کر ایک گائے خریدی، اس میں ہر ایک نے اپنا ایک ایک حصہ پہلے متعین کرلیا، اب رہا ایک حصہ تو ان چھ ساتھیوں کی جانب سے آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حصہ مشترکہ ہے۔ تو کیا اس طرح ایک حصہ میں سب کا

---

(۱) "عن الحكم عن حنش قال: رأيت علياً رضى الله تعالىٰ عنه يضحّى بكبشين، فقلت له: ما هذا؟ فقال: إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أوصانى أن نضحى عنه، فأنا أضحى عنه". (سنن أبى داؤد، باب الأضحية عن الميت: ۲/۳۷، مكتبه رحمانيه لاهور)

(وإعلاء السنن: ۱۷/۲۷۲، كتاب الأضحية، باب التضحية عن الميت، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "وإن مات أحد السبعة المشتركين فى البدنة، وقال الورثة: اذبحوا عنه وعنكم، صحّ عن الكل استحساناً، لقصد القربة من الكل". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۶، سعيد)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۸۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۸/۳۲۵، رشيديه)

"جائز ہے، کیونکہ حی اور میت کی طرف سے قربانی کا یکساں حکم ہے:

فى الدر المختار: "وإن مات أحد السبعة، وقال الورثة: اذْبَحوا عنه وعنكم، صح .... لقصد القربة من الكل، اهـ". والله اعلم". (إمداد الفتاوى، كتاب الذبائح والأضحية، عنوان: حکمِ قربانی از میت وحکم لحم آن اضحیة: ۳/۵۳۲، دار العلوم كراچى)

شریک ہونا جائز ہے؟

دوسری مثال جیسے کہ دوتین چار آدمیوں نے ملکر ایک بکرا خریدا اور اس کی قربانی کرتے وقت سب نے یہ نیت کی کہ یہ قربانی سب نے ملکر آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نامِ مبارک پر کی ہے تو کیا اس طرح صرف ایک بکرے یا بھیڑ میں دو، تین یا چار یا چھ آدمی شریک ہوسکتے ہیں۔ آپ نے اس سے قبل مندرجہ ذیل جواب تحریر فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے:

الجواب دار العلوم (سابقہ):

”قربانی کے بڑے جانور گائے، اونٹ میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں اور اس سے زائد کی اجازت نہیں ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے حصہ کرنا مستحب اور بڑے اجر وثواب کی بات ہے۔ اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ ایک آدمی مستقلاً حصہ اس مقصد کے واسطے لے، لیکن اگر ایسا نہ ہوسکے تو چھ آدمی مل کر مشترکہ طور پر ایک حصہ لیں، یہ بھی درست ہے۔

(د) ایک بکرا صرف ایک آدمی کی طرف سے قربانی میں ذبح کیا جاسکتا ہے جب کہ اس سے واجب ادا کرنا مقصود ہو۔ اگر کئی آدمی مل کر ایک بکرا قربانی کریں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کا ثواب پہونچادیں تب بھی درست ہے“۔

آپ حضرات کا یہ جواب بہشتی زیور کی عبارت سے متضاد معلوم ہوتا ہے، بہشتی زیور کی عبارت یہ ہے:

”گائے، بھینس، اونٹ میں اگر سات آدمی شریک ہو کر قربانی کریں تو بھی درست ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو اور سب کی نیت قربانی کرنے کی یا عقیقہ کی ہو، صرف گوشت کھانے کی نیت نہ ہو۔

اگر کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم ہوگا تو کسی کی قربانی درست نہ ہوگی، نہ اس کی جس کا پورا حصہ ہے اور نہ اس کی درست ہوگی جس کا حصہ ساتویں حصہ سے کم ہے۔

اگر گائے میں سات آدمیوں سے کم لوگ شریک ہوں جیسا کہ پانچ آدمی شریک ہوئے، یا چھ آدمی شریک ہوئے اور کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہیں ہے تب بھی سب کی

قربانی درست ہے۔ اگر آٹھ آدمیوں نے شرکت کی تو کسی کی بھی قربانی صحیح نہیں ہوئی:

"ولو لأحدهم أقل من سبع، لم يجز عن أحدٍ". التنوير: ۳۰۶/۵(۱).

بهشتی زیور ، حصه سوم: قربانی کا بیان (۲)۔

ان دونوں مسئلوں سے پتہ چلتا ہے کہ قربانی میں کسی کا بھی حصہ ساتویں حصہ سے کم ہوگا تو کسی کی بھی قربانی جائز نہیں اور اس میں آنحضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور غیر کے حصہ کا واجب اور تطوع کسی کی تفریق بھی نہیں ہے۔ لہذا واضح فرمادیں کہ ان دونوں میں اور آپ کے دیئے ہوئے جواب میں تطبیق ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً (جديد):

یہاں کے جواب اور بہشتی زیور کے مسئلہ میں کوئی تضاد نہیں، اتنی بات ہے کہ بہشتی زیور کے مسئلہ میں واجب ادا کرنے اور ثواب پہونچانے کا کوئی ذکر نہیں، یہاں کے جواب میں اس کی تفصیل کردی گئی ہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ "حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو جانوروں کی قربانی کی: ایک کی اپنی طرف سے اور ایک کی تمام امت کی طرف سے" (۳)۔

مقصود ثواب پہونچانا ہی تھا، واجب ادا کرنا مقصود نہیں تھا، ورنہ ایک جانور کے ذریعہ سے تمام امت کا واجب کیسے ادا ہوجائے گا، اور جانور بھی چھوٹا جس کے ذریعہ صرف ایک کا واجب ادا ہوسکتا ہے جس میں شرکت کی کوئی گنجائش ہی نہیں، چہ جائے کہ ساتویں حصہ کا حساب لگایا جائے۔

---

(۱) (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۱۵/۶، سعيد)

(۲) (بهشتی زیور، حصه سوم، باب: قربانی کا بیان، مسئله: ۱۳، ۱۴، ص: ۳۸، المكتبة المدينة لاهور)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان إذا أراد أن يضحي، اشترى كبشين عظيمين سمينين أقرنين أملحين موجوئين، فذبح أحدهما عن أمته لمن شهد لله بالتوحيد و شهد له بالبلاغ، وذبح الآخر عن محمد و عن آل محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (سنن ابن ماجة، أبواب الأضاحي، باب أضاحي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۲۲۵، قديمي)

(وشرح معاني الآثار للطحاويؒ، كتاب الصيد والذبائح والأضاحي، باب الشاة عن كم تجزئ أن يضحى بها: ۳۳۲/۲، سعيد)

جس بڑے جانور میں چھ آدمی شریک ہوں، وہاں کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہیں سب کا زائد ہے، پھر ساتویں حصہ کو سب نے مل کر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے ایصال ثواب کے طور پر کر دیا تب بھی کسی کا ساتویں حصہ سے کم نہیں ہوا، بلکہ چھ آدمیوں کا ایک ایک حصہ پورا پورا ہوا، ایک حصہ میں سب شریک رہے اور اس ایک حصہ سے واجب ادا کرنا مقصود نہیں، بلکہ ثواب پہونچانا مقصود ہے تو شرعاً اس میں کچھ حرج نہیں ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۱/۸۸ھ۔

ایک حصہ والدین کے لئے نصف نصف رکھنا

سوال [۸۴۷۰]: اگر کسی آدمی نے قربانی کے جانور میں دو حصے لئے: ایک حصہ اپنے لئے اور ایک حصہ اپنے والدین کے لئے نصف نصف کر کے، تو اس کے والدین کو ثواب ملے گا یا نہیں؟ والدین خواہ حیات ہوں یا انتقال ہو گیا ہو۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کو چاہئے کہ دونوں حصے اپنے ہی طرف سے لے، پھر قربانی ہونے پر ایک کا ثواب والدین کو پہونچا دے (۲)، ثواب زندہ اور مردہ سب کو پہونچایا جا سکتا ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وإن مات أحد السبعة المشتركين في البدنة، وقال الورثة: اذبحو عنه وعنكم، صحّ عن الكل استحساناً، لقصد القربة من الكل". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۲۶/۶، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۸۴/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۵/۸، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۳/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا: ۳۰۵/۵، رشيديه)

(۲) "إذا ضحى رجل عن أبويه بغير أمرهما و تصدق به، جاز؛ لأن اللحم ملكه، وإنما للميت ثواب =

ایک قربانی حصہ کا ثواب متعدد اموات کو پہونچانا

سوال[۸۴۷۱]: زید ایک قربانی اپنی طرف سے کرتا ہے اور ایک اپنے والدین، دادا، دادی، نانا، نانی، غرض متعدد اموات کی طرف سے کرتا ہے۔ تو کیا اس طرح قربانی درست ہو جائے گی اور ان اموات کو ایک قربانی کا سب کو ثواب پہونچ جائے گا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس طرح قربانی درست ہو جائے گی اور ثواب بھی سب کو پہونچ جائے گا حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک قربانی کا ثواب پوری امت کو پہونچایا ہے، شامی: ۲۰۷/۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= الذبح والصدقة". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ۳۵۲/۳، رشيديه)

"وإن تبرع بها عنه، له الأكل؛ لأنه يقع على ملك الذابح، والثواب للميت". (الدرالمختار: ۳۲۶/٦، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن: ۲۱۴/۱۷، كتاب الأضاحي، باب التضحية بالشاة، إدارة القرآن كراچي)

"سئل نصير رحمه الله تعالىٰ عن رجل ضحى عن الميت، قال: الأجر له والملك لهذا".

(خلاصة الفتاوى، كتابُ الأضحية، الفصل السابع في التضحية عن الغير: ۳۲۲/۴، رشيديه)

(۳) "من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء، جاز". (ردالمحتار: ۲۴۳/۲، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز، مطلب في القرأة للميت وإهداء ثوابها له، سعيد)

(۱) "لأن الموت لايمنع التقرب عن الميت بدليل أنه يجوز أن يتصدق عنه ويحج عنه، وقد صح "أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ضحى بكبشين أحدهما عن نفسه والآخر عمن لم يذبح من أمته".

(ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲٦/٦، سعيد)

"إن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ضحى بكبشين أملحين: ذبح أحدهما عن نفسه و الأخر عمن قال: لا إله إلا الله محمد رسول الله". (كتاب الأثار، باب الأصحية، ص:۱۳۵، مكتبه اهل سنة وجماعت كراچي)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الأضاحي، باب أضاحي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص:۲۲۵، قديمي) =

ایک جانور میں ایک شخص کی طرف سے جہاتِ متعدد کی نیت مع جواب اشرف المدارس کراچی.

سوال[۸۴۷۲]: آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

’’قربانی میں ایک پوری گائے ایک ہی شخص ذبح کرے تو اس کی ایک ہی قربانی ہوگی، اس لئے ایک گائے میں ایک ہی شخص واجب قربانی کے ساتھ عقیقہ اور اموات کی ایصالِ ثواب کے لئے نفلی قربانی کی نیت نہیں کرسکتا‘‘۔

اس پر یہ اشکال ہے کہ شامی میں اس صورت میں سات قربانی ہونے کا بھی قول ہے:

”واختلفوا بالبقرة، قال بعض العلماء: و يقع سبعها فرضاً والباقى تطوع“. رد المحتار: ۵/۲۳۶(۱)۔

نیز شامی وغیرہ میں یہ تصریح موجود ہے کہ ایک گائے میں مختلف جہاتِ قربت مستقلاً اضحیہ، عقیقہ، دمِ شکر اور دم جنایت وغیرہ جمع ہوسکتے ہیں(۲)۔ لہذا اس مسئلہ کی مزید وضاحت تحریر فرمائیں۔

= (وكذا فى إعلاء السنن، كتاب الأضاحى، باب وجوب الأضحية: ۲۱۱/۱۷، ۲۱۴، إدارة القرآن، كراچى)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۲/۶، سعيد)

(۲) ”لو أراد بعضهم العقيقة عن ولدٍ قد وُلد له من قبل؛ لأن ذلک جهة التقرب بالشكر على نعمة الولد، ذكره محمد. ولم يذكر الوليمة، وينبغى أن تجوز؛ لأنها تقام شكراً لله تعالىٰ على نعمة النكاح، ووردت بها السنة، فإذا قصد بها الشكر، أو إقامة السنة فقد أراد القربة“. (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۶/۶، سعيد)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز فى الضحايا: ۳۵۰/۳، رشيديه)

(وكذا فى بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل فى شروط جواز إقامة الواجب: ۳۰۵/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

الجواب من جانب اشرف المدارس کراچی

باسم ملهم الصواب حامداً و مصلياً:

''تعدد'' قولِ بعض ہے جو مرجوح ہے، بلکہ خلافِ عامۃ المشائخ کی وجہ سے مجروح ہے، عامۃ المشائخ ''توحد'' کے قائل ہیں اور یہی مفتی بہ ہے:

"قال فی العلائية: ولو ضحىٰ بالكل، فالكل فرض كأركان الصلوة". وفی الشامية: "الظاهر أن المراد لو ضحّى ببدنة، يكون الواجب كلها لا سبعها بدليل قوله فی الخانية: ولو أن رجلاً موسراً، ضحىٰ ببدنة عن نفسه خاصةً، كان الكل أضحيةً واجبةً عند عامة العلماء، وعليه الفتوىٰ، اهـ. مع أنه ذكر قبله بأسطر: لو ضحى الغنى بشاتين، فالزيادة تطوع عند عامة العلماء، فلا ينافی قوله: كان الكل أضحيةً واجبةً، ولا يحصل تكرار بين المسئلتين، فافهم۔

ولعل وجه الفرق أن التضحية بشاتين تحصل بفعلين منفصلين وإراقة دمين، فيقع الواجب إحداها فقط، والزائدة تطوع بخلاف البدنة، فإنها بفعل واحد وإراقة واحدة، فيقع كلها واجباً. هذا ما ظهرلی". ردالمحتار: ۲۳۵/۵ (۱)۔

حدیث میں بھی یوں ارشاد ہے کہ ''ایک گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں'' (۲)، اس کا کسی حدیث میں ثبوت نہیں ملتا کہ ایک ہی آدمی ایک گائے ذبح کرے تو

---

(۱) (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۳۳/۶، سعيد)

(۲) "عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه قال: "نحرنا بالحديبية مع النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم البدنة عن سبعة، والبقرة عن سبعة". (سنن ابن ماجة، أبواب الأضاحى، باب: عن كم تجزئ البدنة والبقرة، ص: ۲۲۶، قديمى)

(وسنن أبى داؤد، كتاب الضحايا، باب البقر والجزور عن كم تجزئ: ۴۰/۲، مكتبه رحمانيه لاهور) =

اس کی سات قربانیاں ہوں گی، یا ایک ہی شخص ایک ہی گائے میں اضحیہ و دمِ شکر جمع بھی کرسکتا ہے۔

مختلف جہاتِ قربت کو مختلف افراد پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ ایک جانور کا سات کے قائم مقام ہونا خلافِ قیاس ہے، عنایہ علی ہامش الفتح: ۸/۲٤ (۱)۔ اس لئے حدیث اپنے مورد پر منحصر رہے گی۔

فقہ میں جہاں مختلف جہاتِ قربت کا جواز مذکور ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک گائے میں ایک ہی قربانی کے ساتھ دوسرا شخص دمِ شکر یا عقیقہ وغیرہ کا حصہ رکھ سکتا ہے، یہ مطلب نہیں کہ ایک ہی شخص ایک ہی گائے میں مختلف قربات ادا کرسکتا ہے، اس لئے کہ یہ حدیث اور فقہ کی نصِ مذکور کے خلاف ہے۔

شخصِ واحد کی نیت جہاتِ مختلفہ کے عدمِ جواز اور عباراتِ فقہ میں غیر مراد ہونے پر مندرجہ ذیل شواہد ہیں:

۱- علائیہ اور شامیہ کی عبارت مذکورہ: "و لو ضحى بالكل، فالكل فرض كأركان الصلوة، الخ" (۲)۔

= "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: كنا نتمتع مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فنذبح البقرة عن سبعة، ونشترك فيها". (سنن النسائي، كتاب الضحايا، باب: ماتجزئ عنه البقر في الضحايا: ۲/۲۰۴، قديمي)

(۱) لم أجده في العناية، ولكن ذكره ابن الهمام رحمه الله تعالىٰ: "(ويذبح عن كل واحد منهم شاة أو يذبح بقرة، أو بدنة عن سبعة) والقياس أن لاتجوز إلا عن واحد؛ لأن الإراقة واحدة وهي القربة، إلا أن تركناه بالأثر، وهو ماروى عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: "نحرنا مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم البقرة عن سبعة والبدنة عن سبعة". (فتح القدير، كتاب الأضحية: ۹/۵۱۰، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۷۵، ۴۷۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۳۳، سعيد)

۲- حدیث وفقہ میں اس کی کوئی تصریح نہیں، اور إجزاء عن السبعة پر قیاس اس لئے صحیح نہیں کہ یہ حدیث خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے اپنے مورد پر منحصر ہے۔

۳- کتبِ فقہ میں صحتِ جہاتِ مختلفہ کا ذکر إجزاء عن السبعة کے تحت کیا گیا۔

۴- شامیہ وغیرہ میں "وكذا لو أراد بعضهم العقيقة"(۱) سے اگر شخصِ واحد کی نیت اضحیہ وعقیقہ کا بیان مقصود ہوتا تو اس کے ساتھ "ایضاً" کا اضافہ لازم تھا۔

۵- کئی کتب میں جہاتِ اشخاصِ مختلفہ کی طرف سے ہونے کی تصریح ہے:

"أراد بعضهم الأضحية و بعضهم جزاء الصيد، الخ".

عالمگیری: ۵/۳۰٤(۲)۔

خانية على هامش العالمگيرية: ۳/۳۵۰(۳) بدائع: ۵/٤۱(٤)، شلبی علی تبیین الحقائق: ٦/۸(۵)، الجوهرة النيرة على هامش

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الأضحية: ٦/۳۲٦، سعيد)

(۲) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة فی الضحايا: ۵/۳۰۴، رشيديه)

(۳) "ولو نوى بعض الشركاء الأضحية، وبعضهم هدى المتعة، وبعضهم هدى القران، وبعضهم جزاء الصيد، وبعضهم دم العقيقة لولادة ولدٍ ولد له في عامة ذلک، جاز عن الكل في ظاهر الرواية". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز فی الضحايا ومالايجوز: ۳/۳۵۰، رشيديه)

(۴) "ولنا أن القربة فی إراقة الدم .... ولو أرادوا القربة الأضحية أو غيرها من القرب، أجزأهم، سواء كانت القربة واجبةً أو تطوعاً، أو وجبت على البعض دون البعض، وسواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت، بأن أراد بعضهم الأضحية، وبعضهم جزاء الصيد، وبعصهم هدى الإحصار، وبعضهم كفارة شئ أصابه فی إحرامه، وبعضهم هدى التطوع، وبعضهم دم المتعة والقران، وهذا قول أصحابنا الثلاثة رحمهم الله تعالى". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل فی شروط جواز إقامة الواجب: ٦/۳۰۵، ۳۰٦، دارالكتب العلمية بيروت)

(۵) "واختلاف الجهات فيها لايضر كالقران والمتعة والأضحية، لاتحاد المقصود وهو القربة". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ٦/۴۸۴، دارالكتب العلمية بيروت).

مختصر القدوری، ص: ۳۰۳(۱)۔

۶-فقہ کی تمام کتابوں میں موضعِ بیان کے باوجود اس سے تکمل سکوت مستقل دلیلِ عدمِ صحت ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ بھی "ولو ضحی بالکل، الخ" کے کلیہ میں داخل ہے۔

۷- "ولو اشترى بقرةً للأضحية و نوى السبع منها لعامّه هذا و ستة أسباعها عن السنين الماضية، فيجوز عن العام، ولايجوز عن الأعوام الماضية.......... كذا فى خزانة المفتين.

وإن نوى بعض الشركاء التطوع، وبعضهم يريد الأضحية للعام الماضى الذى، صار ديناً عليه، وبعضهم الأضحية الواجبة عن عامه ذلك، جاز عن الكل، ويكون الواجب عمن نوى الواجب عن عامه ذلك، ويكون تطوعاً عمن نوى القضاء عن العام الماضى، ولاتكون عن قضائه بل يتصدق بقيمة شاة وسطٍ لما مضى، كذا فى فتاوى قاضى خان". عالمگیری: ۳۰۵/۵(۲)۔

اس عبارت میں بصورتِ تعددِ اشخاص بنیتِ اضحیۂ ماضیہ وقوعِ تطوع مذکور ہے، مگر بصورتِ توحدِ شخص تطوع کا ذکر نہیں، اس سے ثابت ہوا کہ صورتِ توحد میں اضحیۂ واجبہ کے ساتھ اَور کسی نیت کا کوئی اعتبار نہیں اور یہ پوری گائے اضحیہ واجبہ شمار ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم"۔

رشید احمد عفا اللہ عنہ، از اشرف المدارس، ناظم آباد کراچی، ۵/ ذیقعدہ/۱۴۰۰ھ

---

(۱) "والبدنة والبقرة تجزئ كل واحدة منهما عن سبعة إذا كانوا كلهم يريدون بها وجه الله تعالىٰ. وإن اختلفت وجوه القرب، بأن يريد أحدهم الهدى والأخر جزاء الصيد والآخر هدى المتعة والآخر الأضحية والآخر التطوع". (الجوهرة النيرة، كتاب الأصحية، :ص ۲۸۲، مكتبه حقانيه ملتان)

(۲) (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز فى الضحايا ومالايجوز: ۳۵۰/۳، رشيديه)

التماس:

۱- یہ تحریر مختلف اہلِ فتویٰ حضرات کی خدمت میں بغرضِ اظہارِ رائے ارسال کی جارہی ہے، براہ کرم اپنی رائے مدلل تحریر فرمائیں۔

۲- اگر یہ تحقیق صحیح ہے تو یہ سوال پیدا ہوگا کہ کسی نے ایک گائے میں اضحیہ ودمِ شکر وغیرہ متعدد واجبات کی نیت کی تو ان میں سے کونسا واجب ادا ہوگا، یا کہ کوئی بھی ادا نہیں ہوا؟ اس سے تعلق بھی رائے تحریر فرمائیں''۔

رشید احمد عفا اللہ عنہ ۲/۱۲/۱۴۰۰ھ۔

دارالعلوم دیوبند کا جواب

الجواب حامداً ومصلياً:

سات آدمی ایک گائے قربانی کے لئے بحصۂ مساوی مشترکہ خرید کر قربانی کردیں تو سب کی قربانی بلا شبہ ادا ہوجائے گی۔

اگر ایک شخص نے قربانی کے لئے ایک گائے خریدی، پھر اس میں چھ آدمیوں کو شریک کرلیا تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے، کیونکہ شرائے اضحیہ وعدہ ہے اور خلافِ وعدہ مکروہ ہے، تاہم قربانی سب کی ادا ہوجائے گی:

"ولو اشترى رجل بقرةً يريد أن يضحي بها، ثم اشترك فيها بعد ذلك، قال هشام: سألت أبا يوسف رحمه الله تعالىٰ، فأخبرني أن أبا حنيفة رحمه الله تعالىٰ قال: كره ذلك، ويجزيهم أن يذبحوها عنهم. ثم بيّن وجه الكراهة بقوله: لأنه لمّا اشتراها ليضحي بها، فقد وعد وعداً، فيكره أن يخلف الوعد، اهـ". بدائع: ۵/۷۲(۱)۔

---

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في شروط جواز إقامة الواجب: ۶/۳۰۷، دارالكتب العلمية بيروت)

اگرایک آدمی تنہا ایک گائے خرید کر بلاتفریقِ نیت قربانی کردے تو اس کی قربانی ادا ہوجائے گی، پھر اس میں دوقول ہیں: اول یہ کہ اس میں سے ایک سبع کو واجب کیا جائے گا، بقیہ زائد از واجب چھ سبع تو تطوع۔ دوم: یہ کہ کل سے واجب ہی ادا ہوجائے گا(۱) بدلیل القیاس: "لأن المعلق بالواجب واجب"(۲)۔ قولِ ثانی مفتی بہ ہے۔

اگرایک شخص ایک گائے خریدتے وقت جہاتِ متعددہ تقرب کی نیت کرلے تو اس کا حکم صراحۃً کتب فقہ میں نہیں ملا۔

حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدت فیوضہم نے بھی اس کے متعلق کوئی صریح عبارت نقل نہیں فرمائی۔ خانیہ کی جو عبارت بحوالہ شامیہ نقل فرمائی ہے:

"ولو أن رجلاً موسراً أو امرأةً موسرةً ضحى بدنةً عن نفسه خاصةً، كان الكل أضحيةً واجبةً عند عامة العلماء، وعليه الفتوىٰ". خانیہ(۳)۔

اس میں لفظ "خاصة" مذکور ہے، اس کو معلوم نہیں کیوں نظر انداز فرمادیا جب کہ قیود فقہاء کے نزدیک معتبر ہوتی ہیں اور مفہومِ تصانیف حجت ہوتا ہے، كما في شرح عقود رسم المفتي(٤)

---

(۱) "وما قالوا بأن البدنة يكون بعضها نفلاً، فليس كذلك، بل إذا ذبحت عن واحد، كان كلها فرضاً. وشبه هذا بالقرأة في الصلوة، لو اقتصر على ما تجوز به الصلوة، جازت. ولو زاد عليها، يكون الكل فرضاً". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ۳/۳۴۹، رشیدیه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۳۳، سعيد)

(۲) "المعلق بالشرط يثبت، ويجب بوجوب". (قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۳۳۶)، ص: ۱۲۶، الصدف پبلشرز)

(۳) (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ۳/۳۵۰، رشیدیه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۳۳، سعيد)

(۴) "المفهوم معتبر في الروايات اتفاقاً، ومنه أقوال الصحابه، قال: .... والمفهوم فيه غير معتبر، =

وردالمحتار(۱)۔ اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر کسی میت کی طرف سے ایصالِ ثواب کی نیت کرلے تو درست ہے۔

یہاں یہ ارشاد کہ:

''اشتراک فی الأضحیہ خلافِ قیاس ہے، اس لئے حدیث میں جس قدر اجازت ہے اسی پر اکتفاء کیا جائے گا، اس پر کوئی دوسرا جزئیہ قیاس نہ کیا جائے''۔

یہ اصولاً صحیح بات ہے، مگر **اولاً:** تو نفسِ قربانی "إراقة الدم وإهلاك الحيوان" خود ہی خلافِ قیاس (غیر مدرک بالرائے) ہے۔ **ثانیاً:** مطالعہ "كتاب الأضحية" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بہت سی جزئیات پر فقہائے کرام نے قیاس سے کلام فرمایا ہے۔ **ثالثاً:** جناب والا ہی نے ارکانِ صلوة پر قیاس کی عبارت بحوالہ خانیہ وشامیہ استدلال میں نقل فرمائی ہے کہ ''کل بدنہ فرض میں شمار ہوگا'' اور اس کو مفتی بہ فرمایا ہے۔

سنینِ ماضیہ کی نیت سے اگر کوئی شریک ہوجائے تو اس قربانی ماضیہ کا صحیح ہونا بالکل ظاہر ہے، اس لئے کہ قضائے اضحیہ بصورتِ اضحیہ درست نہیں بلکہ بصورتِ تصدق ہے، اس کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں۔

الحاصل: ایک شخص ایک گائے کی قربانی کرے اور اس میں جہاتِ متعددہ تقرب کی نیت کرکے تو اس کے عدمِ جواز کی کوئی دلیل نہیں (۲)۔

= فالمراد بالروايات ما روى فى الكتب عن المجتهدين من الصحابة وغيرهم. وفى "النهر" أيضاً عند سنن الوضوء: "مفاهيم الكتب حجة بخلاف أكثر مفاهيم النصوص". (شرح عقود رسم المفتى، ص: ۹۲، مير محمد كتب خانه كراچى)

(۱) "لأن مفاهيم الكتب حجة بخلاف أكثر مفاهيم النصوص، كذا فى النهر. وفيه من الحد: المفهوم معتبر فى الروايات اتفاقاً، ومنه أقوال الصحابة". (الدرالمختار، كتاب الطهارة، أركان الوضوء أربعة: ۱/۱۱۰، سعيد)

(ردالمحتار: ۴/۳۴۳، ۱/۱۱۰، سعيد)

(۲) ''اگر گائے ذبح کرنے سے پہلے بچے کا انتقال ہوگیا تو اس کے حصے میں نیت بدل لینا اور کسی قربانی کرنے والے کو شریک کرلینا چاہیے تھا، تاہم قربانی ہوگئی اور عقیقہ کا حصہ بھی قربت کا ذبیحہ ہوگیا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی''۔ (كفاية المفتى، كتاب الأضحية، عنوان: قربانی کرنے سے پہلے بچے کے فوت ہونے کی صورت میں عقیقہ کے حصوں کا حکم: ۸/۲۰۶، دارالاشاعت) =

ویشمّ رائح الاستدلال للجواز من لفظ "خاصةً" کما فی الخانية(۱)، ومن نظائر المسئلة، ومن تعامل الخواص والعوام، ومن عبارة العلامة الحصفکی رحمه اللّٰه تعالیٰ فی سکب الأنهر علی ملتقی الأبحر: "وكذا صح لو ذبح بدنةً عن أضحية ومتعة وقران، لاتحاد المقصود و هو القربة. اهـ"(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اُتم واُحکم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۴/۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

شرکاء کی اجازت کے بغیر قربانی کے جانور کو فروخت کرنا

سوال[۸۴۷۳]: زید نے سات آدمیوں کی شرکت کے روپے سے ایک بڑا جانور خریدا جس میں خود زید بھی شامل تھا۔ جب بقیہ چھ آدمیوں کو اطمینان ہوگیا کہ جانور خرید لیا گیا ہے تب زید نے دیگر چھ آدمیوں سے اَور روپیہ لے لیا اور ساتواں خود زید تھا۔ عیدالضحیٰ کے دن جن چھ آدمیوں کی شرکت کے روپے سے جانور خریدا گیا تھا، ان کو بغیر اطلاع دیئے اور بغیر ان کی مرضی کے خاموشی سے ان دیگر چھ آدمیوں کے نام جن سے خریدنے کے بعد روپیہ لیا تھا اور اپنے نام قربانی کرڈالی۔ اور اب زید کہتا ہے کہ اپنا روپیہ لے لو اور دوسرا جانور خرید کر قربانی کرو۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ جن لوگوں نے بعد میں حصہ لیا اور انہیں کے نام سے قربانی کی گئی ہے، ان کی قربانی ہوئی یا نہیں؟ اور جن لوگوں سے روپیہ لے کر جانور خریدا تھا ان کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید نے چھ آدمیوں سے روپیہ لے کر ان کی اجازت اور رضامندی سے جانور خریدا تو اب ساتوں آدمی

= (وكذا في إمداد الفتاوى: ۵۳۲/۳، مكتبه دار العلوم كراچى)

(وكذا في إمداد الأحكام: ۲۳۶/۴، مكتبه دار العلوم كراچى)

(۱) (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل: فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ۳۵۰/۳، رشيديه)

(۲) (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۳/۴، مكتبه الغفاريه كوئٹه)

اس کے مالک ہوگئے، شرعاً جائز نہیں کہ وہ ان چھ آدمیوں کے حصے کسی آدمی کے ہاتھ فروخت کرے، کیونکہ ان چھ آدمیوں نے زید کو اپنے حصے فروخت کرنے کا اختیار نہیں دیا، لہذا زید نے جو دوسرے چھ آدمیوں کے ہاتھ چھ حصے فروخت کئے ان کی بیع نافذ ولازم نہیں ہوئی اور وہ پہلے چھ آدمیوں کے حصے ان کی ملک سے دوسرے چھ آدمیوں کی طرف سے ادا ہوگئی۔ اور دوسرے چھ آدمیوں کی ملک میں داخل نہیں ہوئے (۱)۔

جب زید نے قربانی کردی تو وہ پہلے چھ آدمیوں کی طرف سے ادا نہیں ہوئی (۲)۔ زید نے جو پہلے چھ آدمیوں کے حصے کی قیمت واپس کی ہے اس کا لینا ان کے لئے درست نہیں، وہ زید کو واپس کردیں اور دوسرے چھ آدمیوں سے زید نے جو قیمت وصول کی ہے اس کا زید کو لینا درست نہیں، زید وہ قیمت واپس کردے اور ان کو چاہیے کہ قربانی کی قیمت صدقہ کردیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "بيع الفضولي إذا أجاز صاحب المال أو وكيله أو وصيّه أووليه، نفذ، وإلا انفسخ، إلا أنه يشترط لصحة الإجازة أن يكون كل من البائع والمشترى، والمجيز والمبيع قائماً". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۱۲، (رقم المادة: ۳۷۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) اگر پہلے چھ آدمی اپنے حصوں کا ضمان وصول کریں، اسی طرح اگر بعد ذبح اپنی قربانی پر راضی ہوں تو ان کی قربانی صحیح ہوگی تو پھر دوسرے چھ آدمیوں کی قربانی صحیح ہوجائے گی:

"رجل ذبح أضحية غيره عن نفسه بغير أمره، فإن ضمنه المالک قيمتها، يجوز عن الذابح دون المالک؛ لأنه ظهر أن الإراقة حصلت على ملكه. وإن أخذها مذبوحةً تجزئ عن المالک؛ لأنه قد نواها، فليس يضره ذبح غيره لها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب السابع: ۵/۳۰۲، رشيديه)

(۳) "ولو لم يضح حتى مضت إيام النحر .... وإن كان غنياً تصدق بقيمة شاة اشترى أولم يشتر؛ لأنها واجبة على الغنى". (الهداية، كتاب الأضحية: ۴/۴۴۶، شركة علميه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الرابع فيما يتعلق بالمكان والزمان: ۵/۲۹۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۸/۳۲۲، رشيديه)

ایک بکری میں شرکت درست نہیں

سوال[۸۴۷۴]: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو مینڈھے بڑے بڑے سینگ والے چتکبرے، خصی منگوائے، اپنی قربانی کر کے کہا کہ ''اے باری تعالیٰ! میری اور میری امت کی طرف سے قبول فرما جو قربانی کی طاقت نہیں رکھتے''۔ ابو داود(۱)۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بدائع میں ہے:

''فالجواب أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إنما فعل ذلك لأجل الثواب، وهو أنه جعل ثواب تضحية بشاة واحدة لأمته لا للإجزاء وسقوط التعبد عنهم. اهـ''.(۲)۔

اور بذل المجہود:۴/۷۱میں ہے:

''ثم المشاركة إما محمولة على الثواب، وإما على الحقيقة، فيكون من خصوصية ذلك الجناب، والأظهر أن يكون أحدهما عن ذمته الشريفة والثانی عن أمته، اھ''(۳)۔

اور اس سے معلوم ہوا کہ امت کو ثواب پہونچایا ہے۔ اس میں کچھ مضائقہ نہیں، یہ نہیں کہ امت سے وجوب ساقط ہو گیا، ورنہ پھر قیامت تک کسی کے ذمہ بھی وجوب نہ ہوتا:

''فإن ذلك ثابتاً لمن بعد النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فهو يجزئ عمن أجزأه بذبح

---

(۱) ''عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أمر بكبش أقرن يطأ فی سواد، وينظر فی سواد، ويبرک فی سواد، فأتي به، فضحّٰی به، فقال: ''ياعائشة! هلمّی المدية''. ثم قال: ''أشحذيها بحجر''. ففعلت ، فأخذها، وأخذ الكبش، فأضجعه، فذبحه، وقال: ''بسم الله، اللهم! تقبّل من محمد، وآل محمد، ومن أمة محمد''. ثم ضحّٰی به''. (سنن أبی داؤد، كتاب الضحايا، باب مايستحب من الضحايا: ۲/۳۸، رحمانيه لاهور)

(۲) (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل: وأما بيان محل إقامة الواجب: ۶/۳۰۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) (بذل المجهود، كتاب الضحايا، باب ما يستحب من الضحايا: ۴/۷۱، امداديه ملتان)

النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اھـ". طحاوی:۳۰۳/۳(۱)۔

ابوداؤد میں اس کا اخیر جز موجود نہیں یعنی دعاء میں جو یہ ہے:

"اللھم تقبل من محمد و اٰل محمد ومن أمة محمد، اھـ"(۲)۔

اس میں یہ نہیں کہ جو قربانی کی طاقت نہیں رکھتے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ مظاہر العلوم سہارنپور۔

بکرے کی قربانی میں شرکت

سوال[۸۴۷۵]: قربانی میں بکرے یا دنبہ کے بھی سات حصے ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ اور بڑی رأس کو چار آدمی یا چھ بھی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بکرا، دنبہ، بھیڑ صرف ایک آدمی کی طرف سے کافی ہے، اس میں شرکت سے کسی کی بھی قربانی درست نہیں ہوگی۔ بڑی رأس: گائے، بھینس، اونٹ میں شرکت درست ہے، سات آدمی بھی شریک ہو سکتے ہیں، چار آدمی بھی شریک ہو سکتے ہیں، اس طرح کہ تین آدمیوں کے دو دو حصے ہوں اور ایک ایک حصہ ہو، کسی کا حصہ

---

(۱) (شرح معانی الأثار للطحاویؒ، کتاب الصید والذبائح والأضاحی، باب الشاة عن کم تجزئ أن یضحی بها: ۳۳۳/۲، سعید)

(۲) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أمر بکبش أقرن یطأ فی سواد، وینظر فی سواد، ویبرک فی سواد، فأتی به، فضحی به، فقال: "یاعائشة! هلمّی المدیة" ثم قال: "أشحذیها بحجر". ففعلت، فأخذها، وأخذ الکبش، فأضجعه، فذبحه، وقال: "بسم الله، اللهم! تقبّل من محمد واٰل محمد ومن أمة محمد". ثم ضحّی به". (سنن أبی داؤد، کتاب الضحایا، باب مایستحب من الضحایا: ۳۸/۲، مکتبه رحمانیه لاهور)

(وکذا فی شرح معانی الأثار للطحاوی، کتاب الصید والذبائح والأضاحی، باب الشاة عن کم تجزئ أن یضحی بها: ۳۳۲/۲، سعید)

ساتویں حصہ سے کم نہ ہو(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۸۵ھ۔

قربانی میں ولیمہ

سوال[۸۴۷۶]: زید نے اپنے لڑکے کی شادی کی ۱۱/ ذی الحجہ کو، وہ ولیمہ کرتا ہے، اس طرح قربانی کے جانور میں ایک حصہ ولیمہ کی نیت سے لیتا ہے۔ شرع میں اس کی اجازت ہے یا نہیں، اور کسی کی قربانی خراب تو نہیں ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ولیمہ مسنونہ کی نیت سے قربانی کے جانور میں حصہ لینے سے کسی کی قربانی باطل نہیں ہوگی جس طرح کہ عقیقہ کی نیت سے حصہ لینے سے باطل نہیں ہوتی، شامی: ۲۰۷/۵ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "فلا يجوز الشاة والمعز إلا عن واحد وإن كانت عظيمةً سمينةً تساوى شاتين .... و لا شك فى جواز بدنة أو بقرة عن أقل من سبعة بأن اشترك اثنان أو ثلاثة أو أربعة أو خمسة أو ستة فى بدنة أو بقرة؛ لأنه لمّا جاز السبع فالزيادة أولى، وسواء اتفقت الأنصباء فى القدر أو اختلفت بأن يكون لأحدهم النصف، وللآخر الثلث، وللأخر السدس بعد أن لا ينقص عن السبع". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل فى إقامة الواجب: ۳۰۱/۶، ۳۰۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الثامن: ۳۰۴/۵، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۷۶/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۱۹/۸، رشيديه)

(۲) "ولم يذكر الوليمة، وينبغى أن تجوز؛ لأنها تقام شكراً لله على نعمة النكاح، وَرَدَتْ به السنة، فإذا قصد بها الشكر أو إقامة السنة فقد أراد القربة". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۶/۶، سعيد)

"ولم يذكر ما إذا أراد أحدهم الوليمة، وهى ضيافة التزويج، وينبغى أن يجوز؛ لأنها إنما تقام شكراً لله على نعمة النكاح". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل فى محل إقامة الواجب: ۳۰۶/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى حاشية الطحطاوى على الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۱۶۶/۴، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب السادس: ۳۰۴/۵، رشيديه)

(وكذا فى حاشية الشلبى على تبيين الحقائق: ۴۸۴/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

بابٌ فی قسمة اللحم ومصرفه وبیعه

(قربانی کے گوشت کی تقسیم، مصرف اور بیع کا بیان)

قربانی کے گوشت، پائے اور سر کی تقسیم

سوال[۸۴۷۷]: قربانی کے سات حصوں میں سے چار میں ایک ایک پیر اور دو میں آدھا آدھا کلا اور ایک میں مغز اور زبان لگا دیا جائے (۱)، ایک حصہ میں پورا پائے اور دوسرے میں پورا سر لگا دیا جائے تو اس انداز سے تقسیم کرنا درست ہوگا یا نہیں؟ نیز اگر پورا سر لگا دیا، یا پورا کلا وغیرہ لگا دیا جائے اور حصہ داروں کی رضامندی سے ایسا کیا جائے کہ کسی غریب کو دیدیا اور وہ اس کو سب فروخت کر کے پیسہ مدرسہ میں دیدے تو یہ درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح تقسیم درست ہے (۲)۔ جب کسی غریب کو سب نے رضامندی سے پائے کلہ دے دیا تو اس

---

(۱) "کلا: جبڑا، سر"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۱۹، فیروز سنز لاهور)

(۲) "ويقسم لحمها وزناً لا جزافاً، إلا إذا خلط به من أكارعه أو جلده: أي يكون في كل جانب شيء من اللحم و من الأكارع". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۶۹/۴، مكتبة غفاريه كوئٹه)

"ويقسم اللحم وزناً لا جزافاً، إلا إذا ضم معه من الأكارع أو الجلد صرفاً للجنس بخلاف جنسه". (الدر المختار، كتاب الأضحية: ۳۱۷/۶، سعيد)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۳۵۱/۳، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الرابع فيما يجوز من الأضحية: ۲۹۰/۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الثامن، كتاب الأضحية: ۳۰۶/۵، رشيديه)

کوحق ہے کہ وہ خود استعمال کرے، یا فروخت کر کے پیسہ مدرسہ میں دیدے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۲/۱۸ھ۔

قربانی کے گوشت کی تقسیم

سوال[۸۴۷۸]: اگر ایک جگہ کے رہنے والے سات آدمی ایک اونٹ کی قربانی کریں جس میں سات حصے ہوں تو کیا اس کے گوشت کو بھی تقسیم کرنا ضروری ہے، حالانکہ وہ سب حصہ دار ایک ہی جگہ رہتے ہیں اور ایک ساتھ ہی سب کا کھانا پینا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تقسیم کرنا لازم نہیں، اکٹھا ہی پکا کر کھائیں تب بھی درست ہے، شامی: ۲۰۲/۵ (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

قربانی کا گوشت آپس میں تول کر تقسیم کرنا چاہئے

سوال[۸۴۷۹]: سات آدمیوں نے مل کر ایک گائے کی قربانی کی، مگر اس کا گوشت تول کر تقسیم نہیں کیا، اٹکل سے بانٹا۔ یہ قربانی درست ہوئی یا نہیں، اگر قربانی درست نہیں ہوئی تو کیا یہ لوگ اَور گائے قربان

---

(۱) "وطاب لسيده وإن لم يكن مصرفاً للصدقة ما أدى إليه من الصدقات، فعجز، لتبدل الملك، وأصله حديث بريرة: "هي لک صدقة، و لنا هدية". (الدرالمختار، كتاب المكاتب، باب موت المكاتب عجزه وموت المولىٰ: ۱۱۶/۶، سعيد)

(۲) "(قوله: يقسم اللحم) انظر هل هذه القسمة متعينة أولا؟ حتى لواشترى لنفسه و لزوجته وأولاده الكبار بدنةً ولم يقسموها، تجزيهم أولا؟ والظاهر أنها لا تشترط؛ لأن المقصود منها الإراقة وقد حصلت .... و حاصله أن المراد بيان شرط القسمة إن فعلت، لا أنها شرط". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۱۷/۶، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب: إن البدنة عن سبعة: ۲۰۸/۱۷، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في حاشية الطحطاوي: ۱۶۲/۴، كتاب الأضحية، دارالمعرفة بيروت)

کریں، یا کیا صورت کریں؟ نیز اٹکل سے تقسیم کرنے کا گناہ سب کو ہوا، یا بعض بانٹنے والوں کو۔ اور یہ گناہ کس طرح معاف ہوسکتا ہے، توبہ وغیرہ سے یا کوئی فدیہ دینا چاہئے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس صورت میں قربانی صحیح ہوگئی، مگرتول کرتقسیم نہ کرنے سے احتمالِ ربا کی وجہ سے وہ شرکاء جواس تقسیم سے راضی تھے گنہگار ہوئے (۱)۔ اگر تقسیم میں کسی کی طرف سری پائے اور کھال بھی لگادی مثلاً کچھ گوشت اور کچھ حصہ پائے کا ایک حصہ میں اور کچھ گوشت اور پائے یا سری یا کھال ایک کے حصہ میں آ گئی تو چونکہ ہرایک کے حصہ میں جو چیز آئی ہے، وہ غیر جنس کے مقابل قرار دی جاسکتی ہے اس لئے اس صورت میں گناہ نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱۱/۵۵ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، الجواب صحیح: عبداللطیف، ۱۱/ ذیعقدہ/ ۵۵ھ۔

---

(۱) "وقسم لحمها وزناً؛ لأنه موزون، لا جزافاً لاحتمال الربا". (الدرالمنتقی مع مجمع الأنهر، کتاب الأضحية: ۴/۱۶۸، مکتبه غفاریه کوئٹه)

"والشبهة فی باب الربا ملحقة بالحقيقة". (مجمع الأنهر، باب الربا: ۳/۱۲۱، مکتبه غفاریه کوئٹه)

اندازہ سے تقسیم اگر چہ بظاہر درست بھی ہوجائے، لیکن اس میں شبہ پھر بھی رہتا ہے، اور شبہُ ربا سے بچنا بھی ضروری ہے:

"عن النعمان بن بشير رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "الحلال بيّن، والحرام بيّن، وبينهما مشتبهات لا يعلمهنّ كثيرٌ من الناس، فمن اتقی الشبهات استبرأ لدينه و عرضه، ومن وقع فی الشبهات وقع فی الحرام". (مشکوة المصابيح، کتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول، ص: ۲۴۱، قديمی)

(۲) "ويقسم اللحم وزناً لاجزافاً إلا إذا ضم معه من الأكارع أو الجلد صرفاً للجنس لخلاف جنسه". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: لاجزافاً)؛ لأن القسمة فيها معنی المبادلة، ولو حلل بعضهم بعضاً. قال فی البدائع: أما عدم جواز القسمة مجازفة، فلأن فيها معنی التمليك واللحم =

قربانی کا گوشت سب حصہ داروں کو تول کر تقسیم کیا جائے

سوال[۸۴۸۰]: ایک عزیز نے مجھ سے کہا کہ اپنی گائے میں ہمارا بھی قربانی کا حصہ کر دینا، چنانچہ اس نے ایک روز قبل ان کو ان کے حصہ ہونے کی اطلاع دی۔ نیز یہ بھی کہا کہ آپ کے یہاں گائے کی کون کون سی چیزیں بھجوادوں، وہ موجود نہ تھے، بالغ لڑکے نے اندر سے جواب دیا کہ ہم کو سوائے گوشت کے کچھ نہ چاہئے اور ہم صرف دو سیر گوشت خود رکھیں گے باقی تقسیم کر دیں گے۔ اس کے بعد قربانی کے وقت میں ان کے یہاں چھپڑا خالی گوشت رکھنے کے لئے لینے گیا، اس وقت بھی وہ نہ ملے اور لڑکے نے جواب دیا۔

بعد قربانی گوشت کا ساتواں حصہ کلیجی پائے وغیرہ اجزاء کا ساتواں حصہ میں ان کے یہاں دے آیا، اس وقت بھی وہ موجود نہ تھے۔ عصر کے وقت جو میں ان کے یہاں گیا تو بذریعۂ صاحبزادہ اہلیہ صاحبہ نے کہلا بھیجا کہ کلیجی، چربی وغیرہ ہمارے یہاں نہیں آئی، میں نے کہا کہ رات چونکہ صرف گوشت کے لئے کہا گیا تھا اس لئے ایسا کیا گیا، ہاں! پکی ہوئی کلیجی میں سے اپنے حصے میں سے آپ کو بھیج دوں گا، کہا: اچھا۔

رات کو پختہ کلیجی لے کر میں ان کے یہاں پہونچا، اس وقت وہ عزیز بزرگ مجھ کو ملے اور کہا کہ ہر چیز کا ساتواں حصہ ہمارے یہاں کیوں نہ بھیجوایا، میں نے کہا: رات صرف گوشت کے لئے لڑکے نے کہا تھا، انہوں نے کہا کہ اگر اس نے ایسا کہا بھی تھا جب بھی مسئلہ کی رو سے ہر چیز کا ساتواں حصہ ہمارے یہاں پہونچنا چاہئے، لہذا یہ قربانی درست نہ ہوئی، خدا ہی قبول کرے۔ میں نے کہا: غلطی آپ کی ہوئی، نہ کہ میری۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ قربانی صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

صورتِ مسئولہ میں قربانی صحیح ہوگئی، گوشت تول کر تقسیم کرنا چاہئے تھا، اس کے بعد اختیار تھا اپنے

=من أموال الربا، فلا يجوز تمليكه مجازفة، أما عدم جواز التحليل، فلأن الربا لايحتمل الحل بالتحليل، ولأنه في معنى الهبة، وهبة المشاع فيما يحتمل القسمة لاتصح، اهـ. وبه ظهر أن عدم الجواز بمعنى أنه لايصح ولا يحل لفساد المبادلة، خلافاً لما بحثه في "الشرنبلالية" من أنه فيه بمعنى لايصح، ولا حرمة فيه". (قوله: إلا إذا ضم معه، الخ) بأن يكون مع أحدهما بعض اللحم مع الأكارع ومع الآخر البعض مع الجلد، عناية". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۱۷، ۳۱۸، سعيد)

حصہ کا جو چاہے کرتا۔ اگر گوشت بلا تولے تقسیم کیا جاوے اور کمی بیشی ہو جاوے تو جو زیادتی دوسرے کے پاس جاوے گی، وہ سود کے حکم میں ہوگی۔ اگر یہ بعد میں کمی والے نے زیادتی ہبہ کردی ہو، کیونکہ ہبۂ مشاع صحیح نہیں ہوتا:

"ویقسّم اللحم وزناً لا جزافاً إلا إذا ضمّ معه من الأکارع أو الجلد". قال الشامی: "(قوله: جزافاً)؛ لأن القسمة فیها معنی المبادلة ولو حلل بعضهم بعضاً. قال فی البدائع: أما عدم جواز القسمة مجازفةً، فلأن فیها معنی التملیك، واللحم من أموال الربا، فلا یجوز تملیکه مجازفةً. وأما عدم جواز التحلیل، فلأن الربا لا یحتمل الحل بالتحلیل، ولأنه فی معنی الهبة، وهبة المشاع فیما یحتمل القمسة لا تصح، اهـ". شامی: ۲۰۲/۵ (۱)۔

یہاں گوشت تو ساتواں حصہ آ ہی گیا اور کلیجی وغیرہ کے عوض میں بھی گوشت آ گیا اگر سب شرکاء اس معاوضہ پر رضامند ہیں تو اس میں کوئی خرابی نہیں، بالکل درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ ہذا، ۲۱/ ذی الحجہ/ ۵۲ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الأضحیة: ۳۱۷/۶، سعید)

"وإن اقتسم الشرکاء لحماً وزناً، جاز. وإن جزافاً، إن جعلوا مع اللحم شیئاً من السقط کالرأس والأکارع، جاز، وإلا لا. وإن جعلوا ما لا یجوز، وحلل بعضهم بعضاً، لم یجز، بخلاف ما إذا باع درهماً بدرهم وأحدهما أکثر وزناً وحلّل، حیث یجوز؛ لأنه هبة المشاع فیما لا یحتمل القسمة، إذ تحلیل الفضل هبة، واللحم مشاع یحتملها". (الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، الرابع فیما یجوز من الأضحیة: ۲۹۰/۶، رشیدیه)

(وکذا فی فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، فصل فیما یجوز فی الضحایا ومالایجوز: ۳۵۱/۳، رشیدیه)

(۲) "ولو جعلوا اللحم والشحم سبعة واقتسموا، جازت". (الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأصحیة، الرابع فیما یحوز من الأضحیة: ۲۹۰/۶، رشیدیه)

سب قربانیوں کے گوشت کو جمع کر کے تقسیم کرنا

سوال[۸۴۸۱]: اگر کسی بستی کے تمام مسلمان اتفاق قائم رکھنے کی غرض سے قربانی کے گوشت کو طریقۂ مستحبہ کے مطابق تین حصہ کر کے ایک حصہ جو خویش و اقارب کا ہے ایک جگہ جمع کیا، مگر چند حضرات نے اعتراض کیا کہ ہم لوگ خویش و اقارب کا حصہ جمع نہیں کریں گے، غرباء و مساکین کا حصہ جمع کر دیں گے، اس طرح جمع شدہ گوشت میں نصف صرف غرباء و مساکین کا حق رہا اور نصف جو خویش و اقارب کا حق ہے اس میں بھی غرباء و مساکین کا حق بہ حیثیتِ قرابت و خویشی ثابت قائم ہے، لہذا جمع شدہ گوشت کے چار بھاگ کا تین بھاگ صرف غرباء و مساکین کا حصہ ہے(۱)۔

مگر ذمہ دار حضرات نے اس کی تقسیم اس طرح کی کہ تمام گوشت کو ایک ہی ساتھ شامل کر کے بستی کے تمام مسلمانوں میں بہ حصہ برابر بھاگ کر دیا جس میں امیر غریب اہلِ نصاب سب شامل ہیں۔ یہاں تک کہ قربانی دہندہ بھی اہل نصاب کو وہ گوشت لینا کیسا ہے جب معترضین نے صرف غرباء و مساکین کا حصہ کہہ کر دیا تھا؟ اور ان طریقوں میں جو طریقہ راہ صواب سے دور ہو سب واضح کیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

قربانی کے گوشت کو تین حصہ قرار دینا: ایک اپنے گھر کے لئے، ایک خویش و اقرباء کے لئے، ایک غرباء و مساکین کے لئے، یہ محض سنت ہے واجب نہیں (۲)، گھر کے آدمی زیادہ ہوں تو سب گھر میں رکھ لینا بھی

---

(۱) "بھاگ: حصہ، ٹکڑا، بخرا، قسمت، نصیب، ورثہ، تقسیم"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۳۰، فیروز سنز لاهور)

(۲) "وندب أن لاينقص التصدق عن الثلث". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وندب، الخ) قال في البدائع: "والأفضل أن يتصدق بالثلث، ويتخذ الثلث ضيافةً لأقربائه وأصدقائه، ويدخر الثلث، ويستحب أن يأكل منها، ولوحبس الكل لنفسه جاز؛ لأن القربة في الإراقة، والتصدق باللحم تطوع". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۲۸/۶، سعيد)

"وندب أن لاينقص الصدقة من الثلث؛ لأن الجهات ثلاثة: الإطعام، والأكل، والادخار".

(البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۶/۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۸۶/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

"ويأكل من لحم الأضحية ويطعم الأغنياء والفقراء ويدخر؛ لقوله عليه السلام: "كنت نهيتكم =

درست ہے(۱)، دل چاہے تو سب غرباء ومساکین پر تقسیم کرلینا بھی درست ہے۔اس اتفاق کی کیا ضرورت پیش آئی کہ سب گوشت ایک جگہ جمع کرکے تقسیم کیا جائے، اگر ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق اپنی قربانی کا گوشت جس طرح چاہے دے اور کھائے اس میں کیا نااتفاقی اور لڑائی کا اندیشہ ہے، ہمارے خیال میں تو ہر شخص کو آزاد رکھنا چاہیے، جس چیز کی شریعت نے پابندی نہیں کی اپنی طرف سے اس کی پابندی نہیں چاہئے (۲)۔

= عن أكل لحوم الأضاحي فكلوا منها وادخروا". ومتى جاز أكله وهو غني، جاز أن يوكل غنياً. ويستحب أن لاينقص الصدقة عن الثلث؛ لأن الجهات ثلث: الأكل والادخار؛ لمارويناً، والإطعام؛ لقوله تعالىٰ: ﴿وأطعمو القانع والمعتر﴾ فانقسهم عليها أثلاثا". (الهداية، كتاب الأضحية: ۴/۴۴۹، ۴۵۰، شركة علميه ملتان)

(۱) "وندب تركه لذى عيال توسعةً عليهم". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۲۸/۶، سعيد)

"وندب تركه لذى عيال توسعةً عليهم". (الدرالمنتقى، كتاب الأضحية: ۱۷۴/۴، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۴/۴، غفاريه كوئٹه)

(۲) "وبيان ذلك أن الدليل الشرعي إذا اقتضى أمراً في الجملة مما يتعلق بالعبادات مثلاً، فأتى به المكلف في الجملة أيضاً كذكر الله والدعاء والنوافل المستحبات وما أشبهها مما يعلم من الشارع فيها التوسعة، كان الدليل عاضداً لعلمه من جهتين: من جهة معناه، ومن جهة عمل السلف الصالح. فإن أتى المكلف في ذلك الأمر بكيفية مخصوصة، أو زمان مخصوص، أو مكان مخصوص، أو مقارناً لعبادة مخصوصة، والتزم ذلك بحيث صار متخيلاً أن الكيفية أو الزمان أو المكان مقصودٌ شرعاً من غير أن يدل الدليل عليه، كان الدليل بمعزل عن ذلك المعنى المستدل عليه. فإذا ندب الشرع مثلاً إلى ذكر الله، فالتزم قومٌ الاجتماع عليه على لسان واحد وبصوت أو في وقت معلوم مخصوص عن سائر الأوقات، لم يكن في ندب الشرع مايدلّ على هذا التخصيص الملتزم، بل فيه مايدل على خلافه؛ لأن التزام الأمور غير اللازمة شرعاً شانها أن تفهم التشريع وخصوصاً مع من يقتدى به في مجامع الناس كالمساجد .... فأحرى أن لايتناولها الدليل المستدل به، فصارت من هذه الجهة بدعاً محدثةً بذلك". (الاعتصام، باب في مأخذ أهل البدع بالاستدلال ،ص: ۲۰۲، ۲۰۳، دارالمعرفة بيروت)

جس قربانی کا گوشت صدقہ کرنا واجب ہے اس کا گوشت قربانی کرنے والا نہ خود کھائے، نہ اپنے بیوی بچوں کو کھلائے، نہ کسی صاحبِ نصاب خویش واقارب وغیرہ کو دے، بلکہ تمام صدقہ کردے، مثلاً: کسی شخص نے وصیت کی کہ میری طرف سے قربانی کی جائے اور اس کا انتقال ہوگیا اور ورثاء نے اس کی طرف سے قربانی کی تو اس کا تمام گوشت صدقہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۳/۱۴۰۶ھ۔

بڑے گھرانے کا قربانی کے گوشت کو صدقہ کرنا

سوال[۸۴۸۲]: جس کے گھر میں کھانے والے زیادہ ہوں تو کیا اس کے ذمہ بھی قربانی کا ایک تہائی گوشت صدقہ کرنا ضروری ہے؟

---

(۱) "تبرع بالأضحية عن ميت جاز له الأكل منها، والهدية، والصدقة؛ لأن الأجر للميت، والملك للمضحي هو المختار، بخلاف مالو كان بأمر الميت حيث لايأكل". (فتح المعين، كتاب الأضحية: ۳۸۲/۳، سعيد)

"من ضحى عن الميت يصنع كما يصنع في أضحية نفسه من التصدق والأكل، والأجر للميت، والملك للذابح. والمختار أنه إن بأمر الميت، لايأكل منها، وإلا يأكل". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۶/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، السابع في التضحية عن الغير: ۲۹۵/۶، رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب التضحية عن الميت: ۲۷۲/۱۷، إدارة القرآن كراچی)

نوٹ: لیکن یہ اس صورت میں کہ ورثاء ترکہ کے ثلث سے قربانی کریں اور اگر ورثاء اپنے مال سے میت کے لئے قربانی کریں تو اس کا حکم مثل اپنی قربانی کا ہے، اگرچہ میت نے وصیت کی ہو:

"وينبغي تقيد الأمر بما إذا أمره بالتضحية عنه من تركته في الثلث، ولو أمره بها من عند نفسه كأمره صلى الله تعالىٰ عليه وسلم علياً رضي الله تعالىٰ عنه، فحكمه حكم لو ضحى عنه بلا أمره، لكونه تطوعاً عنه في الوجهين". (إعلاء السنن، باب ادّخار لحوم الأضاحي فوق ثلاثة أيام: ۲۷۳/۱۷، إدارة القرآن كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک تہائی گوشت کا صدقہ کرنا لازم تو کسی کے ذمہ بھی نہیں، صرف مستحب ہے، اگر تمام گوشت اپنے گھر رکھے اور کھائے تب بھی جائز ہے (۱)۔ البتہ اگر قربانی کی نذر مانی ہے تو اس کا تمام گوشت صدقہ کرنا ضروری ہے، عالمگیری: ٤/٥٠١ (٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

قربانی کے گوشت کا تیسرا حصہ صدقہ کرنا

سوال [۸۴۸۳]: عوام قربانی کے گوشت میں سری، پائے، کلیجی الگ نکلوا کر خود استعمال میں لاتے ہیں جب کہ قربانی کی دعا میں گوشت کے بدلہ گوشت اور بال کے بدلہ میں بال وغیرہ ہے۔ تو یہ کیا جائز ہوا، کیوں کہ اس دعاء کے اعتبار سے تو ہر چیز کے تین حصے کئے جانے چاہئیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تیسرا حصہ صدقہ کرنا محض مستحب ہے واجب نہیں (۳)، اگر تمام گوشت خود رکھ کر کھا لیا جائے تب بھی

---

(۱) "ويستحب أن يأكل من أضحيته ويُطعم منها غيره .... و لو تصدق بالكل، جاز، ولو حبس الكل لنفسه جاز". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: ۵/۳۰۰، رشيديه)

"ويستحب أن يأكل منها، ولو حبس الكل لنفسه، جاز؛ لأن القربة في الإراقة، والتصدق باللحم تطوع". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ٦/٣٢٨، سعيد)

"وندب أن لا ينقص الصدقة من الثلث". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۸/۳۲٦، رشيديه)

(۲) "وإنما وجبت بالنذر، فليس لصاحبها أن يأكل منها شيئاً، ولا أن يُطعم غيره من الأغنياء، سواء كان الناذر غنياً أو فقيراً؛ لأن سبيلها التصدق". (البحر الرائق، كتاب الأصحية: ۸/۳۲۷، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ٦/۴۸٦، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "وندب أن لا تنقص الصدقة عن الثلث". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/۱۷۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وندب أن لا ينقص الصدقة عن الثلث". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۸/۳۲٦، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الأضحية: ٦/٣٢٨، سعيد)

جائز ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند،۱۰/ ۵/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۴/ ۵/ ۸۸ھ۔

قربانی کا گوشت پکا کر دینا

سوال[۸۴۸۴]: عموماً قربانی کا گوشت خویش واقارب، غرباء اور مساکین کے درمیان ہدیہ کر دیا جاتا ہے، اگر اضحیہ کا گوشت ہدیہ نہ کیا جائے بلکہ پکا کر دیا جائے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ ایسی دعوت کا قبول کرنا کیسا ہے؟ اگر کوئی شخص ایسی دعوت کو قبول نہ کرے بلکہ ناجائز بتلائے تو ازروئے شرع تارکِ سنت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قربانی کا گوشت امیر غریب سب کو دینا درست ہے، عزیز واقارب کو بھی دیا جا سکتا ہے، پکا کر کھلانا اور دعوت کرنا بھی درست ہے (۲)۔ جو شخص ایسی دعوت کو ناجائز بتلائے، اس سے دلیل طلب کی جائے۔ نذر کی قربانی کا گوشت صدقہ کرنا واجب ہے اگرچہ پکا کر ہو، وہ مالدار کو دینا درست نہیں (۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "ولو حبس الكل لنفسه جاز؛ لأن القربة في الإراقة، والتصدق باللحم تطوعٌ". (رد المحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۸/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب: ۳۰۰/۵، رشيديه)

(۲) "ويأكل من لحم أضحيته، ويطعم من شاء من غني وفقير". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۳/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"والأفضل أن يتصدق بالثلث، ويتخذ الثلث ضيافةً لأقربائه وأصدقائه". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۸/۶، سعيد)

"والأفضل أن يتصدق بالثلث ويتخذ الثلث ضيافةً لأقاربه وأصدقائه". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، مايستحب في الأضحية: ۳۲۰/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "والحاصل أن التي لا يؤكل منها هي المنذورة ابتداءً، والتي وجب التصدق بعينها بعد أيام النحر". =

قربانی کا گوشت ہندو یا خاکروب کو دینا

سوال[۸۴۸۵]: قربانی کا گوشت آیا ہنود کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں خاکروب بھی شامل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ذمی کو دینا جائز ہے، چاہے وہ خاکروب ہو یا کوئی اَور(۱)، لیکن خدمت وغیرہ کے عوض میں دینا درست نہیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۴/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، یکم/ جمادی الاولیٰ/ ۵۷ھ۔

قربانی کا گوشت مہترانی کو دینا

سوال[۸۴۸۶]: میرا معمول ہے کہ ہر عید الاضحیٰ پر ایک بکرے کی قربانی جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے کیا کرتا ہوں۔ اس سلسلہ میں دریافت طلب یہ ہے کہ کیا اس کا گوشت اپنے یہاں کی مہترانی کو دیا جا سکتا ہے(۳)؟ علاوہ ازیں اس قربانی کے گوشت کے تین حصے کر لئے جاتے ہیں، ان کی تقسیم

= (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۷/۶، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۸۶/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "ويهب منها ما شاء للغني والفقير والمسلم والذمي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب: ۳۰۰/۵، رشيديه)

"وللمضحي أن يهب كل ذلك أو يتصدق أو يهديه لغني أو فقير مسلم أو كافر". (إعلاء السنن، باب بيع جلد الأضحية: ۲۵۸/۷، إدارة القرآن كراچی)

"ويطعم الغني والفقير، ويهب منها ما شاء لغني ولفقير ولمسلم وذمي. ولو تصدق بالكل، جاز. ولو حبس الكل لنفسه، جاز". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۱۶۶/۴، كتاب الأضحية، سعيد)

(۲) "ولا يعطي أجر الجزار منها؛ لأنه كبيع". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۲۸/۶، سعيد)

(۳) "مہترانی: حلال خوری، بھنگن، چماری، بھٹیاری"۔ (فيروز اللغات، ص: ۱۳۲۲، فيروز سنز لاهور)

ایسے ہوتی ہے کہ: ایک حصہ اپنے لئے، دوسرا عزیزوں اوراحبابوں کے لئے، تیسرا حصہ غرباء مساکین کے لئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ میں کسی کسی موقع پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے صدقہ کا بکرا کرتا ہوں اوراسی طرح ایک بزرگ ہیں، ان کی طرف سے بھی صدقہ کا بکرا کیا کرتا ہوں۔ کیا صدقہ کا گوشت اپنے یہاں کی مہترانی کو بھی دیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں قسم کی قربانی کا گوشت مہترانی کو بھی دینا درست ہے(۱)، مگر معاوضۂ خدمت میں نہ ہو(۲)۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے جو قربانی کی جائے اس کے تین حصے کرلینا درست ہے(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۳/۹/۸۸ھ۔

غیرمسلم کوقربانی کا گوشت دینا

سوال[۸۴۸۷]: قربانی کا گوشت غیرمسلم بھنگی وغیرہ کودینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے(۴)، مگر معاوضۂ خدمت میں نہ دے(۵)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) (راجع، ص: ۴۳۳، رقم الحاشية : ۱)

(۲) (راجع، ص: ۴۳۳، رقم الخاشية)

(۳) "تبرع بالأضحية عن ميت، جاز له الأكل منها والهدية والصدقة؛ لأن الأجر للميت، والملك للمضحي". (فتح المعين، كتاب الأضحية: ۳/۳۸۲، سعيد)

"من ضحى عن الميت يصنع كما يصنع في أضحية نفسه من التصدق والأكل، والأجر للميت، والملك للذابح". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۶، سعيد)

"وندب أن لا ينقص الصدقة من الثلث". (فتح المعين، كتاب الأضحية: ۳/۳۸۲، سعيد)

(۴) "ويهب منها ما شاء للغني والفقير والمسلم والذمي". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الخامس في =

قربانی اور عقیقہ کا گوشت غیر مسلم کو دینا

سوال[۸۴۸۸]: قربانی اور عقیقہ کا گوشت غیر مسلموں کو دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جس قربانی کا گوشت صدقہ کرنا واجب ہے جیسے نذر، اس کا گوشت غیر مسلم کو نہ دیا جائے (۱) اور عام قربانی کا گوشت جیسے عقیقہ کا گوشت غیر مسلم حربی کو بھی دینا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند۔

= بيان محل إقامة الواجب: ۵/۳۰۰، رشيديه)

"وللمضحي أن يهب كل ذلك أو يتصدق أو يهديه لغني أو فقير مسلم أو كافر". (إعلاء السنن، باب بيع جلد الأضحية: ۲۵۸/۷، إدارة القرآن كراچی)

"و يطعم الغني والفقير، ويهب منها ما شاء لغني ولفقير و لمسلم وذمي. ولو تصدق بالكل، جاز. ولو حبس الكل لنفسه، جاز". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱۶۶/۴، كتاب الأضحية، سعيد)

(۵) "ولا يعطى أجر الجزار منها؛ لأنه كبيع". (الدر المختار، كتاب الأصحية: ۳۲۸/۶، سعيد)

(۱) "(وجاز) دفع (غيرها وغير العشر) والخراج (إليه): أي الذمي ولو واجباً كنذر وكفارة وفطرة، خلافاً للثاني، وبقوله يفتي، حاوي القدسي. وأما الحربي ولو مستأمناً فجميع الصدقات لاتجوز له اتفاقاً". (الدر المختار). "(قوله: خلافاً للثاني) حيث قال: إن دفع سائر الصدقات الواجبة إليه، لايجوز اعتباراً بالزكاة. وصرح في الهداية وغيرها بأن هذا رواية عن الثاني، وظاهره أن قوله المشهور كقولهما. (قوله: وبقوله يفتي) الذي في حاشية الخير الرملي عن الخاوي: وبقوله نأخذ. قلت: لكن كلام الهداية وغيرها يفيد ترجيح قولهما، وعليه المتون". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۳۵۱/۲، ۳۵۲، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲۶۶/۲، ۲۶۷، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) لیکن کسی کام کی اجرت میں دینا صحیح نہیں: كما تقدم تخريجه تحت المسئلة المتقدمة آنفاً.

خدمت گزاروں کوقربانی کا گوشت دینا

سوال[۸۴۸۹]: متعدد جگہ دستور ہے کہ قصائی، نائی، دھوبی، بھنگی بھی قربانی کا گوشت مانگتے ہیں اور ان کو دیا بھی جاتا ہے، اگر نہ دیا جائے تو وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا حق مارلیا اور بہت ناراض ہوتے ہیں۔ تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے، آیا ان کا اپنا حق الخدمت سمجھنا اور اس بناء پر ان کو دینا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ حق الخدمت سمجھنا بھی غلط ہے اور اس طرح دینا بھی منع ہے، اگر اس طرح دیدیا ہے تو جس قدر دیا ہے اس کی قیمت صدقہ کردی جائے، شامی: ۲۰۹/۵ (۱) بغیر حق الخدمت کے دیا جائے تو مضائقہ نہیں (۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "(ولا یعطی أجر الجزار منها)؛ لأنه کبیع واستفیدت من قوله علیه الصلوة والسلام: "من باع جلد أضحیته، فلا أضحیته له". هدایة. (قوله: لأنه کبیع)؛ لأن کلا منهما معاوضة؛ لأنه إنما یعطی الجزار بمقابلة جزره، والبیع مکروه، فکذا ما فی معناه، کفایة". (ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۳۲۸/۶، ۳۲۹، سعید)

"وعن علی بن أبی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: أمرنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أن أقوم علی بدنة وأن أتصدق بلحومها وجلودها و أجلتها، وأن لا أعطی الجزار منها شیئاً، وقال: نحن نعطیه من عندنا". (إعلاء السنن، باب التصدق بلحوم الأضاحی: ۲۶۳/۱۷، إدارة القرآن کراچی)

(والسنن الکبری للبیهقی، کتاب الضحایا، بابٌ: لایبیع من أضحیته شیئاً ولا یعطی أجر الجازر منها: ۴۹۵/۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) "ولا یعطی الجازر بأجرته منها شیئاً .... ولأن ما یدفعه إلی الجزار أجرةً عوضٌ عن عمله وجزارته، و لا تجوز المعاوضة بشیئ منها. فأما إن دفع إلیه لفقره أو علی سبیل الهدیة، فلا بأس؛ لأنه مستحق للأخذ، فهو کغیره، بل هو أولیٰ؛ لأنه باشرها وتاقت نفسه إلیه". (إعلاء السنن، کتاب الأضاحی، باب التصدق بلحوم الأضاحی وغیرها: ۲۶۷/۱۷، إدارة القرآن کراچی)

"ولایعط أجرة الجزار .... أمالو أعطاه لفقره، أو علی وجه الهدیة، فلا بأس به". (حاشیة الشلبی علی التبیین، کتاب الأضحیة: ۴۸۷/۶، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الفقه الإسلامی وأدلته، المبحث السادس: أحکام لحوم الضحایا: ۲۷۳۹/۴، رشیدیه)

میت کی طرف سے کی گئی قربانی کا گوشت

سوال[۸۴۹۰]: میت کی طرف سے جو قربانی کی جائے تو اس کا گوشت قربانی کرنے والا خود بھی کھا سکتا ہے یا کل کا صدقہ کرنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر میت نے وصیت کی تھی کہ میری طرف سے قربانی کی جائے تب تو اس کا تمام گوشت صدقہ کر دیا جائے، اگر وصیت نہیں کی تو قربانی کرنے والا خود بھی کھا سکتا ہے، بلکہ اس تمام گوشت کا مالک ہے جس طرح اپنی قربانی کے گوشت کا مالک ہے، شامی: ۵/۲۰۷، ۲۱۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قربانی کے گوشت سے ایصالِ ثواب اور مروجہ فاتحہ

سوال[۸۴۹۱]: ہندوستان میں بعض اشخاص کے یہاں یہ دستور ہے کہ مُردوں کی ارواح کو ایصالِ ثواب یعنی فاتحہ کرنے کے لئے قربانی والے گوشت سے مُردوں کی فاتحہ نہیں دلاتے، بلکہ کہتے ہیں کہ جس شخص کے نام سے قربانی ہوتی ہے اس کو ثواب ملے گا اس گوشت کا، اس لئے علیحدہ گوشت منگوا کر بعد پکانے کے مُردوں کی فاتحہ دلاتے ہیں۔ ہندوستان کی یہ جاہل رسم قابلِ ترک وبدعت ہے یا نہیں؟ عوام کا یہ کہنا کہ قربانی کا

---

(۱) "تبرع بالأضحية عن ميت، جاز له الأكل منها والهدية والصدقة؛ لأن الأجر للميت والملك للمضحي، وهو المختار. بخلاف ما لو كان بأمر الميت، حيث لا يأكل". (فتح المعين، كتاب الأضحية: ۳/۳۸۲، سعيد)

"من ضحى عن الميت، يصنع كما يصنع في أضحية نفسه من التصدق والأكل، والأجرُ للميت، والملك للذابح. والمختار إن بأمر الميت لا يأكل منها، وإلا يأكل". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، السابع في التضحية عن الغير: ۶/۲۹۵، رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب التضحية عن الميت: ۱۷/۲۷۲، إدارة القرآن كراچی)

ثواب جس کے نام کیا مل گیا، سب ارواح کو نہیں ملے گا اور نہ اس گوشت سے ثواب ملے گا، کیونکہ قربانی والا گوشت تو وہی ہے، اس لئے علیحدہ خرید تے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

عوام کا یہ عقیدہ اور خیال غلط اور باطل ہے۔ جس نے قربانی کی اس کو ثواب نفسِ قربانی کا ملا ہے، گوشت کو خدا واسطہ دینے کا ثواب مستقل ہے، قربانی کی وجہ سے اس میں کمی نہیں آتی (۱)۔

طریقۂ مروجہ پر یعنی کھانا سامنے رکھ کر اس پر فاتحہ پڑھانا بھی شرعاً بے اصل ہے اور بدعت ہے (۲)،

---

(۱) "تبرع بالأضحية عن ميت، جاز له الأكل منها، والهدية، والصدقة؛ لأن الأجر للميت، والملك للمضحي هو المختار، بخلاف مالو كان بأمر الميت حيث لايأكل". (فتح المعين، كتاب الأضحية: ۳۸۲/۳، سعيد)

"من ضحى عن الميت يصنع كما يصنع في أضحية نفسه من التصدق والأكل، والأجر للميت، والملك للذابح. والمختار أنه إن بأمر الميت، لايأكل منها، وإلا يأكل". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۶/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، السابع في التضحية عن الغير: ۲۹۵/۶، رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب التضحية عن الميت: ۲۷۲/۱۷، إدارة القرآن كراچي)

نوٹ: لیکن یہ اس صورت میں کہ ورثاء ترکہ کے ثلث سے قربانی کریں اور اگر ورثاء اپنے مال سے میت کے لئے قربانی کریں تو اس کا حکم مثل اپنی قربانی کا ہے، اگرچہ میت نے وصیت کی ہو:

"وينبغي تقيد الأمر بما إذا أمره بالتضحية عنه من تركته في الثلث، ولو أمره بها من عند نفسه كأمره صلى الله تعالىٰ عليه وسلم علياً رضي الله تعالىٰ عنه، فحكمه حكم مالو ضحى عنه بلا أمره، لكونه تطوعاً عنه في الوجهين". (إعلاء السنن، باب ادّخار لحوم الأضاحي فوق ثلاثة أيام: ۲۷۳/۱۷، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "قرأة الفاتحة والإخلاص والكافرون على الطعام بدعة". (الجنة لأهل السنة، ص: ۱۵۵، بحواله راه سنت، ص: ۲۷۵)

(وكذا في مجموعة الفتاوى العلامة اللكهنوى، كتاب الجنائز: ۳۴۱/۱، سعيد) ....=

اس کا ترک ضروری ہے۔ بلا التزامِ تاریخ وہیئت وغیرہ کے جب توفیق ہو غلہ، کھانا، کپڑا، نقد، جوتہ وغیرہ دے کر، یا نماز، قرآن، دعا پڑھ کر، یا روزہ رکھ کر ثواب پہنچا دیا جائے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں (۱)۔ جس شخص کو جس چیز

= (وفتاوی رشیدیه، کتاب البدعات، ص: ۴۴۹، دارالإشاعت کراچی)

"عن جابر بن عبدالله قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "إذا خطب احمرت عيناه وعلاصوته واشتد غضبه حتى كأنه منذر جيش، يقول: "صبحكم ومساكم" ويقول: "بعثت أنا والساعة كهاتين" ويقرن بين أصبعيه السبابة والوسطى ويقول: "أمابعد! فإن خير الحديث كتاب الله، وخير الهدى هدى محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وشر الأمور محدثاتها وكل بدعة ضلالة". (الصحيح لمسلم، كتاب الجمعة: ۱/۲۸۵، قديمي)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول، ص:۲۷، قديمي)

"(وشر الأمور) بالنصب، وقيل: بالرفع (محدثاتها) -بفتح الدال- يعني البدع الاعتقادية والقولية والفعلية. (وكل بدعة) بالرفع بالنصب. (ضلالة) قال في الأزهار: أي كل بدعة سيئة ضلالة، لقوله عليه الصلوة والسلام : "من سن في الإسلام سنةً حسنةً، فله أجرها وأجر من عمل بها". وجمع أبوبكر وعمر رضي الله تعالىٰ عنهما القرآن، وكتبه زيد رضي الله تعالىٰ عنه في المصحف، وجدد في عهد عثمان رضي الله تعالىٰ عنه". قال النووي رحمه الله تعالىٰ: البدعة كل شيء عمل على غير مثال سبق، وفي الشرع: إحداث مالم يكن في عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۳٦۷، ۳٦۸، رشيديه)

"لأن ذكرالله تعالىٰ إذا قصد به التخصيص بوقتٍ دون وقتٍ، أو بشي دون شئ لم يكن مشروعاً حيث لم يرد به الشرع؛ لأنها خلاف الشرع". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب العيدين، ص: ۲۷۹، رشيديه)

(۱) "لو قرأ في بيته وأهدى ثوابها إليهم بأن قال بلسانه بعد فراغه من قرأته: اللهم! اجعل ثواب ما قرأته لأهل القبور، لَوَصل إليهم؛ لأن هذا دعاء بوصول الثواب إليهم، والدعاء يصل بلا خلاف". (مسائل أربعين، ص: ۸۵، مسئله: ۳۵)

"الأصل أن كل من أتى بعبادةٍ مّا، له جعل ثوابها لغيره. (قوله: بعبادةٍ مّا): أي سواء كانت صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو قراءةً أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غير دلك من زيارة قبور الأنبياء عليهم الصلوة والسلام والشهداء والأولياء والصالحين، وتكفين الموتى وجميع أنواع البر". (ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب في إهداء ثواب الأعمال للغير: ۲/۵۹۵، سعيد)

کی زیادہ ضرورت ہو، وہ چیز دینے سے زیادہ ثواب ہوتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قربانی کا گوشت سُکھا کر دیر تک رکھنا

سوال[۸۴۹۲]: بعض آدمی قربانی کا گوشت ہفتوں بلکہ مہینوں تک سُکھا کر رکھتے ہیں اور کھاتے رہتے ہیں۔ ایسا کرنے میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کوئی قباحت نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قربانی میں گوشت فروخت کرنے کی نیت

سوال[۸۴۹۳]: سات آدمیوں نے مل کر ایک جانور خریدا پھر معلوم ہوا کہ ایک شخص کی نیت گوشت فروخت کرنے کی ہے قربانی کی نیت نہیں، وہ گوشت فروخت کرنے کا پیشہ کرتا ہے۔ اس سے دوسروں کی قربانی میں تو کوئی نقصان نہیں آئے گا؟

---

(۱) "عن سلیمان بن بریدة عن أبیه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: "کنت نهیتکم عن لحوم الأضاحی فوق ثلاث لیتسع ذو الطول علی من لا طول له، فکلوا ما بَدَا لکم، وأطعموا وادّخروا". (سنن الترمذی: ۱/۲۷۷، باب الرخصة فی أکلها بعد ثلاث، سعید)

"عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم أنه نهی عن أکل لحوم الضحایا بعد ثلاث، ثم قال بعد: "کلوا وتزوّدوا وادّخروا". (الصحیح لمسلم، باب بیان ما کان من النهی عن أکل لحوم الأضاحی بعد ثلاث فی أول الإسلام، وبیان نسخه وإباحته إلی متی شاء: ۱۵۸/۲، قدیمی)

(وسنن ابن ماجة، ص: ۲۲۸، باب ادّخار لحوم الأضاحی، قدیمی)

(وإعلاء السنن، باب ادّخار لحوم الأصاحی: ۲۷۳/۱۷، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۳۲۸/۶، سعید)

الجواب حامداًومصلیاً:

اس کا حصہ کوئی اَور قربانی کرنے والا خرید لے، اس کے بعد قربانی کی جائے، ورنہ سب کی قربانی خراب ہوجائے گی، کسی کی بھی درست نہیں ہوگی، شامی: ۵/۲۰۸ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قربانی کے بعد اپنا حصہ فروخت کرنا

سوال [۸۴۹۴]: ایک جانور کی سات آدمیوں نے مل کر قربانی کی پھر ایک شخص نے کہا کہ میں اپنا حصہ فروخت کرنا چاہتا ہوں، کسی نے اس کو خریدا اور گوشت لے کر دام دے دیئے۔ تو اس خریدنے والے کی اس طرح قربانی ادا ہوگی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس طرح قربانی ادا نہیں ہوئی (۲) دام واپس کردے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

---

(۱) "وإن كان شريك الستة نصرانياً أو مريد اللحم، لم يجز عن واحد منهم؛ لأن الإراقة لا تتجزء". (الدر المختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۶، سعيد)

"وإن كان شريك الستة نصرانياً أو مريد اللحم، لم يجز عن واحد منهم". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۸۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۸/۳۲۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الثامن: ۵/۳۰۴، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/۱۶۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) اس لئے کہ جانور جو مانع اضحیہ نہ ہو اس کا بنیت اضحیہ ایام اُضحیہ میں ذبح کرتے ہوئے اراقۃ الدم پر عمل کرنا صحت اضحیہ کے لئے رکن ہے اور صورت مسئولہ میں اراقۃ الدم جو کہ رکن ہے، اس کے مفقود ہونے کی وجہ سے اضحیہ درست نہیں:

"وركنها ذبح مايجوز ذبحه من النعم لاغير .... فتجب التضحية: أى، إراقة الدم من النعم عملاً". (تنوير الأبصار وشرحه مع ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۱۲، سعيد)

"وأما ركنها فذبح مايجوز ذبحه في الأضحية بنية الأضحية في أيامها؛ لأن ركن الشي ماقيم به ذلك الشي والأضحية إنما تقوم بهذا الفعل". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الأول في تفسيرها وركنها: ۵/۲۹۱، رشيديه)

(۳) "فإن كانت تتعلق بآدمي، لزم رد الظلامة إلى صاحبها أو وارثه أو تحصيل البراءة منه". (روح =

قربانی کا گوشت تقسیم کے لئے دیا تھا اس کو فروخت کر دیا

سوال[۸۴۹۵]: حافظ محمد یاسین موضع رجولی ضلع انبالہ نے ایک بچھڑی قربانی کی اور مسجد ادھویا موضع رجولی میں آیا اور امام مسجد کو حافظ محمد یاسین نے قربانی کا گوشت تقسیم کرنے کو دیا کہ اس کو ادھویا میں تقسیم کردو، کیونکہ ادھویا میں مدتِ دراز سے قربانی بند ہے۔ امام مسجد نے گوشت ایک دو آنہ سیر بیچ دیا، لوگوں میں چرچا ہوا کہ یہ گوشت بیچنا جائز نہیں۔ امام مسجد ادھویا نے کہہ دیا کہ جائز ہے۔ آپ مندرجہ ذیل امور کو مدِ نظر رکھتے ہوئے شریعت کا حکم تحریر فرمائیں، کیونکہ پبلک کو خطرہ ہے کہ قربانی کے گوشت فروخت کرنے کا عام رواج نہ ہو جائے۔ مدرسہ کی مہر بھی ہونی چاہیئے تا کہ لوگوں کو اعتبار ہو جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قربانی کا گوشت بیچنا جائز نہیں ہے(۱)، امام نے غلط مسئلہ بتایا۔ امام کے ذمہ واجب ہے کہ گوشت کی تمام قیمت کو واپس کردے، جس سے جتنی قیمت لی ہے ہر ایک کی قیمت واپس کر دے(۲)، کیونکہ حافظ محمد یاسین

= المعانی، (سورة التحریم: ۸): ۲۸/۱۵۸، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

"ثم إن کان الحق لآدمی رده إلیه بطریقه". (ابن کثیر، (سورة التحریم: ۸): ۴/۵۰۳، مکتبه دار الفیحاء)

(۱) "(فإن بیع اللحم أو الجلد به): أی بمستهلک (أو بدراهم، تصدق بثمنه) ومفاده صحة البیع مع الکراهة. وعن الثانی باطل؛ لأنه کالوقف". (الدر المختار). قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: فإن بیع اللحم أو الجلد به، الخ) أفاد أنه لیس له بیعهما بمستهلک وأن له بیع الجلد بما تبقی عینه، وسکت عن بیع اللحم به للخلاف فیه .... والصحیح کما فی الهدایة وشروحها أنهما سواء فی جواز بیعهما بما ینتفع بعینه دون مایستهلک، وأیده فی الکفایة بما روی ابن سماعة عن محمد رحمهما الله تعالیٰ: لو اشتری باللحم ثوباً، فلا بأس بلبسه". (رد المحتار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۲۸، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الأضحیة: ۸/۳۲۷، رشیدیه)

(۲) خریداروں سے گوشت واپس کرائے، لیکن اگر خریداروں نے گوشت کھا لیا ہے تو حافظ محمد یاسین، امام یا خریداروں سے گوشت کی بازاری قیمت لیکر فقراء پر صدقہ کرے: .... =

نے گوشت تقسیم کرنے کے لئے دیا تھا بیچنے کے لئے نہیں دیا تھا۔ اگر امام مسجد قیمت واپس نہیں کرے گا تو سخت گنہگار ہوگا۔ اگر اس امام سے بہتر کوئی دوسرا شخص موجود ہو تو دوسرے کو امام بنایا جائے اور اس بیچنے والے امام کو علیحدہ کر دیا جائے، اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۱۲/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۱۲/۶۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۲/۱۲/۶۰ھ۔

قربانی کا گوشت فروخت کرنا

سوال [۸۴۹۶]: قربانی کرنے والا اپنی قربانی کے گوشت کو فروخت کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر اس نے خود قربانی نہ کی، دوسروں کے یہاں سے گوشت آیا ہو تب کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اپنی قربانی کا گوشت فروخت کرنا مکروہ ہے، اگر فروخت کر دیا تو قیمت صدقہ کرنا واجب ہے (۲)۔ جو

= "إذا باع الرجل مال الغير عندنا، يتوقف البيع على إجازة المالك .... ولو هلك المبيع في يد المشتری، فللمالک أن يضمن أيّهما شاء". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱۵۲/۳، رشيديه)

"بيع الفضولی إذا أجاز صاحب المال .... نفذ، وإلا انفسخ". (شرح المجلة: ۲۱۲/۱، (رقم المادة: ۳۷۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "ويكره إمامة عبد وأعرابی وفاسق وأعمی". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمارة: ۵۵۹/۱، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱۲۲/۱، شركة علميه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۶۱۰/۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، الأولىٰ بالإمامة، ص: ۵۱۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۳، قديمی)

(۲) "فإن بدل اللحم أو الجلد به، يتصدق به". (ملتقی الأبحر). "وقوله: عليه السلام: "من باع جلد =

گوشت کسی دوسرے شخص نے قربانی کا دیا ہو، اس کو فروخت کرنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= أضحية، فلا أضحية له". يفيد كراهة البيع". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۴/۴، غفاريه كوئٹه)

"ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها، جاز؛ لأنه قربة كالتصدق بالجلد واللحم، وقوله عليه السلام: "من باع أضحيةً، فلا أضحية له". يفيد كراهة البيع". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۷/۸، رشيديه)

(وكذا في الدر المنتقى، كتاب الأضحية: ۱۷۴/۴، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۸۶/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "وللغني أن يشترى الصدقة الواجبة من الفقير ويأكلها، وكذا لو وهبها له، لما عُلم أن تبدّل الملك كتبدل العين". (البحرالرائق، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۴۲۷/۲، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، باب موت المكاتب و عجزه: ۱۱۶/۶، سعيد)

بابٌ فی أيام الأضحية ووقتها وقضائها

(قربانی کے دن، وقت اور قضاء کا بیان)

قربانی کے کتنے دن ہیں

سوال[۸۴۹۷]: دسویں، گیارہویں، بارہویں تیرہویں تک قربانی کرسکتا ہے۔ مؤطا امام مالک ودار قطنی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مؤطا امام مالک میں یہ روایت مجھے نہیں ملی، نہ یہ ان کا مذہب ہے:

"مالك عن نافع عن عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: "الأضحى يومان بعد يوم الأضحىٰ". مؤطأ إمام مالك، ص: ۱۸۸(۱)۔

البتہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ مذہب ہے کہ اس روایت سے وہ استدلال کرتے ہیں:

"آخر وقتها عند الشافعی رحمه الله تعالیٰ اٰخر أيام التشريق، وقال أبوحنيفة ومالك رحمهما الله تعالیٰ: اٰخر الثانی أيام التشريق، اهـ". رحمة الأمة، ص: ١٦٤(٢)۔

"ومن ذلك قول الشافعی رحمه الله تعالیٰ: إن اٰخر وقت التضحية هو اٰخر أيام التشريق الثلاثة مع قول أبی حنيفة ومالك رحمهما الله تعالیٰ: إن اٰخر وقت التضحية هو اٰخر اليوم الثانی من أيام التشريق. ومع قول سعيد بن جبير رحمه الله تعالیٰ: إنه يجوز لأهل الأمصار التضحية فی النحر خاصةً. ومع قول النخعی: إنه يجوز تأخيرها إلى آخر شهر ذی الحجة". ميزان

---

(۱) (مؤطا الإمام مالک، کتاب الضحايا، ص: ۴۹۵، میر محمد کتب خانه)

(۲) (رحمة الأمة فی اختلاف الأئمة، کتاب الأضحية، ص: ۱۱۷، مکتبه إمداديه ملتان)

شعرانی: ۲/۵٦(۱)۔

"أيام النحر ثلاثة: يوم الضحیٰ وهو اليوم العاشر من ذی الحجه، والحادی عشر، والثانی عشر، وذلك بعد طلوع الفجر من اليوم الأول إلى غروب الشمس من الثانی عشر. وقال الشافعی رحمه الله تعالیٰ: أيام النحر أربعة: أيام العاشر من ذی الحجة، والحادی عشرة، والثانی عشرة، والثالث عشرة. والصحيح قولنا، لِمَا روی عن سيدنا عمر، وسيدنا علی، وابن عباس، وابن عمر، وأنس بن مالك رضی الله تعالیٰ عنهم أنهم قالوا: أيام النحر ثلثة، أوّلها أفضلها. والظاهر أنهم سمعوا ذلك من رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم؛ لأن أوقات العبادات والقربات لا تعرف إلا بالسماع، اهـ". بدائع: ۵/٦۵(۲)۔

روایتِ مسئولہ دارقطنی میں موجود ہے، اس میں ایک راوی ہے"ابومعید" ان کے متعلق لکھا ہے: "فيه لين".

بزار نے بھی اس کو روایت کیا ہے، اُس میں "سوید بن عبدالعزیز" ہیں، وہ منفرد ہیں: "وهو ليس بالحافظ، لايُحتجّ به إذا انفرد"۔

بیہقی نے بھی روایت کیا ہے، اُس کی سند میں "سلیمان بن موسیٰ عن جبیر بن مطعم". قال البيهقی: وسليمان بن موسی لم يدرك جبير بن مطعم"(۳)۔

ابن عدی نے کامل میں بھی اس کی تخریج کی ہے، اُس کی سند میں "معاویہ بن یحییٰ" ہیں، ان کی نسائی،

---

(۱) (الميزان الكبریٰ الشعرانية، باب الأضحية والعقيقة: ۲/٦٦، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل فی وقت الوجوب: ٦/۲۸۵-۲۸۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "أخبرنا أبو حامد .... حدثنی سليمان بن موسیٰ عن جبير بن مطعم رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "كل عرفات موقف .... وكل أيام التشريق ذبح". قال البيهقی، ولفظه: "هذا هو الصحيح وهو مرسل". (السنن الكبری للبيهقی، كتاب الضحايا، باب من قال: الأضحی جائز يوم النحر: ۹/۴۹۸، دارالكتب العلمية بيروت)

سعد بن معین، علی ابن مدینی نے تضعیف کی ہے(۱)، ابن ابی حاتم بھی ان مضعّفین کے ساتھ موافق ہیں، بلکہ یہاں تک کہ:

"ووافقهم، وقال ابن أبى حاتم فى كتاب العلل: قال أبى: هذا حديث موضوع بهذا الإسناد، اهـ". هذا من نصب الراية (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کیا قربانی چار دن ہے؟

سوال[۸۴۹۸]: عینی- جو شرح ہے بخاری شریف کی -۱۰/۹۰، پر ہے:

''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فرمان ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں، امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بسندِ جید فرمایا ہے''۔

اب یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول طحاوی میں نہیں ملتا، یہ قول امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کونسی کتاب میں ہے، اس کتاب سے پوری سند تحریر فرمائیں۔ یہ بڑا زبردست اشکال ہے۔

صاحب فتح الباری، طحاوی کے حوالہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول سے بحوالۂ طحاوی چار دن کی قربانی ثابت کرتے ہیں اور کتاب طحاوی میں دونوں قول نہیں ملتے۔ مہربانی فرما کر اپنا قیمتی وقت اس بات پر خرچ کریں اور معمہ کو حل فرمائیں۔ فتح الباری کی بات صحیح ہے یا عینی کی؟ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دونوں قول کی سند مطلوب ہے، جواب مدلل عنایت فرمائیں۔

سائل: عبداللہ خطیب سی بلاک، ڈیرہ غازی خان، ۱۰/۳/۷۱ھ۔

---

(۱) "ثنا محمد بن حلف أبو العباس القرشي قال: سمعت على ابن المديني: معاوية بن يحيى الصدفى ضعيف .... سمعت ابن حماد يقول: قال السعدى: معاوية بن يحيى الصدفى ذاهب الحديث. وقال النسائي: معاوية بن يحى الصدفى ضعيف". (الكامل فى ضعفاء الرجال، من اسمه معاوية (رقم الترجمة: ۱۸۸۵/۲۶۴، معاويه بن يحيى الصدفى: ۳۹۹/۶، دارالفكر بيروت)

(۲) العبارة المذكورة من أوّلها إلى آخرها للزيلعي، فليراجع: (نصب الراية، كتاب الأضحية: ۲۱۳/۴، مؤسسه الريان، المكية)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیہقی نے نقل کیا ہے: "الأضحی ثلثة أيام بعد يوم النحر" (۱)۔

یہ اثر موقوف ہے۔ طحاوی کا قول عینی نے نقل کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: "الأضحان يومان بعد يوم النحر"۔ عامۂ کتب میں طحاوی کی روایت بھی ملتی ہے۔

فتح الباری میں طحاوی کی طرف چار دن والی روایت جو منسوب کی گئی ہے، وہ کتبِ احناف میں نہیں، عینی نے جو کچھ نقل کیا ہے، وہ احکام القرآن سے لیا ہے، طحاوی کی یہ کتاب بھی یہاں نہیں ملتی، ابن الترکمانی نے اس کا حوالہ دیا ہے:

"قال الطحاوی فی أحكام القرآن: لم يُرو عن أحد من الصحابة خلافهم، فتعين اتباعهم؛ إذ لا يوجد ذلك إلا توقيفاً. و فی الاستذكار: روی ذلك عن علی، وابن عباس، وابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهم، و لم يختلف فيه عن أبی هريرة وأنس رضی الله تعالیٰ عنهما، وهو الأصح عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما، و هو مذهب أبی حنيفة، والثوری، ومالك رحمهم الله تعالیٰ. وفی نوادر الفقهاء لابن بنت نعيم: أجمع الفقهاء أن التضحية فی اليوم الثالث عشر غير جائزة، إلا الشافعی رحمه الله تعالیٰ، فإنه أجازها فيه، اهـ". الجوهر النقی: ۲/۲۴۲ (۲)۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جو منقول ہے: "الأضحیٰ ثلثة أيام بعد يوم النحر". تو اس کی سند میں "طلحہ ابن عمرو حضرمی" ہیں، ابن معین، ابوزرعہ، دارقطنی نے ان کی تضعیف کی ہے اور احمد نے ان کو متروک قرار دیا ہے (۳)، وہ یہ ہے:

---

(۱) (السنن الكبرى للبيهقی: ۹/۲۹۶، كتاب الضحايا، باب من قال: الأضاحی جائز يوم النحر وأيام كلها؛ لأنها أيام النسك، إدارہ تالیفات اشرفیہ لاهور)

(۲) (الجوهر النقی علی هامش السنن الكبرى للبيهقی: ۹/۲۹۷، نشر السنة، ملتان)

(۳) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: الأضحی ثلاثة أيام بعد يوم النحر". قلت: فی سنده طلحة بن عمرو الحضرمی ضعّفه ابن معين، وأبو زرعة، والدار قطنی. وقال أحمد: متروك. ذكره الذهبی فی كتاب الضعفاء. و قد ذكر الطحاوی فی أحكام القرآن بسند جيد عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: "الأضحی يومان بعد يوم النحر". .... =

"قد ذكر الطحاوي في أحكام القرآن بسند جيد: عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: الأضحى يومان بعد يوم النحر، اهـ". كذا في الجوهر النقي: ٢/٢٤٢(١)۔

"ودليلنا من جهة السنة الحديث المتقدم أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "نهىٰ عن أكل لحوم الأضاحي بعد ثلث". ومعلوم أنه أباح الأكل منها في أيام الذبح، فلو كان اليوم الرابع منها، لكان قد حرم على من ذبح في ذلك اليوم أن يأكل منها، اهـ". أوجز المسالك شرح مؤطأ الإمام مالك: ٣/٢٤٣(٢)۔

امام طحاوی کا قول و مذہب احناف کی کتب میں جو کچھ منقول ومتوارث ہے، وہی قابلِ اعتماد اور لائقِ اختیار ہے، لأن صاحب البيت أدرى بما فيه۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا محمد وآله وصحبه وبارك وسلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، سہارنپور، یوپی، ہند۔

= (الجوهر النقي على هامش السنن الكبرى، باب من قال: الأضحى جائز يوم النحر وأيام منىٰ: ٩/٢٩٦، إدارہ تالیفات اشرفیہ لاہور)

(١) (الجوهر النقي، المصدر السابق)

(٢) (أوجز المسالك إلى موطا الإمام مالک، کتاب الضحایا، باب التضحیة عما في بطن المرأة: ٩/٢٦٢، ٢٦٣، إدارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

"عن نافع أن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما، قال: "الأضحى يومان بعد يوم الأضحى".

(موطا الإمام مالک، ص: ٤٩٧، میر محمد کتب خانہ)

"عن نافع أن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما كان يقول: "الأضحى يومان بعد يوم الأضحى".

"إن علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه كان يقول: "الأضحى يومان بعد يوم الأضحى".

"عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: "الذبح بعد النحر يومان". (السنن الكبرى للبيهقي، باب من قال: الأضحى يوم النحر و يومين بعده: ٩/٢٦٧، إدارة تأليفات اشرفيه لاهور)

قربانی کس دن افضل ہے؟

سوال[۸۴۹۹]: کیا دس گیارہ بارہ ذی الحجہ کو قربانی کریں، یا دسویں کو زیادہ ثواب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دس تاریخ کو افضل ہے، اس کے بعد ۱۱/ کو اس کے بعد ۱۲/ کو:

"فجر يوم النحر إلى آخر أيامه، وهي ثلاثة، أفضلها أوّلها، ثم الثاني، ثم الثالث". شامی(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱/۸۸ھ۔

گاؤں میں قربانی کا وقت

سوال[۸۵۰۰]: جس چھوٹی بستی میں عیدالاضحیٰ کی نماز نہیں ہوتی، کیا وہاں قربانی بھی واجب نہیں؟ اگر واجب ہے تو کس وقت کی جائے، کیونکہ شہر میں نماز عید کے بعد کی جاتی ہے اور وہاں نماز عید نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہاں صبح سویرے ہی قربانی کرلی جائے، زیلعی: ٦/٤(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ٦/٣١٦، سعيد)

"الأفضل أن يضحى في أول أيام النحر، و هو اليوم العاشر من ذى الحجة، ثم في اليوم الحادى عشر، ثم في اليوم الثانى عشر". (الفتاوى السراجية، ص: ۸۹، باب وقت التضحية، سعيد)

"وأول وقتها بعد فجر النحر .... وآخره قبيل غروب اليوم الثالث، واعتبر آخره للفقير وضده والولادة والموت، وأولها أفضلها". (مجمع الأنهر: ۴/۱۶۹، كتاب الأضحية، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۴/۱۷۰، كتاب الأضحية، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضی خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل في صفة الأضحية، ووقت وجوبها ومن تجب عليه: ۳/۳۴۵، رشيديه)

(۲) "(وذبح غيره): أى غير أهل المصر يجوز لهم ذبحها بعد طلوع الفجر قبل أن يصلى الإمام صلاة =

شہر میں نمازِ عید سے پہلے قربانی

سوال[۸۵۰۱]: مذبح دھام پور میں ہے، یہ دھام پور مستقل پنچایتی حیثیت سے ایک گاؤں کے حکم میں ہے، اس وجہ سے حسبِ اجازتِ شرع قربانی بعد نماز فجر ہوتی ہے، لیکن بڑی بھینس وغیر دھام پور کی طرف کی جاتی ہے، یہی مذبح ہے۔ پرانے دھام پور میں حکومتِ وقت کی اجازت نہیں، وہاں پر بڑی قربانی کرنا قانوناً جرم ہے۔ لہٰذا تحریر فرمائیں کہ چونکہ مذبح دھام پور میں ہے تو پرانے دھام پور والے اپنی قربانی دھام پور میں لاکر بعد نماز فجر کر سکتے ہیں یا نہیں، یا ان کو بھی مثل شہر والوں کے، بعد نماز عید قربانی کرنی ہوگی؟ عرصہ دراز سے یہاں پرانے دھام پور والے دھام پور آ کر بعد نماز فجر قربانی کرتے ہیں۔ اگر شرعاً ممنوع ہے تو پھر اب تک جو قربانی کی ہے ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

گاؤں والے (جہاں نماز عید درست نہیں) اگر اپنا جانور شہر میں (جہاں نماز عید ہوتی ہے) لاکر قربانی کریں تو ان کو نماز فجر کے بعد نماز عید سے پہلے قربانی کی جازت نہیں، بلکہ بعد نماز عید قربانی کریں (۱)۔ جو قربانی

= العيد". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۷۷/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

"ويذبح غير المصري كأهل القرى قبل الصلوة". (مجمع الأنهر: ۱۶۹/۴، غفاريه كوئٹه)

"ويجوز لأهل القرى والبادية أن يذبحوا بعد صلوة الفجر قبل أن يصلي الإمام صلاة العيد".
(البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۱/۸، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۱۸/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى السراجية، كتاب الأضحية، ص: ۸۹، سعيد)

(۱) "ولو كانت في السواد والمضحي في المصر، جازت قبل الصلوة، وفي العكس لم تجز".
(ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۱۸/۶، سعيد)

"والمعتبر في ذلك مكان الأضحية، حتى لو كانت في السواد والمضحي في المصر، يجوز كما انشق الفجر، في العكس لايجوز، إلا بعد الصلوة". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۱/۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۷۷/۶، دارالكتب العلمية بيروت) .... =

ایسی جگہ نماز عید سے پہلے کرلی گئی ہے اس کی قضا لازم ہوگی، جس کی صورت یہ ہے کہ قیمت صدقہ کردیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۷/۸۹ھ۔

شہری کی گاؤں میں قربانی

سوال [۸۵۰۲]: شہر کا رہنے والا آدمی اگر اپنی قربانی کا جانور دیہات میں بھیج دے جس کی وہاں قربانی کردی جائے اور وہ خود شہر میں ہو تو اس کی قربانی درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی قربانی درست ہوجائے گی، اس کا قربانی کے جانور کے پاس ہونا ضروری نہیں، بلکہ دیہات میں ایسے شخص کی طرف سے اگر سویرے ہی قربانی کردی جائے کہ ابھی تک شہر میں نماز عید بھی نہ ہوئی ہو تب بھی درست ہے، زیلعی: ٤/٦ (٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

نماز عید سے پہلے قربانی کی ایک صورت

سوال [۸۵۰۳]: اگر دس ذی الحجہ کو کسی وجہ سے نماز عید ادا نہ کی جائے تو کیا اس روز قربانی بھی

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۰/۴، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في شروط جواز إقامة الواجب: ۳۰۵/۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) **نوٹ:** اگر ایام قربانی گزر جائیں تو جس طرح قربانی نہ کرنے کی صورت میں غنی پر قربانی کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے، اسی طرح قربانی صحیح نہ ہونے کی صورت میں بھی صدقہ کرنا واجب ہے:

"ولو تركت التضحية و مضت أيامها، تصدق بها حيةً ناذرٌ و فقيرٌ، وبقيمتها غنيٌّ، شراها أولا". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الأضحية: ۳۲۰/٦، سعيد)

(۲) "والمعتبر في ذلك مكان الأضحية، حتى لو كانت في السواد والمضحي في المصر، يجوز كما انشق الفجر، وفي العكس لا يجوز إلا بعد الصلوة". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۷۷/٦، دارالكتب العلمية بيروت)

نہ کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس روز زوال کے بعد قربانی کی جائے، زیلعی: ٦/٤ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

نمازِ عید سے پہلے قربانی

سوال[۸۵۰۴]: اگر قربانی کے جانور کی عید کی نماز سے پہلے قربانی کردیں تو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں، یا اس کی جگہ اور جانور کی قربانی کریں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست نہیں، وہ دوبارہ بعد نمازِ عید قربانی کرے (٢)۔ جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی، جیسے گاؤں، وہاں

---

(١) "ولو لم يصلّ الإمامُ العيدَ في اليوم الأول، أخّروا التضحية إلى الزوال، ثم ذبحوا. ولا تجزئهم التضحية ما لم يصلّ الإمام العيد في اليوم الأول إلا بعد الزوال، فحينئذ يجوز، لخروج وقتها". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ٤٧٧/٦، دارالكتب العلمية بيروت)

"ولو لم يصل الإمام صلاة العيد في اليوم الأول، أخّروا الأضحية إلى الزوال، ثم ذبحوا. ولا تجزئهم التضحية إذا لم يصل الإمام، إلا بعد الزوال". (البحر الرائق: ٣٢٢/٨، كتاب الأضحية، رشيديه)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ١٦٩/٤، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الأضحية: ٣١٩/٦، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الأضحية: ١٦٣/٤، دارالمعرفة بيروت)

(٢) "وأما الذي يرجع إلى وقت التضحية، فهو أنها لاتجوز قبل دخول الوقت؛ لأن الوقت كما هو شرط الوجوب، فهو شرط جواز إقامة الواجب، كوقت الصلوة، فلا يجوز لأحد أن يضحي قبل طلوع الفجر الثاني من اليوم الأول من أيام النحر، ويجوز بعد طلوعه، سواء كان من أهل المصر أو من أهل القرى، غير أن للجواز في حق أهل المصر شرطاً زائداً وهو أن يكون بعد صلوة العيد لايجوز تقديمها عليه عندنا .... والصحيح قولنا: لما روينا عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "من ذبح قبل =

صبح صادق کے بعد بھی درست ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۶/۱/۶۷ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ۔

تعدد صلوۃ عید کی صورت میں وقتِ اضحیہ

سوال[۸۵۰۵]: ایک شہر میں نماز عید کئی جگہ ہوتی ہے، کیا یہ ضروری ہے کہ جب سب جگہ نماز عید ہو چکے تب قربانی کی جائے، یا کسی ایک جگہ نماز عید ہو جانے کے بعد بھی درست ہے؟

= الصلوة فليعد أضحيته". وروى عنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "أول نسكنا في يومنا هذا الصلوة، ثم الذبح". وروى عنه عليه الصلوة والسلام أنه قال في حديث البراء بن عازب رضي الله تعالىٰ عنه: "من كان منكم ذبح قبل الصلوة، فإنما هي غدوة أطعمه الله تعالىٰ، إنما الذبح بعد الصلوة". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في شروط جواز إقامة الواجب: ۳۰۸/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۱۸/۶، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۷۷/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "ولو كانت في السواد والمضحي في المصر، جازت قبل الصلوة، وفي العكس لم تجز". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۱۸/۶، سعيد)

"والمعتبر في ذلك مكان الأضحية، حتى لو كانت في السواد والمضحي في المصر، يجوز كما انشق الفجر، في العكس لايجوز، إلا بعد الصلوة". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۱/۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۷۷/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۰/۴، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في شروط جواز إقامة الواجب: ۳۰۵/۵، دارالكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلياً:

شہر میں کسی ایک جگہ بھی نماز عید ہو چکی ہو تو قربانی درست ہے، شامی: ٤/٢٠٢(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

غلطی سے بے وضو ادا کی گئی نماز کے بعد قربانی کا حکم

سوال[٨٥٠٦]: اگر نماز عید پڑھ کر فوراً قربانی کردی گئی اور بعد میں معلوم ہوا کہ امام صاحب نے بھولے سے بے وضو نماز پڑھادی اور نماز کا اعادہ کیا گیا تو جو قربانی کی جاچکی ہے، کیا اس کا بھی اعادہ لازم ہوگا، اس لئے کہ وہ نماز عید سے پہلے ہوئی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسی قربانی کا اعادہ لازم نہیں، بلکہ وہ قربانی درست ہوگئی، شامی: ٥/٢٠٣(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(١) "ولو ضحّى بعد ما صلى أهل المسجد ولم يصل أهل الجبانة، أجزأه استحساناً؛ لأنها صلاة معتبرة، حتى لو اكتفوا بها أجزأتهم". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ٦/٣١٨، سعيد)

"ولو ضحى بعد ما صلى أهل المسجد قبل أن يصلى أهل الجبانة، أجزأه استحساناً؛ لأنها صلوة معتبرة". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ٦/٤٧٧، دارالكتب العلمية بيروت)

"ولو خرج الإمام بطائفة إلى الجبانة، وأمر رجلاً ليصلي بالضَعَفَة في المصر، وضحى بعد ما صلى أحد الفريقين، جاز استحساناً". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل في صفة الأضحية ووقت وجوبها ومن تجب عليه: ٣/٣٤٤، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ٨/٣٢٢، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ٤/١٧٠، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(٢) "تبيّن أن الإمام صلى بغير طهارة، تعاد الصلوة دون الأضحية". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ٦/٣١٩، سعيد) .... =

رات میں قربانی

سوال[۸۵۰۷]: کیا قربانی کے لئے جانور کو رات میں بھی ذبح کیا جا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکروہ تنزیہی ہے، شامی: ۲۰۳/۵ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

= "فتبين أن الإمام صلى بغبر طهارة، تعاد الصلوة دون التضحية". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۰/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"ولو صلى، ثم تبين أنه صلى بغير طهارة، تعاد الصلوة دون الأضحية". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۲/۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۷۸/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل في صفة الأضحية ووقت وجوبها ومن تجب عليه: ۳۴۴/۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۸۸/۶، كتاب الأضحية، الثالث في وقتها، رشيديه)

(۱) "وكره تنزيهاً الذبح ليلاً، لاحتمال الغلط". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۲۰/۶، سعيد)

"و يجوز في نهارها و ليلها بعد طلوع الفجر من يوم النحر إلى غروب الشمس من اليوم الثاني عشر، إلا أنه يكره الذبح في الليل". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الثالث في وقت الأضحية: ۲۹۵/۵، رشيديه)

"و يكره التضحية والذبح في الليالي". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل في صفة الأضحية، ووقت وجوبها ومن تجب عليه: ۳۴۵/۳، رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن: ۲۷۹/۱۷، كتاب الأضاحي، باب أفضلية مباشرة التضحية بنفسه وجواز الاستنابة والاستعافة، فوائد شتى، إدارة القرآن ، كراچی)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۷۸/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

بابٌ فی مصرف جلد الأضحية

(قربانی کی کھال کے مصرف کا بیان)

چرمِ قربانی کا والد یا اولاد کو دینا

سوال[۸۵۰۸]: قربانی کی کھال اپنے والد یا اولاد کو دینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرح قربانی کا گوشت ان کو دے دینا صحیح ہے، اسی طرح قربانی کی کھال بھی ان کو دینا صحیح ہے، شامی: ۵/۲۰۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱)"ویأکل من لحم الأضحية، ویوکل غنیاً، ویدّخر. وندب أن لاینقص التصدق عن الثلث، وندب ترکه لذی عیالٍ توسعةً علیهم". "(قوله: وندب الخ) .... ویستحب أن یأکل. ولو حبس أکل لنفسه جاز". (ردالمحتار، کتاب الأضحية: ۶/۳۲۸، سعید)

"ویتصدق بجلدها، أو یعمل منه نحو غربال وجراب وقربة وسفرة ودلو، أو یبدله بما ینتفع به باقیاً". (ردالمحتار، المصدر السابق)

"و یأکل من لحم الأضحية، و یؤکل غنیاً و یدّخر .... و لانه لما جاز له أن یأکل منه وهو غنیٌّ، فأولی أن یجوز له إطعام غیره وإن کان غنیاً". (تبیین الحقائق، کتاب الأضحية: ۶/۴۸۵، دارالکتب العلمية بیروت)

"واللحم بمنزلة الجلد". (مجمع الأنهر، کتاب الأضحية: ۴/۱۷۴، غفاریه کوئٹه)

"وذکر بکر رحمه الله تعالیٰ أن الجلد کاللحم لیس له بیعه". (الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحية، السادس فی الانتفاع: ۶/۲۹۴، رشیدیه)

"واللحم بمنزلة الجلد". (البحر الرائق، کتاب الأضحية: ۸/۳۲۶، رشیدیه)

قیمتِ چرمِ غریب والدیا اولاد کو دینا

سوال[۸۵۰۹]: چرمِ قربانی کی قیمت اپنے والد یا اولاد کو دینا کیسا ہے جب کہ وہ غریب ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز نہیں، اس کو ایسے شخص کو دے دیں جس کو زکوۃ دے سکتے ہیں، والد یا اولاد کو زکوۃ دینا درست نہیں (۱)، چرمِ قربانی کی قیمت کا بھی صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے، شامی: ۵/ ۲۰۹ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

چرمِ قربانی میں مسجد کو دینا

سوال[۸۵۱۰]: قربانی کی کھالیں اکثر مساجد میں دی جاتی ہیں اور غالباً لوگوں کا بھی یہ خیال ہوتا ہے کہ چونکہ ائمۂ مساجد سال بھر تک مسجد کی خدمت کرتے ہیں، لہذا ان کے ساتھ سلوک کیا جاوے، یا دوسرے لفظوں میں سالانہ خدمت کا معاوضہ دیا جاوے۔ چونکہ اکثر حصہ یا قلیل مقدار ایسے اماموں کی ہے جن کو زکوۃ دینی

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين﴾ (سورة التوبة: ٦٠)

"ولايدفع إلى أصله وان علا، وفرعه وإن سفل". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الزكوة، الباب السابع في المصارف: ١/ ١٨٨، رشيديه)

"ولايدفع إلى أصله وإن علا أو فرعه وإن سفل". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الزكوة، باب في بيان أحكام مصرف: ١/ ٣٣١، غفاريه كوئٹه)

"ولايصح دفعها لكافر وغني يملك نصاباً .... وأصل المزكي وفرعه". (مراقي الفلاح).

"قوله: (وأصل المزكي وفرعه)؛ لأن الواجب عليه الإخراج عن ملكه رقبة ومنفعة، ولم يوجر في الأصول والفروع، والإخراج عن ملكه منفعة وإن وجد رقبة، وهذا الحكم لايخص الزكوة، بل كل صدقة واجبة كالكفارات، وصدقة الفطر، والنذور لايجوز دفعها إليهم". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الزكوة، باب المصرف، ص: ٧٢١، قديمي)

(٢) "فإن بيع اللحم أو الجلد به: أي بمستهلك أو بدراهم، تصدق بثمنه". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: "أي وبالدراهم فيما لو أبدله بها". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ٦/ ٣٢٨، سعيد)

واجب ہے۔تو کیا چرم قربانی ایسے ائمہ کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

چرمِ قربانی کا حکم لحمِ قربانی کی طرح ہے،جس کے دینے کے لئے فقیر غیر صاحب نصاب، یا غیر سید ہونا لازم نہیں، بلکہ فقیر، صاحب نصاب، سید سب کو دینا درست ہے(۱)۔البتہ معاوضہ اوراجرت میں دینا کسی کو بھی درست نہیں، نہ امام کو، نہ مؤذن کو، نہ صاحب نصاب کو، نہ فقیر کو، نہ امام وغیرہ کواس کا لینا جائز(۲)۔

البتہ اگر چرم قربانی کوفروخت کردیا ہےتو اس کی قیمت کوبطور صدقہ کسی فقیر کودینا واجب ہے،خود رکھنا یا کسی مالدار کودینا، یا کسی کواجرت میں دینا ہرگز جائز نہیں:

"و یتصدق بجلدها، أو یعمل منه نحو غربال وجراب وقربة و سفرة ودلو، أو یبدله بما ینتفع به باقیاً –کما مر– لا بمستهلك كخل ولحم ونحوه كدراهم. فإن بیع اللحم أو الجلد به: أی بمستهلك أو بدراهم، تصدق بثمنه: أی وبالدراهم فیما لو أبدله بها. ولا یعطی أجر الجزار منها؛ لأنه کبیع؛ لأن كلا منهما معاوضة؛ لأنه إنما یعطی الجزار بمقابلة جزره والبیع مکروه، فكذا ما فی معناه، كفاية". درمختار و شامی: ۵/۲۰۹ (۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبداللطیف ناظم مدرسہ ہذا۔

---

(۱) "واللحم بمنزلة الجلد". (مجمع الأنهر، کتاب الأضحیة: ۴/۱۷۴، مکتبه غفاریه کوئٹه)

"فإن بدل اللحم، فإن الصحیح أنه كالجلد". (الدر المنتقی، کتاب الأضحیة: ۴/۱۷۴، مکتبه غفاریه کوئٹه)

"و یأکل من لحم الأضحیة، و یوکل غنیاً، ویدخر". (الدرالمختار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۲۷، سعید)

(۲) "و لا یعطی أجر الجزار منها؛ لأنه کبیع". (الدرالمختار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۲۸، سعید)

"ولا یعط أجرة الجزار منها شیئاً". (تبیین الحقائق، کتاب الأضحیة: ۶/۴۸۶، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۳) (ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۲۸، سعید)

قیمتِ چرم تعمیر مسجد و مدرسہ میں دینا

سوال[۸۵۱۱]: چرمِ قربانی کی قیمت تعمیر مدرسہ و مسجد میں دینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست نہیں، بلکہ اس کا صدقہ کرنا واجب ہے، شامی: ۵/۲۰۹ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

قربانی کی کھال تعمیرِ مسجد میں دینا

سوال[۸۵۱۲]: میں نے اپنے قربانی کے جانور کی کھال و نیز اپنے دیگر احباب کے قربانی کے جانوروں کی کھالیں ان کی اجازت سے لیکر تعمیر مسجد کے واسطے دے دیں تو اس صورت میں کیا قربانی کے جانوروں کے کھالوں کی قیمت تعمیر مسجد پر صرف ہونا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو مجھ کو، نیز میرے مذکورہ بالا احباب کی نسبت حکم شرعی کیا ہے، یعنی اگر ہم نے کھالیں ناجائز طور پر دیدی ہیں تو آیا ان کھالوں کی قیمت ہم

---

(۱) "فإن بيع اللحم أو الجلد: أي بمستهلك أو بدراهم، تصدق بثمنه". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۲۸/۶، سعيد)

"فإن بدل اللحم أو الجلد به، يتصدق به". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۴/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى الدرالمنتقى على مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۴/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"والصدقة كالهبة بجامع التبرع، وحينئذ لا تصح غير مقبوضة". (ا ا -رالمختار، كتاب الهبة، باب الرجوع فى الهبة، فصل فى مسائل متفرقة: ۷۰۹/۵، سعيد)

"مصرف الزكوة والعشر .... و هو مصرف أيضاً لصدقة الفطر والكفارة والنذور و غير ذلك من الصدقات الواجبة". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۳۳۹/۲، سعيد)

"لايصرف إلى بناء نحو المسجد". (الدرالمختار). قال العلامة الشامي: "(قوله: نحو مسجد) كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات و كرى الأنهار .... وكل مالا تمليك فيه".

(ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۳۴۴/۲، سعيد)

لوگوں کودوبارہ کسی دیگر جائز امر میں دینا ضروری ہے یا نہیں؟ مسئلہ ہذا کتاب وسنت اور اہل سنت و جماعت کی مسلم کتب فقہ سے حل فرمایا جاوے۔

خاکسار: ایم اے انصاری، ہاؤس نمبر: ایس ۱۱۹، کوچہ تارا سنگھ، محلہ سید پوری، راولپنڈی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر آپ کے احباب نے وہ کھالیں آپ کی ملک کردیں، یا آپ نے وہ سب متولی مسجد کی ملک کردیں، پھران کوفروخت کرکے متولی نے یا آپ نے تعمیر مسجد میں صرف کردیا تو درست ہے(۱)۔ اوراگر بغیر تملیک کے ان کوفروخت کرکے قیمت تعمیر میں خرچ کی گئی ہے تو یہ صورت ناجائز ہوئی، ایسی صورت میں ان قیمتوں کا صدقہ کرنا لازم ہے۔ چرمِ قربانی کواگرفروخت کردیا جائے تو قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہوتا ہےاوراس قیمت کومسجد میں صرف کرنا درست نہیں ہوتا۔

ہاں! اگر صاحب قربانی خودفروخت نہ کرے، بلکہ کسی دوسرے کو مالک بنادے تو وہ فروخت کرکے جہاں چاہے قیمت کوصرف کرسکتا ہے:

"ویتصدق بجلدها، أو یعمل منه نحو غربال أو جراب وقربة و سفرة ودلو، أو یبدله بما ینتفع به باقیاً –کمامر– لا بمستهلك كخل ولحم و نحوه كدراهم. فإن بیع اللحم أو الجلد به:

---

(۱) "و لا ینبغی أن یصرف ذلک العشر إلی عمارة الرباط، وإنما یصرف إلی الفقراء لا غیر. ولو صرف إلی المحتاجین، ثم إنهم أنفقوا فی عمارة الرباط، جاز، ویکون ذلک حسناً". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، فصل فی المقابر والرباطات: ۳/۳۱۵، رشیدیه)

"ولا ینبغی أن یصرف ذلک العشر إلی عمارة الرباط، وإنما یصرف إلی الفقراء لا غیر. ولو صرف إلی المحتاجین، ثم إنهم أنفقوا علی عمارة الرباط، جاز". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر: فی الرباط والمقابر، الخ: ۲/۴۷۲، رشیدیه)

"فإن أراد الحیلة، فالحیلة أن یتصدق به المتولی علی الفقراء، ثم الفقراء یدفعونه إلی المتولی، ثم المتولی یصرف إلی ذلک". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر: فی الرباط والمقابر ،الخ: ۲/۴۷۳، رشیدیه)

أی بمستهلك أو بدراهم، تصدق بثمنه: أی وبالدراهم فیما لو أبدله بها. ولا يعطى أجر الجزار منها؛ لأنه كبيع؛ لأن كلامنهما معاوضة؛ لأنه إنما يعطى الجزار بمقابلة جزره، والبيع مكروه، فكذا ما فی معناه، كفاية". درمختار وشامی: ۵/۲۰۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/محرم/۷۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

چرمِ قربانی مسجد ومدرسہ میں صرف کرنا

سوال[۸۵۱۳]: قربانی کا چمڑا مسجدوں، مدرسوں میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چرمِ قربانی کی قیمت کا بھی وہی حکم ہے جو زکوۃ کا ہے، کیونکہ اس میں بھی تملیک فرض ہے:

"فإن بدل اللحم والجلد، يتصدق به: أی بالبدل؛ لأن القربة انتقلت إلى بدله، فيجبر على التصدق به، الخ". سكب الأنهر(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

قیمتِ چرمِ قربانی کا مصرف مدارس میں

سوال[۸۵۱۴]: ا...... قیمت چرم قربانی جو مدارس میں داخل کی جاتی ہے اس کو مدرسہ کے تصرف میں لانا بصورتِ حیلہ جائز ہے یا بغیر حیلہ؟ فقط۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۸، سعيد)

(وكذا فی الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السادس فی بيان مايستحب فی الأضحية والانتفاع بها: ۵/۳۰۱، رشيديه)

(۲) (الدرالمنتقى المعروف بسكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/۱۷۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

۲...... قیمت چرمِ قربانی کو مدرسہ کے تصرف میں لانا میعادی ہے یا غیر میعادی، اگر میعادی ہے تو کتنی مدت؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اس سے طلبہ کو نقد، کھانا، کپڑا، جوتا، کتاب وغیرہ تملیکاً دینا بغیر حیلہ کے بھی درست ہے بشرطیکہ وہ مستحق ہوں یعنی صاحبِ نصاب اور سیّد نہ ہوں اور مدرسین کو تنخواہ میں دینا، تعمیر میں صرف کرنا، وقف کے لئے کتابیں وغیرہ خرید کر وقف کرنا بغیر حیلۂ تملیک کے درست نہیں۔ الغرض یہ واجب التصدق ہونے کی بنا پر زکوۃ کے حکم میں ہے:

"فإن بدل اللحم أو الجلد به: أی بالخل وشبهه، يتصدق به: أی بالبدل؛ لأن القربة انتقلت إلى بدله، فيجبر على التصدق به، كما في البرهان". سكب الأنهر :۲/۵۲۱(۱)۔

۲......تصرف میں لانے کی صورت تو معلوم ہوگئی، مگر میعادی وغیر میعادی کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا، اس کو واضح کیجئے۔ اور تصرف کا جو حکم مذکور ہوا، وہ ہمیشہ کے لئے ہے اس کی کوئی میعاد نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ ذیقعدہ/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

چرمِ قربانی کی قیمت سے قبرستان کے لئے زمین خریدنا اور وقف کرنا

سوال[۸۵۱۵]: ایک گاؤں میں قبرستان نہیں ہے، اس لئے غریبوں کے مردے دفن ہونے میں دقت پیش آتی ہے، اس لئے گاؤں میں چندہ کیا گیا تاکہ زمین خرید کر وقف کردی جائے، تو چرمِ قربانی کے روپیہ کو زمین کی خریداری میں لگا سکتے ہیں یا نہیں، جب کہ زمین کے لئے کافی رقم درکار ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چرمِ قربانی کو جب فروخت کردیا تو اس کی قیمت کو صدقہ کرنا واجب ہے(۲)، لیکن جس کو صدقہ

(۱) (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الأضحية: ۴/۱۷۴، غفاريه كوئٹه)

(۲) "ويتصدق بجلدها، أو يعمل منه نحو غربال وجراب .... فإن بيع اللحم أو الجلد به: أی=

کیا ہے اگر وہ مالک ہونے اور قبضہ کرلینے کے بعد قبرستان کی زمین کے لئے دے اوراس پر کسی قسم کا زوراور دباؤ نہ ڈالا جائے تو پھراس رقم کو قبرستان کے لئے زمین خریدنے میں صَرف کرنا بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند،۲/۱۲/۸۸ھ۔

فطرہ اور چرمِ قربانی کی رقم تملیک کے بعد تنخواہ میں

سوال[۸۵۱۶]: زید کے گاؤں میں ایک سرکاری پرائمری اسکول قائم ہے،اس میں خالص دینی تعلیم نہیں ہوتی ہے بلکہ سرکاری تعلیم ہوتی ہے،اس میں جوایک شخص معلم ہیں وہ اس گاؤں کے پیش امام بھی مقرر ہیں، وہ معلم صاحب گورنمنٹ سے مشاہرہ پاتے ہیں اور پیش امام کا مشاہرہ گاؤں والے الگ دیتے ہیں۔ تو زید نے پیش امام صاحب سے کہا کہ آپ ان بچوں کوایک دو گھنٹے درسی تعلیم دیجئے، آپ کواس تعلیم کے عوض میں علیحدہ مشاہرہ دیا جائے گا، چنانچہ پیش امام صاحب اس کام کوانجام دے رہے ہیں۔

تو زید صدقۂ فطر اور چرم قربانی کی رقم کو اسی مذکورہ گاؤں کے کسی یتیم وغریب سے تملیک کر کے اس پیش امام صاحب کواس دینی تعلیم کے معاوضہ میں مشاہرہ دے رہا ہے۔ تو یہ صورت از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

= بمستهلك أو بدراهم، تصدق بثمنه". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۲۸/۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۸/۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب السادس في بيان مايستحب في الأضحية: ۳۰۱/۵، رشيديه)

(۱) "وقد منا أن الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء. وهل له أن يخالف أمره؟ ولم أره، والظاهر نعم". (الدرالمختار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۳۴۵/۲، سعيد)

"لأن الملك مامن شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك والمتقوم، الخ: ۵۰۲/۴، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

دینی تعلیم کا انتظام بہت ضروری ہے، ماں باپ ہی اپنی اولاد کا دھیان رکھیں اور اجتماعی حیثیت سے بھی بچوں کیلئے تعلیم کا انتظام کیا جائے، جس طرح بچوں کے لئے کھانے کپڑے کا انتظام ضروری تصور کیا جاتا ہے اسی طرح ان کے علم دین سکھانے کا انتظام بھی ضروری ہے۔ اس لئے آپس میں چندہ کیا جائے، بچوں سے فیس لی جائے۔ اگر کوئی صورت ممکن نہ ہو تو مجبوراً زکوۃ وغیرہ کا پیسہ جمع کر کے بھی مدرس کو تملیک کے بعد دے سکتے ہیں (۱)، بلا شدید مجبوری کے یہ صورت اختیار نہ کی جائے۔

نابالغ سے تملیک کرانا غلط ہے، بالغ سے درست ہے، مگر اس پر جبر یا دباؤ نہ ہونا چاہئے۔ بہتر صورت یہ ہے کہ کسی غریب مستحق زکوۃ سے کہا جائے کہ مدرس کی تنخواہ کے لئے اتنے روپے کی ضرورت ہے، تم دیدو، وہ کہے گا کہ میرے پاس نہیں ہے، میں غریب ہوں، اس سے کہا جائے کہ اپنی ضروریات کے لئے بھی تو قرض لینے کی نوبت آتی ہے، اب دینی ضرورت کے لئے کسی طرح انتظام کردو، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قرض ادا کرادیگا۔ وہ کسی سے قرض لاکر دیدے، اس سے تنخواہ ادا کردی جائے، پھر کسی وقت زکوۃ کا پیسہ اس کو دیدیا جائے، اس سے قرض ادا کردے۔ فطرہ کا پیسہ بھی اسی طرح دیا جاسکتا ہے۔

قربانی کرنے والے اگر اپنی قربانی کی کھال مدرسہ کے مہتمم (زید) کو دیکر مالک بنادیں اور وہ فروخت کردے تو اس قیمت میں مزید کسی تملیک کی حاجت نہیں (۲)۔ ہاں! اگر وہ لوگ چرمِ قربانی کو فروخت کر کے اس کی

---

(۱) "فإن أراد الحيلة، فالحيلة أن يتصدق به المتولي على الفقراء يدفعونه إلى المتولي، ثم المتولي يصرف إلى ذلك". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباط والمقابر: ۲/۴۷۳، رشيديه)

"وإنما يصرف إلى الفقراء لا غير ولو صرف إلى المحتاجين، ثم إنهم أنفقوا في عمارة الرباط، جاز، ويكون ذلك حسناً". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۳۱۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲/۴۷۲، رشيديه)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة)

قیمت زید کو دیدیں تو پھر وہ قیمت براہ راست مدرس کی تنخواہ میں نہ دے، بلکہ تملیک کے بعد دے سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

چرم قربانی سے تنخواہ دینا

سوال[۸۵۱۷]: اس موضع میں ایک مدرسہ اسلامیہ قائم ہے، دو تین مہینہ سے چندہ وصول نہیں ہوا ہے اور نہ وصولیابی کی کوشش کی گئی ہے، اس لئے مدرسین کی تنخواہیں باقی ہیں۔ چرم قربانی مہتمم صاحب کے پاس جمع ہے، ان کو فروخت کر کے کیا یہ رقم تنخواہ باقی داران میں صرف کی جاسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دینے والوں نے مہتمم صاحب کی ملک کر دیا ہے اور ضروریاتِ مدرسہ کے لئے بطورِ چندہ کے نہیں دیا تو اس کو فروخت کر کے تنخواہ وغیرہ میں صرف کرنا شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۱۲/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

قربانی کی کھال امام کے لئے

سوال[۸۵۱۸]: قربانی کی کھال کس کو دینی چاہئے، پیش امام مسجد کو دینی درست ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قربانی کی کھال امیر فقیر سب کو دینی جائز ہے(۲)، اس کے لئے فقیر ہونا شرط نہیں، لیکن اگر فروخت

---

(۱) (راجع المسئلة المتقدمة آنفاً)

(۲) "ويأكل من لحم الأضحية ويوكل غنيا ويدّخر". (الدر المختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۷، سعيد)

"واللحم بمنزلة الجلد". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/۱۷۴، غفاريه)

کردی ہے تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا یعنی غریب کو دینا واجب ہے(۱)۔قربانی کی کھال کو خود اپنے کام میں لانا یعنی ڈول وغیرہ بنانا بھی جائز ہے(۲)،مگر کھال یا اس کی قیمت کو کسی اجرت میں دینا درست نہیں (۳)۔امام عام طور پر اس کو اپنی اجرت میں شمار کرتے ہیں، لہذا ان کو بھی درست نہیں، البتہ اگر امام کی تنخواہ مستقل ہو اور کھال اس کو نہ دیجاتی ہو پھر اس کو کوئی دیدے تو درست ہے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ،مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور،۳/۱۲/۵۴ھ۔

صحیح:عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۵/ ذی الحجہ/۵۴ھ۔

چرمِ قربانی امام کے لئے

سوال[۸۵۱۹]: ۱......بکر امام صاحبِ نصاب ہے اور امامت کے معاوضہ میں چرم قربانی لیتا ہے، چرم کی قیمت نہیں لیتا ہے۔بکر کے لئے چرم قربانی جائز ہے کہ نہیں اور لوگوں کی قربانی جائز ہے کہ نہیں؟

ایضاً

سوال[۸۵۲۰]: ۲......بکر امام صاحبِ نصاب ہے چرم قربانی کا معاوضہ نہیں لیتا، بلکہ کہتا ہے کہ اگر آپ لوگ خوشی سے دیں تو صاحب نصاب کو چرم قربانی لینا جائز ہے، کیونکہ اگر قربانی کرنے والا صاحب نصاب چرم قربانی

---

(۱) (راجع ،ص: ۴۶۶، رقم المسئلة: ۲)

(۲) "ويتصدق بجلدها، أو يعمل منه نحو غربال وجراب وقربة وسفرة ودلو، أو يبدّله بما ينتفع به باقيا". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۸، سعيد)

(۳) "ولا يعط أجرة الجزار منها شيئاً، لقوله عليه السلام: "لعلي رضي الله تعالىٰ عنه: "تصدق بجلالها و خطامها، ولا تعط أجر الجزار منها شيئاً". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۸۶، دارالكتب العلمية بيروت)

"عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه قال: أمرني رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن أقوم على بدنة، وأن أتصدق بلحومها و جلودها و أجلتها، وأن لاأعطي الجازر منها شيئاً". قال العثماني رحمه الله تعالىٰ: لأنه في معنى البيع". (إعلاء السنن: ۱۷/۲۶۳، كتاب الأضاحي، باب التصدق بلحوم الأضاحي، إدارة القرآن كراچی)

کو اپنے لئے تصرف میں لائے، یا کسی اَور شخص صاحب نصاب کو دے تو جائز ہے، کیونکہ چرم قربانی خیرات کرنا مستحب ہے۔ کیا بکرا امام صاحب نصاب کو بغیر معاوضہ چرم قربانی لینا جائز ہے اور لوگوں کی قربانی میں نقص تو نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......معاوضہ میں جس طرح قیمت ناجائز ہے چرم قربانی بھی ناجائز ہے، اس کی واپسی ضروری ہے، قربانی تو درست ہے مگر مقدار چرم کا اس حالت میں صدقہ کرنا ضروری ہوگا (۱)۔ یہ تو صحیح ہے کہ چرم قربانی صاحب نصاب کو دینا درست ہے جس طرح کہ لحم قربانی دینا درست ہے، مگر عادۃً ائمۂ مساجد اپنا حق سمجھتے ہیں، اگر ان کو نہ دیا جائے تو ناراض ہوتے ہیں، حتیٰ کہ مسجد چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جاتے ہیں اگر چہ زبان سے کہتے ہیں کہ ہم معاوضہ نہیں لیتے بلکہ تم لوگوں کی خوشی پر موقوف ہے دو یا نہ دو، اس لئے ایسی حالت میں ان کو دینا منع ہے (۲)۔ اگر دیدیا جائے تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا۔

---

(۱) "ولا یعط أجرة الجزار منها شیئاً، لقوله علیه السلام: "لعلی رضی الله تعالیٰ عنه: "تصدق بجلالها و خطامها، ولا تعط أجر الجزار منها شیئاً". (تبیین الحقائق، کتاب الأضحیة: ۴۸۶/۶، دارالکتب العلمیة بیروت)

"عن علی بن أبی طالب رضی الله تعالیٰ عنه قال: أمرنی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أن أقوم علی بدنة، وأن أتصدق بلحومها و جلودها و أجلتها، وأن لاأعطی الجازر منها شیئاً". قال العثمانی رحمه الله تعالیٰ: لأنه فی معنی البیع". (إعلاء السنن: ۲۶۳/۱۷، کتاب الأضاحی، باب التصدیق بلحوم الأضاحی، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الأضحیة: ۴۸۶/۶، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) "و لو دفعها المعلم لخلیفته إن کان بحیث یعمل له لو لم یعطه، صح، وإلا لا". (الدرالمختار، کتاب الزکوة، باب المصرف: ۳۵۶/۲، سعید)

"ولو نوی الزکوة بما یدفع المعلم إلی الخلیفة و لم یستأجره، إن کان الخلیفة بحالٍ لو لم یدفعه یعلّم الصبیان أیضاً، أجزأه، وإلا فلا". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الزکوة، الباب السابع فی المصارف: ۱۹۰/۱، رشیدیه)

"و لو دفعها المعلم لخلیفته إن یعمل له لو لم یعطه، صح، وإلا فلا". (الدرالمختار). قال الطحطاوی "(قوله: ولو دفعها المعلم لخلیفته): أی من هو نائب عنه، ونظیره إذا دفعها المؤجر لِمن =

۲......اگر کسی جگہ پر چرم قربانی امام کو دینے کا رواج نہ ہو اور کوئی کسی امام کو نہ دیتا ہو، امام کو بھی یقین ہو کہ یہاں سے نہیں ملے گا، نیز امام کا معاوضہ بصورت تنخواہ یا فصلانہ مقرر ہو تو جس طرح لحم قربانی امام کو دیا جاتا ہے اسی طرح چرم قربانی بھی دینا درست ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ ۸/ ۶۰ھ۔

چرم قربانی مالداروں کو دینا

سوال [۸۵۲۱]: عالم مالدار کو چرم قربانی وعقیقہ خیرات کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اور عالم صاحب چمڑا لیکر فروخت کر کے صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چرم قربانی، لحمِ قربانی، لحمِ عقیقہ سب کا ایک حکم ہے، عالم، غیر عالم، مالدار، غریب سب کو لینا اور سب کو دینا درست ہے، کسی کی کوئی تخصیص نہیں (۲)۔ البتہ اگر چرمِ قربانی کو فروخت کر دیا ہے تو اس کی قیمت کسی غریب

= استأجره". (حاشية الطحطاوی: ۱/ ۴۳۲، کتاب الزکوة، باب المصرف، دارالمعرفة بيروت)

(۱) "و يأكل من لحم الأضحية، و يؤكل غنياً و يدّخر .... و لأنه لما جاز له أن يأكل منه وهو غنيٌّ، فأولى أن يجوز له إطعام غيره وإن كان غنياً". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/ ۴۸۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۸/ ۳۲۶، رشيديه)

"ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال أو جراب؛ لأنه جزء منها، وكان له التصدق والانتفاع به". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۸/ ۳۲۷، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/ ۴۸۶، دارالكتب العلمية بيروت)

"واللحم بمنزلة الجلد". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/ ۱۷۴، غفاريه كوئٹه)

"وذكر بكر رحمه الله تعالىٰ أن الجلد كاللحم ليس له بيعه". (الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، السادس في الانتفاع: ۶/ ۲۹۴، رشيديه)

(۲) "واللحم بمنزلة الجلد". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/ ۱۷۴، غفاريه كوئٹه) .... =

مسکین کوبطورِ صدقہ دینا واجب ہے، خود رکھنا یا کسی مالدار کو (جو مستحق زکوۃ نہ ہو) دینا ناجائز ہے(۱)۔ اور جو قربانی بطورِ نذر کی گئی ہے اس کا گوشت اور چمڑا سب کچھ غرباء کو دینا واجب ہے، خود رکھنا یا کسی غیر مستحق زکوۃ کو دینا ناجائز ہے(۲)۔

جس کو چرمِ قربانی دیا وہ اس کو فروخت کر کے اپنے کام میں لاسکتا ہے، نفلی خیرات مالدار کو دینا درست ہے، واجب خیرات ایسے کو دینا درست نہیں ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ ہذا۔

= "وذكر بكر رحمه الله تعالىٰ أن الجلد كاللحم ليس له بيعه". (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، السادس في الانتفاع: ۲۹۴/۶، رشيديه)

"واللحم بمنزلة الجلد". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۶/۸، رشيديه)

"و يأكل من لحم الأضحية، ويؤكل غنياً ويدّخر .... و لأنه لما جاز له أن يأكل منه وهو غني، فأولى أن يجوز له إطعام غيره وإن كان غنياً". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۸۵/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "ويتصدق بجلدها، أو يعمل منه نحو غربال وجراب .... فإن بيع اللحم أو الجلد به: أي بمستهلك أو بدراهم، تصدق بثمنه". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۲۸/۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۸/۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب السادس في بيان مايستحب في الأضحية: ۳۰۱/۵، رشيديه)

(۲) "وإن وجبت بالنذر، فليس لصاحبها أن يأكل منها شيئاً ولا أن يطعم غيره من الأغنياء". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۸۶/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "وقيد بالزكوة؛ لأن النفل يجوز للغني كما للهاشمي. وأما بقية الصدقات المفروضة والواجبة كالعشر والكفارات والنذور و صدقة الفطر، فلا يجوز صرفها للغني". (البحر الرائق، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۴۲۷/۲، رشيديه)

میت کی طرف سے قربانی کر کے قیمت چرم اپنے بیٹے کو دینا

سوال[۸۵۲۲]: ایک آدمی مردہ کی جانب سے قربانی کرتا ہے اور قربانی کا چمڑا جو ہے اس کی قیمت اپنے لڑکے کو دیتا ہے جو دور دراز میں پڑھتا ہے اس غرض سے کہ اس قیمت سے کتابیں خرید لیں اور اس آدمی کے ساتھی بھی رقم دیتے ہیں۔ کیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے، اصول وفروع کو یہ صدقہ دینا جائز نہیں، لہذا بیٹے کے علاوہ کسی اَور کو دے۔ اور دوسرے شرکاء اگر اصول وفروع نہیں تو اس لڑکے کو صدقہ دے سکتے ہیں، اگر اس کے اصول فروع ہیں تو وہ بھی نہیں دے سکتے۔ حاصل یہ کہ جو مصرف زکوۃ ہے وہی اس صدقہ کا مصرف ہے، جس کو زکوۃ دینی جائز ہے اس کو یہ صدقہ دینا جائز ہے، جس کو زکوۃ دینا جائز نہیں اس کو یہ بھی دینا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۱۲/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ ہذا، ۲۲/ ذیقعدہ/ ۵۸ھ۔

چرم کا صدقہ افضل ہے یا اس کی قیمت کا؟

سوال[۸۵۲۳]: چرم قربانی کو صدقہ کرنا افضل ہے یا اس کو فروخت کر کے قیمت صدقہ کرنا افضل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چرم قربانی کو صدقہ کرنا افضل ہے (۲)۔ اور اپنے کام میں لانا، مثلاً: مصلی، مشک، ڈول بنالینا بھی

---

(۱) "مصرف الزکوة والعشر .... وهو مصرف أيضاً لصدقة الفطر والكفارة والنذور وغير ذلك من الصدقات الواجبة". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۳۳۹/۲، سعيد)

"وأيضاً فيه: لايصرف إلى بناء نحو المسجد .... وكل مال تمليك فيه".

(۳۴۴/۲، سعيد)

(۲) "وحاصله كراهة بيع اللحم والجلد جميعاً بمستهلك، وجواز بيعهما بما ينتفع به باقياً مع =

درست ہے، لیکن اگر فروخت کر کے رقم حاصل کر لی ہے تو اس کو صدقہ کرنا واجب ہے، خود رکھنا یا اپنے اور اپنے اہل وعیال کے صرف میں لانا درست نہیں، مجمع الأنهر: ۲/۵۱۱ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

چرم قربانی کی قیمت کنویں کی تعمیر میں دینا

سوال[۸۵۲۴]: اگر چرم قربانی کی رقم سے کنواں بنایا جائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قربانی کرنے کے بعد اگر چمڑا فروخت کر دے تو قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے (۲)، جس غریب کو وہ

= الخلاف في اللحم، والأولى التصدق بالكل". (إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب التصدق بلحوم الأضاحي وغيره: ۱۷/۲۶۳، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "و يتصدق بجلدها أو يعمله آلةً كجراب .... فإن بدل اللحم أو الجلد به، يتصدق به". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/۱۷۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"ويتصدق بجلدها، أو يعمل منه نحو غربال وجراب .... فإن بيع اللحم أو الجلد به: أي بمستهلك أو بدراهم، تصدق بثمنه". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب السادس: ۵/۳۰۱، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل في الانتفاع بالأضحية: ۳/۳۵۴، رشيديه)

(۲) "فإن بدل اللحم، أو الجلد به، يتصدق به". (ملتقى الأبحر، كتاب الأضحية: ۴/۱۷۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"فإن بدل اللحم، أو الجلد به: أي بما ينتفع بالاستهلاك، جاز، ويتصدق به لانتقال القربة إلى البدل". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/۱۷۴، غفاريه كوئٹه)

" لا بأس بأن ينتفع بإهاب الأضحية، أو يشترى بها الغربال والمنخل. وإن باعه بدراهم أو فلوس، يتصدق بثمنه". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل في الانتفاع بالأضحية: ۳/۳۵۴، رشيديه) .... =

قیمت دی جائے اگر وہ مالک ہونے اور قبضہ کرنے کے بعد کنواں بنانے کے لئے دیدے تو تعمیر میں خرچ کرنا درست ہے(۱)، بدون غریب کو مالک بنائے براہ راست کنواں بنوانے میں خرچ کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

چرمِ قربانی سے مہمان خانہ بنوانا

سوال[۸۵۲۵]: چرم قربانی کے پیسے سے مہمان خانہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو گاؤں میں ایک مکتب ہے جس کو مہمان خانہ بنالیا جائے اور مکتب کی جگہ چرم قربانی کے پیسے سے مکتب قائم کردیا جائے۔ اس قسم کی تبدیلی درست ہے یا نہیں؟ اگر تبدیلی کرنا جائز نہیں ہے تو چرم قربانی کے پیسے قرض لے کر مہمان خانہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

اس کے قبل گاؤں والوں نے اس قسم کے پیسے قرض لے کر مسجد بنالی اور یہ معاملہ تین بار ہو چکا ہے، مگر اب تک رد نہیں ہوا اور رد کرنے کی امید بھی نہیں ہے۔ اس کو مدنظر رکھتے ہوئے جائز اور ناجائز تحریر کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قربانی کرنے کے بعد جب اس کی چرم فروخت کردی جائے تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے(۲)،

= (وکذا فی الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، السادس فی الانتفاع: ۲۹۴/۶، رشیدیه)

(۱) "وإنما یصرف إلی الفقراء لاغیر. ولو صرف إلی المحتاجین، ثم إنهم أنفقوا فی عمارة الرباط، جاز، ویکون ذلک حسناً". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، فصل فی المقابر والرباطات: ۳۱۵/۳، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف: ۴۷۲/۲، رشیدیه)

(۲) "فإن بدل اللحم أو الجلد به: أی بما ینتفع بالاستهلاک، جاز، ویتصدق، لانتقال القربة إلی البدل". (مجمع الأنهر، کتاب الأضحیة: ۱۷۴/۴، مکتبه غفاریه کوئٹه) .... =

تعمیر مہمان خانہ وغیرہ میں اس کا صرف کرنا جائز نہیں ہوتا (۱)۔ جو جگہ مکتب کے لئے وقف کردی گئی ہے اس کو مہمان خانہ بنالینا اور اس کے عوض مکتب کو دوسری جگہ منتقل کردینا جائز نہیں (۲)۔ اور قیمت چرم قربانی کو تعمیرِ مکتب میں بھی خرچ کرنا درست نہیں۔

مکتب کے مہتمم کو اگر لوگوں نے چرم قربانی کا پیسہ دیا ہے تو مہتمم امین ہے، اس کو صحیح مصرف میں خرچ کرنے کا ذمہ دار ہے، اس کو قرضہ دینا جائز نہیں، اگر قرض دیدیا اور لوگوں نے اس کو مسجد یا مہمان خانہ کی تعمیر میں خرچ کردیا تو مہتمم کے ذمہ اس کا ضمان لازم ہوگا (۳)، اس کو واجب ہے کہ اتنا پیسہ ان لوگوں کو واپس کردے، جنہوں نے اس کو صحیح مصرف میں خرچ کرنے کے لئے دیا تھا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ۔

= "فإن بیع اللحم أو الجلد: أی بمستهلک أو بدراهم، تصدق بثمنه". (ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۳۲۸/۶، سعید)

(۱) "لایصرف إلی بناء نحو مسجد". قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: نحو مسجد) کبناء القناطیر والسقایات وإصلاح الطرقات وکری الأنهار وکل مالاتملیک فیه". (ردالمحتار، کتاب الزکوة، باب المصرف: ۳۴۴/۲، سعید)

"مصرف الزکوة والعشر .... وهو مصرف أیضاً لصدقة الفطر والکفارة والنذور وغیر ذلک من الصدقات الواجبة". (ردالمحتار، کتاب الزکوة، باب المصرف: ۳۳۹/۲، سعید)

(۲) "اعلم أن الاستبدال علی ثلاثة وجوه: والثالث: أن لا یشرطه أیضاً، ولکن فیه نفع فی الجملة، وبدله خیرٌ منه ریعاً ونفعاً، وهذا لا یجوز استبداله علی الأصح المختار". (ردالمحتار: ۳۸۴/۴، ۳۸، کتاب الوقف، سعید)

(۳) "ولو خلط زکاة موکلیه، ضمن، وکان متبرعاً". (الدرالمختار). "(قوله: ضمن، وکان متبرعاً)؛ لأنه هلکه بالخلط وصار مؤدیاً مال نفسه قال فی التاتارخانیة، إلا إذا وجد الإذن أو أجاز المالکان". (ردالمحتار، کتاب الزکوة: ۲۶۹/۲، سعید)

"المال الذی قبضه الوکیل بالبیع والشراء أو إیفاء الدین واستیفائه، والمال الذی قبضه الوکیل =

قیمتِ چرم سے پختہ مزار وغیرہ بنوانا

سوال[۸۵۲۶]: کیا قربانی کی کھال اپنے پیر یا کسی بزرگ کے مزار بنوانے یا اپنے اعزہ کی پختہ قبر وگنبد کے بنوانے میں لگانا جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قیمت چرم قربانی زکوۃ کی طرح واجب التصدق ہے اور واجب التملیک ہے، کذا فی الدر المختار(۱)، مواقعِ مذکورہ میں تملیک متحقق نہ ہونے کی وجہ سے صرف کرنا درست نہیں۔ قبر پختہ اور اس پر گنبد بنانا منع ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

قیمتِ چرم قربانی اور زکوۃ میں فرق

سوال[۸۵۲۷]: قربانی کی کھال اگر خود استعمال کرے تو جائز ہے اور اگر بیچ ڈالے تو اس رقم کا صدقہ کرنا ضروری ہے، اس کی کیا وجہ ہے کہ زکوۃ خود استعمال نہیں کرسکتا ہے اور کھال اپنی ضرورت میں استعمال کرسکتا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قربانی میں عبادات اراقۃ الدم (یعنی خون بہانے) سے ادا ہوگئی(۳)۔ لحم، شحم، عظم، چرم کو خود بھی

= بقبض وكالته هو في حكم الوديعة عند الوكيل، فإذا تلف بلا تعد و لا تقصير، لا يلزم الضمان". (شرح المجلة: ۱/۳۸۴، (رقم المادة: ۱۴۶۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "فإن بيع اللحم، أو الجلد به: أي بمستهلك أو بدارهم، تصدق بثمنه: أي بالدراهم فيما لو أبدله بها". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۸، سعيد)

(۲) "لايصرف إلى بناء نحو المسجد". (الدرالمختار). قال العلامة الشامي رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: نحو المسجد) كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار .... وكل مالاتمليك فيه". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۳۴۴، سعيد)

(۳) "لأن القربة في الأضحية هي إراقة الدم". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في شروط جواز =

استعمال کرسکتا ہے، ایسے لوگوں کو بھی ہدیہ دے سکتا ہے جن کو زکوۃ نہیں دے سکتا، مثلاً: اصول وفروع، غنی، سید(۱)۔ البتہ اگر فروخت کردے تو قیمت کا تصدق واجب ہے(۲)، کیونکہ فروخت کر کے قیمت خود رکھ لینا متضمنِ تمول ہے اور اضحیہ سے حقِ انتفاع تو حاصل ہوتا ہے حقِ تمول حاصل نہیں ہوتا(۳)، اس لئے اگر چرم قربانی ایسی چیز کے عوض فروخت کردے جو اَز قبیلِ دراہم ودنانیر ہو جن کے بقاء سے انتفاع نہیں ہوتا "إلا إذا فر فرار الآبق" بلکہ ایسی چیز ہو جس کے بقاء سے انتفاع ہوتا ہو، جیسے: دری، قالین وغیرہ کہ اس سے انتفاع کے لئے اہلاک کی حاجت نہیں ہوتی تو اس کا تصدق واجب نہیں۔

زکوۃ کی حقیقت ہے: "تمليك مال، الخ"(٤) جس کے لئے اخراج عن الملک ضروری ہے(۵) اور

= إقامة الواجب: ۳۰۵/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"فإن التضحية إراقة الدم". (فتح القدير، كتاب الأضحية: ۵۰۷/۹، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

(۱) "ويأكل من لحم الأضحية، ويؤكل غنياً، ويدّخر". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۲۷/۲،سعيد)

"ويستحب أن يأكل منها، ولو حبس الكل لنفسه، جاز؛ لأن القربة فى الإراقة، والتصدق باللحم تطوع". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۸/۲، سعيد)

"وقيد بالصدقة الواجبة؛ لأن صدقة التطوع الأولى دفعها إلى الأصول والفروع". (البحر الرائق، كتاب الزكوة، باب صدقه الفطر: ۴۲۵/۲، رشيديه)

(۲) "فإن بيع اللحم أو الجلد به: أى بمستهلک أو بدارهم، تصدق بثمنه : أى بالدراهم فيما لو أبدله بها". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۸/۲، سعيد)

(۳) "ويتصدق بجلدها، أو يعمل منه نحو غربال و جراب؛ لأنه جزء منها، وكان له التصدق والانتفاع به .... و لا يبيعه بالدراهم لينفق على نفسه و عياله، والمعنى فيه أنه لا يتصرف على قصد التمول". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۴۸۲/۸، رشيديه)

(۴) "فالأولى أن يقال: "أل" فى المال للعهد: أى المعهود إخراجه شرعاً ولم يعهد فيها إلا التمليک وكون المخرج ربع العشر، وبه عرف أن حقيقتها تمليک ربع العشر لاغير". (منحة الخالق على البحر الرائق، أول كتاب الزكوة: ۳۵۲/۲، رشيديه)

(۵) "كما قدمه فى تعريف الزكاة؛ لأن الواجب عليه الإخراج عن ملكه رقبةً و منفعةً". (البحر الرائق، كتاب الزكوة: ۴۲۵/۲، رشيديه)

خوداستعمال سے اخراج عن الملک نہیں ہوتا۔هذا فرق بینهما۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

چرم قربانی کی قیمت چوری ہوگئی تو کیا کرے؟

سوال[۸۵۲۸]: زید کی جیب سے کسی پاکٹ مار، نے قربانی کی چرم کے پیسے- جوکہ پینتالیس روپے تھے- نکال لئے، زید نے یہ روپے مدرسہ میں صدقہ کرنے کے لئے رکھے تھے۔تو کیا یہ شریعت کی طرف سے معاف ہوگیا یا واجب الادا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جب کہ زید نے قربانی کی کھال فروخت کردی تھی تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب تھا(۱)،صدقہ کرنے سے پہلے چوری ہوجانے سے واجب ادانہیں ہوا،اب اتنی مقدار اپنے پاس سے دے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۹/۱۲/۸۹ھ۔

قیمتِ چرم قربانی سے جلد بندی

سوال[۸۵۲۹]: چرم قربانی یا اس کی قیمت سے قومی کتب خانوں کی جلد بندی کرائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ علمائے دین اس سلسلہ میں کیا فرماتے ہیں؟

---

(۱) "فإن بیع اللحم أو الجلد به: أی بمستهلک أو بدراهم، تصدق بثمنه: أی بالدراهم فیما لو أبدله بها". (ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۲۸، سعید)

(۲) "و لا یخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء". قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: ولایخرج عن العهدة بالعزل) فلو ضاعت، لا تسقط عنه الزکوة. ولو مات، کانت میراثاً عنه".

(ردالمحتار، کتاب الزکوة، مطلب فی زکاة ثمن المبیع وفاء: ۲/۲۷۰، سعید)

"إنه لا یخرج بعزل ما وجب عن العهدة، بل لا بد من الأداء للفقراء". (البحر الرائق، کتاب الزکوة: ۲/۲۱۱، رشیدیه)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، کتاب الزکوة: ۱/۳۹۰، دارالمعرفة بیروت)

الجواب حامداًومصلیاً:

چرم قربانی لحم قربانی کی طرح ہے یعنی اس کو اپنے کام میں لانا درست ہے(۱)، امیر، غریب، سید وغیرہ کو دینا بھی جائز ہے، لہٰذا اگر کسی مہتمم کتب خانہ کو تملیکاً دیدیا اور اس نے خود چرم سے، یا اس کو فروخت کر کے قیمت سے جلد بندی کرادی تو جائز ہے۔ اگر اصل مالک نے فروخت کردیا ہے تو تصدق واجب ہے، اس کے ذریعہ سے جلد بندی کرانا جائز نہیں۔ البتہ اگر قیمت کسی مستحق کو تملیکاً دیدی جائے اور وہ پھر جلد بندی کے لئے دیدے یا خود جلد بندی کرادے تو جائز ہے:

"ویتصدق بجلدها، أو یعمل منه نحو غربال أو جراب. واللحم بمنزلة الجلد فی الصحیح، اهـ". عالمگیری بحذف: ۳۰۱/۵(۲)۔

"فإن بدل اللحم أو الجلد به: أی بما ینتفع بالاستهلاك، جاز، ویتصدق به، اهـ" مجمع الأنهر: ۵۲۱/۲(۳)۔

"ولا ینبغی له أن یصرف ذلك العشر إلی عمارة الرباط، وإنما یصرف إلی الفقراء لاغیر. ولو صرف إلی المحتاجین، ثم إنهم أنفقوا علی عمارة الرباط، جاز، ویكون ذلك حسناً، كذا فی فتاویٰ قاضی خان". عالمگیری: ۲۷۳/۲(٤)۔

---

(۱) "لا بأس بأن ینتفع بإهاب الأضحیة أو یشتری بها الغربال والمنخل". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكیریة، كتاب الأضحیة، فصل فی الانتفاع بالأضحیة: ۳۵۴/۳، رشیدیه)

(۲) (الفتاویٰ العالمكیریة، كتاب الأضحیة، الباب السادس: ۳۰۱/۵، رشیدیه)

(۳) (مجمع الأنهر شرح ملتقی الأبحر، كتاب الأضحیة: ۱۷۴/۴، مكتبه غفاریه كوئٹه)

(۴) (الفتاویٰ العالمكیریة، كتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر والخانات والحیاض والطرق: ۴۷۲/۲، رشیدیه)

"وطاب لسیده وإن لم یكن مصرفاً للصدقة ما أدی إلیه من الصدقات فعجز، لتبدل الملک، وأصله حدیث بریرة رضی الله تعالیٰ عنها: "هی لک صدقة و لنا هدیة". بخلاف فقیر أباح لغنيٍ .... لایحل؛ لأن الملک لم یتبدل". (الدرالمختار، كتاب المكاتب، باب موت المكاتب: ۱۱۶/۲، سعید) (وكذا فی الفتاویٰ العالمكیریة، كتاب الوقف، الباب الثانی عشر: ۴۷۳/۲، رشیدیه)

قلت: و فی حکم العشر کلُّ ما یجب فیه التملیك مثل ثمن لحم الأضحیة و جلدها وفی حکم عمارة الرباط کل ما لا تملیك فیه مثل تجلید الکتب۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۳/۶۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ ربیع الاول/ ۶۰ھ۔

قربانی کے دودھ سے انتفاع

سوال[۸۵۳۰]: اگر قربانی کے لئے جانور خریدا اور اس کے تھنوں میں دودھ ہے تو اس کو دوہ کر اپنے کام میں لانا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکروہ ہے، اس لئے اگر قربانی کے وقت میں دیر ہو تو دودھ دوہ کر صدقہ کر دیا جائے، شامی: ۵/۲۰۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قربانی کی اون ذبح سے پہلے اپنے استعمال میں لانا

سوال[۸۵۳۱]: زید نے قربانی کے لئے دنبہ خریدا جس پر اون کافی مقدار میں ہے، اور قیمتی ہے،

---

(۱) "ویکرہ الانتفاع بلبنها قبله کما فی الصوف". (الدر المختار). "فإن کانت التضحیة قریبةً، ینضح ضرعها بالماء البارد، وإلا حلبه و تصدق به". (رد المحتار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۲۹، سعید)

"ویکرہ حلبها أو جز صوفها قبل الذبح و ینتفع به، فإن فعله تصدق به". (الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریه، کتاب الأضحیة، السادس فی الانتفاع: ۶/۲۹۴، رشیدیه)

"ولو حلب اللبن من الأضحیة قبل الذبح أو جز صوفها، یتصدق بها ولا ینتفع بها". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، فصل الانتفاع بالأضحیة: ۳/۳۵۴، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، فصل فیما یستحب قبل الأضحیة وعندها وبعدها ومایکره: ۶/۳۲۰، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریه، کتاب الأضحیة: ۵/۳۰۰، الباب السادس، رشیدیه)

زید چاہتا ہے کہ اپنے کام میں لائے یا فروخت کرے۔ تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کو ایسا نہیں کرنا چاہیے، اگر اون کاٹ لی ہے تو اس کو صدقہ کردے، عالمگیری: ۱۰٦/٤ (۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

قربانی کی اون ذبح کے بعد اپنے کام میں لانا

سوال[۸۵۳۲]: قربانی کردی گئی، اس جانور کے تھنوں میں دودھ ہے، یا اس کے بدن پر اون ہے تو اس دودھ کو یا اس اون کو اپنے کام میں لانا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے، عالمگیری: ۱۰٦/٤ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "و لو اشترى شاةً للأضحية، يكره أن يحلبها أو يجز صوفها فينتفع به؛ لأنه عينها للقربة، فلا يحل له الانتفاع بجزء من أجزائها قبل إقامة القربة بها .... و لو حلب اللبن من الأضحية قبل الذبح أو جز صوفها، يتصدق به". (الفتاویٰ العالمكيريه، كتاب الأضحية، الباب السادس فى بيان مايستحب فى الأضحية والانتفاع بها: ۳۰۰/۵، رشيديه)

"ولو اشترى شاة للأضحية، فيكره أن يحلبها أو يجز صوفها، فينتفع به؛ لأنه عينها للقربة، فلا يحل له الانتفاع بجزء من أجزائها .... فإن حلب تصدق باللبن؛ لأنه جزء من شاة متعينة للقربة ما أقيمت فيها القربة، فكان الواجب هو التصدق به، كمالو ذبحت قبل الوقت [وإن شربه] فعليه أن يتصدق بمثله؛ لأنه من ذوات الأمثال، وإن تصدق بقيمته جاز؛ لأن القيمة تقوم مقام العين. وكذلك الجواب فى الصوف والشعر والوبر، ويكره له بيعها لما قلنا". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل فيما يستحب قبل الأضحية وعندها وبعدها ومايكره: ۳۲۰/٦، ۳۲۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۹/٦، سعيد)

(۲) "وإذا ذبحها فى وقتها، جاز له أن يحلب لبنها و يجز صوفها وينتفع به؛ لأن القربة أقيمت بالذبح، والانتفاعُ بعد إقامة القربة مطلق كالأكل". (الفتاویٰ العالمكيريه، كتاب الأضحية، الباب السادس فى=

قربانی کا بہا ہوا خون پینا

سوال[۸۵۳۳]: بہت سے آدمی دوا کے طور پر قربانی کا بہا ہوا خون پیتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہا ہوا خون قربانی کا ہو یا کسی اَور طرح کا سب حرام اور نجس ہے: ﴿أو دماً مسفوحاً﴾ الآیة(۱)۔

فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/شعبان/۹۰ھ۔

قربانی کے خون کا کیا کِیا جائے؟

سوال[۸۵۳۴]: ۱...... قربانی کے خون کا کیا کِیا جائے، یونہی چھوڑ دیا جائے، اس کے احترام کا کیا طریقہ ہے؟

قربانی کی ہڈیوں کا حکم

سوال[۸۵۳۵]: ۲...... قربانی کی ہڈیوں کا کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... شریعت نے قربانی کے خون کے احترام کرنے کا حکم نہیں کیا، جس طرح دوسرے ذبیحوں کا خون

= بیان مایستحب فی الأضحیة والانتفاع بها: ۵/۳۰۱، رشیدیه)

"وکره جزصوفها قبل الذبح، بخلاف مابعده لحصول المقصود". (الدرالمختار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۲۹، سعید)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿قل لا أجد فیما أوحی إلیّ محرّماً علی طاعم یطعمه، إلا أن یکون میتةً أو دماً مسفوحاً أو لحم خنزیر، فإنه رجس﴾. (سورة الأنعام: ۱۴۵)

وقال الله تعالیٰ: ﴿إنما حرم علیکم المیتة والدم و لحم الخنزیر، وما أهل لغیر الله به﴾ (سورة النحل: ۱۱۵)

ناپاک ونجس ہے اسی طرح قربانی کا خون بھی ناپاک ونجس ہے(۱)، یونہی چھوڑ دیا جائے اور گڈھے میں مٹی ڈال کر دبا دیا جائے (۲)۔

۲...... ہڈیوں کو دفن کر دیا جائے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۲/۱۲/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: مہدی حسن غفرلہ، ۳۰/۱۲/۸۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (تقدم تخریجه تحت المسئلة السابقة آنفاً)

(۲) "ویدفن أربعة: الظفر، والشعر، وخرقة الحیض، والدم". (ردالمحتار، کتاب االحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۶/۴۰۵، سعید)

(۳) "فإذا قلم أظفاره أو جز شعره، ینبغی أن یدہ (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب التاسع عشر: ۵/۳۵۸، رشیدیه)

"فإذا قلم أظفاره أو جز شعره، ینبغی أن یدفنه". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۶/۴۰۵، سعید)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی الختان: ۳/۴۱۱، رشیدیه)

بابٌ فی مستحبات الأضحیة و آدابها

(قربانی کے مستحبات اورآداب کا بیان)

قربانی کرنے والے کا روزہ رکھنا

سوال[۸۵۳۶]: قربانی کرنے والے کا روزہ رکھنا ٹھیک ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قربانی کے دن روزہ رکھنا حرام ہے(۱)،البتہ سنت یہ ہے کہ عیدالاضحیٰ کی دس تاریخ کو قربانی سے پہلے کچھ نہ کھائے نہ پیئے،کھانے کی ابتدا قربانی کے گوشت سے کرے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند،۱۶/۲/۹۱ھ۔

---

(۱) "والمکروه تحریماً کالعیدین". (الدرالمختار). "أی و أیام التشریق". (ردالمحتار، کتاب الصوم: ۲/۳۷۵، سعید)

"وصوم العیدین وأیام التشریق حرام، لورود النهی عن الصیام فی هذه الأیام". (مجمع الأنهر، کتاب الصوم: ۱/۲۳۲ ، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

"وصوم العیدین وأیام التشریق حرام: أی مکروه تحریماً". (الدر المنتقی، کتاب الصوم: ۱/۲۳۲، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) "الأکل فی أضحیة التطوع والواجب غیر المنذور سنةٌ؛ لِمَا ثبت عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی حدیث بریدة رضی الله تعالیٰ عنه: أنه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کان لا یخرج یوم الفطر حتی یطعم، وکان لا یأکل یوم النحر شیئاً حتی یرجع، فیأکل من أضحیته". (إعلاء السنن، کتاب الأضاحی، باب التصدق بلحوم الأضاحی وغیرها: ۱۷/۲۶۷، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوة، باب أحکام العیدین عن الصلوة وغیرها سمی عیداً، ص: ۵۳۶، قدیمی)

ذی الحجہ کے روزے، اور قربانی سے کھانے کی ابتدا

سوال[۸۵۳۷]: ذی الحجہ کی نویں تاریخ کا ایک روزہ ہے یا دو رکھنے چاہئے؟ اور دس تاریخ کو کیا یہ ضروری ہے کہ روزہ قربانی کے گوشت سے کھولا جائے؟ فقط واللہ اعلم۔

الجواب حامداًومصلیاً:

یکم ذی الحجہ سے ۹/ ذی الحجہ تک روزے رکھنا بہت ثواب ہے (۱) اور نویں ذی الحجہ کا ان روزوں میں سب سے زیادہ درجہ ہے (۲)۔ مستحب یہ ہے کہ ذی الحجہ کو اپنی قربانی سے ابتدا کرے اس سے پہلے نہ کھائے، لیکن اس سے پہلے کھانا بھی مکروہ یا ناجائز نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۴/ ذی الحجہ۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ما من أيام العمل الصالح فيهن أحب إلى الله من هذه الأيام العشر". فقالوا: يا رسول الله! و لا الجهاد فی سبیل الله؟ فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ولا الجهاد فی سبیل الله، إلا رجل خرج بنفسه وماله، فلم يرجع من ذلک بشیء".

"عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "ما من أيام أحب إلى الله أن يتعبد له فيها من عشر ذی الحجه، يعدل صيام كل يوم منها صيامَ سنة، وقيام كل ليلة منها بقيام ليلة القدر". (جامع الترمذی: ۱/۱۵۸، باب ما جاء فی العمل فی أيام العشر، سعید)

(وسنن أبی داؤد: ۱/۳۳۸، باب صوم العشر، إمدادیه ملتان)

(۲) "عن أبی قتادة رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "صيام يوم عرفة إنی احتسب على الله أن يكفّر السنة التی بعده والسنة التی قبله". (جامع الترمذی: ۱/۱۵۷، باب ما جاء فی فضل صوم يوم عرفة، سعید)

(وإعلاء السنن، كتاب الصوم، باب استحباب صيام ستة من شوال وصوم عرفة وصوم عاشورا: ۹/۱۵۳، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "الأكل من أضحية التطوع والواجب غير المنذور سنةٌ، لِمَا ثبت عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه =

قربانی سے قبل کچھ کھانا

سوال[۸۵۳۸]: قربانی سے قبل چائے، پان، روٹی وغیرہ کھانا کیسا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کچھ نہ کھانا چاہئے۔ یہ حکم صرف اس شخص کے لئے ہے جس کے نام سے قربانی ہوتی ہے، یا عوام کے لئے بھی یہی حکم ہے؟ عیدین میں روزہ تو حرام ہے، پھر عید الاضحیٰ میں قربانی سے پہلے کچھ کھانے پینے کی ممانعت کیوں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس روز سب اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں اس لئے مستحب یہ ہے کہ اولاً ہر شخص دعوت یعنی قربانی سے کھائے، حقہ، پان، چائے وغیرہ کچھ اس سے پہلے نہ کھائے پئے، یہی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول تھا۔ اور یہ حکم اصالۃً اس کے لئے ہے جو قربانی کرے۔ تاہم اگر ابتداءً کوئی اَور شئی کھالی تب بھی گناہ نہیں ہوگا، صرف خلافِ اَولیٰ ہوگا، یہی قول مختار ہے، کذا فی مراقی الفلاح و طحطاوی، ص:۳۹۳(۱)۔ اور بعض فقہاء نے تبعاً اس حکم میں اس شخص کو بھی داخل کیا ہے جو قربانی نہیں کرتا، کذا فی البحر: ۱۶۳/۲(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= وسلم فی حدیث بریدة رضی الله تعالیٰ عنه أنه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کان لایخرج یوم الفطر حتی یطعم، وکان لا یأکل یوم النحر شیئاً حتی یرجع، فیأکل من أضحیته". (إعلاء السنن، کتاب الأضاحی، باب التصدق بلحوم الأضاحی وغیرها: ۲۶۷/۱۷، إدارة القرآن کراچی)

"لکنه فی الأضحی یؤخر الأکل عن الصلوة استحباباً، فإن قدمه، لا یکره فی المختار".
(مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلوة، باب أحکام العیدین عن الصلوة وغیرها سمی عیداً، ص: ۵۳۶، قدیمی)

(۱) "لکنه فی الأضحی یؤخر الأکل عن الصلوة استحباباً، فإن قدمه، لا یکره فی المختار؛ لأنه علیه الصلوة والسلام کان لایطعم فی یوم الأضحی حتی یرجع، فیأکل من أضحیته". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب أحکام العیدین، ص: ۵۳۶، قدیمی)

(۲) "وهی أحکام الأضحی، لکن هنا یؤخر الأکل .... وأطلقه، فشمل من لا یضحّی".
(البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب صلوة العیدین: ۲۸۴/۲، رشیدیه) .... =

دو رکعت نفل اور بال وناخن نہ ترشوانے سے قربانی کا ثواب

سوال[۸۵۳۹]: زید نے اپنے خطبے میں کہا کہ جس شخص میں قربانی کی استطاعت نہ ہو، اگر وہ عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد گھر پر دو رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورہ إنا أعطيناك پڑھے تو اس کو قربانی کے برابر ثواب ملتا ہے۔ اسی طرح سر کے بال اور ناخن نہ تراشے تو قربانی کے برابر ثواب ملتا ہے۔ یہ کہاں تک اصلیت رکھتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس طرح دو رکعت پڑھنے سے قربانی کا ثواب ملنا میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھا، زید سے حوالہ دریافت کیجئے۔ البتہ ناخن اور بال کے متعلق بعض علماء سے ایسا سنا ہے اور حدیث میں قربانی والے کے لئے اس کو مستحب قرار دیا گیا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قربانی ذبح کرنے کا ثواب

سوال[۸۵۴۰]: ایک نیک آدمی ہے، محلّہ کے لوگ قربانی اسی سے- اس کے نیک ہونے کی وجہ سے- ذبح کراتے ہیں۔ کیا اسے قربانی ذبح کرنے کا ثواب ملے گا؟

= "و يندب تأخير أكله عنها وإن لم يضحّ في الأصح، وإن أكل لم يكره". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۷۶، سعيد)

(۱) احادیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف قربانی کرنے والے شخص کے لئے مستحب ہے کہ وہ ذی الحجہ کے آخری عشرہ میں بال اور ناخن نہ کاٹے:

"عن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها ترفعه، قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "دخل العشر وعنده أضحية يريد أن يضحي، فلا يأخذن شعراً ولا يقلمن ظفراً".

"وعن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا رأيتم هلال ذي الحجة و أراد أحدكم أن يضحي، فليمسك عن شعره و أظفاره". (الصحيح لمسلم، باب نهي من دخل عليه عشر ذي الحجة و هو مريد التضحية: ۲/۱۶۰، قديمي)

الجواب حامداً ومصلياً:

اس نیک آدمی کوثواب ملتا ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۹۴ھ۔

قربانی کے وقت کی دعاء

سوال[۸۵۴۱]: ۱......نیت قربانی کی مع ادعیۂ ماثورہ کے بحوالۂ کتب تحریر فرمائیں۔

۲......موافق قرآن وحدیث کے وہ دعاء بھی ذکر فرمائیں جوقربانی کی مقبولیت کے لئے منقول ہو۔ بحوالہ حدیث تحریر فرمائیں۔

براہ کرم دونوں سوالوں کا جواب علیحدہ علیحدہ تحریر فرمائیں۔بینواوتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... ﴿إني وجهت وجهي للذي فطر السموات والأرض حنيفاً و ما أنا من المشركين، إن صلاتي و نسكي و محياي و مماتي لله رب العالمين، لا شريك له و بذلك أمرت و أنا أول المسلمين﴾ اللهم منك ولك ،الخ“ اور یہ دعاء ذبح سے پہلے پڑھے، پھر ”بسم الله، الله أكبر“ کہہ کرذبح کرے، كذا في مسند الدارمي، ص: ۲۴۹(۲)۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿و تعاونوا على البر والتقوى﴾ (سورة المائده : ۲)

”عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ”من نفس عن مسلم كربةً من كرب الدنيا، نفس الله عنه كربةً من كرب يوم القيامة. ومن يسر على معسر، يسر الله عليه في الدنيا والآخرة. ومن ستر على مسلم، ستر الله عليه في الدنيا والأخرة. والله في عون العبد ما كان العبد في عون أخيه“. (سنن أبي داؤد: ۳۲۸/۲، كتاب الأدب، باب في المعونة للمسلم ، مكتبه إمداديه ملتان)

(۲) (مسند الدارمي: ۱۰۳/۲، كتاب الأضاحي، باب السنة في الأضحية، (رقم الحديث: ۱۹۴۶)، قديمي)

”عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنهما، قال: ذبح النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم الذبح ......فلما وجّهها قال: ”إني وجهت وجهي للذي فطر السموات والأرض على ملة إبراهيم =

۲...... بعد ذبح کے یہ دعاء پڑھے:

"اللهم تقبل منی كما تقبلت من حبيبك محمد و خليلك إبراهيم عليهم السلام"۔

اس دعاء کا ماخذ وہ حدیث ہے جس کو ابوداؤد شریف نے روایت کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"اللهم تقبل من محمد وآل محمد"(۱)۔ بذل المجهود: ٤/٧٠(٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۱۱/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

جانور کی رسی کا صدقہ کرنا

سوال[۸۵۴۲]: قربانی کے جانور کو جس رسی مین یا زنجیر میں باندھا جاوے تو بجائے زنجیر کے اگر اس کی قیمت ادا کردی جاوے تو درست ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

محمد خلیل کلیانوی، متعلم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

= حنيفاً وما أنا من المشركين، إن صلواتي و نسكي و محياى و مماتي لله رب العالمين، ولا شريك له، وبذلك أمرت، وأنا من المسلمين، اللهم منك و لك عن محمد بسم الله والله أكبر". ثم ذبح".
(سنن أبي داؤد: ٢/٣٠، كتاب الضحايا، باب ما يستحب في الضحايا، مكتبه امداديه ملتان)

نوٹ: واضح رہے کہ یہ دعاء "بسم اللہ" سے پہلے، یا کچھ دیر بعد پڑھنا ضروری ہے، کیونکہ "بسم اللہ" پڑھتے وقت مذکورہ دعاء پڑھنا مکروہ ہے:

"ويستحب أن يجرّد التسمية عن الدعا، فلا يخلط معها دعاء، وإنما يدعو قبل التسمية أو بعدها، و يكره حالة التسمية". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل فيما يستحب قبل الأضحية وعندها وبعدها ومايكره: ٦/٣٢٦، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أمر بكبش أقرن يطأ في سوادٍ وينظر في سوادٍ ويبرك في سوادٍ، فأتي به فضحّى به، فقال: "ياعائشة هلُمّي المديه". ثم قال: "أشحذيها بحجر". ففعلت، فأخذها، وأخذ الكبش فأضجعه فذبحه، وقال: "بسم الله اللهم! تقبل من محمد وآل محمد ومن أمة محمد". ثم ضحّى به". (سنن أبي داؤد، كتاب الضحايا، باب مايستحب من الضحايا: ٢/٣٠، مكتبه إمداديه ملتان)

(۲) (بذل المجهود، كتاب الضحايا، باب مايستحب من الضحايا: ۴/۷۰، معهد الخليل الإسلامي كراچی)

الجواب حامداًومصلیاً:

رسی یازنجیر کا صدقہ کرنا مستحب ہے، فرض نہیں، قیمت ادا کرنے سے اس کا تو ثواب ہوگا، لیکن رسی کے صدقہ کا استحباب حاصل نہ ہوگا(۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۱/۵۳ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ ذیقعدہ/۵۳ھ۔

قربانی کے جانور کی رسی کا صدقہ کرنا

سوال[۸۵۴۳]: قربانی کے جانور کی رسی اور جھول وغیرہ کو صدقہ کردینا واجب ہے، ہمارے یہاں کا رواج یہ ہے کہ لوگ جانور خرید کر پھر بائع کے پاس چرائی پر چھوڑ دیتے ہیں اور اس کو چرائی کی اجرت دیتے ہیں، جب قربانی کرنی ہوتی ہے تو جا کر جانور کو اپنی رسی میں باندھ کرلاتے ہیں اور فوراً قربانی کردیتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوجاتا ہے کہ اسی رسی میں پھر سے جا کر دوسرے جانور کو باندھ کرلاتے ہیں اور ذبح کردیتے ہیں ایسی صورت میں رسی اس جانور کی قرار پائے گی اور واجب التصدق ہوگی، یا وہ رسی جس میں بائع جانور کو اپنے گھر باندھتا تھا؟

---

(۱) "عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: أمرنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أن أقوم علی بدنة وأن أقسم جلودها وجلالها، وأمرنی أن لاأعطی الجازر منها شیئاً". (السنن الکبری للبیهقی، کتاب الضحایا، بابٌ: لایبیع من اضحیته شیئاً ولا یعطی أجر الجازر منها، (رقم الحدیث: ۱۹۲۳۲): ۴۹۵/۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

"ولا یعطی أجر الجزار منها، لقوله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم لعلیّ رضی اللہ تعالیٰ عنه: "تصدق بجلالها و خطامها، ولا تعط أجر الجزار منها شیئاً". (ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۳۲۹/۶، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الأضحیة: ۴۸۶/۶، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، فصل فیما یستحب قبل الأضحیة وعندها وبعدها ومایکره: ۳۳۲/۶، دارالکتب العلمیة بیروت)

الجواب حامداًومصلیاً:

قربانی کا جانور خرید کر جب لایا گیا اور بائع نے اس کورسی میں باندھ کر دیا یعنی مع رسی کے تو اس رسی کو صدقہ کر دیا جائے (۱)، اگر اپنی رسی میں اس کو رکھا ہے تو اس کو صدقہ کرنے کا حکم نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

شرکائے قربانی کا وقتِ ذبح موجود ہونا

سوال[۸۵۴۴]: قربانی کے وقت ساتوں شرکاء کا موجود ہونا ضروری ہے یا اجازت کافی ہے جب کہ صرف تین چار آدمی ذبح خانہ میں چلے جاویں اور ذبح کر دیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

سب شرکاء کا موجود ہونا ضروری نہیں بلکہ اجازت کافی ہے، البتہ موجود ہونا مستحب ہے:

"و ندب أن یذبح بیده إن علم ذلك، وإلا یعلمه، شهدها بنفسه و یأمر غیره بالذبح".

درمختار: ۵/۲۳۱ (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۳/۱۱/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۹/ ذی قعدہ/۵۳ھ۔

---

(۱) "و لا یعطی أجر الجزار منها، لقوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لعلیّ رضی الله تعالیٰ عنه: "تصدق بجلالها وحطامها، ولا تعط أجر الجزار منها شیئاً". (ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۲۹، سعید)

(۲) اس لئے کہ مذکورہ بالا عبارت "و خطامها" میں جو ضمیر ہے وہ قربانی کے جانور کی طرف راجع ہے، جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ رسی سے وہ رسی مراد ہے جو جانور خریدتے وقت اس کے ساتھ آئی ہو۔ واللہ اعلم۔

(۳) (ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۲۸، سعید)

"عن أبی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لفاطمة رضی الله تعالیٰ عنها: "قومی إلی أضحیتک فاشهدیها، فإن لک بأوّل قطرة تقطر من دمها یغفر لک ماسلف من ذنوبک". قالت: یارسول الله! هذا لنا أهل البیت خاصةً أولنا وللمسلمین عامةً؟ قال: "بل لنا وللمسلمین عامةً". (المستدرک للحاکم، کتاب الأضاحی، (رقم الحدیث: ۷۵۲۵): ۴/۲۴۷، دارالکتب العلمیة بیروت) .... =

قربانی کے جانور کو ذبح کے وقت ہر حصہ دار کا ہاتھ لگانا

سوال[۸۵۴۵]: بعض لوگ کہتے ہیں کہ قربانی کے جانور کو ذبح کرتے وقت ہر حصہ دار کا جانور کو ہاتھ لگانا ضروری ہے۔کیا ان کا کہنا صحیح ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ہاتھ لگانا ضروری نہیں(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۴/۱۲/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۴/۱۲/ ۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "وندب أن لا تنقص التصدقة عن الثلث .... وأن يذبح بيده إن أحسن، وإلا يأمر غيره ويحضرها". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/۱۷۴، مكتبة غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۸/۳۲۸، رشيديه)

(وكذا فى بدائع الصنائع، كتاب التضحية، وأما بيان مايستحب قبل التضحية: ۶/۳۲۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قربانی ذبح کرتے وقت صرف حاضر ہونے کا حکم دیا، اگر ہاتھ لگانا بھی امرِ مستحسن ہوتا تو اس کا بھی حکم ارشاد فرمادیتے:

"عن عمران بن حصين رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "يافاطمة! قومي إلى أضحيتك، فاشهديها، فإنه يغفرلك عند أوّل قطرة تقطر من دمها كل ذنب عملتيه وقولي: إن صلاتي ونسكي ومحياى ومماتي لله رب العالمين، لاشريك له، وبذلك أمرت، وأنا من المسلمين". قال عمران رضى الله تعالىٰ عنه : قلت: يارسول الله! هذا لك ولأهل بيتك خاصةً، فأهل ذاك أنتم، أم للمسلمين عامةً؟ قال: "لا، بل للمسلمين عامةً". (المستدرك للحاكم، كتاب الأضاحي، (رقم الحديث: ۷۵۲۴): ۴/۲۴۷، دارالكتب العلمية بيروت)

فصلٌ فی نذر الأضحية
(قربانی کی نذر ماننے کا بیان)

قربانی کو شرط پر معلق کرنا

سوال[۸۵۴۶]: اگر کوئی یوں کہے کہ ''اگر یہ گائے گابھن ہو تو رکھوں گا ورنہ قربانی کروں گا''۔ فی الحال گائے گابھن نہیں ہوئی اس وقت گائے کو فروخت کر کے اس کے روپیہ سے دوسری گائے یا بیل لیکر قربانی کر سکتے ہیں یا نہیں، بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز یہ نذر بھی صحیح ہے یا نہیں؟ اور شخصِ مذکور تو انگر ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

الفاظِ مذکورہ فی السوال میں دو احتمال ہیں: ایک اپنے نفس سے وعدہ، دوسرے نذر۔ اگر نذر کی نیت نہیں کی ہے بلکہ وعدہ کی نیت ہے تب تو نذر رہے نہیں، محض وعدہ ہے جس کا پورا کرنا فرض نہیں، اگر اس کی مصالح کا تقاضہ ہو تو فروخت کرنا جائز ہے، اس کے عوض دوسری گائے وغیرہ کی قربانی کردے:

هكذا يفهم مما ذكر في البدائع: ٨٤/٥:

”ولو قال: أنا أحرم و أنا محرم وأهدى أو أمشى إلى البيت، فإن نوى به الإيجاب، يكون إيجاباً؛ لأنه يذكر و يراد به الإيجاب. .... وإن نوى أن يَعِد من نفسه عِدَةً و لا يوجب شيئاً، كان عدةً، ولا شيء عليه؛ لأن اللفظ يحتمل العِدَة؛ لأنه يستعمل فى العدات. وإن لم يكن له نيته، فهو على الوعد؛ لأنه غلب استعماله فيه، فعند الإطلاق يحمل عليه. هذا إذا لم يعلّقه بالشرط، فإن علقه بالشرط بأن قال: إن فعلت كذا فأنا أحرم، فهو على الوجوه الذى بيّنّا أنه إن نوى الإيجاب يكون إيجاباً، وإن نوى الوعد يكون وعداً، لِماقلنا. وإن لم يكن له نية، فهو على الإيجاب، الخ“(١)۔

---

(١) (بدائع الصنائع، كتاب النذر، فصل فی شرائط ركن النذر: ٣٤٠/٦، دارالكتب العلمية بيروت) =

اگر وعدہ کی نیت نہیں تھی، یا نذر کی نیت کی ہے تو شرعاً نذر ہوگئی:

"أما الذی یجب علی الغنی والفقیر، فالمنذور به بأن قال: لله علیّ أن أضحی شاةً، أو بدنةً، أو هذه الشاة، أو هذه البدنة، أو قال: جعلتُ هذه الشاة ضحیةً أو أضحیةً وهو غنی وفقیر". بدائع: ۵/٦١(١)۔

اور چونکہ وقت کی تحدید نہیں کی ہے، لہٰذا گابھن ہونے کے لئے قربانی کے وقت تک انتظار کرنا چاہئے، اس وقت تک اگر گابھن نہ ہو تو پھر اس کو قربانی کردینا چاہئے۔ اگر دوسری گائے قربانی کے لئے خرید لی تو پھر طرفین کے نزدیک اس گائے کو فروخت کرنا جائز ہے اور جس قدر اس کی قیمت میں کمی ہو اس کو صدقہ کرنا لازم ہے:

"رجل اشتری شاةً للأضحیة و أوجبها بلسانه، ثم اشتری أخری، جاز له بیع الأولی فی قول أبی حنیفة و محمد رحمهما الله تعالیٰ. فإن کانت الثانیة شراً من الأولی وذبح الثانیة، فإنه یتصدق بفضل مابین القیمتین؛ لأنه لمّا وجب الأولی بلسانه فقد جعل مقدار مالیة الأولی لله تعالیٰ، فلا یکون له أن یستفضل لنفسه شیئاً، فلهذا یلزمه التصدق بالفضل". فتاوی قاضی خان(٢)۔

= "رجل اشتری شاةً للأضحیة و أوجبها بلسانه، ثم اشتری أخری، جاز له بیع الأولی فی قول أبی حنیفة ومحمد رحمهما الله تعالیٰ. فإن کانت الثانیة شراً من الأولی وذبح الثانیة، فإنه یتصدق بفضل مابین القیمتین؛ لأنه لما أوجب الأولی بلسانه، فقد جعل مقدار مالیة الأولی لله تعالیٰ، فلا یکون له أن یستفضل لنفسه شیئاً، فلهذا یلزمه التصدق بالفضل .... قال الإمام السرخسی: الصحیح أن الجواب فیهما علی السواء یلزمه التصدق بالفضل، غنیاً کان أو فقیراً". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، الباب الثانی فی وجوب الأضحیة بالنذر: ۵/۲۹۴، رشیدیه)

(۱) (بدائع الصنائع، کتاب التضحیة: ۲۷۵/٦، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، فصل فی صفة الأضحیة: ۳۴۷/۳، رشیدیه)
(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، الباب الثانی فی وجوب الأضحیة بالنذر وماهو فی معناه: ۵/۲۹۴، رشیدیه)

اوراس گائے کی قربانی کرنے سے جوقربانی شرعاً ایامِ نحر میں واجب ہوتی ہے وہ ساقط نہ ہوگی، بلکہ اس واجب کی ادائیگی کے لئے مستقل قربانی ضروری ہے:

"ولو قال ذلك قبل أيام النحر، يلزمه التضحية بشاتين بلا خلاف، الخ". بدائع: ٥/٦٣ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱۱/۵۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۷/ ذیقعدہ/۵۲ھ۔

متعین جانور کی قربانی کی نذر ماننے کی ایک صورت

سوال [۸۵۴۷]: زید نے ایک بھینس کا بچہ پالا وہ گم ہوگیا، اس نے کہا کہ اگر وہ مل گیا تو اللہ کے واسطے اس کی قربانی کردوں گا، چنانچہ وہ مل گیا، لیکن زید کو اب اس کی ضرورت ہے۔ کیا شرعاً اس کی اجازت ہے کہ اس کو خود رکھ لے اور اس کے عوض دوسرے جانور کی قربانی کردے جو کہ اتنی ہی قیمت کا ہو، یا اس کی قربانی ضروری ہے؟

نوٹ: وہ بچہ اب بچہ نہیں، بلکہ بڑا بھینسا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسی کی قربانی لازم ہے، اگر قربانی کے ایام گزر جائیں اور اس کی قربانی کی نوبت نہ آئے تو اس کو زندہ صدقہ کردے، شامی: ٥/٢٠٤ (٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(١) (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، قبيل فصل في شرائط الوجوب: ٦/٢٨١، دار الكتب العلمية بيروت)

"ولو نذر أن يضحي شاةً .... ولو قبل أيام النحر، لزمه شاتان بلا خلاف؛ لأن الصيغة لاتحتمل الإخبار عن الواجب؛ إذ لا وجوب قبل الوقت". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ٦/٣٢٠، سعيد)

(٢) "أنه إذا أوجب شاةً بعينها أو اشتراها ليضحي بها، فمضت أيام النحر، تصدق بها حية، ولا يأكل منها لانتقال الواجب من الإراقة إلى التصدق". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ٦/٣٢٧، سعيد)

"فإن كان أوجب التضحية على نفسه بشاة بعينها فلم يضحها حتى مضت أيام النحر، يتصدق =

قربانی کی نذر کی تفصیل

سوال [۸۵۴۸]: ہماری شریعتِ مصطفویہ کے مفتیان عظام سے استفتاء یہ ہے کہ شاۃ منذورہ یا بقرہ سال میں قربانی کے لائق ضرور ہوگی یا نہیں؟ اگر ہو تو اسامی کتب و متعین صفحہ سے بنقلِ عبارات جواب شافی عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: مولوی دوست محمد صاحب۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

شاۃ منذورہ کی صورت اگر صورت اضحیہ کی ہے یعنی اس طرح نذر کی ہے "للّٰہ عليّ أن أضحی شاةً" تو اس میں تمام شرائطِ اضحیہ کا پایا جانا ضروری ہے، کیونکہ ایسی نذر میں تضحیۂ شاۃ اس کے ذمہ واجب ہے، ایام نحر میں ایسی شاۃ کی قربانی کرے جس کی اضحیہ شرعاً درست ہے۔ اگر بصورت ہدی نذر کی ہے تو اس کو حرم میں قربانی کرائے۔

اگر ہدی اور اضحیہ کے طور پر نذر نہیں کی، بلکہ مطلقاً شاۃ کو تصدق کرنے یا ذبح کر کے اس کا لحم صدقہ کرنے کی نذر کی ہے جب بھی اس کی عمر اتنی ہی ضروری ہے جس کی قربانی درست ہے، کیونکہ عرفاً و شرعاً ایسی شاۃ کو "شاۃ" کہا جاتا ہے۔ اگر کسی شاۃِ معینہ مشارٌ الیہا کی نذر کی ہے تو اس میں یہ شرطیں نہیں، بلکہ وہ جس عمر کی بھی ہو اس سے نذر پوری ہو سکتی ہے اور ان ہر دو صورت میں ایام نحر یا حدود حرم کی بھی قید نہیں۔

آخر کی صورت بالکل ایسے ہی ہے جیسے شاۃ کے علاوہ کوئی شئ معین کر کے اس کے تصدق کی نذر کرے:

"الأضحية اسم لما يذبح في وقت مخصوص لم يكن فيها إلغاء الوقت، فإذا نذرها يلزم

= بعينها حيةً". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في كيفية الوجوب: ۲۹۳/۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۷۸/۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في فتح القدير، كتاب الأضحية: ۵۱۳/۹، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(و كذا في مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۰/۴، غفاريه كوئٹه)

(و كذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الأضحية: ۱۶۳/۴، دار المعرفة بيروت)

فعلها فيه، والا لم يكن اتياً بالمنذور؛ لأنها بعدها لا تسمى أضحيةً، ولذا يتصدق بها حيةً إذا خرج وقتها كما قدمناه، بخلاف ما إذا نذر ذبح شاة فى وقت كذا، يلغو. وذكر الوقت؛ لأنه وصف زائد على مسمى الشاة، ولذا ألغى علماؤنا تعيين الزمان والمكان بخلاف الأضحية، فإن الوقت قد جعل جزءاً من مفهومها تلزم اعتباره.

ونظير ذلك ما: لو نذر هدى شاة، فإنهم قالوا: إنما يخرجه عن العهدة ذبحها فى الحرم والتصدق بها هناك .... وما ذاك إلا لكون الهدى إسماً لما يهدى إلى مكة ويتصدق به فيها، فقد جعل المكان جزءاً من مفهومه كالزمان فى الأضحية، فإذا تصدق به فى غير مكة، لم يأت بما نذره، اهـ". شامی: ۵/۲۳۴(۱)۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۳۳، سعيد)

"أما الذى يجب على الغنى والفقير، فالمنذور به بأن قال: لله علىّ أن أضحى شاةً، أو بدنةً، أو هذه الشاة، أو هذه البدنة، أو قال: جعلتُ هذه الشاة ضحيةً أو أضحيةً وهو غنى وفقير؛ لأن هذه قربة لله تعالىٰ عزّ شأنه من جنسها إيجاب، وهو هدى المتعة، والقران، والإحصار، وفداء إسماعيل عليه الصلوة والسلام، وقيل. هذه القربة تلزم بالنذر كسائر القرب التى لله تعالىٰ عزّ شأنه من جنسها إيجاب من الصلوة والصوم ونحوهما، والوجوب بسبب النذر يستوى فيه الفقير والغنى". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية: ۶/۲۷۵، دارالكتب العلمية بيروت)

"فإن كان اشترى الأضحية أو أوجب على نفسه بالنذر، وجب عليه أن يتصدق بذلك الذى أوجبه أو اشتراه؛ لأنها تعينت بالشراء بنية الأضحية، أو بالنذر، فلا يجزئه غيرها، إلا إذا كان قدر قيمتها بخلاف الغنى؛ لأن الأضحية واجبة فى ذمته، فيجزئه التصدق بالشاة عنه، أو بقيمتها. ولا يجب عليه أكثر من ذلك، إلا إذا التزم التضحية بالنذر وعنى به غير الواجب فى ذمته، فحينئذ يجب عليه أن يتصدق بالمنذور كما بينا فى حق الفقير مع الواجب الذى فى ذمته، وهى الشاة التى وجبت بسبب اليسار. وكذا إذا أطلق النذر ولم يرد به الواجب فى ذمته، يجب عليه غيره معه. وإن أراد به الواجب بسبب الغنا، لايلزمه غيره؛ لأن النذر إيجاب، والإيجاب ينصرف إلى غير الواجب ظاهراً، ولكن يحتمل الصرف إلى الواجب تاكيداً له، ونظيره النذر بالحج وعليه حجة الإسلام، فإنه يلزمه حجة أخرى، إلا إذا عنى به ماهوا لواجب عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۷۸، ۴۷۹، دارالكتب العلمية بيروت) .... =

قال العلامة الكاسانی بعد نذر الأضحية والهدی: "ولا يجوز فيها إلا ما يجوز فی الأضاحی، وهو الثنیّ من الإبل والبقر، والجذعُ من الضأن إذا كان ضخماً".

بدائع: ۸۵/۵(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ ذیقعدہ/۶۲ھ۔

ایامِ قربانی کے بعد شاۃِ منذورہ متعینہ کا حکم

سوال[۸۵۴۹]: زید نے نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو ایک قربانی کروں گا۔ اللہ کے حکم سے وہ کام ہوگیا اور زید نے نذر پوری کرنے کے لئے ایک بکری خرید بھی لی، مگر اس کی قربانی کی نوبت نہیں آئی، یہاں تک کہ قربانی کی تاریخیں بھی گزر گئیں۔ تو زید اب اس بکری کی قربانی کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب اس کی قربانی درست نہیں، زید کو چاہئے کہ وہ بکری زندہ کسی فقیر مستحقِ زکوٰۃ کو صدقہ کردے، کما

= (وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب التاسع فی المتفرقات: ۳۰۶/۵، رشيديه)

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب النذر، فصل فی شرائط ركن النذر: ۳۴۲/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

"ولو قال: لله أن أذبح جزوراً و أتصدق بلحمه فذبح مكانه سبع شياه، جاز .... ووجهه لايخفى". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "و هو أن السبع تقوم مقامه فی الضحايا والهدايا". (ردالمحتار، كتاب الأيمان، مطلب: فی أحكام النذر: ۷۴۰/۳، سعيد)

"قلت: إنما تعين المكان فی نذر الهدی، والزمان فی نذر الأضحية؛ لأن كلا منهما اسم خاص معين، فالهدی ما يُهدی للحرم، والأضحية ما يذبح فی أيامها، حتى لو لم يكن كذلك لم يوجد الاسم". (ردالمحتار، كتاب الأيمان، مطلب فی أحكام النذر: ۷۴۱/۳، سعيد)

"تصدق بها حيةً ناذرٌ -فاعل تصدق- لمعينة و لو فقيراً. لو ذبحها، تصدق بلحمها". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۲۰/۶، سعيد)

قاله ابن عابدين فی الشامی: ۵/ ۲۰۸ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "ولو تركت التضحية ومضت أيامها، تصدق بها حيةً ناذرٌ -فاعل تصدق- لمعينة و لو فقيراً". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۶/ ۳۲۰، سعيد)

"ولو لم يضح حتى مضت أيام النحر، فقد فاته الذبح، فإن كان أوجب على نفسه شاة بعينها بأن قال : لله على أن أضحى بهذه الشاة، سواء كان الموجب فقيراً، أو غنياً، أو كان المضحى فقيراً، وقد اشترى شاة بينة الأضحية، فلم يفعل حتى مضت أيام النحر تصدق بها حية، وإن كان من لم يضح غنياً، ولم يوجب على نفسه شاة بعينها تصدّق بقيمة شاة اشترى، أو لم يشتر، كذا فى العتابية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الرابع، فيما يتعلق بالمكان والزمان: ۵/ ۲۹۶، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/ ۴۷۸، ۴۷۹، دارالكتب العلمية بيروت)

باب المتفرقات

غلطی سے ایک نے دوسرے کی قربانی ذبح کردی

سوال [۸۵۵۰]: دوآدمیوں نے قربانی کے لئے دوبکریاں خریدیں، مگران میں کوئی شناخت ایسی نہیں تھی کہ دونوں اپنی اپنی بکریوں کو پہچان سکیں، یا شناخت تھی مگر بھول گئے اور دونوں نے ایک ایک بکری کی قربانی کردی، بعد میں معلوم ہوا کہ کسی نے بھی اپنی بکری کی، قربانی نہیں کی بلکہ ہرایک نے دوسرے کی بکری کی قربانی کی ہے۔ ایسی صورت میں کیا دونوں کو دوبارہ قربانی لازم ہوگی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نہیں، بلکہ دونوں کی قربانی ہوگئی، شامی: ۵/ ۲۱۰ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ۔

دوسرے مقام پرروپیہ بھیج کرقربانی کرانا

سوال [۸۵۵۱]: زیدکانپورمیں پیدا ہوااوراس شہرمیں پرورش پائی اورسکونت بھی اختیارکرلی، مگر

---

(۱) "ولو غلط اثنان وذبح كلٌّ شاة صاحبه يعني نفسه .... صح استحساناً بلا غرم". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۹/۶، سعيد)

"ولو غلطا و ذبح كلٌّ أضحية صاحبه، صح ولايضمنان". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۸/۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۸۷/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱۷۵/۴، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الأضحية: ۵۱۹/۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب الأضحية: ۴۴۹/۴، امداديه)

قربانی اپنے وطن میں روپے بھیج کر گائے بکرے وغیرہ کی کرتا ہے، کچھ تو رقم کی سہولت اور کچھ گائے وغیرہ کی قربانی کی اجازت شہر کانپور میں نہ ہونے کی وجہ سے اپنے وطن میں کراتا ہے۔ تو درست ہے یا نہیں؟ اس کو اپنے ہی شہر میں قربانی کرنی چاہیئے یا دوسرے شہر میں جہاں اعزہ واقارب رہتے ہیں کرسکتا ہے، ثواب میں تو کچھ کمی نہ ہوگی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس طرح بھی قربانی درست ہے (۱)، اپنے ہاتھ سے قربانی کرنے (۲) اور اپنی قربانی کا گوشت

---

(۱) "والمعتبر فی ذلک مکان الأضحیة، حتی لو کانت فی السواد والمضحی فی المصر، یجوز کما انشق الفجر". (البحر الرائق: ۸/۳۲۱، کتاب الأضحیة، رشیدیه)

"فلو کانت فی السواد والمضحی فی المصر، جازت قبل الصلوة". (ردالمحتار: ۶/۳۱۸، سعید)
(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الأضحیة: ۴/۱۷۰، غفاریه کوئٹه)

"إذا کان من علیه الأضحیة فی المصر والشاة فی المصر، فإن کان هو المصر والشاة فی الرستاق، أو فی موضع لایصلی فیه، وقد کان أمر أن ضحوا عنه، فضحوابها بعد طلوع الفجر قبل صلوة العید، فإنها تجزیه، وعلی عکسه لوکان هو فی الرستاق والشاة فی المصر، وقد أمر من یضحی عنه، فضحوا بها قبل صلوة العید، فإنها لاتجزیه، وإنما یعتبر فی هذا مکان الشاة لامکان من علیه، هکذا ذکر محمد رحمه الله تعالیٰ فی النوادر وقال: إنما أنظرإلی موضع المذبوح عنه، وهکذا روی الحسن عن أبی یوسف رحمهما الله تعالیٰ یعتبر المکان الذی یکون فیه الذبح، ولا یعتبر المکان الذی یکون فیه المذبوح عنه، وإنما کان کذلک؛ لأن الذبح هوالقربة فیعتبر مکان فعلها، لامکان المفعول عنه.

وإن کان الرجل فی مصر وأهله فی مصر آخر فکتب إلیهم أن یضحوا عنه، روی عن أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ أنه اعتبر مکان الذبیحة، فقال: ینبغی لهم أن لاتضحوا عنه حتی یصلی الإمام الذی فیه أهله، وإن ضحوا عنه قبل أن یصلی لم یجزه، وهو قول محمد رحمه الله تعالیٰ". (بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، فصل فی شروط جواز إقامة الواجب: ۶/۳۱۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) "عن المسیب بن رافع أن أبا موسی رضی الله تعالیٰ عنه کان یأمر بناته أن یذبحن نسائکهن بأیدیهن". قال العلامة ظفر أحمد العثمانی: "وأثر أبی موسی رضی الله تعالیٰ عنه یدل علی أفضلیة المباشرة". (إعلاء السنن، کتاب الأضاحی، باب أفضلیة مباشرة التضحیة بنفسه: ۱۷/۲۷۵، ۲۷۷، إدارة القرآن کراچی) =

کھانے کی فضیلت حاصل نہ ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قربانی کا جانور خرید کر پھر فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسرا جانور خریدنا

سوال [۸۵۵۲]: ایک ہندو عورت سے چند مسلمانوں نے گائے خرید لی، دوسرے ہندوؤں کو معلوم ہونے پر اس عورت کو ڈرایا دھمکایا، اس عورت نے شور مچا کر وہ گائے مسلمانوں کو مجبور کر کے واپس لی، مسلمانوں نے اس عورت کو گائے واپس دے کر پانچ دن خوراک کا ایک روپیہ اور دس روپے منافع اور دس روپے اصل قیمت واپس لے لی۔ اور گیارہ روپے منافع جو لیا تھا، اس میں تین روپے اَور ملا کر دوسری گائے خرید لی۔ اب منافع سے جو دوسری گائے لیکر قربانی کی گئی ہے وہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

= قال العلامة فخر الدين الزيلعي رحمه الله تعالىٰ: "وندب أن يذبح بيده إن علم ذلك؛ لأن الأولى في القربة أن يتولاها الإنسان بنفسه، وإن أمر به غيره فلا يضر؛ لأنه عليه الصلوة والسلام "ساق مأة بدنة، فنحر منها بيده نيفاً وستين، ثم أعطى المدية علياً رضى الله تعالىٰ عنه فنحر الباقي". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۸۷، دارالكتب العلمية بيروت)

"وأن يذبح بيده إن علم ذلك، وإلا يعلمه، شهدها بنفسه ويأمر غيره بالذبح كي لايجعلها ميتة". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۸، سعيد)

(۱) "الأكل من أضحية التطوع والواجب غير المنذور سنةٌ". (إعلاء السنن: ۱۷/۲۶۷، كتاب الأضاحي، باب التصدق بلحوم الأضاحي وغيرها، ادارة القرآن كراچي)

قال العلامة فخر الدين الزيلعي رحمه الله تعالىٰ: "وندب أن لاينقص الصدقة من الثلث؛ لأن الجهات ثلاثة: الإطعام، والأكل، والادّخار لما روينا، ولقوله تعالىٰ: ﴿وأطعموا القانع والمعتر﴾ [سورة الحج: ۳۶]: أى السائل والمعترض للسؤال، فانقسم عليها أثلاثاً، وهذا في الأضحية الواجبة والسنة سواء إذا لم تكن واجبة بالنذر". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۸۶، دارالكتب العلمية بيروت)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: ويأكل من لحم الأضحية الخ) هذا في الأضحية الواجبة والسنة سواء إذا لم تكن واجبة بالنذر". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۷، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی قربانی درست ہوگئی (اس کی قیمت کو اصل قرار دے کر منافع کو صدقہ کرنا دینا چاہئے)(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۲/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۸/ ذیقعدہ/ ۵۵ھ۔

قربانی کی اطلاع پولیس کو دینا

سوال[۸۵۵۳]: اوپر لکھی ہوئی مسمیان نمبر۱ تا نمبر۲ (بظاہر اشخاص کے نام ہیں لیکن اصل نسخہ میں تتبع کر کے سیاق وسباق سے کچھ اندازہ نہ ہوسکا، مخرج) موضع شہورا تیو پوسٹ تھانہ وضلع مذکور الصدر کے ہیں، نیز مسمیان نمبر: ۱ تا ۴ موضع تبو کے رہنے والے جن کا پورا پتہ مذکور ہے ان دونوں گاؤں کے درمیان فاصلہ ایک فرلانگ کا ہے۔امسال بقرعید مورخہ ۲۰/ مارچ ۶۸ء کو ہوئی مسمیان نمبر۱ تا نمبر۲۔نے مورخہ ۱۷/ مارچ/ ۶۸ء کو قربانی کی۔

چونکہ یوپی میں اکثریت کٹر قسم کے ہندوؤں کی ہے اس لئے وہاں کے مسلمانوں کو ضروری ہوگیا ہے کہ وہ مقامی ہندو باشندوں سے مل جل کر رہیں، اپنی طرف سے مسلمان ایسی کوئی بات نہ کرے جس سے ہندوؤں کے دلوں میں کسی قسم کا غیر فطری یا انتقامی جذبہ پیدا ہو، ایسی حالت میں کسی مسلمان کا گائے ذبح کرنا-خواہ اس کا مقصد دینی یعنی قربانی کیوں نہ ہو- اس گاؤں کے رہنے والے مسلمانوں نیز اطراف میں رہنے والے مسلمانوں کو کس قدر جانی و مالی نقصان میں مبتلا کرسکتا ہے، اس کے لئے کسی مثال کی ضرورت نہیں، کیونکہ اخبارات شاہد ہیں کہ صرف گاؤ کشی ، جھوٹا بہانا بنا کر مسلمانوں کو مارا پیٹا اور پھونکا گیا، ان کی بے عزتی کی گئی اور دوسرے نقصان

---

(۱) "رجل اشترى شاةً للأضحية وأوجبها بلسانه، ثم اشترى أخرى، جاز له بيع الأولى في قول أبي حنيفة و محمد رحمهما الله تعالىٰ. وإن كانت الثانية، شراً من الأولى و ذبح الثانية، فإنه يتصدق بفضل مابين القيمتين". (الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الأضحية، الباب الثاني في وجوب الأضحية بالنذر وماهو في معناه: ۲۹۴/۵، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل في صفة الأضحية: ۳۴۷/۳، رشيديه)

اٹھانے پڑے۔

اور یہاں ہمارے گاؤں کے چاروں طرف ہندوؤں کی اکثریت اور آبادی ہے اور چونکہ ہم لوگوں کا پیشہ کھیتی باڑی کا ہے، مقامی اور غیر مقامی ہندووں سے ملے اور قانون کے بغیر ہمارے کام سرانجام نہیں دیئے جاسکتے ہیں اور پھر یوپی میں ذبح گاؤ از روئے تعزیرات ہند ممنوع بھی ہے۔

جب میں نے سنا کہ مسمیان نمبر ۱ تا نمبر ۴ نے ایک عدد گائے ذبح کی ہے تو میں نے قبل اس کے کہ مقامی اور غیر مقامی ہندوؤں کو اس کی اطلاع پہونچتی اور وہ کسی قسم کی کاروائی پر آمادہ ہوتے میں نے مقامی پولیس اسٹیشن کو اطلاع دیدی اور مسمیان نمبر ۱ تا نمبر ۴ کو گرفتار کروایا، کیونکہ اس گائے کے ذبح کرنے میں انہیں چاروں نے حصہ لیا تھا جو ایک ہی گھر کے افراد ہیں۔ میری اس کاروائی سے مقامی ہندوؤں نے کسی قسم کی کوئی جوابی کاروائی نہیں کی اور نہ ہی ان کے دلوں میں کسی قسم کا انتقامی جذبہ پیدا ہوا، بلکہ وہ سب کے سب خاموش رہے اور قانون کے حوالہ کئے گئے۔

افراد کی قانونی کاروائی دیکھتے رہے اور سنتے رہے، لیکن ہم اوپر لکھے ہوئے مسمیان نمبر ۱ تا نمبر ۲ کے اوپر جو مصیبت نازل ہوئی وہ یہ ہے کہ مسمیان نمبر ۱ تا ۴ کے کورٹ میں جانے اور ضمانت پر رہا ہونے کے بعد یہ الزام لگایا گیا ہے کہ ہم دونوں نے شرع محمدی میں مداخلت بے جا کی ہے اور پولیس اسٹیشن کو اطلاع دیکر بھاری شرعی غلطی کی ہے، لہذا گاؤں کے دوسرے مسلمانوں سے مل کر ہم دونوں کا سماجی اور مذہبی بائیکاٹ کرنا اور کرانا چاہتے ہیں۔

اس تحریر کی وجہ اور مقصد یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کو اجتماعی طور پر مالی اور جانی نقصانات سے بچانے کے لئے یا کسی مسلمان کے کئے گئے اس فعل سے جو بربادی اور تباہی دوسرے مسلمانوں پر مسلط ہونے والی تھی بچانے کے لئے ہم دونوں کا اقدام ہمیں مجرم گردانتا ہے اور ہم دونوں بحیثیتِ مسلمان قانونی اور مذہبی مجرم ہیں یا نہیں؟

نمبر ۱: محمد سلیم، نمبر: ۲، طاہر علی بن محمد عیسی خان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قطع نظر اس سے کہ ان چاروں افراد کا مذکورہ اقدام تعزیراتِ ہند کے خلاف ہے یا کہ نہیں آپ نے خود ہی جا کے شکایت اور چغلی کر کے ان کو گرفتار کرادیا، یہ شکایت آپ نے قانونِ حکومت کے احترام کے جذبہ

سے نہیں کی، بلکہ کاشتکاری پیشہ کی وجہ سے ہندوؤں سے مل جل کر رہنا ہوتا ہے(۱)، اگر وہ مشتعل ہوجائیں تو آپ کے کام اور پیشہ میں اندیشہ تھا۔ نیز فساد ہوکر دوسرے مسلمانوں کو بھی نقصان کا اندیشہ تھا، اس وجہ سے آپ نے شکایت کی ہے، مگر آپ کا یہ اندیشہ قطعی اور یقینی نہیں تھا(۲)، ہوسکتا تھا کہ اس قربانی کی اطلاع ہی نہ ہوتی اور کوئی فساد نہ ہوتا۔

یہ بھی ممکن تھا کہ اطلاع ہونے پر بھی ان کے جذبات نہ بھڑکتے اور فساد نہ ہوتا۔ اوران دونوں باتوں کے بھی بظاہر شواہد موجود ہیں، کہیں ایسا بھی ہوا کہ اطلاع نہیں ہوئی۔ اور کہیں ایسا بھی ہوا کہ اطلاع ہوئی مگر فساد نہیں ہوا، تعلقات خوشگوار رہے۔

اور جہاں جہاں مسلمانوں کو جلا دیا گیا اور قتل کیا گیا، جانی و مالی ہر طرح کا نقصان پہونچایا گیا، کیا وہ

---

(۱) قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿و لا تركنوا إلى الذين ظلموا، فتمسكم النار، وما لكم من دون الله من أولياء، ثم لاتنصرون﴾ (سورہ هود: ۱۱۳)

"﴿ولا تركنوا إلى الذين ظلموا﴾: أى لاتميلوا إليهم أدنى ميل، والمراد بهم المشركون كما روى ذلك ابن جرير، وابن حاتم عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما. وفسر الميل بميل القلب إليهم بالمحبة، وقد يفسر بما هو أعم من ذلك كما يفسر ﴿الذين ظلموا﴾ بمن وجد منه مايسمى ظلماً مطلقاً .... ويشمل النهى حينئذ مداهنتهم وترك التغيير عليهم مع القدرة والتزىّ بزيّهم وتعظيم ذكرهم ومجالستهم من غير داع شرعي، وكذا القيام لهم ونحو ذلك .... قالوا: وإذاكان حال الميل فى الجملة إلى من وجد منه ظلم مافى الإفضاء إلى مساس الناسَ النار، فما ظنّك بمن يميل إلى الراسخين فى الظلم كل الميل، ويتهالك على مصاحبتهم منادمتهم. ويتعب قلبه، وقالبه فى إدخال السرور عليهم، ويستنهض الرجل والخبل فى جلب المنافع إليهم، ويبتهج بالتزىّ بزيّهم والمشاركة لهم فى غيّهم، ويمد عينيه إلى مامتعوا به من زهرة الدنيا الفانية". (روح المعانى، (سورة هود: ۱۱۳): ۱۲/۱۵۴، دارإحياء التراث العربى بيروت)

وقال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين اٰمنوا لا تتخذوا عدوى و عدوكم أولياء تلقون إليهم بالمودة﴾ (سورة الممتحنة: ۱)

(۲) "أكثر ما يخاف لا يكون". (قواعد الفقه، ص: ۶۲، الصدف پبلشرز کراچی)

سب کچھ ذبیحۂ گاؤ کی وجہ سے ہوا، ۴۷ء سے اب تک کی تاریخ دیکھئے بہت قلیل واقعات ایسے ملیں گے جہاں یہ چیز بنیادِ فساد تھی، اس قدر قلیل کہ نہ ہونے کے درجہ میں ہے، اصل بنیاد تو اسلام ہے (۱)، بقیہ سب چیزیں تو شاخیں ہیں۔

آپ کی نیت کتنی ہی نیک ہو اور جذبہ کتنا ہی صحیح ہو اور غلط وہم کی وجہ سے ایسا کیا ہو تب بھی گمانِ فساد سے تحفظ کی خاطر ان افراد کو یقینی اور قطعی مصیبت میں تو آپ نے گرفتار کرایا۔ آپ اپنا دل کسی کو چیر کر نہیں دکھلا سکتے، دوسرے تو یہی سمجھیں گے کہ آپ نے غیروں سے مل کر اپنوں کو پھنسوایا، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا ہی تھا کہ دوسروں کے جذبات ٹھنڈے ہوئے اور اپنوں کے مشتعل ہوئے۔

جس طرح آپ کے ان چار کو گرفتار کرانے پر ہندو خوش تھے اور تماشہ دیکھ رہے تھے اور یہ سمجھ رہے تھے کہ آپ بالکل ان کے ہوگئے کہ اپنے بھائیوں کو ان کی وجہ سے گرفتار کرایا، اس طرح وہ اب بھی خوش ہیں اور تماشہ دیکھ رہے ہیں کہ جن بھائیوں کو آپ نے گرفتار کرایا وہ آپ کے نہیں رہے اور آپ کی مخالفت کر رہے ہیں، اس سب کے لڑنے اور مخالفت کرنے میں ان کو کچھ نہیں کرنا پڑا، نہ وہ آپ سے برے بنے، نہ گرفتار شدگان سے، نہ دیگر اہل بستی سے، نہ پولیس سے، نہ بالائی حکومت سے، غور کریں کہ آپ کی اس نیک نیتی کے نتائج کتنے دوررس ہیں۔

اور چونکہ اس قسم کے واقعات بھی پیش آتے رہتے ہیں کہ دوسروں سے سازش کر کے خواہ ان کو خوش

---

(۱) جس طرح بنیادی عقائد اور اصول میں مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کی اتباع سے منع کیا گیا ہے، اسی طرح فروعی مسائل کو بھی ان کی وجہ سے چھوڑ کر ترک کرنا بھی جائز نہیں: قال اللہ تعالیٰ: ﴿و لن ترضی عنک الیهود و لا النصاری حتی تتبع ملتهم﴾ (سورة البقرة: ۱۲۰)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ تحتها: "وقد تطلق على الباطل "كالكفر ملةٌ واحدةٌ". ولا تضاف إليه سبحانه، فلا يقال: ملة الله. ولا إلى آحاد الأمة، والذين يرادفها صدقاً لكنه باعتبار قبول المأمورين؛ لأنه في الأصل الطاعة والانقياد، ولاتحاد ماصدقهما .... وقد يطلق الدين على الفروع تجوزاً .... وأما الشريعة فهي المورد في الأصل، وجعلت اسماً للأحكام الجزئية المتعلقة بالمعاش والمعاد، سواء كانت منصوصةً من الشارع أولا، لكنها راجعة إليه". (روح المعاني، سورة البقرة: ۱/۳۷۱، دارإحياء التراث العربي بيروت)

کرنے کے لئے بطورِ خوشامد یا کسی لالچ کی وجہ سے ان کی مخالفت بھی کی جاتی ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ مقامی یا آس پاس کے اہل علم اور اہل دانش کے سامنے اپنا معاملہ رکھ کر صفائی کر لی جائے تا کہ بدگمانی رفع ہو جائے۔ جو حضرات آپ کے اور وہاں کے حالات سے واقف ہیں ان کی رائے امید ہے کہ اقرب الی الصواب ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱/۸۸ھ۔

طالب علم کے حق میں کتابیں خرید نا نفلی قربانی سے اَولیٰ ہے

سوال[۸۵۵۴]: جس طالب علم پر قربانی واجب نہ ہو اس کو قربانی کرنا اولیٰ ہے یا علم دین کی کتابیں خریدنا اولیٰ ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

علم دین کی کتابیں خریدنا اَولیٰ ہے، لأن نفعه أعم وأشمل (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۱۱/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ذیقعدہ/ ۵۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "لأن الأصل فی الأموال التقرب بالتصدق لا بالإتلاف وهو الإراقة". (بدائع الصنائع، کتاب التضحية، فصل: في كيفية الوجوب: ۲۹۳/۶، دار الكتب العلمية بيروت)

"قال الرحمتي: والحق التفضيل فما كانت الحاجة فيه أكثر والمنفعة فيه أشمل، فهو الأفضل كما وَرَد: "حَجّةٌ أفضل من عشر غزوات". و ورد عكسه. فيحمل على ما كان أنفع، فإذا كان أشجع وأنفع في الحزب فجهاده أفضل من حجه، أو بالعكس فحجه أفضل. وكذا بناء الرباط إن كان محتاجاً إليه أفضل من الصدقة و حج النفل". (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في تفضيل الحج على الصدقة: ۶۲۱/۲، سعيد)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا مات الإنسان، انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعوله". (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الأول، ص: ۳۲، قديمي)

کتاب العقیقة

(عقیقہ کا بیان)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیقہ

سوال [۸۵۵۵]: کتب فقہ کی متعدد کتب مثلاً: مسائل الاربعین وغیرہ میں ۷، ۱۱، ۲۱، دن، مہینہ، سال وغیرہ میں کرنے کی اجازت تحریر ہے۔ اور بعض مولوی مثال دیتے ہیں کہ جناب آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عقیقہ نبوت کے بعد کیا تھا، اس لئے عمر بھر جب چاہیں کرلیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا عقیقہ بعد نبوت کے کیا تھا۔ کیا اس وقت تک احکام عقیقہ کے نازل نہیں ہوئے تھے، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شبہ تھا کہ بچپن میں عقیقہ ہوا یا نہیں جیسا کہ مظاہر حق، باب عقیقہ میں ہے کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عقیقہ کے متعلق شک تھا'' (۱)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرح سفر السعادة، ص: ۴۸۳، میں بھی ایسا ہی لکھا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عقیقہ کا علم نہ تھا، اس لئے اپنا عقیقہ کیا تھا (۲)۔ اس روایت کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح بخاری: ۹/۵۸٤،

---

(۱) ''ایک روایت میں یہ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا عقیقہ ظہورِ نبوت کے بعد کیا تھا، کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ علم نہیں ہوسکا تھا کہ پیدائش کے دن آپ کا عقیقہ ہوا تھا یا نہیں، لیکن اول تو اس روایت کی اسناد ضعیف ہیں ....اھ''۔ (مظاہر حق، باب العقیقة، الفصل الثالث: ۴/۷٦، دار الإشاعت کراچی)

(۲) ''ودر حدیثِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ چنانچہ در بعضِ روایات آمدہ وارد ست کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد از ظہورِ نبوت عقیقۂ خود را چوں وقتِ ولادت معلوم وے نشد کہ کردن یا نہ، ذبح کرد۔ اما در اسناد آں حدیث ضعفے ہست، وخالی از بُعدے ہم نیست۔ واللہ اعلم''۔ (شرح سفر السعادة، باب حج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فصل: در سننِ حضرت نبوی رضی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در عقیقہ، ص: ۳۸۳، نامی گرامی نولِ کشور)

میں نقل کر کے اس کی سند پر کلام کیا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ مظاہر علوم سہارن پور۔

عقیقہ کی مدت

سوال[۸۵۵۶]: حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ (حضرت مولانا محمود الحسن صاحب محدث رحمہ اللہ تعالیٰ کو کہتے ہیں یا کسی اَور کو) نے تعلیقاتِ ترمذی میں حدیثِ عقیقہ کے تحت ۲۱/ یوم تک تحریر فرمایا ہے(۲)، تو کیا بعد ۲۱/ یوم کے محض رسم عقیقہ رہ جاتی ہے یا عمر میں جب چاہیں عقیقہ کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عقیقہ فی نفسہ مباح ہے، اگر بہ نیتِ اتباع کیا جائے تو ثواب ملتا ہے۔ اور اس کا اصلی وقت پیدائش سے ساتواں دن ہے (پیدائش کے دن سے ایک دن پیشتر)(۳)۔ شرح سفر السعادة، ص: ۳۸۳ میں حضرت

---

(۱) "وأخرج ابن أبي شيبة عن محمد بن سيرين قال: لوأعلم أني لم يعق عني، لعققت عن نفسي .... وليس هذا نصاً في منع أن يعق الشخص عن نفسه، بل يحتمل أن يريد أن لا يعق عن غيره إذا كبر. وكأنه أشار إلى أن الحديث الذي ورد أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عق عن نفسه بعد النبوة لايثبت. وهو كذلك. فقد أخرجه البزار من رواية عبدالله بن محرر، وهو عن قتادة عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه، قال البزار: تفرد به عبدالله وهو ضعيف. وأخرجه أبو الشيخ من وجهين آخرين: أحدهما من رواية إسماعيل بن مسلم عن قتادة، وإسماعيل ضعيف أيضاً. وقد قال عبدالرزاق: إنهم تركوا حديث عبدالله بن محرر من أجل هذا الحديث". (فتح الباري، باب العقيقة: ۹/۵۹۵، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "قوله: العقيقة مستحبة: الأفضل في اليوم السابع، وفي اليوم الرابع عشر، والحادي عشرين أيضاً مستحبة، وقال مشائخ الدين: لايبقى الاستحباب بعد هذه الأيام يعني بعد الحادي وعشرين". (التقرير للترمذي لشيخ الهند محمود حسن الديوبندي في بداية جامع الترمذي، أبواب الأضحية: ۱/۴۲، سعيد)

"بعد ولادت ہفتم روز، یا چہاردہم یا بست ویکم وبہمیں حساب یا بعد ہفت ماہ یا ہفت سال عقیقہ باید کرد، الغرض رعایت عدد ہفت بہتراست"۔ (مالا بدمنه فارسی، رساله احكامِ عقيقه، ص: ۱۶۵، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۳) "عن سمرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الغلام مرتهن بعقيقته =

شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اکیسویں روز کی تحدید نہیں کی، بلکہ ۲۱/ روز تک بیان کر کے کہہ دیا: "على هذا القياس" (۱)۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ محدث دیوبندی کو کہتے ہیں ان کا مقصود بھی تحدید نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ، ۳/۱۱/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۳، ذیقعدہ/ ۶۱ھ۔

کیا عقیقہ اکیس روز بعد بھی ہے؟

سوال [۸۵۵۷]: ترمذی جلد اول میں تو یہ ہے کہ "مستحب ہے کہ عقیقہ ۲۱/ یوم تک کرے"۔ اس کے بعد کی کچھ تفصیل نہیں۔ ۲۱/ یوم کے عقیقہ کے جو فضائل ہیں اس سے بچہ محروم رہتا ہے، یا وہی ثواب بعد ۲۱/ یوم بھی ملتا ہے خواہ جب کریں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دوسری بعض کتب میں بھی ایسا ہی ہے لیکن "شرح سفر السعادۃ" (۲) سے بلا قید اوپر نقل کیا

= يذبح عنه يوم السابع، ويسمى، ويحلق رأسه". قال الإمام الترمذي: "والعمل على هذا عند أهل العلم، يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع، فإن لم يتهيأ يوم السابع فيوم الرابع عشر، فإن لم يتهيأ عقّ عنه يوم إحدى وعشرين". (جامع الترمذي: ۱/۲۷۸، أبواب الأضاحي، باب ماجاء في العقيقة، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۷/۱۱۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الذبائح: ۲/۲۳۳، مكتبه ميمنية مصر)

(۱) "وغالب بحکم احادیث برائے عقیقہ روزِ ہفتم ست، چنانچہ معلوم شد۔ ونزد شافعی واحمد رحمہما اللہ تعالیٰ اگر ہفتم روز میسّر نگردد روز چہاردہم کنند، واگر چہاردہم نیز میسّر نگردد بیست ویکم وإلا بیست وہشتم وإلا سی وپنجم، علی هذا القیاس"۔ (شرح سفر السعادت، باب حج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فصل درسنن حضرت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم درعقیقة، ص: ۳۸۳، نامی گرامی منشی نول کشور)

(۲) "وغالب بحکم احادیث برائے عقیقہ روزِ ہفتم ست، چنانچہ معلوم شد۔ ونزد شافعی واحمد رحمہم اللہ تعالیٰ اگر ہفتم روز میسّر نگردد روز=

جاچکا ہے(۱)۔ نیز فتح الباری میں امام رافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ بلوغ سے پہلے پہلے کردیا جائے اس سے تاخیر نہ کی جائے، ورنہ ساقط ہوجائے گا۔تاہم اگر اپنا عقیقہ بعد البلوغ کردے تو درست ہے(۲) ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۱۱/۳ھ۔

بڑی عمر میں عقیقہ

سوال[۸۵۵۸]: میری لڑکی کی عمر بیس سال ہے، کسی وجہ سے اس کا عقیقہ نہ کراسکا۔اگر اب اس کا عقیقہ کراؤں تو کس طرح سے؟

الجواب حامداًومصلياً:

عقیقہ کوئی لازم اور ضروری چیز نہیں، جس کی قضاء لازم ہو، اگر دل چاہتا ہے تو ایک بکری ذبح کرکے کچا گوشت، یا پکا کر تقسیم کردیں، یا کھلادیں، عقیقہ ہوجائے گا(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= چہاردہم کنند۔ واگر چہاردہم نیز میسّر نگردد بیست ویکم، والا بیست وہشتم، والا سی وپنجم علی ہذا القیاس"۔(شرح سفر السعادت، باب حج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فصل درسننِ حضرت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم درعقیقہ، ص: ۳۸۳، نامی منشی نول کشور)

(۱) اس نقل کا اصل نسخہ میں سیاق وسباق سے کچھ پتہ معلوم نہ ہوسکا۔

(۲) "فنقل الرافعي أنه يدخل وقتها بالولادة .... ثم قال: والاختيار أن لا تؤخر عن البلوغ، فإن أخرت عن البلوغ، سقطت عمن كان يريد أن يعق عنه، لكن إن أراد أن يعق عن نفسه فعل". (فتح الباري، كتاب العقيقة، باب إماطة الأذى عن الصبي في العقيقة: ۵۹۴/۹،دارة المعرفة ، بيروت)

"قال: أخبرني عبد الملك، في موضع آخر: أنه قال لأبي عبد الله: فيعق عنه كبيراً، قال: لم أسمع في الكبير شيئاً. قلت: أبوه معسر، ثم فأراد أن لايدع ابنه حتى يعق عنه. قال: لا أدري، ولم أسمع في الكبير شيئاً، ثم قال لي: ومن فعله فحسن". (تحفة المودود بأحكام المولود، ص: ۶۹،بيروت)

"ووقتها بعد تمام الولادة إلى البلوغ .... ويسن أن يعق عن نفسه من بلغ ولم يعق عنه".

(تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الذبائح: ۲۳۳/۲،مكتبه ميمنيه مصر)

(۳) "يستحب لمن ولد له ولدٌ أن يسميه يوم أسبوعه، ويحلق رأسه .... ثم يعق عند الحنق عقيقة =

بالغہ کا عقیقہ اور اس کے بالوں کا حکم

سوال[۸۵۵۹]: ایک لڑکی کی عمر سات برس ہے اور ایک لڑکی بالغہ ہو چکی ہے، اس کا باپ اب ان کا عقیقہ کر رہا ہے۔ تو ان کے بال کاٹنے ہوں گے یا نہیں، یا صرف تھوڑے سے کاٹ کر ان کو وزن کر کے چاندی صدقہ کردے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی دونوں لڑکیوں کے بال نہ کٹوائے (۱)، بکری ذبح کر کے کچا گوشت یا پکا کر غرباء اور احباب کو

= إباحةً على ما في الجامع المحبوبي، أو تطوعاً على مافي شرح الطحاوي. وهي شاة تصلح للأضحية، تذبح للذكر والأنثى، سواء فرق لحمها نيّاً أو طبخه بحموضة أو بدونها مع كسر عظمها، أو لا، واتخاذ دعوة أولا". (ردالمحتار، كتاب الأضحية، قبيل كتاب الحظر والإباحة: ۳۳۶/۶، سعيد)

"إنها إن لم تذبح في السابع ذبحت في الرابع عشر، وإلافقي الحادي والعشرين، ثم هكذا في الأسابيع". (إعلاء السنن، كاتب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۱۷/۱۷، إدارة القرآن كراچي)

"يصنع بالعقيقة مايصنع بالأضحية. عن عطاء قال: يأكل أهل العقيقة، ويهدونها". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۲۷/۱۷، إدارة القرآن كراچي)

"عن الحسن البصري: إذا لم يُعقّ عنك، فعقِّ عن نفسك وإن كنت رَجلاً". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۲۱/۱۷، إدارة القرآن كراچي)

(۱) اسلئے کہ ساتویں دن بچے کے سر کے بال اتارنا مستحب ہے اور سات دن گذرنے کے بعد عقیقہ کے لئے بال اتارنا ثابت نہیں:

"عن الحسن، عن سمرة بن جندب رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الغلام مرتهن بعقيقته، يذبح عنه يوم السابع، ويسمى، ويحلق رأسه". (سنن النسائي: ۱۸۸/۱، كتاب العقيقة، باب متى يعقّ، قديمي)

"ويستحب حلق رأس المولود يوم سابعه". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۱۹/۱۷، إدارة القرآن كراچي)

"عن الحسن البصري: إذا لم يعق عنك، فعق عن نفسك وإن كنت رجلاً". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۲۱/۱۷، إدارة القرآن كراچي)

تقسیم کردے(۱)۔ عقیقہ کا اصل وقت پیدائش سے ساتویں روز ہے، وہ بھی صرف مستحب ہے (۲) لازم اور واجب نہیں ہے۔ بغیر بالوں کے وزن کئے ہی اندازے سے چاندی صدقہ کردے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۸/ ۸۹ھ۔

عقیقہ وقربانی میں فرق

سوال[۸۵۶۰]: عقیقہ کا حکم مثل قربانی کے ہے کہ نہیں؟ اگر ہے تو ایک ران دائی کو اور سری حجام کو اور ہڈیاں توڑنا جو مستحب لکھا ہے تو مثل قربانی کے حکم کہاں ثابت ہوا اور استحباب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل سے ثابت ہے یا حضرات ائمہ کا ارشاد ہے یا فقہاء کا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قربانی واجب ہے(۳)، عقیقہ مباح ہے اور بہت سے بہت مستحب ہے، وہ بھی جبکہ بنیتِ عبادت کیا جائے، دیگر ائمہ کے نزدیک بھی مستحب ہے(۴)، پس حنفیہ کے نزدیک تو کسی حال میں قربانی کے مثل نہیں

---

(۱) "هی شاة تصلح للأضحية تذبح .... سواء فرق لحمها نيئاً أو طبخه". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۳۶، سعيد)

(۲) "يستحب لمن ولد له ولد أن يسميه يوم أسبوعه ويحلق رأسه .... ثم يعق عند الحلق إباحةً على مافي الجامع المحبوبي، أو تطوعاً على مافي شرح الطحاوي". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۳۶، سعيد)

"المذكور أيضاً أنها إن لم تذبح في السابع ذبحت في الرابع عشر، وإلا ففي الحادي والعشرين، ثم هكذا في الأسابيع. وفيه وجه للشافعية أنه إذا تكررت السبعة ثلاث مرات، فات وقت الاختيار. قال الرافعيّ: فإن أخّر حتى بلغ، سقط حكمها في حق غير المولود. وهو مخير في العقيقة عن نفسه". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۷/۱۱۷، إدارة القرآن كراچی)

(۳) كتاب الأضحية: هي واجبة: "(ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۴/۱۶۶، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۴) "هذا وإنما أخذ أصحابنا الحنفية في ذلك بقول الجمهور، وقالوا باستحباب العقيقة لما قال ابن =

اور دوسرے ائمہ کے نزدیک بھی نہیں، کیونکہ واجب اور مستحب میں تفاوتِ عظیم ہے، بلکہ صاحبِ ھدایہ کا رجحان تو اس طرف معلوم ہوتا کہ عقیقہ مکروہ ہے(۱)، عالمگیریہ وغیرہ میں بھی کراہت کی ایک روایت نقل کی ہے:

"العقیقة عن الغلام وعن الجاریة، وهو ذبح شاة فی سابع الولادة، وضیافة الناس، وحلق شعره مباح، لاسنة ولاواجبة، کذافی الوجیز للکردری. وذکر محمد رحمه الله تعالیٰ فی العقیقة: من شاء فعل، ومن شاء لم یفعل. هذا یشیر إلى الإباحة، فیمنع کونها سنةً. وذکر فی الجامع الصغیر: ولا یعق عن الغلام، ولا عن الجاریة، وإنه إشارة إلى الکراهیة، کذا فی البدائع، ۱ھ". هندیه من الکراهیة(۲)، طحطاوی، ص: ۱۶۸(۳)۔

جن حضرات نے لکھا ہے کہ عقیقہ کا حکم مثل قربانی کے ہے(۴)، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عقیقہ کیا جاوے تو ایسے جانور کو ذبح کرے جس میں قربانی کی صلاحیت ہو، ایسا جانور ذبح نہ کیا جائے جس کو قربانی میں ذبح کرنا درست نہیں۔ نیز جس طرح قربانی کے گوشت کا طریقہ ہے کہ خود کھانا احباب کو دینا فقراء کو خیرات کرنا اور آئندہ کے لئے رکھ لینا سب کچھ درست ہے، اسی طرح سے عقیقہ کے گوشت کا حکم ہے۔

اور ہڈی نہ توڑنے کے متعلق امام احمد، امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ استحباب کے قائل ہیں(۵)، حنفیہ کے

= المنذر وغیره". (إعلاء السنن، کتاب الذبائح، باب العقیقة: ۱۱۳/۱۷، إدارة القرآن کراچی)

(۱) لم أجده

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الثانی والعشرون: ۳۶۲/۵، رشیدیه)

(۳) (حاشیه الطحطاوی علی الدرالمختار، کتاب الأضحیة: ۱۶۸/۴، دارالمعرفة بیروت)

(۴) "قال مالک: العقیقة بمنزلة النسک والضحایا، ولایجوز فیها عوراء، ولا عجفاء، ولا مکسورة، ولا مریضة .... ویکسر عظامها، ویأکل أهلها، ویتصدقون". (تحفة المودود بأحکام المولود، الفصل الرابع عشر ص: ۶۴، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۵) "وقال الشافعی: العقیقة سنة واجبة، ویتقی فیها من العیوب مایتقی فی الضحایا .... ولا یکسر عظامها، ویأکل أهلها منها، ویتصدقون". (تحفة المودود بأحکام المولود، ص: ۶۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

"وقال الشافعیة والحنابلة .... ویستحب أن تفصل أعضائها، ولا تکسر عظامها". (الفقه الإسلامی وأدلته، الفصل الثانی العقیقة وأحکام المولود: ۲۷۴۹/۴، رشیدیه)

نزدیک یہ چیز نہیں:

”وهی شاة تصلح تذبح للذكر والأنثى، سواء فرق لحمها نيئاً، أوطبخه بحموضة، أو بدونها مع كسر عظمها أولا، واتخاذ دعوة أولا، اھ“. ردالمحتار: ۲۳۶/۵(۱)۔

”دفن كردنِ سروپا وغيره داخلِ اسراف است، شرعاً اصلے ندارد، وعدمِ شكستن استخوان در بعضِ كتب صرف بغرضِ فالِ نیک نوشة اندام، شرعی ضروری نیست، اھ“. مجموعه فتاوى: ۳۰۲/۲(۲).

”ومن ذلك قول الشافعي وأحمد رحمهما الله تعالىٰ باستحباب عدم كسر عظام العقيقة، وأنها تطبخ أجزاءً كباراً تفاؤلاً بسلامة المولود، مع قول غيرهما إنه مستحب كسر عظمها تفاؤلاً بالذبول وكثرة التواضع وخمودنا رالبشرية، اھ“. ميزان شعرانی: ۵۹/۲(۳)۔

سرنائی کو، ران دائی کو دینا ضروری نہیں، چاہے دے یا نہ دے، یہ محض بے اصل رسم ہے(۴)، بہشتی زیور: ۱۳/۶ عقیقہ کی رسموں کا بیان ملاحظہ فرمائیں (۵)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۷/۶/۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۹/ جمادی الثانیہ/ ۵۷ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۳۵/۶، سعيد)

(۲) لم أجد

(۳) (الميزان الكبرىٰ الشعرانية، باب الأضحية والعقيقة: ۶۸/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۴) ران دائی کو دینا مستحب ہے، لیکن ضروری سمجھنا ناجائز ہے:

”عن جعفر بن محمد عن أبيه رضى الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم بعث عن عقيقة الحسن والحسين إلى القابلة برجلها“. (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة فى العقيقة: ۱۲۱/۱۷، إدارة القران كراچی)

(۵) ”سر، نائی کو اور ران دائی کو دینا ضروری سمجھنا بھی لغو ہے، چاہے دو یا نہ دو، دونوں اختیار ہیں، پھر اپنی من گھڑت جُدی شریعت بنانے سے کیا فائدہ، ران نہ دو اس کی جگہ گوشت دے دو تو اس میں کیا نقصان ہے“۔ (بہشتی زیور، عقیقے کی رسموں کا بیان: ۱۳/۶، مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور)

(وكذا فی مالابد منه، ص: ۱۶۵ مکتبه شرکة علمیه ملتان)

قربانی میں عقیقہ کا حصہ اور ساتویں دن کی رعایت

سوال[۸۵۶۱]: اگر کوئی شخص بڑے جانور میں بنیتِ عقیقہ شریک ہو جائے تو درست ہوگا یا نہیں، جیسے سات حصے ہیں، زید نے اس میں دو حصے قربانی کے لئے اور ایک حصہ اسی جانور میں عقیقہ کا لیا تو ایسی حالت میں عقیقہ درست ہوگا یا نہیں، چاہے پیدائش سے ساتویں دن پڑے یا نہ پڑے، کسی قسم کراہت تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں عقیقہ بھی درست ہے قربانی بھی صحیح ہے، بہ نیت عقیقہ کے جانور میں حصہ خریدنے سے کچھ خرابی نہیں ہوتی، وكذا في الد رالمختار(۱)، والغرر والخانية، ص: ۲۰٤(۲)۔ اور ساتویں دن کی رعایت محض مستحب ہے(۳) جیسا کہ نفسِ عقیقہ بھی بہت سے بہت مستحب ہے واجب نہیں(۴)۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں دو حدیثوں کے تعارض کو رفع کرتے ہوئے

---

(۱) "وكذا لو أراد بعضهم العقيقة عن ولدٍ قد وُلد له من قبل؛ لأن ذلك جهة التقرب بالشكر على نعمة الولد، ذكره محمد رحمه الله تعالىٰ. ولم يذكر الوليمة .... وقد ذكر في "عرر الأفكار" أن العقيقة مباحة على مافي "جامع المحبوبي، أو تطوع على مافي شرح الطحاوي، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲٦/٦، سعيد)

(۲) "ولو نوى بعض الشركاء الأضحية، وبعضهم هدى المتعة .... وبعصهم دم العقيقة لولادة ولدٍ وُلد له في عامه ذلك، جاز عن الكل في ظاهر الرواية". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ۳۵۰/۳، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كعاب التضحية، فصل في شروط جواز إقامة الواجب: ۳۰٦/٦، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "عن بريدة رضى الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "العقيقة لسبع، أو أربع عشرة، أو أحدى وعشرين". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۱۸/۱۷، إدارة القرآن كراچي)

(۴) "وهي مستحبة كما في العالمكيرية". (فيض الباري، كتاب العقيقة: ۳۳۷/۴، خضر راه بک ڈپو ديوبند الهند)

لکھا ہے:

"لکن الجمع بین الروایات بأنه ذبح عنه فی یوم الولادة کبشاً، وفی السابع کبشاً، وبه حصل الجمع"(۱)۔

ایک ذبیحہ یوم ولادت میں کیا اور ایک ساتویں روز کیا۔ لہٰذا اگر ذبح کے دن ساتواں روز نہ ہو اور نیت عقیقہ کی کرلی تب بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے(۲)۔

شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو مصالح ساتویں روز کے بیان فرمائے ہیں، ان کا مقتضی بھی یہی ہے(۳)۔ فیض الباری سے بھی عموم معلوم ہوتا ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

عقیقہ دیر سے کرنے کی صورت میں بچہ کے بالوں کو اتارنے کا حکم

سوال[۸۵۶۲]: بچے کے سر کے بال پیدائش کے ساتویں دن ہی اتروانا ضروری ہے، یا عقیقہ کیا جائے جب اتروایا جائے؟ عقیقہ سے قبل یا بعد بال اترواکر چاندی ہم وزن کرکے خیرات کی جاسکتی ہے، یا عقیقہ تک بالوں کو رکھنا چاہیے؟ چونکہ عقیقہ کرنے کی اب استطاعت نہیں ہے، ایک سال یا دو سال بعد کرنے کا

---

(۱) (مرقاة المفاتیح، کتاب الصید والذبائح، باب العقیقة، الفصل الثانی، (رقم الحدیث: ۴۱۵۳): ۷/۲۴۸، رشیدیه)

(۲) "ولو ذبحها بعد السابع، أو قبله، وبعد الولادة أجزأه". (إعلاء السنن، کتاب الذبائح، باب أفضلیة ذبح الشاة فی العقیقة: ۱۷/۱۱۸، إدارة القرآن کراچی)

(۳) "وأما تخصیص الیوم السابع، فلأنه لابد من فصل بین الولادة والعقیقة، فإن أهله مشغولون بإصلاح الوالدة، والولد فی أول الأمر، فلایکلفون حینئذ مما یضاعف شغلهم. وأیضاً فرب إنسان لایجد شاةً إلا بسعی، فلوسنّ کونها فی أول یوم، لضاق الأمر علیهم. والسبعة أیام مدة صالحة للفصل المعتد به غیر الکثیر". (حجة الله البالغة، العقیقة، العقیقة ذبح فی الیوم السابع للولادة: ۲/۳۸۴، قدیمی)

(۴) "ثم إن الترمذی أجاز بها إلی یوم أحد وعشرین، قلت: بل یجوز إلی أن یموت، لما رأیت فی بعض الروایات أن النبی صلی الله علیه وسلم عق عن نفسه بنفسه". (فیض الباری: ۴/۳۳۷، کتاب العقیقة، خضر راه بک ڈپو دیوبند)

ارادہ ہے تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

الجواب حامداًومصلياً:

عقیقہ ساتویں دن مستحب ہے اگر اس وقت موقع نہ ہو تو چودھویں روز پھر اکیسویں روز، یہ ترمذی شریف میں ہے(۱)۔اس کے بعد اگر کرنا ہو تب بھی پیدائش سے ساتویں روز کی رعایت کرلی جائے (۲)۔عقیقہ خود واجب نہیں بلکہ مستحب ہے (۳) اس کے لئے اتنا اہتمام اور اصرار بھی نہیں کہ کرنا ضروری ہو، سال دوسال بعد عقیقہ کرنا ہو تو اس وقت تک بالوں کا سر پر رکھنا لازم نہیں (۴)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲/۶/۱۳۹۴ھ۔

عقیقہ کے بالوں کو دفن کیا جائے

سوال[۸۵۶۳]: بعد وزن بال عقیقہ کے دفن کردیئے جائیں یا پھینک دیئے جائیں؟

---

(۱) "والعمل على هذا عند أهل العلم يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع، فإن لم يتهيأ يوم السابع، فيوم الرابع عشر، فإن لم يتهيأ، عق عنه يوم إحدى وعشرين". (جامع الترمذي: ۱/۲۷۸،باب ماجاء في العقيقة، سعيد)

(۲) "إنها إن لم تذبح في السابع، ذبحت في الرابع عشر، وإلا ففي الحادي والعشرين، ثم هكذا في الأسابيع". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۱۷/۱۷، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في مالابد منه، ص: ۱۶۵، مكتبه شركه علميه ملتان)

(۳) "وهي (أي العقيقة) مستحبة". (فيض الباري، كتاب العقيقة: ۳۳۷/۴، خضر راه بكڈپو ديوبند)

(۴) اس لئے کہ ساتویں دن بچے کے سر کے بال اتارنا مستحب ہے اور سات دن گزرنے کے بعد عقیقہ کے لئے بال اتارنا ثابت نہیں:

"عن الحسن عن سمرة بن جندب رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الغلام مرتهن بعقيقته يذبح عنه يوم السابع، ويسمّى، ويحلق رأسه". (سنن النسائي، كتاب العقيقة، باب متى يعقّ: ۱۸۸/۲، قديمي)

"ويستحب حلق رأس المولود يوم سابعه". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۱۹/۱۷، إدارة القرآن كراچي)

الجواب حامداًو مصلیاً:

دفن کردے، کذافی کتب الفقه (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفااللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۳/۱۱/۶۱ھ۔

ولیمہ کے ساتھ عقیقہ

سوال[۸۵۶۴]: ایک شخص نے ارادہ کیا کہ شادی میں ولیمہ کے لئے گائے ذبح کرےاور براتیوں کوکھلائے،کسی نے اس کومشورہ دیا کہ اس میں عقیقہ کی بھی نیت کرلو۔لہذااس نے گائے میں تین بچوں اورایک بچی کا عقیقہ کردیا۔آپ مطلع فرمائیں کہ ازروئے شریعت یہ عقیقہ جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

ایک گائے خرید کراس میں چند حصے عقیقہ کے واسطے لے لےاور بعض حصہ میں ولیمہ کے واسطے نیت کرے پھرذبح کردے تب بھی شرعاً درست ہے،حتی کہ قربانی کی گائے میں بھی یہ درست ہے:

"قدعلم أن الشرط قصد القربة من الكل، وشمل إلى مالوكانت القربة واجبةً على الكل أو البعض، اتفقت جهاتها أولا، كالأضحية والإحصار. وكذا لو أراد بعضهم العقيقة عن ولدٍ قد وُلد من قبل. ولم يذكر الوليمة، وينبغي أن تجوز لها؛ لأنها تقام شكراً لله تعالى على

(۱) "فی قصة مارية وإبراهم أنواع من السنن: أحدها: استحباب قبول الهداية .... الحادی عشر: دفن الشعر فی الأرض، ولا يلقى تحت الأرجل". (تحفة المودود بأحكام المولود، ص: ۸۳، دارالكتب العلمية بيروت)

"ويدفن أربعة: الظفر، والشعر، وخرقة الحيض، والدم". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فی البيع: ۴۰۵/۶، سعيد)

"فإذا قلم أظفاره، أو جزّ شعره، ينبغی أن يدفن ذلک الظفر والشعر المجزوز". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر: ۳۵۸/۵، رشيديه)

"موئے سرِ مولود تراشیدہ برابروزنش زریا سیم خیرات نماید، ومو، وناخن اورادفن نماید، وہمچنیں ہمیشہ آنچہ ازجسمِ انسان ازموو ناخن ودنداندوغیرہ جداشودآں رادفن باید کرد برسرِ مولودزعفران یاصندل بمالد"۔(مالابد منه، رساله أحكام عقيقة، ص: ۱۶۵، مكتبه شركه علميه ملتان)

نعمة النكاح، ووردت بها السنة، فإذا قصد بها شكراً أو إقامة السنة، فقد أراد القربة، اهـ".

كذافي الدر المختار: ٤٠٧/٥(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱/۸۹ھ۔

قربانی کے ساتھ عقیقہ

سوال[۸۵۶۵]: قربانی کے جانور میں عقیقہ کرنا کیسا ہے؟ یعنی قربانی کے جانور مثلاً گائے ہو، اس میں پانچ حصے قربانی کے ہوں اور دو حصے جو بچتے ہوں اس کو عقیقہ میں شمار کرلیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو عقیقہ کی دعاء کب پڑھی جائے اور عقیقہ کے حصہ کا گوشت کس طرح تقسیم کیا جائے؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلياً:

جائز ہے، جو دعاء بوقتِ عقیقہ پڑھی جاتی ہے وہ بوقتِ ذبح جب کہ قربانی کی دعاء پڑھے پڑھ دے(۲)

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۶/۶، سعيد)

"ولنا أن الجهات وإن اختلفت صورةً: فهي في المعنى واحد؛ لأن المقصود من الكل التقرب إلى الله عزشانه، وكذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولدٍ وُلدله من قبل. ولم يذكر ما إذا أراد أحدهم الوليمة، وهي ضيافة التزويج، وينبغي أن يجوز". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في شروط جواز إقامة الواجب: ۳۰۶/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

"وكذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد.......... ولم يذكر ما إذا أراد أحدهم الوليمة، وهي ضيافة التزويج، وينبغي أن يجوز". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الثامن: ۳۰۴/۵، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحاية ومالايجوز: ۳۵۰/۳، رشيديه)

(وكذا في حاشيه الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۱۶۶/۴، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "عن قتادة قال: يسمى على العقيقة كما يسمى على الأضحية "بسم الله عقيقة فلان". ومن طريق سعيد عن قتادة نحوه، وزاد: "اللهم منك، ولك عقيقة فلان بسم الله والله أكبر، ثم يذبح". (فتح الباري، كتاب العقيقة، باب إماطة الأذى عن الصبي في العقيقة: ۵۹۴/۹، دارالمعرفة بيروت)

اور گوشت کے تین حصہ کرکے لحمِ اضحیہ کی طرح عمل کرے، خواہ کچا گوشت تقسیم کردے خواہ پکا کردعوت کردے(۱):

"ولوأرادوا القربة والأضحية، أو غيرهما من القرب أجزأهم، سواء كانت القربة واجبةً أو تطوعاً أو وجب على البعض دون البعض، وسواء اتفقت جهة القربة أو اختلفت، بأن أراد بعضهم الأضحية وبعضهم جزاء الصيد، وبعضهم هدى الإحصار، أو بعضهم كفارةً عن شئ أصابه فى إحرامه، وبعضهم هدى التطوع، وبعضهم المتعة أو القران، وهذا قول أصحابنا. كذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولدٍ ولد له قبله، كذاذكر محمد فى فوائد الغنى، اهـ". طحطاوى: ٤/٢٦٦ (٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قربانی کے ساتھ عقیقہ

سوال [۸۵۲۶]: قربانی کی گائے کے ساتھ عقیقہ درست ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو ایک گائے میں ایک قربانی اور چھ لڑکا لڑکی کا عقیقہ اور عقیقہ کے بچہ کا جو بال کے وزن کے برابر چاندی صدقہ دینے کا حکم ہے اب تو بڑا ہوگیا ہے تو ان کے بال کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

قربانی کی گائے میں عقیقہ بھی درست ہے، کسی کا حصہ قربانی کا ہو کسی کا عقیقہ کا (۳)، لیکن سات حصوں

---

(۱) "وسبيلها فى الأكل والهدية والصدقة سبيل الأضحية". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح: ١٢٧/١٧، باب أفضلية ذبح الشاة فى العقيقة، إدارة القرآن كراچى)

"وانه يستحب الأكل منها، والإطعام، والتصدق كما فى الأضحية". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة فى العقيقة: ١١٧/١٧، إدارة القران كراچى)

(۲) (حاشيه الطحطاوى على الدرالمختار، كتاب الأضحية: ١٦٦/٤، دارالمعرفة بيروت)

(۳) "ولنا أن الجهات وإن اختلفت صورةً، فهى فى المعنى واحد؛ لأن المقصود من الكل التقرب إلى الله عزشانه. وكذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولدٍ وُلد له من قبل .... ولم يذكر ما إذا أراد أحدهم=

سے زیادہ نہ ہوں۔ جب بچہ سات روز کا ہو جائے تو عقیقہ مستحب ہے (۱)۔ سر کے بال اترواکران کے برابر چاندی یا سونا خیرات کردیا جائے (۲)، اگر وہ بال باقی نہ رہے بلکہ دوسرے بال نکل آئے تو پھر وہ حکم نہیں رہا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفولہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح سید احمد علی سعید، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۸ھ۔

بڑے جانور میں دو بچوں کا عقیقہ

سوال [۸۵۶۷]: ایک شخص اپنے دو لڑکوں کا عقیقہ کرنا چاہتا ہے، اگر وہ ایک بڑا جانور خرید کرا سے

= الوليمة وهي ضيافة التزويج، وينبغي أن يجوز". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية: ۳۰۶/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الثامن: ۳۰۴/۵، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز من الضحايا ومالايجوز: ۳۵۰/۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۶/۶، سعيد)

(۱) "عن سمرة بن جندب رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "كل غلام رهينة بعقيقته، تذبح عنه يوم سابعة، ويحلق، ويسمى". وقال أبو داؤد: "يسمى" أصح". (سنن أبي داؤد: ۳۴/۲، كتاب الضحايا، باب في العقيقة، مكتبه إمداديه ملتان)

(۲) "عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه، قال: عق رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الحسن بشاة، وقال: "يافاطمة! احلقي رأسه، وتصدقي بزنة شعره فضةً". فوزنته، فكان وزنه درهماً أو بعض درهم". (جامع الترمذي: ۲۷۸/۱، باب ماجاء في العقيقة، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۱۹/۱۷، إدارة القرآن كراچي)

(۳) "العقيقة مشتقة من العق، وهو القطع، قال أبو عبيدة: قال الأصمعي وغيره: العقيقة أصلها الشعر الذي يكون على رأس الولد حين يولد". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۲۰/۱۷، إدارة القرآن كراچي)

دونوں کے عقیقہ میں ذبح کردے تو درست ہے یا نہیں، یا اسے تین حصے اَور تلاش کرنا پڑیں گے؟ اسی طرح اگر قربانی کے دنوں میں قربانی کے جانور میں عقیقہ کیلئے بڑے جانور میں چار حصے لے لے اور تین حصے قربانی کے ہوں تو درست ہے یا نہیں؟

حافظ انصار حسین پکھرایاں ضلع کانپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بڑے جانور میں دو بچوں کا عقیقہ کرنا درست ہے (۱)، اس کی ضرورت نہیں کہ اَور خریدار بھی شریک کئے جائیں۔ ایامِ قربانی میں اگر چار حصے عقیقہ کے واسطے لئے اور تین حصے قربانی کرنے والوں کے اس میں ہیں تو شرعاً قربانی درست ہوجائے گی اور عقیقہ بھی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بڑے جانور میں عقیقہ کے سات حصے

سوال [۸۵۶۸]: قربانی کے علاوہ دیگر ایام میں گائے برائے عقیقہ بحصصِ سبعہ ذبح کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ زید اپنے لڑکے اور لڑکیوں کا عقیقہ ان دونوں میں بجائے بکروں کے گائے میں حصص کرکے عقیقہ ادا کرنا چاہتا ہے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "ولو كانت البدنة أو البقرة بين اثنين فضحيا بها، اختلف المشايخ فيه، والمختار أنه يجوز، ونصف السبع تبع، فلايصير لحماً". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الثامن: ۳۰۵/۵، رشيديه)

"ولو لأحدهم أقل من سبع، لم يجز عن أحد، وتجزئ عمادون سبعة بالأولى". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۱۶/۶، سعيد)

(۲) "وشمل مالو كانت القربة واجبةً على الكل أو البعض، اتفقت جهاتها أولا، كأضحية وإحصار. وكذا لو أراد بعضهم العقيقة عن ولدٍ قد وُلد له من قبل". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۶/۶، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في شروط جواز إقامة الواجب: ۳۰۶/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۱۶۶/۴، دارالمعرفة بيروت)

الجواب حامداًومصلياً:

ایام قربانی کے علاوہ گائے، بھینس، اونٹ مستقل عقیقہ کے لئے ذبح کرنا شرعاً درست ہے، اس میں عقیقہ کے سات حصے ہو سکتے ہیں۔ معجم صغیر میں حدیث شریف موجود ہے(۱)۔ رسالہ "عقیقہ" میں جزئیہ اس سے ماخوذ مذکور ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۶/۱۳۹۴ھ۔

---

(۱) "حدثنا إبراهيم بن احمد بن مروان الواسطى حدثنا عبدالملك بن معروف الخياط الواسطى حدثنا مسعدة بن اليسع عن حريث بن السائب عن الحسن عن أنس بن مالك رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من ولد له ولد فليعقّ عنه من الإبل، أو البقر، أو الغنم".

(المعجم الصغير للطبرانى، باب من اسمه إبراهيم: ۱/۸۴، المكتبة السلفية المدينة المنورة)

(۲) "ولو ذبح بدنةً أو بقرةً من سبعة أولاد، أو اشترك فيها جماعةٌ، جاز، سواء أرادوا كلهم العقيقة، أو أراد بعضهم العقيقة وبعضهم اللحم. قلت: مذهبنا فى الأضحية بطلانها بإرادة بعضهم اللحم، فليكن كذلك فى العقيقة". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة فى العقيقة: ۱۷/۱۱۹، إدارة القرآن كراچى)

"من ولد له غلام، فليعق عنه من الإبل أوالبقر أو الغنم". دليلٌ على جواز العقيقة ببقرة كاملة، أو ببدنة كذلك". (فتح البارى، كتاب العقيقة، باب إماطة الأذى عن الصبى فى العقيقة: ۹/۵۹۳، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا فى إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة فى العقيقة: ۱۷/۱۱۷، إدارة القرآن كراچى)

"وهى فى الجنس والسن والسلامة من العيوب مثل الأضحية من الأنعام من الإبل والبقرة والغنم". (الفقه الإسلامى وأدلته، الفصل الثانى، العقيقة وأحكام المولود، المبحث الأول: العقيقة: ۴/۲۷۴۷، كوئٹه)

"عن قتادة: أن أنس بن مالك رضى الله تعالىٰ عنه كان يعق عن بنيه بالجزور". (تحفة المودود فى أحكام المولود، ص: ۶۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(وإعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة فى العقيقة: ۱۷/۱۱۶، إدارة القرآن، كراچى)

گائے، بھینس میں عقیقہ

سوال[۸۵۶۹]: قربانی کے دنوں کے علاوہ بھینس یا گائے میں عقیقہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً: دولڑکوں اور تین لڑکیوں کی طرف سے ایک کٹرا کر دیا جائے، یا ایک لڑکے کی طرف سے پورا کٹرا کر دیا جائے، تب بھی سنت عقیقہ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ اس میں کسی بچہ کا ساتواں دن پڑے گا کسی کا نہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک بھینس یا گائے میں دولڑکوں اور تین لڑکیوں کے عقیقہ کے حصے تجویز کر کے ذبح کرنا درست ہے(۱)، سالم گائے بھی ایک کی طرف سے کرنا درست ہے۔ اگر ساتواں دن گذر چکا ہے اور کوئی دن ہو جائے تب بھی درست ہے ساتویں دن کی قید محض مستحب ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/ ۷/ ۸۹ھ۔

متعدد بچوں کا عقیقہ ایک بھینس میں

سوال[۸۵۷۰]: عقیقہ میں بکرا بکری ہونا چاہیے یا کٹرا اور بھینس بھی، مثلاً: ہمارے یہاں ایک لڑکا اور دولڑکی ہیں تو ان کی طرف سے دو حصہ لڑکے کے نام سے ایک حصہ لڑکی کے نام سے، پوری بھینس کر دی جائے تو درست ہو جائے گا یا نہیں؟

---

(۱) "ولو ذبح بدنةً أو بقرةً عن سبعة أولاد، أو اشترک فیها جماعة، جاز، سواء أرادوا کلهم العقیقة، أو أراد بعضهم العقیقة، وبعضهم اللحم کما فی الأضحیة". (إعلاء السنن، کتاب الذبائح، باب أفضلیة ذبح الشاة فی العقیقة: ۱۷/ ۱۱۹، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "من ولد له غلام، فلیعق عنه من الإبل، أو البقر، أو الغنم. دلیل علی جواز العقیقة ببقرة کاملة أو ببدنة کذلک". (فتح الباری، باب العقیقة: ۹/ ۵۹۳، دار المعرفة بیروت)

(وکذا فی إعلاء السنن، کتاب الذبائح، باب أفضلیة ذبح الشاة فی العقیقة: ۱۷/ ۱۱۷، إدارة القرآن کراچی)

"عن قتادة عن أنس بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه أنه کان یعق عن بنیه بالجزور". (تحفة المودود بأحکام المولود، الفصل السادس عشر، ص: ۶۵، دار الکتب العلمیة بیروت)

الجواب حامداًومصلیاً:

دولڑکیوں اورایک لڑکے کی طرف سے اگرایک بھینس یا کٹرادوسالہ عقیقہ میں کردیا تب بھی اس کاعقیقہ درست ہوجائے گا، بلکہ سات حصے تک درست ہے(۱) بکراہونالازم نہیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۳/۲۹ھ۔

اضحیہ کےعلاوہ گائے میں عقیقہ کاحصہ

سوال[۸۵۷۱]: عقیقہ میں عیدالاضحیٰ میں توساتویں دن کی قیدتونہیں توکیادرمیان سال میں بھی قیدضروری ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ساتویں دن کی قید مستحب ہے، لازمی نہیں (۳)، جب بھی موقع ہوعقیقہ درست ہوجائے گا،

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت المسئلة السابقة)

(۲) "واستدلال ابن حزم به على بطلان العقيقة بغير الغنم ليس بناهض، فإن غاية مافيه كون الشاة فيها أفضل". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة فى العقيقة: ۱۱۷/۱۷، إدارة القرآن كراچى)

(۳) "عن سمرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كل غلام رهينة بعقيقته، تذبح عنه يوم سابعه، ويسمى فيه، ويحلق رأسه". (تحفة المودود بأحكام المولود، الفصل الثالث فى أدلة الاستحباب، ص: ۳۲، دارالكتب العلمية بيروت)

"عن أم كرز وأبى كرز قال: "نذرت امرأة من ال عبدالرحمن بن أبى بكر: إن ولدت امرأة عبدالرحمن، نحرنا جزوراً، فقالت عائشة رضى الله تعالىٰ عنها: لابل السنة أفضل". قال العلامة ظفر أحمد عثمانى رحمه الله تعالىٰ: فى حديث عائشة رضى الله تعالىٰ عنها الذى أودعناه فى المتن دلالة على استحباب أن لايكسر للعقيقة عظم، وأنه يستحب الأكل منها والإطعام، والتصدق كما فى الأضحية". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة فى العقيقة: ۱۱۵/۱۷، ۱۱۷، إدارة القرآن كراچى)

"وحكى عن الحسن وقتادة أنه مستحب، لما روى فى حديث سمرة رضى الله تعالىٰ عنه عن النبى=

بشرطیکہ بقیہ حصے بھی قربت کی نیت سے ہوں (۱)۔عقیقہ خود بھی لازم نہیں، محض مستحب ہے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، الجواب صحیح: سید احمد علی سعید۔

عقیقہ کی ہڈیاں توڑنا

سوال[۸۵۷۲]: علماء کی زبانی سنا ہے کہ عقیقہ کے گوشت کے سلسلہ میں عوام کا جو یہ خیال ہے کہ اس کی ہڈیوں کو توڑنا نہ چاہیے، یہ بے اصل ہے اور بدعت ہے، لیکن ذیل میں تحفۃ المولود سے چند روایات نقل کرتا ہوں جن سے اس خیال کی تائید معلوم ہوتی ہے:

"وقد ذكر أبو داؤد في كتاب المراسيل: عن جعفر بن محمد عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه: أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال في العقيقة التي عقتها فاطمة عن الحسن والحسين رضي الله تعالىٰ عنهم: "أن ابعثوا إلى القابلة منها برجل، وكلوا وأطعموا، ولاتكسروا منها

= صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "الغلام مرتهن بعقيقته تذبح عنه يوم السابع ويدمى". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ١٢٠/١٧ ، إدارة القرآن كراچی)

"وهي مستحبة كما في العالمكيرية". (فيض الباري، كتاب العقيقة: ٣٣٧/٤، خضر راہ بک ڈپو دیوبند)

(١) "قد علم أن الشرط قصد القربة من الكل، وشمل مالو كان أحدهم مريداً للأضحية عن عامه، وأصحابه عن الماضي، تجوز الأضحية عنه". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ٣٢٦/٦، سعيد)

"ووجه الفرق أن البقرة تجوز عن سبعة بشرط قصد الكل القربة، واختلاف الجهات فيها لايضر". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ٤٨٤/٦، دارالكتب العلمية بيروت)

(٢) "يستحب لمن ولدله ولد أن يسميّه يوم أسبوعه، ويحلق رأسه .... ثم يعق عند الحلق إباحةً على مافي الجامع المحبوبي". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ٣٣٦/٦، سعيد)

"ويستحب حلق رأس المولود يوم سابعه". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ١١٩/١٧ ، إدارة القرآن كراچی)

عظماً". وذكر البيهقي من حديث عبدالوهاب عن عامر الأحول عن عطاء عن أم كرزقالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "عن الغلام شاتان، ومتكافئتان، وعن الجارية شاة". وكان عطاء يقول: تقطع جدولاً، ولايكسر لهاعظم"(۱)۔ کیا صحیح ہے؟

قمرالدین کانپور۔

الجواب حامداًومصلياً:

عوام ہڈیوں کے توڑنے کو ناجائز سمجھتے ہیں، یہ عقیدہ غلط ہے، علماء نے اس کی تردید کی ہے۔ روایتِ منقولہ میں جو کچھ ہے وہ وجوبی حکم نہیں (۲)، بلکہ تفاؤلاً استحبابی چیز ہے (۳)، اگر اسی حد تک رکھا جائے تو ٹھیک

---

(۱) (تحفة المودود بأحكام المولود، الباب السادس في العقيقة وأحكامها، الفصل الثالث عشر، ص: ۶۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وهي شاة تصلح للأضحية تذبح للذكر والأنثى، سواء فرق لحمها نيئاً، أو طبخه بحموضة أو بدونها، مع كسر عظمها أولا، واتخاذ دعوة أولاً". (ردالمحتار، كتاب الأضحية، تبيل: كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۳۶، سعيد)

عقیقہ کے جانور کی ہڈی توڑنا درست ہے: "وهي شاة تصلح للأصحية، تذبح للذكر والأنثى، سواء فرق لحمها نياً، أو طبحت بحموضة أو بدونها، مع كسر عظمها أولا، واتخاذ دعوة أولا، اهـ". (إمداد الفتاوى، كتاب الذبائح والأضحية، فصل في الصيد والعقيقة: ۳/۶۲۰، مكتبه دارالعلوم كراچی)

(۳) "في حديث عائشة الذي أودعناه في المتن دلالةٌ على استحباب أن لايكسر للعقيقة عظم". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۷/۱۱۷، إدارة القرآن كراچی)

"وفيه أيضاً: يستحب أن تفصل أعضاء، ولايكسر شئ من عظامها، فإن كسر فهو خلاف الأولى". (إعلاء السنن: ۱۷/۱۲۱، إدارة القرآن كراچی)

"ولا يكسر عظمها، وإن كسر لم يكره". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الذبائح: ۲/۲۳۳، مكتبه ميمنيه مصر)

"استحب أن لايكسر عظامها تفاؤلاً بسلامة أعضاء المولود، وصحتها، وقوتها". (تحفة المودود بأحكام المولود، ص: ۶۲، دارالكتب العلمية بيروت)

ہے، لیکن اگر اس کو درجۂ واجب دیا جائے تو اس میں کراہت آجائے گی: "الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة" (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

عقیقہ کا سر قصاب کو اجرت میں دینا

سوال [۸۵۷۳] : عقیقہ میں ذبیحہ کا سر بعوضِ ذبح کرائی دینا کیسا ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قربانی میں ذبیحہ کا سر بعوض ذبح کرائی دینا درست نہیں، ہاں! ایسے ہی دے سکتے ہیں۔ عقیقہ میں بھی بہتر ہے کہ قربانی جیسا معاملہ کیا جائے:

"ولا يعطى أجر الجزار منها؛ لأنه كبيع". الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ۵/۳۲۱۔

"ولايعطى أجر الجزار منها، لقوله عليه الصلوة والسلام لعلى رضى الله تعالىٰ عنه: "تصدق بجلالها، وخطامها، ولا تعط أجر الجزار". شامى: ۵/۳۲۱ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۲/۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۲/۵ھ۔

---

(۱) (السعاية فى كشف مافى شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، قبيل فصل فى القرآءة: ۲/۲۶۵، امجد اكیڈمی لاهور)

"كل مباح يؤدى إلى زعم الجهال سنية أمرٍ أو وجوبه، فهو مكروه". (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲/۳۶۷، مكتبه ميمنيه مصر)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۸، سعيد)

"عن الحسن أنه قال: يكره أن يعطى جلد العقيقة والأضحية على أن يعمل به. قلت: معناه: يكره أن يعطى فى أجرة الجازر الطباخ". (تحفة المودود بأحكام المولود، ص: ۷۰، دارالكتب العلمية بيروت)

"ولايعط أجرة الجزار منها شيئاً، أمالو أعطاه لفقره أوعلى وجه الهدية، فلابأس به". (حاشيه الشلبى على تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۸۶، دارالكتب العلمية بيروت)

عقیقہ کہاں کیا جائے، دادیال میں یا نانیال میں؟

سوال[۸۵۷۴]: بچہ کا عقیقہ کرنا داد ہال یعنی باپ دادا کے گھر جہاں بچہ پیدا ہوا ہو اور عقیقہ کا بکرا ذبح کرنا ننہال یعنی لڑکے کے نانا کے وطن میں کیسا ہے؟ جب کہ عقیقہ کے اخراجات کا کفیل بچہ کا باپ ہو، خواہ عقیقہ کہیں ہو یا جہاں بچہ موجود ہو عقیقہ کرنا چاہیں؟ یا بچہ اپنے والدین کے یہاں ہو اور عقیقہ بچہ کے نانا کے یہاں، یا بچہ کے بھائی و باپ کے یہاں جو دوسرے وطن میں ہوں، بکرا ذبح کرنا درست ہے اور شرعاً کوئی نقص تو نہیں کہ بچہ یہاں اور جانور غیر شہر میں ذبح ہو اور وہاں اس کے اعزہ موجود ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس جگہ بچہ ہو اسی جگہ افضل ہے تا کہ بال اتروانے اور ذبح کرنے کا وقت ایک ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۶۱ھ۔

عقیقہ کیلئے جانور خریدا، پھر بچہ مرگیا تو اس کو کیا کریں؟

سوال[۸۵۷۵]: ایک شخص نے اپنے بچہ کے عقیقہ کے واسطے ایک گائے خریدی، اتفاقاً بچہ مرگیا تو اس نے ارادہ ملتوی کر کے گائے بیچ دی اور اس کی کل رقم ایک طالب علم کو بطورِ امداد دیدی۔ کیا اس طالب علم کے لئے وہ رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟ کیا اس شخص پر عقیقہ واجب رہے گا یا نہیں؟ کیا وہ رقم لینا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عقیقہ زیادہ سے زیادہ مستحب ہے، لازم نہیں:

قال ابن عابدینؒ: "ویستحب لمن ولد له ولد أن یسمیه یوم أسبوعه، الخ.......... ثم یعق عند الحلق عقیقةً إباحةً علی ما فی الجامع الصغیر، أو تطوعاً علی مافی شرح الطحطاوی".

---

(۱) "یستحب الذبح قبل الحلق، وصححه النووی فی شرح المهذب". (إعلاء السنن، کتاب الذبائح، باب أفضلیة ذبح الشاه فی العقیقة: ۱۲۶/۱۷، إدارة القرآن کراچی)

شامی مختصراً: ۲۲۸/۵(۱)۔

"العقيقة الخ .... مباحةٌ لاسنة ولا واجبة، كذا في الوجيز الكردري".

عالمگیری: ۲۷۳/۵(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

صحت یاب ہونے پر عقیقہ کرنے کی نذر

سوال[۸۵۷۶]: ایک عورت کی لڑکی بیمار ہوگئی، اس نے منت مانی کہ اگر لڑکی روبصحت ہوگئی تو عقیقہ کروں گی جس میں دو جانور ہوں گے۔ جبکہ لڑکی کے لئے ایک بکری ہے۔ اب ایسی صورت میں عقیقہ کے موقع پر دو جانور ضروری ہیں یا ایک جانور کافی ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان الفاظ سے نذر منت نہیں ہوئی، جب تک یہ نہ کہا کہ "ان دو بکریوں کو ذبح کر کے گوشت صدقہ کروں گی لہذا اگر عقیقہ میں ایک بکری ذبح کرلی تو بھی عقیقہ درست ہوجائے گا(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۱/۸۸ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۳۶/۶، سعيد)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني والعشرون: ۳۶۲/۵، رشيديه)

"وإنما أخذ أصحابنا الحنفية بقول الجمهور، وقالوا باستحباب العقيقة". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب العقيقة: ۱۱۳/۱۷، إدارة القرآن كراچي)

نوٹ: ساتویں دن سے قبل بچہ مرجائے تو اس کا عقیقہ کرنا مستحب ہے:

"ولو مات المولود قبل السابع، استحب العقيقة عندنا". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۲۶/۱۷، ادارة القرآن كراچي)

"وإن مات قبل السابع، عق عنه". (المحلى لابن حزم، كتاب العقيقة: ۲۳۵/۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "ولو قال: إن برئتُ من مرضي هذا، ذبحت شاةً، أو عليّ شاةٌ أذبحها، فبرئ، لايلزمه شئ". (الدرالمختار: ۷۳۹/۳، كتاب الأيمان، سعيد) .... =

گابھن بکری کے دو بچے دینے پر عقیقہ کا ارادہ کرنا

سوال[۸۵۷۷]: میں نے ایک گابھن بکری خریدی اور زبان سے کہا کہ اگر ایک یا دو بچے دے تو لڑکے کا عقیقہ کروں گا، خدا نے دو ہی بچے دیئے۔ بے روزگاری ومقروض ہونے کیوجہ سے سال بھر تک پالنا مشکل معلوم ہورہا ہے۔ خود میرے والد صاحب بھی مصر ہیں کہ ان کو فروخت کردو، خود میں بھی خرچہ سے پریشان ہوں۔ ایسی صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟ فروخت کئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ بوقتِ وسعت خرید کر عقیقہ ہوسکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

صرف اتنا کہنے سے آپ کے ذمہ ان بکریوں کا پرورش کرنا اور سال بھر پورا ہوجانے پر ان کا عقیقہ کے لئے ذبح کرنا ضروری نہیں (۱)، آپ ان کو فروخت کرسکتے ہیں، پھر قربانی کے وقت یا کسی دوسرے وقت بھی عقیقہ کرنا واجب نہیں، آپ کے پاس وسعت ہو اور دل چاہے تو کردیں ورنہ کوئی پکڑ نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۶/۸۷ھ۔

= "(ومن نذر نذراً مطلقاً، أو معلقاً بشرطٍ، وكان من جنسه واجب: أى فرض .... (وهو عبادة مقصودة) .... (ووجد الشرط) المعلق به، (لزم الناذر) كصوم وصلوة، وصدقة".

(الدرالمختار: ۷۳۵/۳، كتاب الأيمان، سعيد)

(وكذا فى الهداية: ۴۶۳/۲، كتاب الأيمان، فصل فى الكفارة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۱) ولو قال: "إن برئتُ من مرضى هذا، ذبحت شاةً، أو عليّ شاة أذبحها، فبرئ، لايلزمه شئ".

(الدرالمختار، كتاب الأيمان: ۷۳۹/۳، سعيد)

"ومن نذر نذراً مطلقاً أو معلقاً بشرط، وكان من جنسه واجب: أى فرض .... وهو عبادة مقصودة .... ووجد الشرط المعلق به، لزم الناذر". (الدرالمختار، كتاب الأيمان: ۷۳۵/۳، سعيد)

(وكذا فى الهداية، كتاب الأيمان، فصل فى الكفارة: ۴۸۳/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) "يستحب لمن ولدله ولدٌ أن يسميه يوم أسبوعه، ويحلق رأسه، ثم يعق عند الحلق إباحةً أو تطوعاً". =

جس بچہ کا عقیقہ نہیں ہوا کیا وہ شفاعت کرے گا؟

سوال[۸۵۷۸]: بغیر عقیقہ کے شیرخوار انتقال کر جائے تو قیامت کے روز ماں باپ کی شفاعت کرے گا یا نہیں؟ اگر نہیں تو والدین کو اس کی شفاعت حاصل کرنے کیلئے کوئی صورت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ بچہ شفاعت نہیں کرے گا، کذافی فیض الباری: ٤/٣٣٧(١)، لیکن حنفیہ کے نزدیک عقیقہ واجب نہیں کہ اس کے ترک پر شفاعت سے محرومی ہو، شفاعت سقط

= (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ٦/٣٣٦، سعيد)

(وكذا في فيض الباري، كتاب العقيقة: ٤/٣٣٧، خضر راه بک ڈپو ديوبند الهند)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب العقيقة: ١٧/١١٣، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية: ٢/٢٣٢، كتاب الذبائح، باب العقيقة، مكتبه ميمنيه مصر)

(١) فیض الباری میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے شفاعت نہ کرنے کا قول منقول نہیں ملا، البتہ "فتح الباری، شرح السنة، تحفة المودود" اور "زاد المعاد" میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول اس طرح نقل کیا گیا ہے:

"وأجود ماقيل فيه ماذهب إليه أحمد بن حنبل رحمه الله تعالىٰ، قال: هذا في الشفاعة، يريد أنه إذا لم يعق عنه، فمات طفلاً، لم يشفع في أبويه". (فتح الباري، كتاب العقيقة، باب إماطة الأذى عن الصبي في العقيقة: ٩/٥٩٤، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في شرح السنة، كتاب الصيد والذبائح، باب العقيقة: ٦/٤٧٤، دارالفكر بيروت)

(وكذا في تحفة المودود بأحكام المولود، الفصل الحادي عشر، ص: ٥٧، دارالكتب العلمية بيروت)

قال الإمام أحمد رحمه الله تعالىٰ: معناه أنه محبوس عن الشفاعة في أبويه والرهن في اللغة: الحبس.

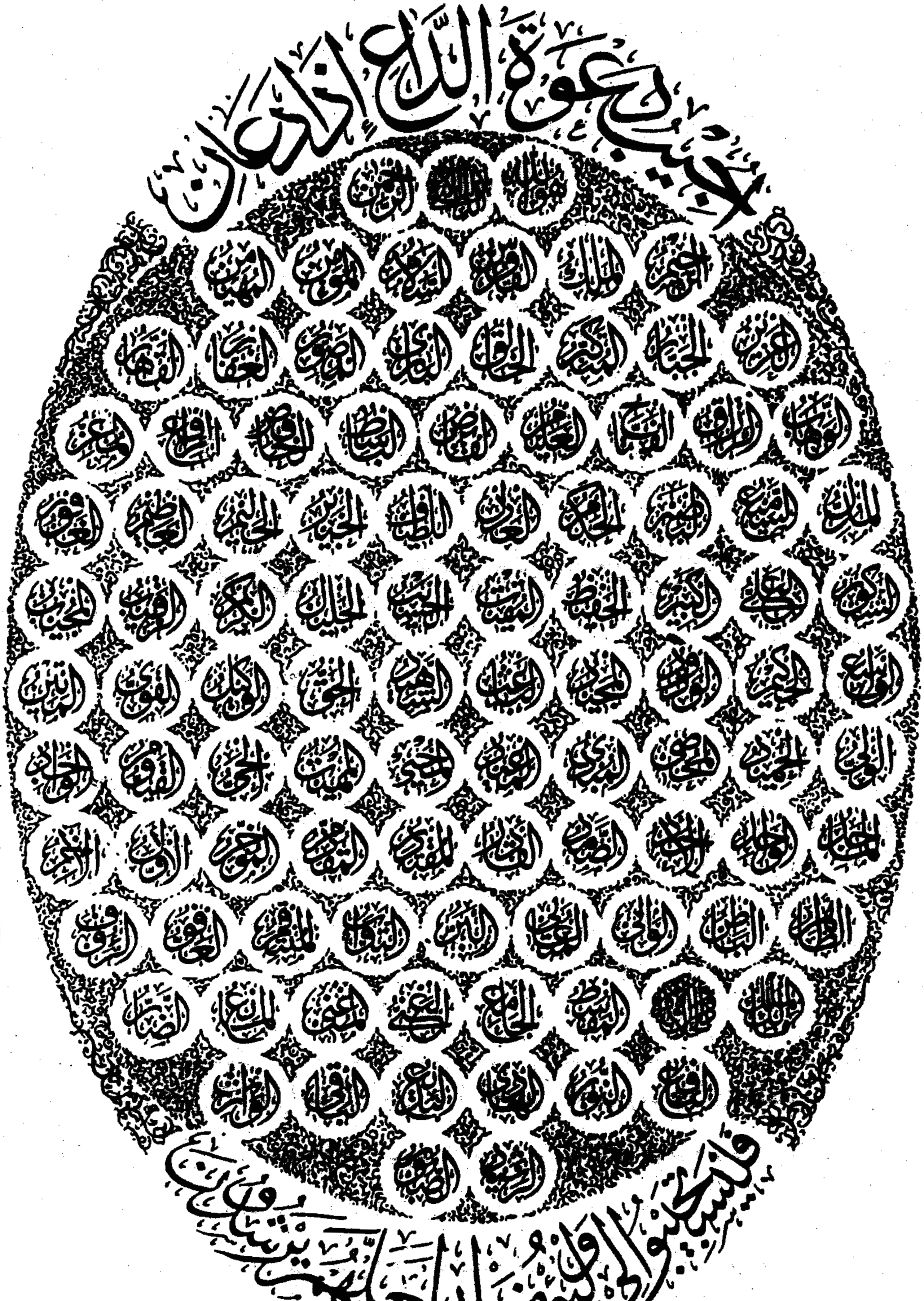
وقال الله تعالىٰ: ﴿كل نفس بما كسبت رهينة﴾ وظاهر الحديث أنه رهنية في نفسه، ممنوع محبوس عن خير يراد به، الخ". (زاد المعاد، فصل في هديه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في العقيقة، ص: ٣٤٦، دارالفكر بيروت)

(ناتمام بچہ جس کا اسقاط ہوجائے) بھی کرے گا(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

(۱) "عن علی رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "إن السقط ليراغم ربه إذا أدخل أبويه النار، فيقال: أيها السقط المراغم ربه! أدخل أبويک الجنة، فيجرّهما بسرره حتى يدخلهما الجنة". قال أبو علی: "يراغم ربه" يغاصب".

عن معاذ بن جبل، عن النبی صلی الله عليه وسلم: "والذی نفسی بيده! إن السقط لَيجرّ أمه بسرره إلى الجنة". (سنن ابن ماجة، أبواب ماجاء فی الجنائز، باب ماجاء فی من أصيب بسقط، ص: ۱۱۵، قديمی)



أجيب دعوة الداع إذا دعان
فليستجيبوا لي وليؤمنوا بي لعلهم يرشدون

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی